

حسن البیان

فی تفسیر القرآن

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي
لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ

یہ شہید قرآن سب سے سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے



سید فضل الرحمن

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اِنْ هَذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ اِلٰى رَبِّهِ سَبِيْلًا ۝ (دھر - ۲۹)

بلاشبہ یہ (قرآن ایک) نصیحت ہے، سو جو چاہے اپنے رب تک پہنچنے کا راستہ اختیار کر لے۔

احسن البیان

فی تفسیر القرآن

حصہ چہارم

تفسیر سورۃ انفال، توبہ، یونس، ہود، یوسف، زمر

سید فضل الرحمن

زوارا کیڈمی پبلی کیشنز

۱- ۱۷/۲، ناظم آباد نمبر ۴،

کراچی نمبر ۱۸- فون: ۶۶۸۴۲۹۰

نام کتاب	احسن البیان فی تفسیر القرآن
حصہ چہارم	تفسیر سورۃ انفال تا سورۃ رعد
تعداد	۱۱۰۰
اشاعت اول	ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ / اپریل ۱۹۹۸ء
کمپوزنگ	بقا کمپوزنگ سرورسز، اردو بازار، کراچی
ناشر	زوار اکیڈمی پبلی کیشنز - کراچی
قیمت	۱۵۰ روپے

ملنے کے پتے

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

اے۔ ۱۷/۲، ناظم آباد نمبر ۳،

کراچی نمبر ۱۸۔ فون: ۶۶۸۴۲۹۰

ادارۃ مجددیہ

۵/۲۔ بیج، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی نمبر ۱۸

مکتبہ برہان

اردو بازار، کراچی

فہرستِ عنوانات

۳۱	مقابلے سے فرار کی ممانعت	۱۱	سورة الانفال
۳۳	مسلمانوں کی غیبی مدد	۱۱	وجہ تسمیہ
۳۵	کفار کو حسرت و عار دلانا	۱۱	تعارف
۳۶	اطاعت رسول کی تاکید	۱۱	مضامین کا خلاصہ
۳۷	جانوروں سے بدتر لوگ	۱۲	مال غنیمت کا حکم
۳۹	احکام رسول کی فوری تعمیل	۱۶	حقیقی مومنوں کے اوصاف
۴۱	آزمائش سے بچنے کی تاکید	۱۶	خوفِ خدا
۴۲	انعامِ خداوندی پر شکر کرنے کی تاکید	۱۶	ایمان میں ترقی
۴۳	خیانت کی ممانعت	۱۷	اللہ پر توکل
۴۵	تقوے کی برکات	۱۷	اقامتِ صلوٰۃ
۴۷	مشرکین کے مکروہ تدبیریں	۱۷	اللہ کی راہ میں خرچ کرنا
۴۹	مشرکین کا متکبرانہ دعویٰ	۱۸	بعض مومنوں کا جنگ سے کترانا
۵۱	نضر کی دعا کا جواب	۲۰	واقعہ بدر
۵۲	عذابِ الہی	۲۴	مشرکین پر غلبے کی بشارت
۵۳	مسجد الحرام کی تولیت کا حق	۲۵	آپ کی دعا
۵۴	عداوتِ اسلام میں مال خرچ کرنا	۲۸	مسلمانوں پر انعاماتِ خداوندی
۵۶	خسارے کی تلافی	۳۰	ایک نعمت کا اظہار

۸۸	سورہ توبہ	۵۷	انسدادِ فتنہ
۸۸	وجہ تسمیہ	۵۹	مال غنیمت کے احکام
۸۸	تعارف	۶۱	محاذِ جنگ کا نقشہ
۸۹	بسم اللہ نہ لکھنے کی وجہ	۶۳	قدرت کا کرشمہ
۸۹	سورت کا سببِ نزول	۶۵	آدابِ جہاد
۹۰	مضامین کا خلاصہ	۶۷	مسلمانوں کو فخر و غرور کی ممانعت
۹۲	عہد شکنوں سے اعلانِ برأت	۶۸	شیطان کا دعویٰ
۹۳	عام اعلانِ برأت	۶۹	منافقوں کی احمقانہ سوچ
۹۵	عہد پورا کرنے والوں کا حکم	۷۰	کافروں کی موت کا حال
۹۶	میشاق حدیبیہ توڑنے والوں کا حکم	۷۱	سابقہ امتوں کے طور طریق
۹۷	پناہ طلب کرنے والے کا حکم	۷۳	یہود کی خباثت
۹۸	اعلانِ برأت کی حکمت	۷۷	عہد شکنی کے اندیشے پر معاہدہ
۹۸	مشرکین کی عاداتِ بد	۷۵	ختم کرنے کا حکم
۱۰۰	کفر کے سرداروں کی بیعتِ کئی کا حکم	۷۶	جہاد کے لئے بھرپور تیاری کا حکم
۱۰۱	کفار سے جنگ کی ترغیب	۷۷	کفار سے صلح کی اجازت
۱۰۳	ایمان کی کسوٹی	۷۸	ایک نعمتِ الہی کا بیان
۱۰۵	مشرکین کے فخر و ناز کا جواب	۸۰	مومنوں کو جہاد کی ترغیب
۱۰۷	مہاجرین و مجاہدین کے فضائل	۸۱	جنگی قیدیوں کے احکام
۱۰۹	کافروں سے ترکِ موالات کا حکم	۸۲	فدیہ کا نعم البدل
۱۱۱	غزوات میں نصرتِ خداوندی	۸۵	مومنوں میں باہمی رفاقت
۱۱۳	مشرکین کے لئے ایک سال کی مہلت	۸۶	کفار کی باہمی رفاقت
۱۱۴	اہل کتاب سے جہاد کا حکم	۸۷	مہاجرین و انصار کے فضائل
۱۱۶	اہل کتاب کے عقائدِ باطلہ	۸۷	

۱۳۵	منافقین کی حرکاتِ بد	۱۱۸	کفار کا حق کو مٹانے کی کوشش کرنا
۱۳۷	منافقوں کی بد بختی	۱۱۹	اجبار و رہبان کا شر و فساد
۱۳۹	منافقوں کی خود فریبی	۱۲۰	مال جمع کرنے کا انجام
۱۵۰	اسلام پر طعن و تشنیع	۱۲۲	اہل عرب کی ایک جاہلانہ رسم
۱۵۱	منافقین کی بد باطنی	۱۲۵	جہاد سے پہلو تہی پر عتاب
۱۵۳	منافقوں کا حال	۱۲۷	تائیدِ نبی
۱۵۴	گزشتہ انبیاء کی تکذیب کا انجام	۱۲۸	جہاد و قتال کی تاکید
۱۵۵	مومنوں کے لئے بشارت	۱۳۰	عتابِ لطیف
۱۵۸	کفار و منافقین سے سختی کا حکم	۱۳۱	منافقین متخلفین کے احوال
۱۵۹	منافقین کی احسان فراموشی	۱۳۳	جد بن قیس کا نفاق
۱۶۲	منافقین کی عہد شکنی کا انجام	۱۳۵	منافقین کا حسد و نفاق
۱۶۶	صدقات پر منافقوں کی طعنہ زنی	۱۳۶	منافقین کے نفقات کا مردود ہونا
۱۶۸	متخلفین منافقین کا دردناک انجام	۱۳۸	منافقوں کی باطنی کیفیت
	منافقوں کو جہاد میں	۱۳۹	تقسیم صدقات پر منافقین کا طعن
۱۷۰	لے جانے کی ممانعت	۱۴۰	مصارفِ صدقات (زکوٰۃ)
۱۷۱	منافقوں کی نماز جنازہ کی ممانعت	۱۴۱	فقراء
۱۷۳	جہاد سے جی چرانے والے	۱۴۱	مساکین
۱۷۴	منافقین کا عذرِ کاذب	۱۴۲	عالمین
۱۷۵	مومنین کا عذرِ صادق	۱۴۳	مؤلفۃ القلوب
۱۷۷	منافقین کا عذر قبول کرنے کی ممانعت	۱۴۴	رقاب
۱۷۹	دیہات کے منافقین کی مذمت	۱۴۴	غارم
۱۸۱	رحمتِ خداوندی کی بشارت	۱۴۴	فی سہیل اللہ
	سہقت و اولیت والے	۱۴۵	مسافر

۲۱۷	سورہ یونس	۱۸۱	مہاجرین و انصار
۲۱۷	درجہ تسمیہ	۱۸۳	کامل منافقین کا ذکر
۲۱۷	تعارف	۱۸۵	مومنین متخلفین کا ایک گروہ
۲۱۷	مضامین کا خلاصہ		مومنین متخلفین کا صدقہ
۲۱۹	حروف مقطعات	۱۸۶	قبول کرنے کا حکم
۲۱۹	قرآن کی عظمت و جلالتِ شان	۱۸۸	مومنین متخلفین کا دوسرا گروہ
۲۱۹	اثبات رسالتِ محمدیہ	۱۸۹	مسجدِ ضرار
۲۲۰	اثباتِ توحید	۱۹۲	اہلِ ضرار کا انجام
۲۲۲	آخرت کی زندگی	۱۹۳	مجاہدین کے فضائل
۲۲۳	عجائبِ قدرت	۱۹۵	مجاہدین کی صفاتِ فاضلہ
۲۲۵	منکرینِ آخرت کا انجام		مشرکین کے لئے دعا، مغفرت
۲۲۵	مومنین صالحین کا انعام	۱۹۸	کی ممانعت
۲۲۷	اللہ تعالیٰ کا لطف و حلم	۱۹۹	مومنوں کو تسلی
۲۲۸	انسان کی احسان فراموشی	۲۰۰	مومنین مخلصین کا ذکر
۲۲۹	سابقہ مجرمین کی ہلاکت		توبہ مؤخر کئے جانے والے انصار
۲۳۰	مشرکین مکہ کی ہرزہ سرائی	۲۰۱	کا مقاطعہ
۲۳۲	ابطالِ شرک	۲۰۹	صادقین کی معیت کا حکم
۲۳۳	مشرکین کی ہٹ دھرمی	۲۰۹	متخلفین کو ملامت
۲۳۵	توحید کا مزید اثبات	۲۱۱	دین کی سمجھ پیدا کرنے کی ضرورت
۲۳۶	انسانی فطرت	۲۱۲	جہاد و قتال کی ترتیب
۲۳۸	حیاتِ دنیا کی مثال	۲۱۳	منافقین کی کج فہمی
۲۳۹	دار السلام	۲۱۵	آپؐ کا کمالِ شفقت و رافت
۲۴۰	اعمال کا بدلہ		

۲۷۳	فرعون اور اس کے لشکر کی غرقابی	۲۳۲	کافروں کی ذلت و رسوائی
۲۷۶	انعامتِ خداوندی	۲۳۳	توحید کے دلائل
۲۷۷	قرآن کی حقانیت	۲۳۵	توحید کی حقیقت
۲۷۹	قوم یونس کا واقعہ	۲۳۷	اعجازِ قرآن
۲۸۰	مشیتِ الہی	۲۳۸	مکذبین قرآن کا انجام
۲۸۱	قدرت کی نشانیوں میں غور کا حکم	۲۵۰	معاندین سے اعراض کا حکم
۲۸۲	دین اسلام کی حقانیت	۲۵۲	مکذبین کی حسرت و ندامت
۲۸۳	اتمامِ حجت	۲۵۳	مکذبین کا انجام
		۲۵۴	عذاب کا مطالبہ
۲۸۶	سورۃ ہود	۲۵۵	عذاب و قیامت کا یقینی ہونا
۲۸۶	وجہ تسمیہ	۲۵۷	محاسن قرآن
۲۸۶	آعارف	۲۵۸	شرکین کے قبیح اعمال
۲۸۷	مفسدین کا خلاصہ	۲۶۰	اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہی
۲۸۸	قرآن کی حقانیت	۲۶۱	اولیاء اللہ کا حال
۲۹۱	اللہ تعالیٰ کا علم محیط	۲۶۲	آپ کو تسلی و بشارت
۲۹۲	اللہ تعالیٰ کا ہمہ گیر علم	۲۶۳	توحید کے دلائل
۲۹۳	قدرتِ کاملہ	۲۶۵	حضرت نوح کا واقعہ
۲۹۶	انسانی فطرت	۲۶۷	قوم عاد و ثمود وغیرہ کے واقعات
۲۹۸	کفار کی ناشائستہ باتیں	۲۶۸	حضرت موسیٰ کا واقعہ
۳۰۰	اہل دنیا کا زعم باطل	۲۶۹	فرعون کا جادو گروں کو جمع کرنا
۳۰۲	اہل دنیا و اہل آخرت کا موازنہ	۲۷۱	توکل اور کثرتِ صلوٰۃ کی تاکید
۳۰۳	مکذبین کے عیوب	۲۷۲	مومنوں کو بشارت
۳۰۸	اہل ایمان کا حال و مال	۲۷۳	حضرت موسیٰ کی دعا

۳۰۹	حضرت نوحؑ کا واقعہ	۳۳۵	حضرت سارہ کو بشارت
۳۰۹	منکبرین کی جہالت آمیز گفتگو	۳۳۶	حضرت ابراہیمؑ کافرشتوں سے مکالمہ
۳۱۰	حضرت نوحؑ کا جواب	۳۳۸	قوم لوط کی بے حیائی
۳۱۳	قوم نوح کی ہٹ دھرمی	۳۳۹	قوم لوط کا جواب
۳۱۴	حضرت نوح کو کشتی بنانے کا حکم	۳۴۰	حضرت لوط کو فرشتوں کی تسلی
۳۱۶	عذاب الہی کی آمد	۳۴۱	قوم لوط پر عذاب
۳۱۷	کشتی پر سوار ہونے کا حکم	۳۴۲	اہل مدین کا واقعہ
۳۱۸	زمین کو پانی نکلنے کا حکم	۳۴۳	قوم مردود کا جواب
۳۱۹	حضرت نوح کی دعا	۳۴۴	قوم کو حضرت شعیب کا جواب
۳۲۱	حضرت نوح کو کشتی سے اترنے کا حکم	۳۴۶	قوم کی ہٹ دھرمی
۳۲۲	غیب کی خبریں	۳۴۷	قوم کو عذاب کی خبر
۳۲۳	حضرت ہودؑ کا واقعہ	۳۴۸	قوم شعیب پر عذاب
۳۲۳	حضرت ہود کی نصیحت	۳۴۹	فرعون کا انجام
۳۲۴	قوم کا جواب		انبیاء کے واقعات بیان کرنے
۳۲۵	حضرت ہود کی پیغمبرانہ جرأت	۳۵۰	کی حکمت
۳۲۷	قوم عاد پر عذاب کا آنا	۳۵۱	کفر و تکذیب کا انجام
۳۲۷	اہل عرب کو خطاب	۳۵۲	اہل محشر کی قسمیں
۳۲۸	حضرت صالحؑ کا واقعہ	۳۵۴	احکام شریعت میں اختلاف کرنا
	حضرت صالحؑ اور قوم کے	۳۵۵	احکام الہی پر استقامت کا حکم
۳۳۰	درمیان گفتگو	۳۵۷	اقامتِ صلوٰۃ کی تاکید
۳۳۱	اوشنی کا معجزہ	۳۵۹	سابقہ امتوں کی ہلاکت کا ظاہری سبب
۳۳۲	قوم صالحؑ پر عذاب	۳۶۰	سابقہ امتوں کی ہلاکت کا باطنی سبب
۳۳۳	حضرت ابراہیمؑ کے مہمان	۳۶۱	مذکورہ واقعات کے بیان کی حکمت

۳۸۳	عزیز مصر کی صاف گوئی	۳۶۲	کافروں کو تنبیہ
۳۸۴	شہر کی عورتوں کی حسیلہ جوئی	۳۶۴	سورۃ یوسف
۳۸۶	حضرت یوسف کی دعا	۳۶۴	وجہ تسمیہ
۳۸۸	حضرت یوسف کو قید کرنا	۳۶۴	تعارف
۳۸۹	حضرت یوسف کا اعلان توحید	۳۶۵	سورۃ یوسف کا سبب نزول
۳۹۰	حضرت یوسف کی تبلیغ	۳۶۵	مضامین کا خلاصہ
۳۹۱	دونوں قیدیوں کے خواب کی تعبیر	۳۶۶	قرآن کرم کی حقانیت
۳۹۲	بادشاہ کا خواب	۳۶۸	حضرت یوسف کا خواب
۳۹۳	بادشاہ کے خواب کی تعبیر	۳۶۹	اللہ کی طرف سے انعامات کا وعدہ
۳۹۵	حضرت یوسف کی رہائی	۳۷۰	عبرت انگیز واقعات
۳۹۶	زلیخا کا اقبال جرم	۳۷۱	قصہ کا آغاز
۳۹۸	تحدیث نعمت		حضرت یوسف کے بھائیوں
۳۹۸	مالیات کے سربراہ کی حیثیت سے تقرر	۳۷۳	کی درخواست
۳۹۹	حضرت یوسف کی حکومت	۳۷۳	حضرت یعقوب کا اندیشہ
۴۰۰	بھائیوں کا غلہ کے لئے آنا	۳۷۵	حضرت یوسف کو کنوئیں میں ڈالنا
۴۰۳	بھائیوں کا واپس جانا		حضرت یعقوب کے سامنے
۴۰۴	بیٹوں سے عہد و پیمان لینا	۳۷۶	بھائیوں کا رونا
۴۰۵	حضرت یعقوب کی بیٹوں کو نصیحت	۳۷۷	حضرت یوسف کو فروخت کرنا
۴۰۷	بنیامین سے خصوصی معاملہ	۳۷۹	عزیز مصر کا حضرت یوسف کو خریدنا
۴۰۷	بھائیوں پر چوری کا الزام	۳۸۰	حضرت یوسف کا امتحان
۴۰۹	بھائیوں کے سامان کی تلاشی		حضرت یوسف کا
۴۱۱	بھائیوں کی درخواست	۳۸۲	دروازے کی طرف بھاگنا
۴۱۱	بھائیوں کا باہم مشورہ کرنا		

۴۳۳	بعث بعد الموت کے منکروں کا انجام	۴۱۳	حضرت یعقوب کا صبر و استقامت
۴۳۵	منکرین کا معجزہ طلب کرنا		بیٹوں کو حضرت یوسف کی
۴۳۶	اللہ تعالیٰ کا علم کامل	۴۱۴	تلاش کا حکم
۴۳۸	قدرت الہی کی نشانیاں	۴۱۵	حضرت یوسف کا اپنے آپ کو ظاہر کرنا
۴۴۰	باطل معبودوں سے دعا کی مثال	۴۱۷	حضرت یوسف کا عفو و درگزر
۴۴۲	مشرکین و منکرین سے سوالات	۴۱۷	حضرت یوسف کی خوشبو
۴۴۳	حق و باطل کا فرق	۴۱۸	بنیائی کی بحالی
۴۴۶	اہل عقل کی صفات	۴۱۹	باپ بیٹوں کا مجددہ تعظیمی
۴۴۸	کافروں کی بد اعمالیوں کا نتیجہ	۴۲۱	حضرت یوسف کی دعا
۴۵۰	منکرین کا معجزے طلب کرنا		محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی
۴۵۱	منکرین کی فطرت	۴۲۱	نبوت کی دلیل
۴۵۲	مشرکین کی فرمائش	۴۲۲	وحدانیت کی نشانیاں
۴۵۵	مشرکین کے باطل عقائد	۴۲۴	خالص توحید کا راستہ
۴۵۷	پرہیزگاری کا بدلہ	۴۲۵	تمام انبیاء کا انسان ہونا
۴۵۹	اللہ تعالیٰ کا مالک و مختار ہونا	۴۲۶	اہل عقل کے لئے عبرت
۴۶۱	آپ کی صداقت پر اللہ کی گواہی		
		۴۲۸	سورۃ رعد
		۴۲۸	وجہ تسمیہ
		۴۲۸	تعارف
		۴۲۸	مضامین کا خلاصہ
		۴۲۹	قرآن کی حقانیت
		۴۳۰	توحید کے دلائل
		۴۳۱	اللہ کی قدرت کاملہ

بسم الله الرحمن الرحيم

سورة الانفال

وجہ تسمیہ: اس سورت میں اموالِ غنیمت کا خاص طور پر بیان ہے، اس لئے اس کو سورہ انفال کا نام دیا گیا ہے۔ یہ سورہ چونکہ معرکہ بدر کے موقع پر نازل ہوئی اس لئے اس کو سورہ بدر بھی کہتے ہیں۔ (معارف القرآن ۴/۱۷۲)

تعارف: یہ سورہ معرکہ بدر کے موقع پر مدینہ منورہ میں نازل ہوئی، جیسا کہ حسن، عکرمہ، جابر بن زید، عطاء وغیرہ ائمہ تفسیر سے منقول ہے۔ ابوالشیخ و ابن مردویہ و نحاس نے بھی حضرت ابن عباسؓ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ سے بھی یہی مروی ہے کہ سورت مدنیہ ہے۔ یہی راجح بلکہ اصح ہے۔ (حقانی ۲/۲۵۳، مواہب الرحمن ۹/۱۷۹)

اس میں دس رکوع، پچھتر آیتیں، ۱۲۵۳ کلمات اور ۵۵۲۲ حروف ہیں۔ سورہ اعراف میں مشرکین اور اہل کتاب کے جہل و عناد اور کفر و فساد اور اس کے متعلقہ مباحث کا بیان تھا۔ اس سورہ کے زیادہ تر مضامین معرکہ بدر میں انہیں لوگوں کے انجام بد، ناکامی اور شکست اور مسلمانوں کی فتح و کامرانی کے بارے میں ہیں۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: پہلے مالِ غنیمت کا حکم بیان کیا گیا ہے پھر کامل اور حقیقی مومنوں کے اوصاف کا بیان ہے۔ اس کے بعد واقعہ بدر، مشرکین پر غلبہ کی بشارت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور اس کی قبولیت کا ذکر ہے۔

رکوع ۲: مسلمانوں پر انعاماتِ خداوندی مثلاً ان پر اونگھ طاری ہونے سے ان کی تکان دور ہونا، بارش کے ذریعہ نرم و یتیلی زمین کو سخت اور چلنے کے قابل کر دینا اور فرشتوں کے ذریعہ دشمن کو مسلمانوں کی تعداد کئی گنا بڑھا کر دکھانا، پھر مسلمانوں

کو کفار کے ساتھ مقابلے سے فرار کی ممانعت اور مسلمانوں کی غیبی مدد کا ذکر ہے۔
آخر میں مشرکین کی دعا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا جواب ہے۔

رکوع ۳: اطاعتِ رسول کی تاکید اور منکرین کو جانوروں سے بدتر قرار دینا، پھر مومنوں کو اللہ تعالیٰ کی آزمائش کا خوف دلانا اور انعاماتِ خداوندی کی یاد دہانی مذکور ہے۔ آخر میں خیانت کی ممانعت بیان کی گئی ہے۔

رکوع ۴: تقویٰ کی برکات، مشرکوں کے مکر اور تدبیریں اور ان کے منکرانہ دعوے کا بیان ہے۔ پھر نضر کی دعا کا جواب، مسجد الحرام کی تولیت کا حق اور بدر کے موقع پر عداوتِ اسلام میں مال خرچ کرنے کا ذکر ہے۔

رکوع ۵: اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشرکین کو خسارے کی تلافی کی پیش کش، بصورتِ دیگر ان سے جہاد و قتال کا حکم اور مالِ غنیمت کے احکام کا بیان ہے۔ پھر واقعہ بدر کے سلسلہ میں محاذِ جنگ کے کچھ حالات مذکور ہیں۔

رکوع ۶: آدابِ جہاد و قتال اور شیطان کا مشرکین کو اطمینان دلانا مذکور ہے۔

رکوع ۷: منافقوں کی احمقانہ سوچ، کافروں کی ذلت و رسوائی کی موت کا حال اور مشرکوں کا سابقہ امتوں جیسے طور و طریق اختیار کرنا بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں یہود کی خباثت کا بیان اور عہد شکنوں سے معاہدہ ختم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

رکوع ۸: جہاد کے لئے بھرپور تیاری کا حکم اور ضرورت و مصلحت کے تحت صلح کی اجازت کا بیان۔ پھر اس انعامِ الہی کا تذکرہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و مہربانی سے باہمی الفت و محبت کی شکل میں مسلمانوں پر فرمایا۔

رکوع ۹: مومنوں کو جہاد کی ترغیب اور جنگی قیدیوں کے احکام کا بیان ہے۔

رکوع ۱۰: فدیہ کا نعم البدل اور مہاجرین و انصار کے مراتب و فضائل بیان کئے گئے ہیں۔

مالِ غنیمت کا حکم

۱۔ یَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ ۖ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۖ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ إِن كُنتُمْ

مُؤْمِنِينَ ۵

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) لوگ آپ سے مالِ غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ مالِ غنیمت تو اللہ تعالیٰ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہے۔ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اپنے باہمی معاملات کی اصلاح کرو اور اگر تم مؤمن ہو تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو۔

انْفَال: یہ نفل کی جمع ہے، جس کے معنی فضل و انعام کے ہیں۔ نفلی نماز، روزہ اور صدقہ کو بھی نفل اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اصل فرائض سے زائد ہیں اور کسی کے ذمہ لازم اور واجب نہیں، بلکہ ان کو کرنے والے اپنی خوشی سے کرتے ہیں قرآن و سنت کی اصطلاح میں لفظ "انفال" کبھی کبھی مطلقاً اموالِ غنیمت کے لئے بولا جاتا ہے، جو جہاد کے وقت کافروں سے حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اکثر یہ لفظ اس انعام کے لئے استعمال ہوتا ہے جو امیرِ جہاد کسی خاص مجاہد کو اس کی کارگزاری کے صلہ میں غنیمت کے حصے کے علاوہ بطور انعام عطا کرے۔ یہاں انفال سے مراد وہ مالِ غنیمت ہے جو کفار سے جنگ میں حاصل ہوتا ہے۔

(حقانی ۲/۳۵۳)

اس امتِ مرحومہ پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص انعام ہے کہ اس نے مسلمانوں کے لئے اس مال کو حلال کر دیا جو کافروں سے جہاد و قتال کے ذریعہ حاصل ہو۔ ورنہ سابقہ امتوں میں سے کسی کے لئے بھی مالِ غنیمت حلال نہ تھا، بلکہ تمام اموالِ غنیمت کو ایک جگہ جمع کر دیا جاتا تھا پھر آسمان سے ایک آگ آکر اس کو جلا کر خاک کر دیتی تھی۔ یہ اس جہاد کے عند اللہ مقبول ہونے کی علامت بھی تھی۔ اگر آسمان سے آگ آگ مالِ غنیمت کو نہ جلاتی تو اس سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ جہاد اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول نہیں، اس لئے مالِ غنیمت کو منحوس و مردود سمجھ کر کوئی استعمال نہ کرتا تھا۔

شانِ نزول: اس آیت کے شانِ نزول میں متعدد روایتیں ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بیان فرماتے ہیں کہ بدر کی لڑائی میں میرا بھائی عمیرؓ شہید ہو گیا تو میں نے اس کے بدلے میں سعید بن عاص کو قتل کر کے اس کی تلوار لے لی۔ پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آج اللہ نے مشرکوں کی طرف

سے میرا دل ٹھنڈا کر دیا، پس آپ یہ تلوار مجھے عطا فرمادیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تلوار نہ میری ہے نہ میری۔ اس کو مالِ غنیمت میں رکھ دے۔ پس میں نے اس کو مالِ غنیمت میں رکھ دیا۔ اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا کہ میرے بھائی کو کس نے قتل کیا اور اس کا سامان لیا۔

ابھی میں تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ سورہ انفال نازل ہوئی۔ اس کے نزول کے بعد آپ نے فرمایا کہ اے سعد! تو نے مجھ سے وہ تلوار مانگی تھی، مگر اس وقت وہ میری نہ تھی۔ اب وہ میری ہو گئی، لہذا اب تم جا کر وہ تلوار لے لو۔ (روح المعانی ۱۶۱/۹، مظہری ۴/۳)

حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ میں نے انفال کے بارے میں حضرت عبادہؓ سے سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ ہمارے ساتھ مجاہدین بدر بھی تھے اور یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب انفال کے لئے ہم میں اختلاف پیدا ہو گیا اور ہم آپس میں تیز و تلخ باتیں کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے بات ہمارے ہاتھ سے لے لی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی۔ پھر آپ نے یہ مالِ غنیمت مسلمانوں میں برابر تقسیم کر دیا۔ (ابن کثیر ۲۸۳/۲، روح المعانی ۱۶۲/۹)

حضرت عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ میں بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست دے دی۔ اب ایک جماعت نے تو دشمن کا تعاقب کیا اور بھاگتوں کو قتل کیا اور قید کیا اور ایک جماعت مالِ غنیمت جمع کر رہی تھی اور ایک جماعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیرے میں لئے ہوئے آپ کی حفاظت کر رہی تھی کہ دشمن آپ کو گزند نہ پہنچائے۔ جب رات ہوئی اور سب لوگ جمع ہو گئے تو جن لوگوں نے مالِ غنیمت کو سمیٹ کر محفوظ کیا تھا وہ کہنے لگے کہ اس کے حقدار صرف ہم ہیں۔ جو لوگ دشمن کے تعاقب میں گئے تھے وہ کہنے لگے کہ ہم نے دشمن کو شکست دی اور بھاگایا اس لئے صرف ہم اس کے حقدار ہیں۔ جن لوگوں نے آپ کی حفاظت کی تھی وہ کہنے لگے ہمیں اس بات کا سخت اندیشہ تھا کہ کہیں دشمن کی طرف سے آپ کو گزند نہ پہنچے اس لئے ہم تو ایک بہت ہی اہم کلمہ میں مصروف تھے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ (ابن کثیر ۲۸۳/۲)

تشریح: یہ آیت جنگ بدر میں حاصل ہونے والے مالِ غنیمت کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس میں انفال کا حکم بتایا گیا ہے کہ مالِ غنیمت کی ملکیت تو اللہ تعالیٰ کی ہے اور اس میں تصرف کرنے کا حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس مال کو مجاہدین میں تقسیم فرمائیں گے۔ پس اے مومنو! تم باہمی اختلاف اور پھوٹ پیدا کرنے سے

اجتناب کرو اور مالِ غنیمت کے بارے میں آپس میں جھگڑانہ کرو۔ چونکہ تم مستحق اور پرہیزگار اور کامل مومن ہو، اس لئے کمالِ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام پر پوری طرح عمل کرو اور ان کی نافرمانی سے بچو اور آپس میں محبت و اخوت اور صلح و سلامتی قائم رکھو۔ اسی میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی رضا ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ناگاہ آپ مسکرائے یہاں تک کہ آپ کے دونوں دندان مبارک کھل گئے تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کس بات پر مسکرائے؟ آپ نے فرمایا کہ میری امت میں سے دو آدمی اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوئے اور ان میں سے ایک نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میرے اس بھائی سے مجھے اس کا عوض دلوا دے جو اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو اپنے بھائی کو اس ظلم کا عوض دے دے جو تو نے اس پر کیا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! اب میری نیکیوں میں سے میرے پاس کچھ باقی نہیں رہا۔ مدعی نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! پھر اس کو چاہئے کہ یہ میرے گناہوں میں سے کچھ گناہ اٹھالے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ استا فرمانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے پھر فرمایا کہ بلاشبہ یہ بڑا بھاری دن ہو گا۔ اس دن لوگ اس بات کے محتاج ہوں گے کہ کوئی ان کے گناہ اٹھالے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مدعی سے ارشاد فرمایا کہ تو اپنی آنکھ اٹھا کر جنت کی طرف دیکھ۔ اس نے اپنا سر اٹھا کر دیکھا تو عرض کرنے لگا کہ اے میرے پروردگار! میں تو چاندی کے شہر اور سونے کے مکانات، موتیوں اور جواہرات سے جزاؤں دیکھتا ہوں۔ یہ کس نبی، کس صدیق اور کس شہید کے لئے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو اس کی قیمت ادا کر دے یہ اسی کے ہیں۔ اس نے عرض کیا کہ اے میرے رب! بھلا اس کے دام کون دے سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو بھی دے سکتا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ اے میرے رب! میرے پاس کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو اپنے بھائی کا ظلم معاف کر دے۔ وہ کہنے لگا کہ اے میرے رب! میں نے معاف کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ اور دونوں جنت میں داخل ہو جاؤ۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۝ (ابن کثیر ۲/۲۸۵،

حقیقی مومنوں کے اوصاف

۲-۲۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تَلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَةُ اللَّهِ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ
 ۰ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۰
 أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ
 وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۰

بیشک مومن تو وہی لوگ ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ اور جب اس کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو اس سے ان کا ایمان اور زیادہ (تروتازہ) ہو جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ جو لوگ نماز قائم کرتے ہیں اور وہ ہمارے دئے ہوئے مال میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں، یہی وہ سچے مومن ہیں جن کے لئے ان کے رب کے پاس بڑے درجے ہیں اور مغفرت اور عزت کی ردی ہے۔

وَجِلَتْ: وہ (دل) ڈر گئے۔ وہ لرز گئے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال اور ہیبت و عزت سے ان کے دل ڈر گئے۔ وہ خوفزدہ ہو گئے۔ وَجُلُّ سے صفت مشبہ۔

تشریح: ان آیتوں میں حقیقی مومنوں کے پانچ اوصاف بیان کئے گئے ہیں:

۱۔ خوفِ خدا: جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے۔ ^۱ اس کی وعید بیان کی جائے تو اس کے جلال و عظمتِ شان اور عزت و ہیبت کے تصور سے ان کے دل دل جاتے ہیں۔ وہ اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں اور اس کی منع کی ہوئی باتوں سے باز رہتے ہیں۔

حضرت ام دردا کہتی ہیں کہ خوفِ خدا سے دل دھڑکنے لگتے ہیں اور بدن میں ایک سوزش سی ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے روٹھے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب یہ کیفیت طاری ہو جائے تو بندے کو چاہئے کہ اس وقت وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے مقصد کی دعا کرے کیونکہ اس وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ (ابن کثیر ۲/۲۸۵)

۲۔ ایمان میں ترقی: جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ ان کی تصدیق کرتے ہیں، جن سے ان کے ایمان میں مزید پختگی اور قلبی اطمینان میں اضافہ ہوتا ہے اور

اعمالِ صالحہ کی طرف ان کی رغبت بڑھ جاتی ہے۔

۳۔ اللہ پر توکل: حقیقی مومن اپنے تمام اعمال و احوال میں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل اعتماد و بھروسہ رکھتے ہیں۔ اس کے سوا کسی سے امید رکھتے ہیں اور نہ خوف۔ جو کچھ مانگنا ہوتا ہے اسی سے مانگتے ہیں، ہر معاملے میں اسی کی طرف جھکتے ہیں، کیونکہ ان کو یقین ہوتا ہے کہ وہی قادر مطلق ہے، وہ جو چاہے گا وہی ہو گا۔ اس کے حکم کے بعد کسی کا حکم نہیں، وہی سریع الحساب ہے۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ توکل یہ نہیں کہ اپنی ضروریات کے مادی اسباب و تدابیر کو ترک کر کے بیٹھ جائے۔ توکل تو یہ ہے کہ مادی اسباب کو اصل کامیابی کے لئے کافی نہ سمجھے بلکہ اپنی قدرت و ہمت کے مطابق مادی اسباب و تدابیر فراہم کرنے کے بعد معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے اور یہ سمجھے کہ اسباب بھی اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور ان اسباب کے ثمرات بھی وہی پیدا کرتا ہے۔ بس وہی ہو گا جو وہ چاہے گا۔

۴۔ اقامتِ صلوٰۃ: حقیقی مومنوں کی چوتھی صفت یہ بتائی کہ وہ صلوٰۃ قائم کرتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ نماز کو پورے آداب و شرائط اور اس کے حقوق کے ساتھ بجالاتے ہیں۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے نماز کے آداب و شرائط بتائے ہیں وہ ان کو اسی طرح بجالاتے ہیں۔

۵۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا: جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کو رزق دیا ہے وہ اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ اس خرچ کرنے میں تمام فرائض و واجبات، صدقات، نفلی صدقات و خیرات حتیٰ کہ عزیز و اقارب، مہمانوں اور دوستوں وغیرہ کی مالی خدمت بھی شامل ہے۔ (ابن کثیر ۲/۲۸۶)

پھر فرمایا کہ جن مومنوں میں یہ پانچ صفات پائی جائیں وہی سچے اور حقیقی مومن ہیں۔ ان لوگوں کا ظاہر و باطن اور قول و فعل سب یکساں ہیں۔ ایسے سچے مومنوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے درجے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں کو معاف فرمادے گا اور ان پر اپنا فضل فرمائے گا اور ان کو ایسی عمدہ روزی عطا فرمائے گا جو محنت و مشقت اور زوال و حساب کے خوف سے خالی ہوگی

طبرانی نے حارث بن مالک کی روایت سے بیان کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا کہ اے حارث! تم نے صبح کیسی کی؟ حارث نے عرض کیا کہ ایک

حقیقی مومن کی حیثیت سے۔ آپؐ نے فرمایا کہ خوب سمجھ لو! ہر شے کی ایک حقیقت ہوتی ہے، سو تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ پس حارثؓ نے عرض کیا کہ میں نے دنیا سے کنارہ کشی کر لی، راتوں کو جاگتا ہوں، دن کو (روزے کے سبب) پیاسا رہتا ہوں اور گویا کہ میں اہل جنت کو باہم ملاقاتیں کرتا دیکھتا ہوں اور گویا کہ میں اہل دوزخ کو مصیبت میں مبتلا دیکھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اے حارثؓ تو نے ایمان کی حقیقت پالی سو تم اس پر قائم رہنے کی کوشش کرو۔ یہ بات آپؐ نے تین بار فرمائی۔ (روح المعانی ۹/۱۶۷)

اہل جنت کے درجات مختلف ہوں گے۔ بعض درجات بہت بلند ہوں گے اور بعض کم بلند اور بعض اس سے بھی کم۔ جو اونچے درجات والے ہوں گے وہ نیچے درجات والوں پر اپنی فضیلت دیکھیں گے اور جو نیچے درجات والے ہوں گے وہ اپنے اوپر کسی کی فضیلت کا گمان نہیں کریں گے کیوں کہ حسد و تمنا اور آرزو جیسے خصال، دنیاوی جسم و قویٰ کی خاصیت ہیں۔ دنیا میں یہ خصلتیں انسان کے اندر اس لئے رکھی گئی ہیں تاکہ ان کے ذریعہ اچھے اور برے میں تمیز ہو سکے۔ آخرت میں ان چیزوں کا وجود ہی نہ ہو گا۔ اس لئے کسی کو بلند درجات میں دیکھ کر کم تر درجے والے کے دل میں حسد و احساس محرومی پیدا نہ ہو گا بلکہ ہر شخص اپنی نعمت اور اپنے حال میں ایسا مگن ہو گا کہ کسی دوسرے کی طرف اس کی توجہ ہی نہ ہو گی۔

صحیحین کی حدیث میں ہے کہ علیین والوں کو ان سے نیچے والے ایسے دیکھیں گے جیسے تم آسمان کے افق پر جگمگاتے ہوئے تارے کو دیکھتے ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کیا انبیاء علیہم السلام کے درجے میں؟ کیا ان کے سوا ان کو کوئی اور نہیں پائے گا؟ آپؐ نے فرمایا کیوں نہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اور لوگ بھی پائیں گے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی۔ (مواہب الرحمن ۹/۱۸۹)

بعض مومنوں کا جنگ سے کترانا

۶۵۔ کَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكُرْهُوْنَ ۝ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ ۚ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ۝

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جس طرح آپ کے پروردگار نے آپ کو آپ کے گھر سے حق کے لئے نکالا اور اہل ایمان کی ایک جماعت اس سے ناخوش تھی، حق بات کے ظاہر ہو جانے کے بعد بھی اس کے بارے میں وہ آپ سے ایسے جھگڑ رہے تھے گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے تھے اور وہ اس کو دیکھ بھی رہے تھے۔

کِرْمُونٌ: کراہت کرنے والے۔ نفرت کرنے والے۔ یہاں صحابہ کرام کا وہ گروہ مراد ہے جس کو معرکہ بدر کے موقع پر جہاد کے لئے نکلنا ناپسند تھا۔ **کِرْلَاؤ** و **کِرْلَاةٌ** سے اسم فاعل

يُسَاقُونَ: وہ ہانکے جاتے ہیں۔ وہ کھینچے جاتے ہیں۔ **سَوَقٌ** سے مضارع مجہول۔

شان نزول: حضرت ابو ایوب انصاریؓ کہتے ہیں کہ ہم مدینے میں تھے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ ابو سفیان قافلہ لے کر آرہا ہے۔ تم لوگوں کی کیا رائے ہے۔ کیا ہم اس قافلے کو روکنے کے لئے نکل پڑیں۔ ممکن ہے کہ تم لوگوں کو کچھ مال و دولت مل جائے۔ ہم نے عرض کیا کہ ضرور چلنا چاہیے۔ چنانچہ ہم نکلے اور ایک یا دو روز چلتے رہے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ کافروں کو اس بات کی خبر ہو گئی ہے کہ تم ان کے قافلے کو روکنے کے ارادے سے نکل چکے ہو۔ لہذا کافروں سے جنگ کے بارے میں اب تمہاری کیا رائے ہے۔ مسلمانوں نے کہا کہ واللہ ہم میں دشمن کے لئے بڑے لشکر سے لڑنے کی طاقت نہیں، ہم تو صرف قافلے کو روکنے کے خیال سے نکلے ہیں۔ آپ نے دوبارہ یہی سوال کیا۔ ہم لوگوں نے پھر یہی جواب دیا۔ اب مقداد بن عمروؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ! ہم اس موقع پر وہ بات نہیں کہیں گے جو حضرت موسیٰ کی امت نے ان سے کہی تھی کہ اے موسیٰ! تم اور تمہارا رب جا کر دشمن سے لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ ہم گروہ انصار نے تمنا کی اور کہا کہ اگر ہم بھی وہی کہتے جو (حضرت) مقداد نے کہا تو یہ بات ہمیں قافلے کا مال مل جانے سے زیادہ پسند ہوتی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(ابن کثیر ۲/۲۸۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے لئے مشورہ کیا اور پھر قریش کے لشکر سے جنگ کا حکم دیا تو مسلمانوں کو یہ جنگ ناپسند ہوئی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر ۲/۲۸۷)

تشریح: ان آیتوں میں واقعہ بدر کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ مومنوں کو مال غنیمت کی تقسیم بھی ایسی ہی ناگوار ہے جیسا کہ اس جنگ کے لئے بحکم الہی آپ کا گھر سے نکلنا ناگوار تھا۔ انہوں نے اپنی قلتِ تعداد و اسلحہ اور دشمن کی کثرتِ تعداد و اسلحہ کے خوف سے یہ کہا تھا کہ آپ تو ہمیں قافلے سے نمٹنے کے لئے لے کر نکلے تھے، ہمیں تو گمان بھی نہ تھا کہ ہمیں جنگ کرنا پڑے گی اور نہ ہم جنگ کے لئے تیار ہو کر گھر سے نکلے تھے۔ جس طرح وہاں ان کی خوشی کا لحاظ نہیں کیا گیا تھا اور ان کو ارادہ اور تیاری کے بغیر دشمن سے بھڑایا تھا اور ان کو دشمن پر فتیاب کر دیا تھا، اسی طرح یہاں بھی لحاظ نہیں اس لئے کہ ان کی عقلیں اللہ تعالیٰ کی مصلحتوں، حکمتوں اور عمدہ نتائج کو نہیں پہنچ سکتیں۔ بندے تو آسانی اور موجودہ فائدہ کو دیکھتے ہیں۔ اس جنگ کے لئے گھر سے نکلنے میں بظاہر تکلیف و مشقت اور دشمن کی کثیر تعداد اور اپنی قلت کے سبب مارے جانے کا خوف تھا۔ مگر اس قتال نے مشرکین مکہ کی کمر توڑ ڈالی۔

مسلمانوں کو معرکہ بدر میں فتح و نصرت مسلمانوں کی قوت و تعداد کے سبب نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد سے حاصل ہوئی۔ پھر جو مال ان کو غنیمت کے طور پر ملا وہ بھی اللہ کا ہے۔ اس لئے اللہ کے پیغمبر اس مال کو اس کے حکم مطابق مسلمانوں میں تقسیم کریں گے۔ (حقانی ۲/۴۵۴، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۰/۳)

واقعہ بدر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینے میں خبر ملی تھی کہ ابو سفیان شام سے مال تجارت لے کر مکہ واپس جا رہا ہے۔ اس تجارت میں مکہ کے تمام قریشی شریک تھے۔ ابن عقبہ کے بیان کے مطابق مکہ کا کوئی قریشی مرد یا عورت باقی نہ تھا جس کا اس میں حصہ نہ ہو۔ اگر کسی کے پاس صرف ایک مثقال (ساڑھے چار ماشے) سونا بھی تھا تو اس نے بھی اس میں اپنا حصہ ڈال دیا تھا۔ ابن عقبہ کہتے ہیں کہ اس قافلے کا کل سرمایہ پچاس ہزار دینار تھا۔ دینار سونے کا ایک سکہ ہے جو ساڑھے چار ماشے کا ہوتا ہے۔ آج کل کے اعتبار سے اس کی قیمت اندازاً ۱۲ کروڑ روپے بنتی ہے۔

آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا اور اس قافلہ کا حال بیان کیا کہ اس میں مال بہت اور

آدمی کم ہیں۔ لہذا تم اس کی طرف نکلو، شاید اللہ تعالیٰ تمہیں یہ اموال عطا کر دے۔ یہ رمضان کا زمانہ تھا۔ پہلے سے کسی جنگ کی تیاری نہ تھی، اس لئے بعض لوگوں نے تو چستی اور ہمت کا اظہار کیا اور بعض نے کچھ پس و پیش کی۔ چنانچہ آپؐ نے بھی سب لوگوں کے لئے اس جہاد کی شرکت ضروری قرار نہیں دی بلکہ یہ حکم دیا کہ جن لوگوں کے پاس سواریاں موجود ہوں وہی ساتھ چلیں سواریاں باہر سے منگوانے کا وقت نہیں۔ اس طرح ساتھ جانے کا ارادہ رکھنے والوں میں سے بھی تھوڑے ہی آدمی تیار ہو سکے۔ یوں بھی لوگوں کو اطمینان تھا کہ یہ محض ایک تجارتی قافلہ ہے۔ اس کے لئے کسی بڑے لشکر کی ضرورت نہیں۔ بیر سقیا سے روانگی کے وقت آپؐ نے لشکر کو شمار کرایا تو ۳۱۳ کی تعداد تھی اور لشکر میں صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے۔ لوگ باری باری انہیں پر سوار ہوتے تھے۔

ادھر ابو سفیان جب حجاز کے قریب پہنچا تو اس نے مختلف سمتوں میں جاسوس روانہ کئے اور راستہ میں جو قافلہ بھی ملتا اس سے مسلمانوں کے بارے میں معلومات حاصل کرتا۔ اس کو خوف تھا کہ کہیں مسلمان اس کے قافلے کو لوٹنے کے لئے اس پر حملہ نہ کر دیں۔ پھر اس کو ایک قافلے کے ذریعہ یہ خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم اس کے قافلے کو روکنے کے لئے صحابہ کی ایک جماعت کے ہمراہ مدینے سے روانہ ہو گئے ہیں۔ اس نے اسی وقت ضمضم بن غفاری کو اجرت دے کر مکہ کی طرف روانہ کر دیا تاکہ وہ جا کر قریش کو خبر کر دے کہ ان کے قافلے کو صحابہ کرام سے خطرہ لاحق ہے۔ جب اہل مکہ کو خبر ملی تو ابو جہل ایک بڑا لشکر لے کر قافلے کو بچانے کے لئے روانہ ہو گیا مگر ابو سفیان راستہ بدل کر مسلمانوں کی زد سے بچ نکلا اور ابو جہل لڑائی کے ارادے سے مقام بدر پر پہنچا۔ اس لشکر میں ایک ہزار جوان، دو سو گھوڑے اور چھ سو زریں تھیں۔ ان لوگوں کے کھانے کے لئے دس اونٹ ذبح ہوتے تھے۔

ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابو سفیان کے تجارتی قافلے کو روکنے کی غرض سے اسی انداز کی تیاری کر کے مدینے سے نکلے تھے۔ بدر کے قریب پہنچ کر آپؐ نے دو آدمیوں کو ابو سفیان کے قافلے کی خبر لانے کے لئے آگے بھیجا۔ مخبروں نے آپؐ کو یہ خبر پہنچائی کہ ابو سفیان کا قافلہ آپ کے تعاقب کی خبر پا کر ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ گزر گیا۔ اس کی حفاظت اور مسلمانوں سے جنگ کے لئے مکہ مکرمہ سے ایک ہزار جوانوں کا لشکر آ رہا ہے۔ اس خبر نے حالات کا رخ پلٹ دیا اور آپؐ نے صحابہ کرام سے قریشی لشکر سے جنگ کے بارے میں مشورہ فرمایا۔

حضرت ایوب انصاریؒ اور بعض دوسرے حضرات نے عرض کیا کہ ہم میں ان کے مقابلے کی طاقت نہیں اور نہ ہم اس قصد سے نکلے تھے۔ اس پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کھڑے ہو کر تعمیل حکم کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر تعمیل حکم اور جہاد کے لئے تیار ہونے کا اظہار کیا۔ پھر حضرت مقدادؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ حکم ملا ہے آپ اس کو جاری کریں، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم ہم وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے کہی تھی کہ اے موسیٰ تم اور تمہارا رب جا کر دشمن سے لڑو، ہم تو ہمیں بیٹھے ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ ہم آپ کے دائیں، بائیں اور آگے پیچھے ہو کر دشمن سے لڑیں گے۔

حضرت مقدادؓ کی گفتگو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور ان کو دعائیں دیں، مگر ابھی تک انصار کی طرف سے موافقت میں کوئی آواز نہیں آئی تھی۔ انصار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد کا جو معاہدہ کیا تھا وہ مدینے کے اندر رہ کر مدد کرنے کا تھا۔ مدینے سے باہر امداد کرنے کے وہ پابند نہ تھے۔ اس لئے آپ نے پھر مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا کہ لوگو! مجھے مشورہ دو کہ اس جہاد پر اقدام کریں یا نہ کریں۔ اس خطاب کا روئے سخن انصار کی طرف تھا۔ حضرت سعد بن معاذ انصاریؓ سمجھ گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ ہم سے پوچھنا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہاں۔ حضرت سعد نے عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ پر ایمان لائے اور اس بات کا اقرار کیا کہ جو کچھ آپ لائے ہیں وہ حق ہے۔ ہم نے آپ سے عہد و پیمان کیا ہے کہ جو کچھ آپ حکم دیں گے، ہم اس کو بجالائیں گے۔ آپ کو شاید یہ اندیشہ ہو کہ انصار اپنی بستیوں میں ہی آپ کی مدد کریں گے (باہر نکل کر نہیں کریں گے) تو میں انصار کی طرف سے عرض کرتا ہوں کہ آپ جہاں چلائیں سفر کریں، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ جس سے تعلق جوڑنا چلائیں جوڑیں اور جس سے ختم کرنا چلائیں کریں، ہمارے مالوں میں سے جتنا چلائیں لے لیں اور جتنا چلائیں ہمیں دے دیں اور جو مال آپ ہمارے پاس چھوڑ دیں گے وہ ہمیں اس مال سے زیادہ محبوب نہ ہو گا جو آپ ہم سے لیں گے۔ خدا کی قسم اگر آپ ہمیں لے کر برک الغمام جانا چلائیں گے تو ہم آپ کے ساتھ چلیں گے اور اگر آپ ہمیں سمندر میں لے جائیں گے تو ہم آپ کے ساتھ اس میں بھی گھس جائیں گے اور ہم میں سے کوئی شخص پیچھے نہیں رہے گا۔ اگر کل دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو ہمیں ناگوار نہ ہو گا۔ ہم لڑائی میں تجربہ کار ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری (جنگی) کارگزاری سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی رکھے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ایک کلام کے لئے نکلے ہوں اور اللہ تعالیٰ دوسری بات پیدا کر دے۔ پس اللہ تعالیٰ کا نام لے کر چلے۔ ہم آپ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے رہیں گے۔

حضرت سعد کی تقریر سن کر آپ کا چہرہ انور چمکنے لگا اور فرمایا کہ اللہ کے نام پر چلو اور خوش ہو جاؤ کہ اللہ نے مجھ سے دو گروہوں (ایک ابوسفیان کا گروہ یعنی قافلہ اور دوسرا ابو جہل کا گروہ) میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے۔ خدا کی قسم میں اس وقت بھی گویا ان لوگوں کی قتل گاہوں کو دیکھ رہا ہوں (کہ ان میں سے کون کس جگہ مارا جائے گا)۔

(ابن کثیر ۲۸۶-۲۸۸/۲، روح المعانی ۱۴۰-۱۴۱/۹، مظہری ۱۶-۱۷/۴)
 بدر پہنچ کر قریش نے توٹیلے اور بطن وادی کے پیچھے اونچی جگہ پر قبضہ کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے حصہ میں نشیبی اور ریتیلے میدان آیا جہاں چلنا بھی دشوار تھا۔ رات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارش ہو گئی جو مشرکوں کی طرف تو نہایت شدید اور موسلا دھار تھی جس سے ان کے لئے چلنا پھرنا دشوار ہو گیا۔ مسلمانوں کی طرف کم بارش ہوئی جس سے وہ نہا بھی لئے، خود بھی پانی پیا، اپنے اونٹوں کو بھی پلایا، اپنے مشکیزے بھی بھر لئے اور اس سے ان کی طرف والی زمین بھی سخت اور ہموار ہو گئی۔

صبح ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی صف بندی شروع کی اور تیر کی مانند صفوں کو سیدھا کیا۔ جب صفیں درست ہو گئیں تو آپ نے حضرت مصعب کو ایک جگہ جھنڈا نصب کرنے کا حکم دیا۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد لوگوں کو جنگ میں ثابت قدم رہنے اور اللہ کی خوشنودی طلب کرنے کی ترغیب دی اور حکم دیا کہ جب دشمن تمہارے قریب ہو جائے تو تیر مارنا اور جب بالکل قریب آجائے تو تلوار سے لڑنا۔

اسی اثنا میں قریش بھی جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ مسلمان بدستور اپنی لائن پر جے رہے سب سے پہلے عتبہ، شیبہ اور ولید نے میدان میں آکر اپنا مبارز (مقابل) طلب کیا۔ حضرت عبیدہ بن الحارث، حضرت حمزہ اور حضرت علی نے نکل کر ان کو واصل جہنم کیا۔ پھر گھمسان کارن پڑا۔ آپ نے حضرت جبرائیل کے اشارے سے ایک مٹھی خاک لے کر اس پر شَآبَتِ الْوُجُوہ (چہرے بگڑ گئے) پڑھتے ہوئے کافروں پر پھینک ماری اور صحابہ کو حکم دیا کہ کافروں پر ٹوٹ پڑو۔ مشرکین میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کی آنکھ میں یہ مٹی نہ پہنچی ہو۔ اس کے ساتھ ہی دشمن بھاگ

کھڑا ہوا۔ اس معرکہ میں صرف ۱۴ مسلمان شہید ہوئے جن میں چھ مہاجر اور آٹھ انصار تھے۔ ادھر مشرکین کو زبردست جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ ان کی اصل طاقت ٹوٹ گئی۔ ان کے سردار و سپہ سالار ایک ایک کر کے مارے گئے۔ (ماخوذ از ہادی، اعظم، ۳۸۶-۵۰۳)

مشرکین پر غلبے کی بشارت

۸-۷ **وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَآ لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشُّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۝**

اور جب اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں سے دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کیا تھا کہ وہ تمہارے ہاتھ لگے گی اور تم چاہتے تھے کہ جس میں کانٹا بھی نہ لگے وہ تمہیں ملے اور اللہ تعالیٰ اپنے کلمات حق کو حق ثابت کرنا اور کافروں کی جڑ کاٹنا چاہتا تھا تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت کر دے اگرچہ مجرم ناپسند ہی کریں۔

الطَّائِفَتَيْنِ : دو گروہ۔ دو جماعتیں۔ دو فرقے۔

تَوَدُّونَ : تم دوست رکھتے ہو۔ تم چاہتے ہو۔ وُدُّ سے مضارع۔

ذَاتِ : والی۔ ذو کا مؤنث۔ جمع ذَوَات۔

الشُّوْكَةِ : جماعت (قافلہ) تکلیف۔ ہتھیار۔ کانٹا۔

دَابِرُ : جڑ۔ بنیاد۔ پچکھاڑی۔ دَبَرٌ وُدُّوْرٌ سے اسم فاعل جمع دو ابر۔

تَشْرِيح : جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو یہ اطلاع ملی کہ قریش کا ایک

عظیم لشکر اپنے تجارتی قافلے کی حفاظت کے لئے مکہ مکرمہ سے روانہ ہو چکا ہے تو اب مسلمانوں کے

سامنے دو جماعتیں تھیں۔ ایک ابوسفیان کا تجارتی قافلہ جو غیر مسلح تھا، دوسرا قریش کا مسلح لشکر جو ہر

طرح کے جنگی ساز و سامان سے لیس تھا۔ پہلی آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مسلمانوں سے ان دو جماعتوں میں سے کسی ایک پر غلبہ کا وعدہ فرمایا

تھا۔ چونکہ تجارتی قافلے پر قبضہ آسان اور خطرات سے خالی تھا اور مسلح لشکر سے مقابلہ دشوار اور خطرات سے پر تھا اور اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق ان میں سے کسی بھی جماعت پر مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو سکتا تھا، اس لئے بہت سے صحابہ کی تمنا اور خواہش یہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس جماعت پر قبضہ کا وعدہ ہوا ہے وہ غیر مسلح تجارتی قافلہ ہو جائے۔

ان لوگوں کو مننبہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم تو شدت و تکلیف کے بغیر مالی فائدے کے لیے غیر مسلح تجارتی قافلے پر قبضہ چاہتے تھے، جبکہ اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ تمہیں بے سرو سامانی کے عالم میں ایسے کثیر التعداد اور ہر طرح کے جنگی ساز و سامان سے لیس لشکر سے بھڑا دے تاکہ حق کا حق ہو ناواضح ہو جائے اور کافروں کی یج کٹی ہو جائے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ بدر میں قریش کے ستر آدمی مارے گئے جن میں ابو جہل سمیت ان کے نامور سردار شامل تھے اور ستر آدمی قید ہوئے۔ اس طرح کفر کی کمر ٹوٹ گئی اور مشرکین مکہ کی بنیادیں ہل گئیں۔ (معارف القرآن ۱۸۹-۱۹۰/۴، تفسیر عثمانی صفحہ ۵۱۳)

آپ کی دعاء

۱۰-۹ اِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَبْ لَكُمْ اِنِّي مُّمِدُّكُمْ بِالْفِ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدٰفِيْنَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بَشْرٰى وَلِيَتَّظَمِنَ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

(اور وہ وقت یاد کرو) جب تم اپنے رب سے فریاد کرنے لگے تو اس نے تمہاری فریاد سن لی کہ میں لگا تار آنے والے ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا اور یہ تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں صرف خوشخبری دی تھی تاکہ تمہارے دلوں کو اطمینان ہو جائے اور فتح تو (جب بھی ہوتی ہے) اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہی زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

تَسْتَغِيثُونَ: تم فریاد کرتے ہو۔ اِسْتَجَابَ: سے مضارع۔
فَاسْتَجَبَ: پس اس نے منظور کر لیا۔ پس اس نے قبول کر لیا۔ اِسْتَجَابَ سے ماضی۔

مُمدِّكُمْ : تمہیں مدد دینے والا۔ اِمدَادُ سے اسم فاعل۔

مُرْدِفِیْن : یکے بعد دیگرے آنے والے۔ پیچھے آنے والے۔ اِرْدَافُ سے اسم فاعل۔

شانِ نزول : حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ بدر کے روز آپؐ نے اپنے ساتھیوں کا شمار کرایا تو وہ تین سو سے کچھ اوپر تھے اور مشرکین کوئی ایک ہزار کی تعداد میں تھے۔ آپؐ نے قبلہ رو ہو کر ہاتھ اٹھائے اور نہایت عجز و انکسار سے دعاء کرنے لگے کہ اے اللہ تو اپنے وعدے کو پورا کر، اے اللہ اپنے وعدے کے مطابق مجھے عطا کر دے۔ اے اللہ! اگر یہ اہل حق کی جماعت ماری گئی تو پھر زمین پر تیرا نام لینے والا کوئی نہ رہے گا اور توحید کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ دعاء کرتے کرتے آپؐ کی چادر مبارک کندھوں سے گر پڑی۔ حضرت ابو بکرؓ نے اٹھا کر آپؐ کے کندھوں پر ڈال دی اور آپؐ کا ہاتھ تھام کر عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! بس کیجئے آپؐ کی دعاء اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی وہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۲۷/۴)

تشریح : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بدر پہنچنے سے پہلے ہی مشرکین مکہ نے بدر کے کنوؤں پر قبضہ کر لیا تھا۔ ان کی تعداد بھی ایک ہزار تھی اور وہ سامانِ حرب سے پوری طرح لیس تھے۔ ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی جو بھوکے، پیاسے اور بے سرو سامان تھے۔ موسم بھی گرمی کا تھا۔ ایسی حالت میں مسلمان اپنے پروردگار سے مدد کے خواہاں اور اس سے فریاد رسی کے امیدوار ہوئے۔

یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ جب آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی دعا قبول کر لی کہ اب میں ایک ہزار فرشتوں سے مدد کروں گا جو صف بہ صف آئیں گے۔

سورۃ آل عمران میں امداد کے لئے آنے والے فرشتوں کی تعداد تین ہزار اور پانچ ہزار ذکر کی گئی ہے۔ اس کی وجہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تین مختلف وعدے ہیں جو مختلف حالات میں کئے گئے۔ سورۃ انفال میں جو ایک ہزار فرشتوں کی مدد کا ذکر ہے وہ پہلا وعدہ تھا اور اس کا سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور عام مسلمانوں کی فریاد تھی۔

پھر جب مسلمانوں کو یہ خبر ملی کہ مشرکین کی مدد کے لئے کرز بن جابرؓ محاربہ مکہ لے کر آ رہا ہے تو ان میں اضطراب پیدا ہو گیا۔ اس پر آل عمران کی آیت ۱۲۴ اَللّٰهُ يَكْفِيْكُمْ۔۔۔۔۔ مِّنْزِلَيْنَ نازل ہوئی۔ جس میں آسمان سے تین ہزار فرشتوں کی امداد نازل کرنے کا وعدہ ہے۔

تیسرا وعدہ اس شرط کے ساتھ تھا کہ اگر تم ثابت قدم اور تقویٰ پر قائم رہے اور دشمن نے ایک دم حملہ کر دیا تو اللہ تعالیٰ پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔ جو خاص نشان یعنی خاص لباس میں ہوں گے۔ (معارف القرآن ۱۹۲ / ۴)

امام احمد، بزار اور حاکم رحمہم اللہ نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا کہ حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ بدر کے دن میں اور حضرت ابو بکرؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ نے ہم میں سے ایک سے فرمایا کہ تمہارے ساتھ جبرائیل ہیں اور دوسرے سے فرمایا کہ تمہارے ساتھ میکائیل ہیں اور اسرافیل ایک عظمت والا فرشتہ ہے جو میدان جنگ میں موجود رہتا ہے مگر صف میں شامل ہو کر لڑتا نہیں۔

محمد بن عمرو اسلمی اور ابن عساکر کا بیان ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے فرمایا کہ میں نے بدر کے دن دو آدمی دیکھے۔ ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں اور دوسرا بائیں جانب تھا۔ دونوں سخت ترین قتال کر رہے تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تیسرا آگیا۔ پھر آپ کے آگے چوتھا آگیا۔

امام احمد، ابن سعد اور ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور بیہقی نے حضرت علیؑ کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت ابوالیسرؓ نے (حضرت) عباسؓ کو گرفتار کیا تھا۔ ابوالیسر گٹھیلے بدن اور چھوٹے قد کے آدمی تھے اور حضرت عباسؓ قد آور تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوالیسر سے دریافت فرمایا کہ تم نے (حضرت) عباسؓ کو کیسے گرفتار کیا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو گرفتار کرنے میں ایک شخص نے میری مدد کی جس کا حلیہ اس طرح کا تھا۔ میں نے اس شخص کو پہلے کبھی دیکھا نہ اس کے بعد۔ آپ نے فرمایا کہ تمہاری مدد ایک بزرگ فرشتے نے کی تھی۔

طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عروہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ بدر کے دن حضرت جبرائیلؑ، حضرت زبیرؓ کی شکل میں زرد عمامہ باندھے ہوئے اترے تھے۔ (مظہری ۳۰ / ۴)۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی امداد ایک تو تمہاری بشارت کے لئے عطا فرمائی تھی اور دوسرے دلوں کے اطمینان کے لئے تاکہ تمہارے دلوں سے وہ خوف دور ہو جائے جو فطری طور پر اپنی قلت و بے سروسامانی اور دشمن کی کثرت و سامان حرب کی فراوانی کے خیال سے تمہارے دلوں میں پیدا ہوا تھا ورنہ اللہ تعالیٰ تو اس بات پر قادر ہے کہ فرشتوں کی مدد کے بغیر

تمہارے ہی ہاتھوں سے تمہارے دشمنوں کو ہلاک کر دے یا خود ہی ان کو ہلاک کر دے۔ جہاں تک فتح و نصرت کا تعلق ہے تو یہ منجانب اللہ ہے۔ فرشتوں کی مدد یا لشکر کی کثرت و قلت اور ساز و سامان وغیرہ میں خود کچھ تاثیر نہیں۔ پس تم ان چیزوں پر بھروسہ مت کرو بلکہ صرف اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرو کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہی حکمت و غلبہ والا ہے۔

دعاء کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو جہاد کی خوب خوب ترغیب دی اور پھر خود بھی جنگ میں شریک ہو گئے۔

ابن سعد اور فریابی کا بیان ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جب بدر کا دن ہوا اور جنگ سامنے آگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے آگے ہو گئے اور ہم نے آپ کی آڑ میں اپنا بچاؤ کیا۔ اس روز آپ سب سے زیادہ جنگجو تھے۔ ہم میں سے کوئی مشرکوں سے اتنا قریب نہ تھا جتنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریب تھے۔ امام احمد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا کہ بدر کے دن کا وہ منظر میرے سامنے ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ لے رہے تھے۔ (مظہری ۳۱/۴)

مسلمانوں پر انعاماتِ خداوندی

۱۱۔ اِذْ يُغَشِّيْكُمْ النَّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَ كُمْ بِهِ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَى قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝

(اور وہ وقت یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ تمہاری تسکین کے لئے اپنی طرف سے تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی برس رہا تھا تاکہ اس کے ذریعہ تمہیں پاک کر دے اور شیطانی ناپاکی (شیطانی وسوسہ) کو تم سے دور کر دے اور تاکہ تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور اس سے تمہارے قدم جمائے۔

يُغَشِّيْكُمْ: وہ تم کو اوڑھاتا ہے۔ وہ تم کو ڈھانک دے گا۔ تغشیۃ سے مضارع۔

النَّعَاسَ: اونگھ۔ جھپکی۔ حواس کی سستی۔ مصدر ہے۔

رِجْزٌ: نجاست۔ عذاب۔ آفت۔ وسوسہ۔

لَيَزِيْزَ بَطْ : وہ باندھتا ہے۔ وہ مضبوط کرتا ہے۔ ربط سے مضارع۔

تشریح : اللہ تعالیٰ کی طرف سے غزوہ بدر میں مومنوں کو جو انعامات عطا ہوئے ان میں سے

پہلا انعام تو اس جہاد کے لئے مسلمانوں کو نکالنا ہے۔ جیسا کہ آیت کما اخرجک ربک میں

مذکور ہے۔ دوسرا انعام فرشتوں کی مدد کا وعدہ ہے۔ جس کا ذکر آیت اذ یعدکم اللہ میں ہے۔

تیسرا انعام دعا کی قبولیت اور مدد کا وعدہ پورا کرنا ہے جو آیت اذ تستغیثون میں مذکور ہے۔

اس آیت میں دو نعمتوں کا ذکر ہے۔

(۱) مسلمانوں پر نیند غالب آکر ان کی پریشانی اور تکان دور ہونا۔

ایک طرف تو مسلمانوں کی قلت اور بے سرو سامانی تھی۔ دوسری طرف مشرکین کی

کثرت اور ان کے پاس ہر طرح کا سامان حرب و ضرب تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ مشرکین مکہ نے پہلے

پہنچ کر بدر کے میدان کے اس حصہ پر قبضہ کر لیا جو پانی سے قریب اور نسبتاً اونچائی پر تھا جبکہ صحابہ

کرام کو میدان کے اس حصہ میں جگہ ملی جو نسبتاً نشیب میں تھا اور ریتلا تھا۔ اس میں چلنا پھرنا

دشوار تھا۔ ان حالات میں طبعی طور پر مسلمانوں کو پریشانی اور فکر لاحق تھی۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ

نے مسلمانوں پر ایک طرح کی نیند اور سکینت نازل فرمادی جس نے ہر مسلمان کو سلا دیا۔ خواہ

اس کا ارادہ سونے کا تھا یا نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ جنگ میں اونگھ آجانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل

شدہ سکینت ہے اور نماز میں اونگھ کا آنا شیطان کی طرف سے ہے۔ اونگھ کا (نزول) دو بار ہوا ایک

بار بدر کی لڑائی میں اور دوسری بار احد کی جنگ میں۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ غزوہ بدر کی رات میں ہم میں سے کوئی باقی نہ رہا جو سونہ گیا

ہو۔ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر ایک درخت کے نیچے نماز پڑھتے رہے اور اللہ

تعالیٰ کے آگے روتے رہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے بنائے ہوئے چھپر میں

حضرت ابو بکر کے ساتھ نماز تہجد میں مشغول تھے۔ اس دوران آپ کو بھی کچھ اونگھ آگئی پھر آپ

مسکراتے ہوئے بیدار ہو گئے اور حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا: اے ابو بکر خوش ہو جاؤ۔ وہ جبرائیل

علیہ السلام ٹیلے کے قریب کھڑے ہیں۔ پھر یہ آیت پڑھتے ہوئے باہر تشریف لے گئے۔ سَيُحْزَمُ

الْجَمْعُ وَيَوْتُونَ الدَّبْرَ عنقریب دشمن کی جماعت ہار جائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گی۔

بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے باہر نکل کر مختلف جگہوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ ابو جہل کی قتل گاہ ہے۔ یہ فلاں کی یہ فلاں کی۔ پھر صبح کو جب جنگ ہوئی تو وہ لوگ ٹھیک انہی مقامات پر قتل ہوئے۔ (ابن کثیر ۲/۲۹۱)

(۲) اس رات مسلمانوں کو دوسری نعمت یہ ملی کہ اللہ تعالیٰ نے بارش کے ذریعہ ان کی پانی کی ضرورت کو پورا کر دیا۔ مشرکین نے مسلمانوں سے پہلے بدر پہنچ کر پانی پر قبضہ کر لیا تھا۔ مسلمان بعد میں بدر پہنچے۔ ان کو نہ تو پانی ملا اور نہ میدان میں ایسی جگہ ملی جو سخت اور چلنے پھرنے کے لئے آسان ہو بلکہ میدان کا وہ حصہ جس میں مسلمانوں نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ نہایت ریتیلّا تھا اور اس میں پاؤں دھنستے تھے۔ اس رات کو جب مسلمانوں کو پیاس نے ستایا اور نماز کے وقت وضو اور غسل سے عاجز ہوئے تو شیطان نے ان کے دلوں میں دوسوہ ڈالا کہ تم اپنے آپ کو حق پر کہتے ہو حالانکہ دشمن تم پر ہر طرح سے فوقیت رکھتا ہے۔ اگر تم حق پر ہوتے اور اللہ کے مقبول ہوتے تو اس پریشانی میں مبتلا نہ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شیطانی دوسوہ کو دور کرنے کے لئے بارش نازل فرمائی۔ مسلمانوں نے خوب پانی پیا، وضو و غسل کیا، سواریوں کو پلایا اور اپنی مشکوں کو بھر لیا۔ میدان جنگ کا وہ حصہ جو مسلمانوں کی طرف تھا اور ریتیلّا تھا وہاں اتنی بارش ہوئی جس سے ریت جم گئی اور اس پر چلنا پھرنا آسان ہو گیا اور مسلمانوں کے دلوں سے شیطانی دوسوہ دور ہو گیا جبکہ میدان کے اس حصے پر جو مشرکوں کے قبضہ میں تھا اتنی شدید بارش ہوئی کہ اس سے وہاں کیچڑ اور پھسلن ہو گئی اور کافروں کے لئے اس پر چلنا پھرنا دشوار ہو گیا۔

ایک نعمت کا اظہار

۱۲-۱۳ اِذْ يُوحِي رَبُّكَ اِلَى الْمَلَائِكَةِ اَنۡيۡ مَعَكُمْ فَثَبَّتُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا
سَالِقِیۡ فِیۡ قُلُوۡبِ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا الرَّعۡبَ فَاُضۡرِبُوۡا فَوْقَ
الْاَعۡنَاقِ وَاُضۡرِبُوۡا مِنْهُمۡ كُلَّ بَنَآءٍ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ شَاقُوۡا
اللّٰهَ وَرُسُلَهٗ وَمَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرُسُلَهٗ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیۡدُ
الْعِقَابِ ۝ ذٰلِكُمْ فَذُقُوۡهُۤ اِنَّ لِلْكَافِرِیۡنَ عَذَابَ النَّارِ ۝

جب آپ کا پروردگار فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں سو

تم مومنوں کو ثابت قدم رکھو۔ میں ابھی کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں۔ سو تم ان کی گردنوں پر مارو اور ان کے ہر ایک جوڑ پر مارو۔ یہ اس بات کی سزا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو سخت عذاب دیتا ہے۔ یہ تو تم چکھ لو اور جان لو کہ کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب ہے۔

فَوْقَ: اوپر۔ اونچا۔ ظرف مکان ہے۔

أَعْنَاقِ: گردنیں۔ واحد عُنُقٌ۔

بَنَانٍ: پوریں۔ انگلیوں کے سرے۔ واحد بُنَانَةٌ۔

شَاقِقًا: وہ مخالف ہوئے۔ مُشَاقَّةٌ سے ماضی۔

العِقَابِ: عذاب۔ سزا۔

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اپنی خفیہ نعمت کا اظہار فرمایا ہے کہ اس نے

فرشتوں کو وحی بھیجی کہ میری مدد تمہارے ساتھ ہے۔ سو تم مومنوں کی جماعت میں اضافہ کر کے اور ان کو کامیابی کی بشارت دے کر ان کی ہمت بڑھاؤ، ان کو ثابت قدم رکھو اور ان کے دلوں کو قوی بناؤ اور ان کے ساتھ کافروں سے قتال کرو۔ میں مسلمانوں کی تعداد کو دو گنا، چو گنا دیکھا کر کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کی دہشت ڈال دوں گا۔ تم ان کافروں کی گردنوں پر مارو تاکہ وہ حق کے مقابلے میں سر ہی نہ اٹھا سکیں اور ان کے ایک ایک پور کو ضرب لگاؤ تاکہ وہ تلوار پکڑنے کے بھی قابل نہ رہیں۔ کافروں کو یہ سزا اس لئے دی گئی کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی تھی۔ اس کفر و نافرمانی کا مزہ تو انہوں نے دنیا ہی میں چکھ لیا۔ ان کو اصل سزا تو آخرت میں ملے گی جہاں ان کے لئے دوزخ کا عذاب تیار ہے۔ (مظہری ۳۳ / ۴، ابن کثیر ۲۹۲-۲۹۳ / ۲)۔

مقابلے سے فرار کی ممانعت

۱۶-۱۵ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِيتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحٰفًا فَلَا تَوَلُّوْهُمْ اِلَّا دُبَّارًا ۝ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يُوَمِّنْ دُبْرَهُۥٓ اِلَّا مَّتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مَّتَحَيِّزًا اِلٰى فِتْنَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَا وَّلٰهُ

جَهَنَّمُ، وَيَنْسُ الْمَصِيرُ ۝

اے ایمان والو! جب کافروں سے تمہاری مڈھ بھیر ہو جائے تو ان کو پیٹھ نہ دکھاؤ اور جو کوئی اس دن ان سے پیٹھ پھیرے گا سوائے اس کے جو جنگی چال کے طور پر ایسا کرے یا اپنے ہی لشکر سے جا ملنے کے لئے (ایسا کرے) تو وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں آجائے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہو گا اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

زَحْفًا: میدان جنگ۔ لڑائی۔ بڑا لشکر۔ مصدر ہے۔

الادْبَارَ: پٹھیں۔ پشتیں۔ واحد دُبْرٌ۔

مُتَحَرِّفًا: پینتر بدلنے والا۔ کرتب کرنے والا۔ تحَرَّفٌ سے اسم فاعل۔

مُتَحَيِّزًا: پناہ لینے والا۔ جگہ لینے والا۔ تحَيُّزٌ سے اسم فاعل۔

فِتْنَةً: گروہ۔ چھوٹی جماعت۔

بَاءً: وہ مستحق ہوا۔ وہ پھرا۔ وہ لوٹا۔ بَوَاءٌ سے ماضی۔

مَأْوَاهُ: اس کے رہنے کی جگہ۔ اس کا ٹھکانا۔

تَشْرِيح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا کہ جب تم جنگ میں کافروں کے

مقابل آجاؤ تو پھر تم پیٹھ پھیر کر ان کے سامنے سے اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر مت بھاگو سوائے دو

صورتوں کے، ایک یہ کہ بھاگنے سے کافروں کو دھوکہ دینا مقصود ہو تاکہ کوئی کافر تنہا اس کے

تعاقب میں آئے اور وہ اس کافر کو اکیلا پا کر قتل کر ڈالے۔ ایسی مصلحت کے تحت بھاگنے میں کوئی

حرج نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ مسلمان جماعت سے مل جانے کے خیال سے بھاگے تاکہ

ان میں مل کر قوت حاصل کرے اور پھر کافروں پر حملہ کر کے ان کو شکست دے۔ پس جو کوئی ان

دو صورتوں کے سوا کفار سے پیٹھ پھیر کر بھاگے جیسے جان بچا کر بھاگتا تو اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو

گا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے جو بہت ہی بری جگہ ہے۔

(مواہب الرحمن ۲۰۷-۲۰۸/۹، ابن کثیر ۲/۲۹۳)۔

پس مذکورہ بالا حکم کی رو سے مسلمانوں کے لئے دشمن کے مقابلے سے پشت پھیرنا حرام

ہے۔ خواہ دشمن کی تعداد اور قوت و شوکت کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو سوائے دو صورتوں کے ایک

جنگی چال کے طور پر میدان سے ہٹنا اور دوسرے مزید ملک حاصل کرنے کے لئے پیچھے ہٹنا۔

(معارف القرآن ۲۰۰/۴)

مسلمانوں کی غیبی مدد

۱۸-۱۷۔ فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ
وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا ۚ إِنَّ
اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ ذَلِكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ مُؤَمِّنٌ كَيْدِ الْكَافِرِينَ ۝

پھر تم نے تو ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی نے ان کو قتل کیا اور (اے
محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جس وقت آپ نے وہ مٹھی (بھر کنکریاں) پھینکیں
تھیں تو وہ آپ نے نہیں پھینکیں تھیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکیں تھیں تاکہ
اللہ تعالیٰ مومنوں پر خوب احسان فرمائے۔ بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا (اور)
جاننے والا ہے۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو کافروں کی چال کو کزور کرنے والا

ہے۔

رَمَيْتَ: تو نے پھینکا۔ رَمَىٰ سے ماضی۔
بَلَاءٌ: آزمائش۔ امتحان۔ تکلیف۔ غم۔ بوسیدہ ہونا۔ مصدر واسم۔ اللہ کا امتحان کبھی
مصیبت و مشقت میں مبتلا کر کے ہوتا ہے اور کبھی راحت و دولت دے کر۔
بَلَاءٌ حَسَنًا: اس امتحان کو کہا گیا ہے جو راحت و دولت اور فتح و نصرت دے کر لیا جاتا ہے
تاکہ لوگ اس کو اللہ کا انعام سمجھ کر اس کی شکر گزاری کریں اور اس کو اپنی ذاتی
قابلیت کا نتیجہ سمجھ کر فخر و ناز میں مبتلا نہ ہوں۔

شان نزول: نبویؐ نے مجاہد کا بیان نقل کیا ہے کہ بدر کے دن جب مسلمان لڑائی سے
فارغ ہو کر لوٹے تو ان میں سے کوئی کہنے لگا کہ میں نے فلاں کافر کو قتل کیا ہے اور کوئی کہنے لگا کہ
میں نے فلاں کو مارا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۳۸ / ۴)

تشریح: یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ بندوں کے تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ بندہ خود اپنے
افعال پر قادر نہیں اور نہ وہ ان کا خالق ہے۔ بندوں سے جو نیک اعمال سرزد ہوتے ہیں وہ بھی
اللہ ہی کی توفیق سے ہوتے ہیں۔ پس اے مومنو! تمہاری طاقت اور بس میں یہ کہاں تھا کہ تم اتنی
کم تعداد اور نہایت بے سرو سامان کے عالم میں دشمن کی اتنی بڑی تعداد اور ہر طرح کے سامان

حرب و ضرب سے لیس فوج کو شکست دیتے۔ لہذا تم اپنی سعی و عمل پر ناز نہ کرو۔ یہ کامیابی تو تمہیں اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ (ال عمران آیت ۱۲۳)

بدر کے دن اللہ تعالیٰ ہی نے تمہاری مدد فرمائی حالانکہ تم بہت کمزور تھے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ
إِذْ أَعَجَبْتَكُمْ كَثَرَتُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ
عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ ۝

(التوبہ آیت ۲۵)

اللہ تعالیٰ نے بہت سے مواقع پر تمہاری مدد فرمائی ہے اور حنین کی جنگ کے دن تمہاری کثرت نے تمہیں مغرور بنا دیا تھا۔ لیکن اس کثرت نے تمہیں کوئی فائدہ نہ دیا اور زمین کشادہ ہونے کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔

پس کامیابی کا دار و مدار نہ تو کثیر تعداد پر ہے اور نہ سامان حرب کی کثرت پر بلکہ فتح و نصرت تو من جانب اللہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ -

(البقرہ آیت ۲۴۹)

کتنی ہی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کے حکم سے چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آجاتی ہے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جب آپ بدر میں چھپر کے اندر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مصروف تھے اور پھر چھپر سے باہر آکر آپ نے کافروں کی طرف کنکر بلی مٹی کی ایک مٹھی پھینکی اور فرمایا کہ چہرے بگڑ جائیں۔ پس مشرکوں میں سے کوئی نہ بچا جس کی آنکھوں میں یہ کنکر بلی مٹی نہ جا پڑی ہو۔ پھر آپ نے صحابہ کو حکم دیا کہ فوراً دشمن پر ٹوٹ پڑو تو یہ مٹی کا پھینکنا اگرچہ بظاہر آپ کی طرف سے تھا مگر حقیقت میں یہ مٹی اللہ تعالیٰ ہی نے پھینکی تھی کیونکہ کسی انسان کے ایک مٹھی خاک پھینکنے کا یہ اثر نہیں ہو سکتا کہ وہ اتنے بڑے لشکر کی آنکھوں میں بھر

جائے۔ اللہ تعالیٰ ہی نے اپنی قدرت سے اس مٹی کو تمام مشرکوں کی آنکھوں میں ڈال کر انہیں سرنگوں کر دیا۔ پھر تم نے اپنی بے سرو سامانی اور قلت تعداد کے باوجود اللہ کی مدد توفیق سے دشمن کے ستر نامور سرداروں اور جوانوں کو تہ تیغ کیا اور ستر کو قیدی بنایا۔ یہ اللہ کا تم پر بڑا احسان ہے کہ اس نے تمہارے ہاتھوں یہ کلام کرایا اور نہ اگر وہ تمہاری مدد نہ کرتا، تمہارے دلوں کو مضبوط نہ کرتا اور تمہیں ثابت قدم نہ رکھتا تو تم ان میں سے کسی ایک کو بھی قتل نہ کر سکتے۔ یہ سب اس لئے ہوا تاکہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو ان کی محنت کا خوب خوب بدلہ دے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ مومنوں کی دعاؤں کو خوب سننے والا ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ کون مدد کا مستحق ہے اور کون نہیں۔ یہ سب اس لئے ہوا تاکہ اللہ تعالیٰ کافروں کے مکرو تدبیر کو باطل کر دے اور ان کے منصوبوں کو خاک میں ملا دے۔ (ابن کثیر ۲/۲۹۵)

کفار کو حسرت و عار دلانا

۱۹۔ اِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمْ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْذُوْا اِنْعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئْتُكُمْ شَيْئًا ۚ وَّلَوْ كُنْتُمْ اِلَّا وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(اے کافرو!) اگر تم فتح چاہتے تھے تو وہ تو تمہارے سامنے آچکی اور اگر تم باز آجاؤ تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم پھر وہی کلام کرو گے تو ہم بھی پھر وہی کلام کریں گے اور تمہاری فوج خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو وہ تمہارے ذرا کلام نہ آئے گی اور بیشک اللہ تعالیٰ مومنوں کے ساتھ ہے۔

تَنْتَهُوْا: تم باز آجاؤ۔ تم رک جاؤ۔

تَعُوْذُوْا: تم لوٹو۔ تم دوبارہ کرو۔ عُوْذُے ماضی۔

فِئْتُكُمْ: تمہارا گروہ۔ تمہاری جماعت۔

شان نزول: محمد بن اسحاق اور امام احمد نے حضرت عبداللہ بن ثعلبہ بن صعیر عذریؓ کی

روایت سے اور ابن جریرؓ اور ابن المنذرؓ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ (بدر کے دن) جب مسلمان اور کفار صف آراء ہو کر ایک دوسرے کے قریب پہنچ گئے تو ابو جہل نے کہا

کہ اے اللہ! ہم میں سے جو بھی رشتہ قرابت کو قطع کرنے والا اور جو غیر مانوس چیز لایا ہو، کل صبح تو اس کو ہلاک کر دے۔ گویا ابو جہل نے خود ہی اپنے خلاف فتح کی دعاء کی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(مظہری ۴۲ / ۴)

سہی نے کہا کہ مشرکوں نے مکہ سے نکلنے وقت خانہ کعبہ کا پردہ پکڑ کر دعاء کی تھی کہ اے پروردگار! ہمارے دونوں لشکروں میں سے اعلیٰ کو اور دونوں گردہوں میں سے بزرگ کو اور دونوں قبیلوں میں سے بہتر کو فتح دے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(مواہب الرحمن ۲۱۴ / ۹)

تشریح: اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کے مقابلے میں کافر اپنے آپ کو اعلیٰ و افضل اور زیادہ ہدایت پر سمجھتے تھے۔ اسی لئے وہ یہ دعا کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے اور جب وہ فتح پا جائیں گے تو یہ گویا من جانب اللہ ان کے حق پر ہونے کا فیصلہ ہو گا۔

ان کی دعاء کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم جس خدائی فیصلے کے مسمتی تھے وہ اب سامنے آچکا ہے کہ حق کو فتح اور باطل کو شکست ہو گئی۔ اگر تم اب بھی اپنے کفر و عناد اور اللہ کے رسول کے ساتھ جنگ کرنے سے باز آجاؤ اور توبہ کر لو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اگر تم اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے اور تم نے پھر کفر و شرک کیا اور پھر مسلمانوں سے جنگ پر آمادہ ہوئے تو ہم پھر تمہیں سزا دیں گے اور مسلمانوں کی مدد کریں گے اور تمہاری کثیر جماعتی، اللہ کی مدد کے مقابلے میں تمہارے کچھ کام نہ آئے گی کیونکہ جس کے ساتھ اللہ ہو اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔

اطاعتِ رسول کی تاکید

۲۱-۲۰ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنَّهُ وَاتُّمَّ
تَسْمَعُونَ ۝ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ
لَا يَسْمَعُونَ ۝

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور حکم سننے کے بعد اس سے روگردانی مت کرو۔ اور تم ان لوگوں جیسے نہ بنو جو یہ کہتے ہیں کہ

ہم نے سن لیا حالانکہ وہ کچھ نہیں سنتے۔

تشریح: گزشتہ آیت میں یہ بتایا گیا تھا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تمہارے ساتھ ہونا محض تمہارے مسلمان کہلانے اور نام کا مسلمان ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ اس کے لئے دو شرطیں ہیں۔ جب تک تم یہ شرطیں پوری نہ کرو گے تمہیں اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل نہ ہوگی۔

(۱) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کرنا۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سن کر اس سے روگردانی نہ کرنا۔

جب تک مسلمانوں کا ان دونوں باتوں پر عمل رہا اللہ تعالیٰ کی مدد ان کے شامل حال رہی اور وہ بے سرو سامانی کے باوجود دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں کو سرنگوں کرنے میں کامیاب رہے۔ پھر فرمایا کہ تم لوگ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو کہتے تو یہ ہیں کہ ہم نے سن لیا اور کچھ لیا مگر حقیقت میں انہوں نے نہ تو کچھ سنا اور نہ کچھا۔ یہاں ان لوگوں سے مراد کافر اور منافقین ہیں۔ یہ دونوں گروہ غور و فکر اور صحیح کچھ سے محروم ہیں۔ اس لئے ان کا سننا بھی نہ سننے کے حکم میں ہے۔ مسلمانوں کو ایسے لوگوں کی مشابہت سے اجتناب کرنا چاہئے۔

جانوروں سے بدتر لوگ

۲۲-۲۳ اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝
وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاسْمَعَهُمْ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا
وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝

بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام جانداروں میں بدتر وہ ہیں جو بہرے اور گونگے ہیں۔ جو ذرا کچھ نہیں رکھتے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی دیکھتا تو ان کو سننے کی توفیق دے دیتا اور اگر ان کو رب سنا دے تو وہ بے رخی کے ساتھ منہ پھیر لیں گے۔

دَوَابَّ: چلنے والے۔ چوپائے جو زمین پر چلتے ہوں، اگرچہ انسان ہوں۔ واحد دَابَّةٌ ۝
مُعْرِضُوْنَ: اعراض کرنے والے۔ روگردانی کرنے والے۔ اِعْرَاضٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: اس آیت میں ان لوگوں کی شدید مذمت ہے جو نہ تو حق بات کو توجہ کے ساتھ سنتے ہیں اور نہ اس کو قبول کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو جانوروں سے بھی بدتر قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بدتر وہ چوپائے ہیں جو حق کو سننے سے بہرے اور اس کو قبول کرنے سے گونگے ہیں۔ اگر بہرے، گونگے میں کچھ عقل ہو تو وہ بھی اشاروں کے ذریعہ اپنے دل کی بات کہہ لیتا ہے اور دوسروں کی بات سمجھ لیتا ہے، مگر یہ لوگ تو بہرے، گونگے ہونے کے ساتھ ساتھ بے عقل بھی ہیں۔ ظاہر ہے جو بہرا، گونگا اور بے عقل ہو اس کے سمجھنے سمجھانے کا کوئی امکان نہیں۔ (معارف القرآن، ۲۰۷/۴)

انسان جو احسن التقوم میں پیدا کیا گیا تھا، اس کو اس کے سعی و عمل اور اطاعت حق کے صلے میں اشرف المخلوقات اور مخدوم کائنات کا درجہ عطا کیا گیا۔ پھر جب اس نے حق بات سننے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے سے منہ موڑا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنے تمام انعامات سلب کر لئے اور وہ جانوروں سے بھی بدتر ہو گیا۔

دوسری آیت میں بتایا گیا کہ اگر ان کے اندر کوئی بھلائی ہوتی تو وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں بھی ضرور ہوتی۔ جب اللہ کے علم میں ان کے اندر کوئی بھلائی موجود ہی نہیں تو پھر وہ حقیقت میں ہر بھلائی سے محروم ہیں۔ ایسی حالت میں جبکہ ان کے دل بغض و عناد سے لبریز ہوں، اگر بالفرض ان کو غور و فکر اور حق کی دعوت دی جائے تو وہ اس کو قبول کرنے کے بجائے اس سے منہ پھیر کر چل دیں گے، ایمان نہیں لائیں گے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ ان کو دین میں کوئی اعتراض کی بات نظر آگئی اس لئے انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے تو حق بات پر دھیان ہی نہیں دیا۔

پس جن لوگوں میں حق کی طلب اور حق کو قبول کرنے کی صلاحیت و استعداد ہی نہ ہو تو ایسے بد بخت، حق کو سننے کے بعد بھی ہدایت پر نہیں آتے اور اپنے ظاہری کانوں سے سننے کے بعد بھی بے رخی برتتے ہیں، اسی لئے یہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔

بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض لوگ (ساری عمر) اہل جنت کے کام کرتے ہیں، یہاں تک کہ ان کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ اس وقت کتاب (لوح محفوظ) کا لکھا ہوا غالب آتا ہے اور وہ دوزخیوں کے کام کر کے دوزخ میں چلے جاتے ہیں۔ (مظہری، ۴۶/۴)

احکام رسول کی فوری تعمیل

۲۴۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝**

اے ایمان والو! اللہ اور رسول کا حکم مانو جبکہ رسول تمہیں ایسی بات کی طرف بلائیں جس میں تمہاری زندگی ہے اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور بلاشبہ تم سب اس کے پاس جمع کئے جاؤ گے۔

يَحُولُ: وہ حائل ہوتا ہے۔ وہ آڑ بن جاتا ہے۔ **حَوْلٌ** سے مضارع۔

الْمَرْءِ: مرد۔ انسان۔ آدمی۔

تُحْشَرُونَ: تم جمع کئے جاؤ گے۔ تم اکٹھے کئے جاؤ گے۔ **حُشِرَ** سے مضارع مجہول۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب فرما کر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی فوری تعمیل و اطاعت کی تاکید فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تمہیں اصلاح و مصلحت کی خاطر کوئی حکم دیں تو تم فوراً اس کو قبول کرو اور تعمیل حکم میں جلدی کرو۔ اس آیت میں جس حیات اور دل کی زندگی کا ذکر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ بندہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان غفلت و نفسانی خواہشات کے جو حجابات حائل ہیں وہ ہٹ جائیں اور ان حجابات کی ظلمت دور ہو کر نور معرفت دل میں جگہ کر لے۔

ترمذی اور نسائی میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت ابی بن کعبؓ نماز پڑھ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی طرف گزر ہوا۔ آپ نے ان کو آواز دی تو وہ جلدی جلدی نماز پوری کر کے حاضر خدمت ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پکارنے پر فوراً آنے سے تمہیں کس چیز نے روکا۔ حضرت ابی نے عرض کیا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تمہیں اس کی خبر نہیں ہوئی جو مجھ پر نازل ہوا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِمَا يُحْيِيكُمْ**۔ حضرت ابی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب آئندہ میں کبھی اس کو تاہی کو نہیں دہراؤں گا۔ انشاء اللہ۔ (خواہ نماز کی حالت ہی میں ہوں)۔ (مظہری

اس حدیث کی بنا پر بعض فقہانے فرمایا کہ اللہ کے رسول کی اطاعت کے لئے نماز کے دوران جو کام بھی کیا جائے اس سے نماز میں خلل واقع نہیں ہوتا۔ بعض کا خیال یہ ہے کہ اگرچہ خلاف نماز افعال سے نماز ختم ہو جائے گی اور بعد میں اس کی قضا کرنی پڑے گی لیکن کرنا بھی چاہئے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو بلائیں اور وہ اس وقت حالت نماز میں ہو تو اس کو نماز قطع کر کے فوراً آپ کے حکم کی تعمیل کرنی چاہئے۔ یہ صورت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔

السبب بعض ایسے امور میں جن میں تاخیر کرنے سے کسی شدید نقصان کا اندیشہ ہو تو اس وقت بھی فوراً نماز قطع کر کے اس کام کو کر لینا چاہئے۔ اس کے بعد اگر وقت ہو تو نماز ادا کر لے اور اگر وقت نہ رہے تو قضا کر لے۔ مثلاً اگر کوئی شخص نماز کے دوران یہ دیکھے کہ کوئی نابینا آدمی کنوئیں یا گڑھے کے قریب پہنچ کر اس میں گرنے ہی والا ہے تو فوراً نماز توڑ کر اس کو بچالے اور اس کے بعد نماز پڑھ لے۔

آیت کے دوسرے حصے میں بتایا گیا ہے کہ جب کسی نیک کام کے کرنے یا گناہ سے بچنے کا موقع آئے تو اس کو چاہئے کہ اس وقت کو غنیمت جانتے ہوئے ایک نیک کام کو فوراً کر لے جس کو وہ کرنا چاہتا ہے یا اس گناہ سے فوراً اجتناب کرے جس سے وہ بچنا چاہتا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات آدمی کے ارادے کے درمیان قضاۃ الہی حائل ہو جاتی ہے اور وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہوتا۔ مثلاً کوئی بیماری پیش آجانا یا موت آجانا یا کوئی ایسی مصروفیت پیدا ہو جانا جس سے اس کو کام کے لئے وقت ہی نہ مل سکے۔ اس لئے آدمی کو چاہئے کہ فرصتِ عمر اور فرصتِ وقت غنیمت جانتے ہوئے آج کا کام کل پر نہ چھوڑے بلکہ اس کو فوراً کر لے۔

پس مطلب یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی تعمیل میں دیر نہ کی جائے، اس کو فوراً کر لینا چاہئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تاخیر کے سبب دل میں نیکی کا جذبہ اور امنگ ہی باقی نہ رہے۔ (معارف القرآن ۲۰۸-۲۱۰/۴)

حضرت نواس بن سمعان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کو سیدھا رکھنا چاہتا ہے تو وہ سیدھا رہتا ہے اور اگر وہ اس کو بگاڑنا چاہے تو وہ بگڑ جاتا ہے اور فرمایا کہ میزان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، چاہے وہ اس کو ہلکا کر دے اور چاہے وہ اس کو بھاری کر دے۔

مسلم میں حضرت ابن عمرؓ کی مرفوع روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! بنی آدم کے قلوب اللہ تعالیٰ کے پاس قلب واحد کی تعریف میں ہیں کہ انہیں جس طرح چاہے پھیر دے پھر فرمایا: **اللَّهُمَّ مَصْرِفَ الْقُلُوبِ صَرِّفْ قُلُوبَنَا إِلَى طَاعَتِكَ**۔ اے دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔

(ابن کثیر ۲/۲۹۸، مظہری ۴/۴۷)

آزمائش سے بچنے کی تاکید

۲۵۔ **وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝**

اور اس فتنہ سے بھی ڈرتے رہو جو تم میں سے خاص ظالموں ہی کو نہ پہنچے گا (بلکہ وہ عام ہوگا) اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔

فِتْنَةٌ: فتنہ - وبال - آزمائش - فتنہ سے مراد ایسا امر ہے جس سے قلب متزلزل ہوتا ہے، جیسے قحط و گرائی، ظالموں کا غلبہ، آپس کا نفاق اور فاجروں، بدکاروں کی سرکشی اور نیک لوگوں کا ان کو اس سے منع نہ کرنا وغیرہ - (مواہب الرحمن ۹/۲۲۳)

تُصِيبَنَّ: وہ ضرور پہنچے گی - وہ ضرور آپڑے گی - **إِصَابَةً** سے مضارع بانون تاکید - **الْعِقَابُ:** عقوبت - عذاب - سزا - مصدر ہے -

تشریح: اس آیت میں مومنوں کو اللہ تعالیٰ کی اس آزمائش سے ڈرایا گیا ہے جو گنہگاروں اور نیکو کاروں سب کے لئے ہے کہ جب لوگ علانیہ طور پر برائیوں میں مبتلا ہو جائیں اور اہل علم و فضل، قدرت کے باوجود نہ تو برائی میں مبتلا لوگوں کو برائی سے باز رکھنے کے لئے قوت استعمال کریں، نہ زبان سے ان کو روکیں اور نہ ایسے لوگوں سے میل جول ختم کریں تو ایسی صورت میں اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عذاب آیا تو وہ صرف منکرات کا ارتکاب کرنے والوں ہی پر نہیں آئے گا بلکہ نیک و بد سب اس میں مبتلا ہوں گے۔ پس جو شخص کسی کو معصیت و نافرمانی کرتے ہوئے دیکھ کر قدرت کے باوجود اس کو معصیت سے نہیں روکے گا اور اس کا دل اس پر رنجیدہ نہیں ہو

گا، بلکہ اس پر خاموشی اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ نافرمانوں کے ساتھ ساتھ اس کو بھی عذاب دے گا۔

ابو رقاء کہتے ہیں کہ میں اپنے غلام کے ساتھ نکلا تو میں نے اس کو حضرت حذیفہ کی طرف بھیجا۔ اس وقت وہ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کوئی شخص ایک بات بھی اس قسم کی کہہ دیتا تو اس کو منافق سمجھنے لگتے، لیکن آج ایک نشست میں تم میں سے ایک آدمی کی زبان سے میں ایسے چار منافقانہ کلمات سن رہا ہوں۔ تمہیں چاہئے کہ نیک کاموں کا حکم دیا کرو، بری باتوں سے فوراً روک دیا کرو، لوگوں کو خیر پر لبھاراکرو ورنہ تم سب عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے یا عذاب اس نوعیت کا ہو گا کہ شریر لوگ تمہارے حاکم بنادیئے جائیں گے۔ پھر تم میں سے اچھے لوگ بھی دعا کریں گے تو وہ قبول نہ ہوگی۔ (ابن کثیر ۲/۲۹۹)

العام خداوندی پر شکر کرنے کی تاکید

۲۶ - **وَإِذْ كُنتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ**

اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم تھوڑے سے تھے اور ملک (مکہ) میں مغلوب تھے تم ڈرا کرتے تھے کہ لوگ تمہیں اچک نہ لیں۔ سو اللہ نے تمہیں (مدینے میں) ٹھکانہ دیا اور تمہیں اپنی مدد سے قوت دی اور تمہیں پاکیزہ رزق عطا فرمایا تاکہ تم شکر کرو۔

مُستضعفون: ضعیف۔ بے بس۔ کمزور۔ **استضعف** سے اسم مفعول۔
يتخطفكم: وہ تم کو اچک لیتا ہے۔ وہ تم کو جھپٹ لیتا ہے۔ **تخطف** سے مضارع۔
فاوكم: پس اس نے تم کو ٹھکانا دیا۔ اس نے تم کو ٹھہرایا۔ **اوا** سے ماضی۔
ايدكم: اس نے تمہاری تائید کی۔ اس نے تمہیں قوت دی۔ **تايد** سے ماضی۔
تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو وہ وقت یاد دلایا ہے جب سرزمین مکہ میں وہ تعداد کے اعتبار سے بہت کم تھے۔ کمزور و ناتواں اور خائف تھے، غریب و نادار تھے، تمام کفار و

مشرکین ان کی قلتِ تعداد اور ضعف و عدم قوت کے سبب ان کے قتل کے درپے تھے۔ ان کو ہر وقت کفار و مشرکین کی طرف سے دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں وہ ان کو نوچ کھوٹ نہ لیں۔ ایک عرصہ تک یہی حالت رہی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو مدینے کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا، جہاں انہیں رہنے کے لئے ٹھکانا ملا۔ اللہ تعالیٰ نے ان ضعیف و ناتواں لوگوں کی قلت کو کثرت میں ضعف و ناتوانی کو قوت میں، فقر و افلاس کو خوشحالی میں بدل دیا اور ان پر حلال و پاکیزہ رزق کے دروازے کھول دیئے۔ ان کے لئے مال غنیمت حلال کر دیا جو سابقہ امتوں کے لئے حلال نہ تھا۔ اپنی تائید و نصرت سے ان کو دشمنان اسلام پر غلبہ دے کر دشمن کو ان کے سامنے ذلیل و خوار کر دیا پھر ان کو حکومت و سلطنت ہی عطا نہیں کی بلکہ وہ بادشاہوں پر حکم چلانے لگے۔ یہ سب اس لئے کیا تاکہ وہ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہیں۔ (ابن کثیر ۳۰۰ / ۲)

خیانت کی ممانعت

۲۸-۲۷ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا
أَمْثَلَكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ
وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عِنْدَ أَجْرٍ عَظِيمٍ ۝

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور رسول کی خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کیا کرو حالانکہ تم (خوب) جانتے ہو (کہ خیانت بری چیز ہے)۔ اور جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ (آزمائش) ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا اجر ہے۔

شان نزول: زہری اور کلبی نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرینہ کے یہود کا ۲۱ رات تک محاصرہ رکھا۔ نبیہتی کی روایت میں ہے کہ محاصرہ کی مدت ۲۵ راتیں تھیں۔ پھر اہل قرینہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کی درخواست کی جس طرح بنی نصیر کو ارضِ شام کے مقام اذرعات کی طرف جانے کی اجازت دی گئی تھی۔ اسی طرح، میں بھی وہاں جا کر آباد ہونے کی اجازت دے دی جائے۔ آپ نے یہ شرط ماننے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ (حضرت) سعد بن معاذ کی ثالثی پر راضی ہو تو اپنے قلعوں سے نیچے اتر آؤ۔ بنی قرینہ نے (حضرت) سعد بن

معاذ کی ثالثی قبول نہیں کی اور درخواست کی کہ حضرت ابو لبابہ رفاعہ بن عبد المنذر کو (بات چیت کئے) ان کے پاس بھیج دیا جائے۔ حضرت ابو لبابہ ان کے خیر خواہ تھے کیونکہ ان کلام اور اہل و عیال یہود کے پاس یعنی ان کی بستی میں تھے۔ آپ نے حضرت ابو لبابہ کو ان کے پاس بھیج دیا۔ جب وہ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا کہ اے ابو لبابہ تمہاری کیا رائے ہے۔ کیا ہم (حضرت) سعد بن معاذ کے حکم پر اپنے قلعوں سے اتر جائیں۔ حضرت ابو لبابہ نے اپنے ہاتھ سے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا۔ مطلب یہ تھا کہ حضرت سعد کے فیصلے کے تحت تم سب قتل کر دیئے جاؤ گے۔ لہذا تم ان کی ثالثی قبول نہ کرو۔

حضرت ابو لبابہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم (اشارہ کرنے کے بعد) میرے قدم اپنی جگہ سے ہٹے بھی نہ تھے کہ مجھے یقین ہو گیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خیانت کی ہے۔ پھر میں خود ہی سیدھا مسجد میں پہنچا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی حاضر نہ ہوا اور مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون سے اپنے آپ کو باندھ دیا اور قسم کھالی کہ نہ کھانا کھاؤں گا اور نہ پانی پیوں گا یہاں تک کہ میرا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے۔

پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اگر وہ میرے پاس آجاتا تو میں اس کے لئے استغفار کرتا لیکن جب اس نے خود ہی وہ کلام کر لیا جو اس نے کرنا چاہا تو اب جب تک اللہ اس کی توبہ قبول نہیں فرمائے گا میں اس کو نہیں کھولوں گا۔ چنانچہ حضرت لبابہ سات روز تک اسی حالت میں کچھ کھائے، پئے بغیر رہے۔ آخر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ حضرت ابو لبابہ کو جب بتایا گیا کہ ان کی توبہ قبول ہو گئی تو انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم مجھے کوئی نہ کھولے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود مجھے اپنے دست مبارک سے کھولیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس آکر ان کو آزاد کیا رہائی کے بعد حضرت لبابہ نے کہا کہ میری توبہ کی تکمیل اس وقت ہوگی جب میں اپنے خاندانی مکان کو چھوڑ دوں کیونکہ اسی مکان میں مجھ سے گناہ کا صدور ہوا اور اپنے مال سے کنارہ کش ہو جاؤں (تمام مال خیرات کر دوں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ایک تہائی مال صدقہ کر سکتے ہو۔ اسی واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۱۹۵/۹)

تشریح: یہاں مومنوں کو مخاطب کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تم پر فرض کی ہیں ان میں کمی نہ کرو اور نہ رسول کے مقرر کردہ امور میں کمی کرو اور نہ

آپس کی امانتوں میں خیانت کرو حالانکہ تم جانتے ہو کہ امانت کی حفاظت ضروری ہے اور خیانت کرنے کا بہت بڑا وبال ہے۔

حضرت عباس نے فرمایا کہ اللہ کے فرائض کو ترک کرنا اللہ تعالیٰ سے خیانت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ترک کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وہ فرائض و اعمال جو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں اور جن کا امین اللہ نے اپنے بندوں کو بنایا ہے وہ انسانوں کی امانتیں ہیں۔ ان میں بھی کوتاہی نہ کرو۔ (مظہری ۵۳ / ۴)

پھر فرمایا کہ تمہارا مال اور اولاد تمہارے لئے آزمائش ہے۔ اللہ تعالیٰ مال اور اولاد دے کر تمہیں آزماتا ہے کہ تم مال کے حصول پر اس کا شکر بجالاتے ہو یا نہیں اور اولاد کی ذمہ داریاں پوری کرتے ہو یا نہیں یا مال و اولاد کی محبت میں اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جاتے ہو۔ اگر تم اس امتحان میں پورے اتر دو گے تو اللہ تعالیٰ کے پاس تمہارے لئے اجر عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پاس اس کا اجر و ثواب اور اس کی جنتیں اس مال و اولاد سے کہیں بہتر ہیں۔ لہذا تم مال و اولاد کے بارے میں احتیاط کو پیش نظر رکھو۔

بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ مجھے اپنی جان، اور اپنے اہل و عیال اور اپنے مال اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ جانے۔ (ابن کثیر ۳۰۱ / ۲)

تقوے کی برکات

۲۹۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ**

اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے تو وہ تمہیں ایک فیصلہ کن چیز دے گا اور تمہاری برائیاں دور کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

يَجْعَلْ: وہ بناتا ہے۔ وہ کرتا ہے۔ **يَجْعَلْ** سے مضارع۔

فُرْقَانًا: حق و باطل میں فیصلہ کرنے والا۔ فرق کرنے والا۔

سَيِّئَاتِكُمْ: تمہارے برے اعمال۔ تمہارے گناہ۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر تم اپنے ایمان کو

فتنے سے بچانا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اس کے احکام بجالاتے رہو، منہا ہی سے اجتناب

کرتے رہو اور تقویٰ کو اپنا شعار بنائے رکھو۔ اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ تمہیں تین چیزیں عطا

فرمائے گا:

۱۔ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے دشمنوں پر فتح و غلبہ عطا فرمائے گا اور تم فتنے سے محفوظ ہو جاؤ گے۔

۲۔ جو خطائیں اور لغزشیں تم سے سرزد ہوتی ہیں دنیا میں ان کا کفارہ اور بدل کر دیا جاتا ہے۔ یعنی دنیا میں تمہیں ایسے اعمالِ صالحہ کی توفیق ہو جاتی ہے جو تمہاری سب لغزشوں پر غالب آجاتے ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں کو معاف فرما کر تمہاری مغفرت فرمادے گا۔ اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ وہ دہم و گمان سے بڑھ کر دیتا ہے۔

بزار نے حضرت انسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابن آدم کے تین رجسٹر لائے جائیں گے۔ ایک رجسٹر نیک اعمال کا، دوسرا رجسٹر اس کے گناہوں کا اور تیسرے رجسٹر میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اندراج ہو گا جو اللہ تعالیٰ نے اس بندے کو عنایت کی ہوں گی۔ پھر انعامات کے رجسٹر میں سے کسی حقیر ترین نعمت کو حکم ہو گا کہ تو اپنے مقابل کسی عمل صالح کو وصول کر لے (یعنی اللہ تعالیٰ کی اس حقیر ترین نعمت کا مقابلہ بندے کے نیک عمل سے کیا جائے گا)۔ اس نعمت کے مقابل تمام نیک اعمال بھی پورے نہ آتے ہوں گے۔ وہ نعمت کہے گی کہ تیری عزت کی قسم میں نے تو پورے اعمال کو بھی اپنے مقابل نہیں پایا۔ سب نیک اعمال ختم ہو گئے اور تمام گناہ باقی ہیں اور دوسری نعمتیں بھی موجود ہیں۔ اب اگر اللہ تعالیٰ کو کسی بندے پر رحم کرنا مقصود ہو گا تو فرمائے گا کہ میرے بندے میں نے تیری نیکیاں چند گنی کر دیں، تیری بد اعمالیاں معاف کر دیں اور تجھے اپنے انعام سے سرفراز کر دیا (گویا نیک اعمال کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے بخشش ہو گی)۔ (مظہری ۵۵ / ۴)

مشرکین کے مکرو تدبیریں

۳۰۔ وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ
أَوْ يُخْرِجُوكَ ۖ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۗ وَاللَّهُ خَيْرٌ
الْمُكْرِينَ ۝

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جب کافر آپ کے بارے میں تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کر لیں یا آپ کو مار ڈالیں یا آپ کو جلا وطن کر دیں اور وہ بھی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ بھی تدبیریں کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

شان نزول: ابن اسحاق، عبد الرزاق، امام احمد، ابن جریر، ابو نعیم، ابن المنذر اور طبرانی رحمہم اللہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور عبد الرزاق و عبد بن حمید نے قتادہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے جب مسلمانوں کی بڑی تعداد مدینے ہجرت کر چکی تھی اور ان کو وہاں ٹھکانا اور انصار کی حمایت بھی میرا گئی تھی تو مشرکین مکہ کو اندیشہ ہوا کہ اب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی انصار کے پاس چلے جائیں گے۔ پھر ان سے مل کر یہ وہاں ہر قسم کی قوت جمع کر کے، ہم پر حملہ آور ہو سکتے ہیں۔ اس لئے یہ لوگ اس معاملے پر مشورہ کے لئے دار الندوہ میں جمع ہوئے جو مسجد الحرام سے متصل قصی بن کلاب کا مکان تھا، جس کو انہوں نے قومی مسائل پر مشورہ کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔

اس اجتماع میں تمام سرکردہ اشخاص شامل ہوئے اور مختلف تدبیریں زیر غور آئیں۔ ابھی یہ لوگ مشورہ کے لئے جمع ہوئے ہی تھے کہ ابلیس لعین ایک بوڑھے عرب شیخ کی شکل میں چادر اوڑھے ہوئے دار الندوہ کے دروازے پر آکھڑا ہوا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ کون بوڑھا آدمی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں نجد کا رہنے والا ہوں۔ میں نے سنا تھا کہ آپ لوگ ایک اہم معاملے میں مشورے کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ میں بھی آپ لوگوں کی خیر خواہی کے لئے چلا آیا۔ شاید کوئی مفید مشورہ دے سکوں۔ یہ سن کر لوگوں نے اس کو اندر بلا لیا۔

حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ آپ لوگوں کو اس شخص کے حالات معلوم ہی ہیں میرے خیال میں کچھ بعید نہیں کہ یہ شخص اپنے پیروکاروں کو لے کر ہم پر حملہ کر دے۔ اس لئے

باہم مشورہ کر لو اور کسی رائے پر متفق ہو جاؤ۔

علامہ سہیلی کی روایت کے مطابق ایک شخص نے جس کا نام ابو العجری بن ہشام تھا کہا کہ ان کو (نعوذ باللہ) زنجیروں میں باندھ کر کسی مکان میں بند کر دو اور دروازے کو مقفل کر دو یہاں تک کہ وہ موت جو ان جیسے گزشتہ دوسرے شعراء، زمیر، نابغہ وغیرہ کو آئی ان کو بھی (قید خانے کے اندر) آجائے۔ نجدی بوڑھے نے کہا کہ یہ رائے تمہارے لئے سودمند نہیں۔ اگر تم ان کو مکان کے اندر بند بھی کر دو تب بھی معاملہ چھپے گا نہیں بلکہ ان کی شہرت دور دور تک پہنچ جائے گی۔ بہت ممکن ہے کہ ان کے صحابہ جمع ہو کر تم پر حملہ کر دیں اور ان کو تم سے چھڑالیں۔ یہ سن کر سب کہنے لگے کہ بوڑھے نجدی کی بات صحیح ہے۔

اس کے بعد ابوالاسود ربیعہ بن عمر نے جس کا تعلق قبیلہ بنی عامر بن لوی سے تھا کہا کہ ان کو مکہ سے نکال دیا جائے۔ باہر جا کر جو چلائیں کرتے رہیں، ہمارا شہر ان کے فساد سے مامون ہو جائے گا۔ یہ سن کر بوڑھے نجدی نے کہا کہ یہ رائے بھی ٹھیک نہیں۔ تم جانتے ہو کہ اس کی باتیں کتنی اچھی اور میٹھی ہوتی ہیں۔ جو چیز وہ پیش کرتے ہیں دلوں میں گھر کر جاتی ہے۔ اگر وہ چلے گئے تو بہت جلد وہ ایک طاقتور جماعت تیار کر لیں گے اور تم پر حملہ کر کے تمہیں شکست دے دیں گے۔ لہذا کچھ اور سوچو۔

بوڑھے نجدی کی بات سن کر ابو جہل نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ ہر قبیلے سے ایک ایک نوجوان لے لیں اور ہر نوجوان کو ایک عمدہ تلوار دے دیں۔ پھر یہ سب لوگ ایک دم ان پر حملہ کر کے ان کو (نعوذ باللہ) قتل کر دیں۔ اس طرح ہمیں ان کے شر و فساد سے نجات مل جائے گی۔ رہا ان کے قتل کا جرم تو وہ چونکہ تمام قبائل پر عائد ہو گا اس لئے قصاص یعنی جان کے بدلے جان لینے کا مطالبہ تو باقی نہیں رہتا، صرف خون بہا یا دیت کا مطالبہ رہ جائے گا، جو سب قبیلوں سے جمع کر کے دے دیا جائے گا۔

یہ سن کر بوڑھے نجدی نے کہا کہ بس یہ رائے صحیح ہے۔ اس کے سوا کوئی رائے نہیں ہو سکتی۔ سب نے اسی رائے پر اتفاق کر لیا اور اسی روز رات کے وقت اپنے ناپاک عزم کی تکمیل کا تہیہ کر لیا۔

ادھر جبرئیل امین نے ان کے مشورہ اور عزائم کی اطلاع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی اور کہا کہ آج رات کو آپ اپنے اس بستر پر آرام نہ فرمائیں جس پر آپ روزانہ سوتے ہیں اور یہ

۱
کہ اب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ سے ہجرت کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ مشرکوں کے اسی اجتماع کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی، ۱۹۷، ۱۹۸ / ۹، مظہری ۵۵-۵۷ / ۴، ابن کثیر ۳۰۲-۳۰۳ / ۲)

تشریح: یہ آیت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ جب آپ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آچکے تھے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے مکہ معظمہ کے قیام کے زمانے کی وہ سازش یا دلائلی ہے جو مشرکین مکہ آپ کے خلاف کر رہے تھے۔ سردار ان مکہ نے دارالندوہ میں جمع ہو کر آپ کے بارے میں مشورہ کیا۔ کسی نے رائے دی کہ آپ کو قید کر دیا جائے، کسی نے کہا کہ آپ کو (نعوذ باللہ) قتل کر دیا جائے اور کسی کا مشورہ یہ تھا کہ آپ کو جلا وطن کر دیا جائے۔ یہ تھیں وہ تدبیریں جو دارالندوہ میں زیر بحث تھیں۔

ادھر اللہ تعالیٰ بھی ان کے مکر و فریب کو باطل کرنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے داؤ پیچ سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ اس کے آگے کسی کا منصوبہ نہیں چل سکتا۔ اس نے اپنی تدبیر سے دشمن کے تمام منصوبے خاک میں ملا دیے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمن کے شر و فساد سے بچا کر محفوظ و مامون مدینہ منورہ پہنچا دیا۔

مشرکین کا متکبرانہ دعویٰ

۳۱-۳۲۔ وَإِذَا تَسَلَّىٰ عَلَيْهِمْ اٰتَيْنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا اِنْ هٰذَا اِلَّا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَامْطِرْ عَلَيْنَا حَجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ ۚ اَوِ اٰتِنَا بَعْدَ اٰبِ الْيَمِّ ۝

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا۔ اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا (کلام) کہہ سکتے ہیں۔ یہ تو صرف پہلے لوگوں کے احوال ہیں اور (وہ وقت یاد کرو) جب ان لوگوں نے یہ کہا کہ اے اللہ! اگر تیری طرف سے یہی دین حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسادے یا ہم پر

دردناک عذاب بھیج دے۔

اَسَاطِيرُ: کہانیاں۔ بے سند باتیں۔ من گھڑت۔ واحد اُسْطُوْرَةٌ

فَاطِرٌ: پس تو برسا۔ اِمْطَارٌ سے امر۔

حَبَارَاتٌ: پتھر۔ کنکریاں۔ واحد حَجْرٌ

تَشْرِیح: یہ آیتیں نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جو دارالندوہ کی سازش میں

شریک تھا۔ یہ شخص تہارت پیشہ تھا۔ مختلف ملکوں کے تہارتی سفروں میں اس کو یہود و نصاریٰ کی

کتابیں اور ان کی عبادتیں دیکھنے کا بار بار اتفاق ہوتا تھا۔ وہ فارس اور حیرہ سے رستم اور اسفندیار

کی داستانیں سن کر آیا تھا۔ اس لئے جب اس نے قرآن کرم میں گزشتہ امتوں کے حالات و واقعات

سنے تو کہنے لگا کہ یہ باتیں تو ہماری سنی ہوئی ہیں۔ یہ تو گزشتہ لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ اگر ہم چلیں تو

ہم بھی ایسی باتیں کہہ سکتے ہیں۔

یہ شخص جہاں بیٹھتا، لوگوں کو جھوٹ اور مبالغہ سے پر رستم و اسفندیار کے قصے سناتا اور

یہود و نصاریٰ کی عبادتوں اور ان کی کتابوں کے حالات و واقعات بیان کرتا اور لوگوں سے کہتا کہ

یہ واقعات بھی ویسے ہی ہیں جیسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں سناتے ہیں۔ اگر چاہوں تو میں بھی

ویسا ہی کلام بنا لوں۔

بعض صحابہ کرام نے اس سے یہ کہا کہ اگر تم قرآن کرم جیسا کلام کہہ سکتے ہو تو پھر کہتے

کیوں نہیں، جبکہ قرآن کرم تو ساری دنیا کے لوگوں کو چیلنج دے چکا ہے کہ اگر تم اپنے دعوائے

انکار میں سچے ہو اور قرآن کرم کو اللہ کا کلام نہیں مانتے تو تم سب مل کر ہی اس جیسی ایک چھوٹی سی

سورت بنا لاؤ۔ مگر کوئی بھی آج تک انفرادی یا اجتماعی طور پر ایک چھوٹی سی سورت بھی قرآن کرم

کے مقابلے میں پیش نہ کر سکا اور نہ قیامت تک کوئی ایسا کر سکے گا۔ قرآن کرم کا یہ چودہ سو سال

پرانا چیلنج آج بھی دنیا کے تمام کفار و مشرکین کو لٹکا رہا ہے۔

پھر جب صحابہ کرام نے نضر بن حارث کے سامنے کلام الہی کا حق ہونا بیان کیا تو وہ اپنے

غلط مذہب پر پختگی دکھانے کے لئے کہنے لگا کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن آپ کی طرف سے نازل کیا ہوا

صحیح اور حق ہے تو، تو ہم پر آسمان سے پتھر برسائے جس طرح تو نے اصحابِ فیل پر برسائے تھے

یا کوئی دردناک عذاب نازل کر دے۔

یہ دعا مشرکین کی کامل جہالت و نادانی اور سرکشی و عناد کا اظہار ہے، حالانکہ انہیں تو دعا

اس طرح مانگنی چاہئے تھی کہ اے اللہ اگر یہ قرآن تیری ہی طرف سے ہے تو، میں اس کے اتباع کی توفیق عطا فرما۔ اس کے برخلاف وہ عذاب میں جلدی کرنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا:

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۖ وَلَوْلَا أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاءَهُمُ
الْعَذَابُ ۖ وَلَيَأْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝

(سورۃ عنکبوت آیت ۵۳)

اور یہ لوگ عذاب کے لئے جلدی کرتے ہیں۔ اگر عذاب کا ایک وقت مقرر نہ ہوتا تو وہ فوراً ہی انہیں پکڑ لیتا اور انہیں خبر تک نہ ہوتی۔

(ابن کثیر ۳/۳۰۵، ۲/۳۰۵، مظہری ۴/۶۱)

نضر کی دعا کا جواب

۳۳۔ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ ۖ وَمَا كَانَ اللَّهُ
مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۝

اور (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ ان کو عذاب دے اور آپ ان میں موجود بھی ہوں اور جب تک وہ معافی مانگتے رہیں گے اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دے گا۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے نضر کی دعا کے جواب میں فرمایا کہ سابقہ انبیاء کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ رہا ہے کہ جب تک وہ بستی میں موجود رہے اس وقت تک اللہ تعالیٰ نے ان امتوں پر عذاب نازل نہیں فرمایا یعنی ایسا عذاب جس سے پوری قوم تباہ ہو جائے۔ پھر جب ان کی سرکشی اور بد اعمالیوں کی بنا پر عذاب کا نازل کرنا ضروری ٹھہرا تو پہلے وہاں سے انبیاء کو نکال لیا گیا جیسا کہ حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کے معاملے میں مشاہدہ ہوا۔ آپ چونکہ رحمۃ للعالمین ہیں اس لئے آپ کی موجودگی میں ان پر عذاب کا نازل ہونا آپ کی شان کے خلاف ہے۔

امام ابن جریر نے فرمایا کہ جب آپ مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے تو آیت کا دوسرا حصہ نازل

ہو یعنی:

وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۝

اور جب تک وہ معافی مانگتے رہیں گے اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دے گا۔

مطلب یہ ہے کہ اگرچہ آپ کے مدینہ منورہ ہجرت فرمالینے کے بعد عذاب کا وہ مانع رفع ہو گیا تھا جو آپ کی وہاں موجودگی کی وجہ سے تھا مگر عذاب کا ایک اور مانع یہ تھا کہ بہت سے کمزور و ضعیف مسلمان جو ہجرت نہیں کر سکتے تھے مکہ میں رہ گئے تھے اور وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہتے تھے۔ ان کی استغفار کی برکت سے اہل مکہ عذاب سے محفوظ رہے۔ (معارف القرآن ۲۲۳ / ۴)

حضرت ابو موسیٰ اشعرئیؓ نے فرمایا اے مسلمانو! تمہارے اندر اللہ تعالیٰ کے دنیوی عذاب سے محفوظ رہنے کے دو سبب تھے۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی۔

۲۔ تمہارا استغفار کرتے رہنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو (دنیا سے) تشریف لے گئے اور استغفار (کا سلسلہ) روز قیامت تک تمہارے اندر باقی رہے گا (اس لئے دنیوی عمومی عذاب تم پر نہیں آئے گا)۔
ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شیطان نے کہا: "اے اللہ! تیری عزت کی قسم جب تک تیرے بندوں کے جسموں میں روہیں ہیں میں انہیں بہکاتا رہوں گا۔" اللہ تعالیٰ نے (جواب میں) فرمایا: "مجھے میری عزت کی قسم جب تک وہ استغفار کرتے رہیں گے میں بھی انہیں بخشتا رہوں گا۔" (ابن کثیر ۳۰۴، ۳۰۵، ۲ / ۳۰۵، مظہری ۶۱ / ۴)

عذابِ الہی

۳۴۔ وَمَا لَهُمْ إِلَّا يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

اور اب ان میں کیا بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل نہ کرے حالانکہ وہ لوگوں کو مسجدِ حرام سے روکتے ہیں۔

یَصُدُّونَ: وہ روکتے ہیں۔ وہ باز رکھتے ہیں۔ صَدَّ سے مضارع۔

تشریح: پھر جب ضعیف و کمزور لوگ بھی ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئے تو عذاب الہی کے دونوں موانع رفع ہو گئے یعنی نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رہے اور نہ استغفار کرنے والے ضعیف و کمزور مسلمان مکہ میں رہے۔ وہ لوگ اب ہر لحاظ سے عذاب کے مستحق ہو گئے تھے، کیونکہ وہ مسلمانوں کو عبادت کی غرض سے مسجد حرام میں جانے سے روکنے لگے تھے۔

مسلمانوں کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکنے کا واقعہ ۶ھ میں حدیبیہ کے مقام پر پیش آیا تھا، جب مشرکین مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو عمرہ کے قصد سے مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔ آپ کو اور تمام صحابہ کرام کو عمرہ ادا کئے بغیر احرام کھولنے اور واپس جانے پر مجبور کیا، پھر دو ہی سال بعد ۸ھ میں فتح مکہ کی شکل میں ان پر عذاب الہی نازل ہوا۔ (روح المعانی ۲۰۰، ۲۰۱/۹، مظہری ۶۰، ۶۱/۴)

مسجد الحرام کی تولیت کا حق

۳۲-۵ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَ إِنْ أَوْلِيَائُوهَ إِلَّا الْمُتَّقُونَ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝

اور (وہ مشرکین مکہ) اس (مسجد الحرام) کے متولی نہیں ہیں۔ اس کے متولی تو پرہیزگار ہی ہیں۔ لیکن ان میں سے بہت سے لوگوں کو علم نہیں اور بیت اللہ کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا ان کی نماز ہی کیا تھی۔ سو (قیامت میں ان سے کہا جائے گا کہ) اپنے کفر کے سبب عذاب کا مزہ چکھو۔

مُكَاءً: سیٹی بجانا۔ مضبوط پکڑنا۔ مصدر ہے۔

تَصْدِيَةً: تالیاں بجانا۔ مصدر ہے۔

شان نزول: ابن جریر نے بحوالہ سعید بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طواف کے دوران قریش آپ کے سامنے آجاتے، آپ سے ٹھٹھا کرتے اور سیٹیاں اور تالیاں بجاتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۶۳/۴)

تشریح: کفار و مشرکین اپنے آپ کو مسجد الحرام کا متولی سمجھتے اور مومنوں کو جو حقیقتاً اس کی تولیت کے مستحق ہیں اس کی زیارت اور اس میں طواف و عبادت کرنے سے روکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ نجس اور گندے ہیں۔ یہ اس قابل ہی نہیں کہ ان کو بیت اللہ جیسی پاکیزہ اور مقدس جگہ کی تولیت دی جائے۔ مسجد الحرام کا متولی تو وہی ہو سکتا ہے جو اپنے آپ کو کفر و شرک کی نہاست اور معصیت سے بچائے رکھتا ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر لوگ یہ جانتے ہی نہیں کہ تولیت ان کا حق نہیں۔

پھر فرمایا کہ مسجد الحرام کی تولیت کا حق تو اس شخص کو ہے جو اس کا حق ادا کرے اور اس میں صحیح طریقے سے نماز ادا کرے جبکہ ان لوگوں کی نماز تو خانہ کعبہ کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ نہیں جو نری جہالت اور حماقت ہے۔ ایسے لوگوں کو خانہ کعبہ کی تولیت کا کوئی حق نہیں بلکہ یہ تو عذاب کے مستحق ہیں۔ لہذا اب ان کو اپنے کفر و شرک کے بدلے میں عذاب کا مزہ چکھنا چاہئے۔

بغویؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ قریش برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے اور طواف کی حالت میں سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے۔ (مظہری ۶۳ / ۴)

عداوتِ اسلام میں مال خرچ کرنا

۳۶۔ ۳۷۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَسُیْنَفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَیْهِمْ حَسْرَةٌ لّٰثُمَّ یُغْلِبُوْنَ هٗ وَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِلٰی جَهَنَّمَ یُحْشَرُوْنَ ۝ لِیَمِیْزَ اللّٰهُ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ وَ یَجْعَلَ الْخَبِیْثَ بَعْضُهُ عَلٰی بَعْضٍ فِیْزُکُّمَہٗ جَمِیْعًا فَاَیْجَعَلُہٗ فِیْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

بے شک جو لوگ کافر ہیں وہ اپنے مال اس لئے خرچ کر رہے ہیں کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکیں، سو یہ لوگ ابھی اور بھی خرچ کریں گے۔ پھر وہ مال ان کے لئے حسرت و افسوس کا باعث ہو جائے گا۔ پھر بھی وہ مغلوب ہو کر رہیں گے اور جو لوگ کافر ہیں وہ دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے تاکہ اللہ

تعالیٰ ناپاک کو پاک سے جدا کر دے اور ناپاک کو ایک دوسرے پر رکھ کر ان کا ایک ڈھیر بنادے، پھر سب کو جہنم میں ڈال دے۔ یہی لوگ خسارے میں ہیں

لَيَمَيِّزُ: تاکہ وہ ممتاز کر دے۔ تاکہ وہ جدا کر دے۔ **مُزَيَّرٌ** سے مضارع۔
فَيَزَكِّيهِ: پس وہ اس کو اکٹھا کرتا ہے۔ پس وہ اس کو تہہ بہ تہہ کر کے ڈھیر لگاتا ہے۔ **رَكْمٌ**
وَرَكْوَمٌ سے مضارع۔

شان نزول: کبھی، ضحاک اور مقاتل رحمہم اللہ نے بیان کیا کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے بدر کے موقع پر (قریش کے لشکر کو) کھانا کھلایا تھا۔ یہ بارہ آدمی تھے۔ ابو جہل بن ہشام، ربیعہ بن عبد شمس کے دونوں بیٹے، عتبہ و شیبہ، حجاج کے دونوں بیٹے بنیہ و منیہ، ابوالختری بن ہشام، نضر بن حارث، حکیم بن حزام، ابی بن خلف، زمعہ بن اسود، حرث بن عامر بن نوفل، عباس بن عبد المطلب، یہ سب قریشی تھے۔ ان میں سے روزانہ ایک آدمی دس اونٹ ذبح کیا کرتا تھا اور یوم الحجۃ یعنی شکست والے دن عباس بن عبد المطلب کی باری تھی۔

ابن اسحاق نے کہا کہ یہ آیت (مشرکین مکہ کے تجارتی) قافلے والوں کے بارے میں نازل ہوئی کہ جب بدر کے دن قریش پر مصیبت پڑی اور وہ شکست کھا کر مکہ لوٹے تو صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل جو ان لوگوں میں سے تھے جن کے باپ بھائی بدر میں مارے گئے تھے۔ ابو سفیان اور قریش کے ان لوگوں کے پاس گئے جو ابو سفیان کے تجارتی قافلے کے مال میں حصے دار تھے اور ان سے کہا کہ اے قریش کے لوگو! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمہاری قوت توڑ دی اور تمہارے چنیدہ لوگوں کو قتل کر دیا۔ اب تم (اس تجارتی) مال سے ہماری مدد کرو تاکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لڑ کر اپنا انتقام لے سکیں۔ پس لوگوں نے یہ بات قبول کر لی۔

سعید بن جبیر اور مجاہد سے روایت ہے کہ یہ آیت ابو سفیان کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس نے (معرکہ ۱۰) احد کے لئے عرب میں سے جو لشکر اکٹھا کیا تھا اس کے علاوہ دو ہزار احابش کو اجرت پر جنگ کے لئے تیار کیا تاکہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قتال کریں اور ان پر چالیس اوقیہ سونا خرچ کیا تھا۔ اس وقت ایک اوقیہ سونا بیالیس مثقال سونے کے برابر تھا۔

(روح المعانی ۹/۲۰۴)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کا حال بیان کیا ہے کہ لوگوں کو حق کے راستے پر چلنے

سے روکنے کے لئے یہ لوگ خوب روپیہ پیسہ خرچ کر رہے ہیں اور خرچ کرتے ہی رہیں گے۔ لیکن ان کا یہ سب مال ضائع ہو کر ان کے لئے دنیا ہی میں باعثِ ندامت و حسرت ہو جائے گا کیونکہ مال بھی جائے گا اور مقصد بھی حاصل نہ ہو گا۔

جو لوگ حق کو قبول نہیں کریں گے اور اپنے کفر و عناد پر قائم رہیں گے اللہ تعالیٰ ان کو ہنکا کر جہنم کی طرف لے جائے گا تاکہ اہل سعادت کو کافروں سے ممتاز کر کے جنت میں داخل کر دے اور تمام کافروں کو ملا جلا کر ایک ساتھ جہنم میں ڈال دے۔ یہی لوگ حقیقتاً خسارہ اٹھانے والے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ (آل عمران ۱۷۹)

اور اللہ ایسا نہیں کہ مسلمانوں کو اسی حالت پر چھوڑ دے جس پر وہ ہیں یہاں تک کہ وہ جدا کر دے ناپاک کو پاک سے۔

دوسری آیت میں ناپاک و پاک سے مراد یا تو کافر و مومن ہیں یا ناپاک سے وہ مال مراد ہے جو کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں صرف کیا تھا اور پاک سے مراد وہ مال ہے جو مسلمانوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد میں صرف کیا تھا۔ واللہ اعلم۔

(ابن کثیر ۲/۳۰۸، مظہری ۶۳-۶۴/۴)

خسارے کی تلافی

۳۸۔ قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ وَإِنْ يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنتُ الْأَوَّلِينَ ۝

آپ کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ باز آجائیں تو ان کے گزشتہ تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور اگر وہ پھر وہی حرکتیں کریں گے تو گزشتہ کافر قوموں کے حق میں ہمارا قانون نافذ ہو چکا ہے۔

يَنْتَهُوا: وہ رکتے ہیں۔ وہ باز رہتے ہیں۔ انتہاء سے مضارع۔
سَلَفَ: وہ ہو چکا۔ وہ گزر گیا۔ سَلَفَ سے ماضی۔

مَضَتْ : وہ گزر گئی - وہ ہو چکی - مَضَتْ سے ماضی -

سُنَّت : عادت - طریقہ - راہ - رسم، جمع سُنَن -

تشریح : اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کافروں

کو جو اسلام کی عداوت پر تلے ہوئے ہیں کہہ دیجئے کہ اگر تم اپنے کفر و عناد اور عداوت رسول سے باز

آجاؤ اور اسلام قبول کر کے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو تو کفر کی حالت میں جو گناہ تم کر چکے ہو،

اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دے گا اور اگر تم اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے اور اپنے کفر و عناد پر قائم

رہے تو جیسا کہ سابقہ امتوں میں اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کے دشمنوں کو ہلاک و برباد کرتا رہا ہے -

وہ تمہارے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کرے گا -

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ دست مبارک بڑھائیے، میں بیعت کرنا چاہتا ہوں - آپ نے

ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا - آپ نے فرمایا عمرو کیا بات ہے - میں نے عرض کیا کہ میں کچھ

شرط رکھنا چاہتا ہوں - آپ نے فرمایا کہ پیش کرو کیا شرط ہے - میں نے عرض کیا کہ شرط یہ ہے کہ

میرے (گزشتہ) قصور معاف ہو جائیں - آپ نے فرمایا کہ عمرو کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام گزشتہ

جرائم کو ڈھائیٹا ہے اور ہجرت بھی جو کچھ پہلے ہو چکا ہو اس کو ڈھادیتی ہے اور حج بھی سابقہ باتوں

(یعنی گناہوں) کو ڈھادیٹا ہے - (مظہری بحوالہ مسلم ۶۵ / ۴)

السَّادَةُ فَتْنَةُ

۳۹-۴۰ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ فَإِنْ

أَنْتَهُوَ فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَاَعْلَمُوا أَنَّ

اللَّهَ مَوْلَاكُمْ نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ۝

اور ان سے قتال کرتے رہو یہاں تک کہ (کفر کا) فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ

ہی کا ہو جائے - پھر اگر وہ باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال خوب دیکھ رہا

ہے اور اگر وہ رد گردانی کریں تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا حمایتی ہے - وہ بہت

ہی اچھا کار ساز اور بہت ہی اچھا مددگار ہے -

تشریح: اگر یہ لوگ اپنے کفر و شرک پر قائم رہیں تو تم بھی ان سے جہاد و قتال کرتے رہو۔ یہاں تک کہ کافروں کی طرف سے اسلام اور مسلمانوں کے لئے کسی قسم کے فتنہ و فساد کا اندیشہ نہ رہے۔ اس آیت میں فتنہ سے مراد کفر کا غلبہ ہے۔ جب کفر کو غلبہ ہوتا ہے تو اسلام کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ پس تم کافروں سے اس وقت تک قتال کرتے رہو جب تک کہ اللہ کا حکم علی الاعلان جاری و نافذ نہ ہو جائے اور کفر میں مزاحمت کی سکت باقی نہ رہے اور دین اسلام تمام ادیان پر غالب آجائے۔

پھر اگر یہ لوگ ظاہر میں اپنے کفر و عناد اور تمہارے ساتھ جنگ و قتال سے باز رہیں اور اسلام قبول کر لیں تو تم بھی اپنے ہاتھ ان سے روک لو اور ان کا ظاہری اسلام قبول کر لو اور ان کے دلوں کا حال اللہ کے سپرد کر دو اس لئے کہ تمہیں ان کے دلوں کا حال معلوم نہیں۔ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے۔ اس لئے وہ ان کو ان کے اعمال کے مطابق جزا دے گا۔ اگر یہ لوگ اسلام سے روگردانی کرتے رہے اور اپنے بغض و عناد پر قائم رہتے ہوئے انہوں نے تمہارے ساتھ محاربہ و مقاتلہ جاری رکھا تو اللہ تعالیٰ بھی یقیناً تمہاری مدد و اعانت کرتا رہے گا۔ لہذا تم بھی اس پر بھروسہ رکھو اور کافروں سے لڑتے رہو۔ ان کی کثرت و شوکت اور ان کے سامان حرب و ضرب کو خاطر میں نہ لاؤ۔ اللہ تعالیٰ کیا ہی اچھا مددگار ہے کہ وہ اپنے دین کی حمایت کرنے والوں کو مغلوب نہیں ہونے دیتا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس وقت تک لوگوں (کافروں) سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی شہادت دیں اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں۔ جب وہ ایسا کرنے لگیں تو ان کے خون اور اموال میری طرف سے محفوظ ہو جائیں گے۔ سوائے حق اسلام کے (یعنی حقوق العباد کی وجہ سے ان سے قصاص اور مالی معاوضات لئے جاسکیں گے) اور ان کا (باطنی) حساب اللہ کے ذمہ ہے (ان کی باطنی حالت اللہ ہی کو معلوم ہے) متفق علیہ۔

(ابن کثیر ۳۰۸، ۳۱۰، ۲ / مظہری ۶۶ / ۴)

مالِ غنیمت کے احکام

۴۱۔ **وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِن كُنْتُمْ أَمْنْتُمْ بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ التَّقَىٰ أَتَجْمَعُونَ مَا لِلَّهِ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝**

اور جان لو کہ جو چیز تمہیں غنیمت کے طور پر ملے تو اس میں سے پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے اگر تم اللہ پر اور اس (نبی مدد) پر یقین رکھتے ہو جو ہم نے فیصلے کے دن (جنگ بدر میں) اپنے بندے پر نازل کی، جس دن دونوں فوجوں میں مڈبھڑ ہو گئی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

غَنِيمَتٌ : لغت میں اس مال کو غنیمت کہتے ہیں جو دشمن سے حاصل کیا جائے۔ شریعت کی اصطلاح میں اس مال کو غنیمت کہتے ہیں جو جنگ و قتال اور غلبہ کے ذریعہ غیر مسلموں سے حاصل ہو۔

فَنَی : جو مال جنگ و قتال کے بغیر صلح و رضامندی سے حاصل ہو جیسے جزیہ و خراج وغیرہ اس کو فنی کہتے ہیں۔

تشریح : تمام کائنات کی اصل ملکیت اللہ تعالیٰ کی ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے۔ انسان کسی چیز کا صرف اسی وقت مالک ہو سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ اپنے قانون کے ذریعہ اس کو اس چیز کا مالک بنادے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے :

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ ۝ (سورة یٰسٰن آیت ۱۷)

کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ جو پاؤں کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا، پھر لوگ ان کے مالک بن گئے۔ یعنی ان کی ملکیت ذاتی نہیں بلکہ ہم نے اپنے فضل سے ان کو ان جو پاؤں کا مالک بنادیا۔

جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ سے بغاوت کرتی ہے اور کفر و شرک میں مبتلا ہو جاتی ہے تو اللہ

تعالیٰ ان کی اصلاح کے لئے اپنے رسول اور کتابیں بھیجتا ہے۔ اگر یہ لوگ پھر بھی راہِ راست پر نہ آئیں تو اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو ان سے جہاد و قتال کا حکم دیتا ہے جس کے نتیجے میں ان کے اموال ان کی ملکیت سے نکل کر خالص اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں آجاتے ہیں۔ اسی کو مالِ غنیمت کہتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ خصوصیتیں عطا ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی امت کے لئے انعام کے طور پر مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا جو سابقہ امتوں کے لئے حلال نہ تھا۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ مالِ غنیمت کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ ایک حصہ جس کو خمس کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور رسول اللہ کے قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کیا جائے گا۔ باقی چار خمس بالاجماع مجاہدین پر تقسیم کئے جائیں گے۔

تمام ائمہ کا اس پر اجماع ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مالِ غنیمت کے پانچ حصے کرتے تھے، جن میں سے چار تو جہاد میں شریک لوگوں کو عطا فرمادیتے تھے اور پانچویں حصے کے پھر پانچ حصے کرتے تھے، جن میں سے ایک حصہ اپنے اور اپنے متعلقین کے لئے لیتے تھے، اپنا اور اپنے گھروالوں کا خرچ بھی اسی حصے سے چلاتے تھے، جو کچھ بچ رہتا اس سے جہاد کے لئے ہتھیار اور گھوڑے خریدتے تھے اور مسلمانوں کی ضروریات میں صرف کرتے تھے۔ دوسرا حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کو بانٹ دیتے تھے اور ان کے مالدار، نادار، مرد و عورت سب کو دیتے تھے۔ اور باقی تین حصے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کو عنایت فرماتے تھے۔

آپ کے ان اقارب کے بارے میں جن کو خمس میں سے حصہ دیا جاتا تھا مختلف اقوال ہیں بعض کے نزدیک تمام قریش اقارب ہیں۔ مجاہد اور امام زین العابدین کے نزدیک صرف بنی ہاشم اقارب ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک عبد مناف کے صرف دو بیٹوں ہاشم اور مطلب کی اولاد اقارب ہیں اور عبد مناف کے باقی دو بیٹوں اور عبد الشمس اور نوفل کی اولاد اقارب میں داخل نہیں۔ امام شافعیؒ کی روایت ہے کہ حضرت جبیر بن مطعمؓ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوی القربی کا حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کو تقسیم فرمایا تو میں اور عثمان بن عفانؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں اپنے ہاشمی بھائیوں کی فضیلت کا تو انکار نہیں کیونکہ آپ بنی ہاشم میں سے ہیں۔ لیکن بنی مطلب کی قرابت اور ہماری قرابت تو ایک ہی ہے پھر آپ نے ان کو تو دیا اور ہمیں نہیں دیا۔ یہ ترجیح کیوں ہے؟ آپ نے اپنی

انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈال کر اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب تو اس طرح ایک ہی ہیں یعنی انہوں نے مقاطعہ بنی ہاشم کے وقت بنی ہاشم کی مدد کی اور شعب ابی طالب میں ان کے ساتھ رہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خمس میں سے آپ کے حصے کی تقسیم میں علماء کے دو

قول ہیں:

- (۱) جمہور علماء کے نزدیک جن میں امام ابو حنیفہ اور امام شافعی شامل ہیں آپ کا حصہ اسلام کے مصارف اور اس کی ضرورتوں میں صرف ہو گا کیونکہ اب آپ کو کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔
 - (۲) بعض کے نزدیک آپ کا حصہ ذوی القربی، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر تقسیم ہو گا۔
- (مظہری ۶۷-۷۰/۴، حقائق ۴۶۸-۴۶۹/۲، معارف القرآن ۲۳۷-۲۴۰/۴)

محاذ جنگ کا نقشہ

۴۲۔ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدُوِّ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدُوِّ الْقُصْوٰی وَالتَّوَكُّبِ
اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ لَا خْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ وَلٰكِنْ
لَيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ
وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝

جب تم (مدینے سے) وادی کے قریب والے کنارے پر تھے اور وہ دور والے سرے پر اور قافلہ تم سے نیچے کی طرف کو (ہٹا ہوا تھا) اور اگر تم آپس میں جنگ کا وعدہ بھی کرتے تو وعدے پر ایک ساتھ نہ پہنچتے لیکن اللہ تعالیٰ کو تو ایک کام کرنا منظور تھا جو مقدر ہو چکا تھا تاکہ جسے مرنا ہے وہ حجت قائم ہو کر مرے اور جو زندہ رہے وہ بھی حجت تمام ہو کر زندہ رہے اور بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

الْعُدُوِّ الدُّنْيَا: کنارہ - جانب - سمت - جمع عدی
بہت نزدیک - بہت ذلیل - دُئُو سے اسم تفضیل -

الْقُصْوٰی: دور والا کنارہ - نہایت دور کا یعنی مدینہ منورہ سے دور مکہ معظمہ کی طرف والا

کنارہ - قَصْوٌ وَقَصْوَةٌ اسم تفصیل -

الرَّكْبُ : اونٹ سواروں کا قافلہ - سوار رُكُوبٌ سے اسم فاعل -

أَسْفَلَ : سب سے نیچا - سُفْلٌ سے اسم تفصیل -

تَوَاعَدْتُمْ : تم نے باہم وعدہ کیا - تَوَاعَدٌ سے ماضی -

بَيِّنَةٍ : واضح دلیل -

تشریح : قرآن کریم نے غزوہ بدر کو خاصی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے - اسی معرکہ بدر

نے کفار و مشرکین پر اسلام کی برتری اور حقانیت کا سکھ بھادیا تھا - اس آیت میں محاذ جنگ کا نقشہ بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں نے تو میدان کے اس کنارے پر پڑاؤ ڈالا تھا جو مدینہ سے قریب تھا اور کافر اس کنارے پر تھے جو مدینے سے دور تھا - ابوسفیان اور اس کا قافلہ تجارتی سامان سمیت مکہ سے آنے والے مشرکین و کفار کے لشکر سے قریب اور مسلمانوں کی زد سے باہر سمندر کے کنارے کنارے چل رہا تھا -

اس ساری تفصیل سے یہ بتانا مقصود ہے کہ دونوں لشکر بالکل آمنے سامنے تھے اور مسلمان بالکل بے موقع اور غلط جگہ پر ٹھہرے تھے، اس لئے کہ اس میدان کا مدینے کی جانب والا حصہ اس قدر ریتلا تھا کہ اس میں چلنا پھرنا بھی دشوار تھا - اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کے پاس پانی کی بھی کوئی جگہ نہ تھی اور نہ ان کو کہیں سے مکھ ملنے کا احتمال تھا جبکہ میدان کا مدینے سے دور والی جانب کا حصہ جو کافروں کے قبضہ میں تھا وہ صاف اور، موار تھا اور پانی بھی وہاں سے قریب تھا - نیز ان کو یہ بھی اطمینان تھا کہ ان کا تجارتی قافلہ مسلمانوں کی زد سے نکل چکا ہے اور اب ضرورت پڑنے پر وہ بھی ان کی مدد کو آسکتا ہے - لہذا ظاہری اعتبار سے وہ جگہ جہاں اسلامی لشکر نے پڑاؤ ڈالا تھا کسی طور پر بھی ایسی نہ تھی جہاں دشمن پر قابو پایا جاسکتا یا مسلمان اپنی جان بچا کر وہاں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوتے - یوں بھی مسلمان کسی مسلح لشکر سے جنگ کی تیاری کر کے نہیں نکلے تھے - وہ تو محض ایک تجارتی قافلے کا راستہ روکنے کے لئے نہایت مختصر سی جماعت کے ساتھ بے سرو سامانی کے عالم میں نکلے تھے کہ اچانک ایک ہزار مسلح جنگجوؤں سے مقابلہ ہو گیا جو ہر قسم کے سامان حرب سے لیس تھے -

اگر مومنین و مشرکین پہلے سے کسی مقررہ مقام یا وقت پر آپس میں لڑائی کا وعدہ کر لیتے تو بھی وعدہ پورا کرنے میں اختلاف کرتے کیونکہ مسلمان تو اپنی قلت اور ان کی کثرت کے باعث

مقابلے سے کتراتے اور کافر پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیبت زدہ تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے دونوں کو اچانک بھڑادیا کیونکہ مسلمان تو تہارتی قافلے کی تلاش میں نکلے تھے اور مشرکین اپنے قافلے کی مدد کے لئے نکلے تھے۔ دونوں میں سے کسی فریق کا بھی لڑائی کا ارادہ نہ تھا مگر اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ کفر کا زور ٹوٹے اور وہ ذلیل و خوار ہوں اور اسلام و مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو۔ اس لئے اس نے دونوں کو اچانک ایک دوسرے سے بھڑادیا اور مذکورہ بالا حالات کے باوجود مسلمانوں کو کافروں پر کھلی فتح عطا فرمادی تاکہ حجت پوری ہو جائے اور کوئی عذر باقی نہ رہے اور آئندہ جو کوئی ہلاکت میں پڑے وہ بھی دیکھ بھال کر پڑے اور جو زندہ رہے وہ بھی دیکھ بھال کر زندہ رہے۔ اللہ تعالیٰ مومن و کافر سب کی باتوں کو سننے والا اور ان کے احوال کو جاننے والا ہے۔

قدرت کا کرشمہ

۴۳-۴۴ ﴿ذُرِّيَّتَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ التَّكْوِينِ فِي بَعْضِ الْأَعْيُنِ ۖ قَلِيلًا ۖ وَيُقَلِّلُكُمْ فِي الْأَعْيُنِ لِيُقْضَىٰ إِلَيْهِمْ أَمْرًا ۖ كَانَ مَفْعُولًا ۖ وَاللَّهُ تَرْجِعُ الْأُمُورَ ۝﴾

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) جب اللہ تعالیٰ آپ کو خواب میں ان (کافروں) کو کم کر کے دکھا رہا تھا اور اگر وہ ان کو زیادہ کر کے دکھاتا تو تم بزدلی کرتے اور اس کام میں جھگڑا ڈالتے۔ لیکن اللہ نے بچالیا۔ بیشک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے اور جب تم ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو اللہ نے تمہاری نظروں میں ان کو کم کر کے دکھایا اور ان کی نظروں میں تمہیں کم کر کے دکھایا تاکہ اللہ اس کام کو پورا کر دے جس کا کرنا اس کو منظور تھا اور سب کام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔

ذُرِّيَّتَهُمُ: وہ تجھے ان کو دکھاتا ہے۔ اِرَآةً سے مضارع۔

مَنَامِكَ: تیری نیند۔ تیرا سونا۔

لَفْشَلْتُمْ: اللہ تم بہت ہار دیتے۔ اللہ تم سستی کرتے۔ اللہ تم بزدلی کرتے۔ فُشْل سے ماضی۔

التَّقْيِئْتُمْ: تم ملے۔ تمہاری مڈبھیر ہوئی۔ اِلْتِقَاء سے ماضی۔

تشریح: مجاہد اور مقاتل کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں بدر کا واقعہ دکھایا۔ آپ نے خواب میں دیکھا کہ کفار بہت تھوڑے سے ہیں۔ پھر آپ نے یہ بات صحابہ کرام کو بتائی تو اس سے ان کے حوصلے اور مقابلے کی جرات بڑھ گئی۔ جب مقابلے کا وقت آیا اور دونوں لشکر صف بندی کر کے ایک دوسرے کے سامنے آگئے تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی نگاہوں میں کافروں کو کم کر کے دکھایا۔

پھر فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں، کافروں کو کثرت میں دکھاتا تو تم بزدلی کرتے اور کافروں سے قتال کرنے میں اختلاف کرتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں کافروں کی تعداد کم دکھا کر تمہیں آپس کے اختلاف سے محفوظ رکھا، کیونکہ وہ دلوں کی باتیں خوب جانتا ہے۔

اے مومنو! وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب کافروں سے تمہاری مڈبھیر ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری نظروں میں ان کی تعداد کم کر کے دکھائی تاکہ تم دلیری پکڑو اور بیداری میں، اپنے نبی برحق کے خواب کی تصدیق کر لو اور ان کی نظروں میں تمہاری تعداد کم دکھائی کہ کہیں وہ جنگ کے بغیر ہی واپس نہ چلے جائیں کیونکہ ان کا قافلہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو چکا تھا اور ابو سفیان نے مشرکین کو واپس آجانے کے لئے کہلا بھیجا تھا۔ چنانچہ اخنس بن شریق بنی زہرہ کو لے کر واپس چلا گیا اسی طرح بنو عدی بھی لڑائی میں شامل نہ ہوئے۔

ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ واللہ! وہ لوگ (کفار) ہماری نظروں میں اس قدر کم کر دیئے گئے تھے کہ میں نے اپنے برابر والے آدمی سے کہا کہ مجھے تو یہ ستر معلوم ہوتے ہیں۔ اس نے کہا کہ میرے خیال میں سو ہیں۔ پھر جب لڑائی میں ہم نے ایک کافر کو گرفتار کر کے پوچھا تو اس نے کہا کہ ہم لوگ ایک ہزار تھے۔

سدی نے کہا کہ اس وقت بعض مشرکین نے کہا کہ قافلہ تو سلامتی کے ساتھ نکل گیا تم بھی واپس چلے چلو۔ یہ سن کر ابو جہل نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی آج تمہارے مقابلے میں آئے ہیں۔ ہم جب تک ان کا فیصلہ نہ کر دیں اس وقت تک واپس نہ جائیں

گے۔ وہ چند آدمی ہیں ان کو قتل تو کیا کرو گے، پکڑ کر باندھ دو۔

سورۃ آل عمران آیت ۱۳ میں ارشاد ہے کہ:

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ لَا يَزَوِّجُهُمْ مِّثْلِيهِمْ رَأَىٰ الْعَيْنُ ۚ

بے شک تمہارے لئے ان دو جماعتوں میں جو (میدان بدر میں) باہم مقابل ہوئیں (اللہ کی قدرت اور اس کا وعدہ حق ہونے کی) ایک نشانی ہے۔ ایک جماعت (یعنی مسلمانوں کی فوج) اللہ کی راہ میں لڑ رہی تھی اور دوسری کافروں کی جماعت تھی اور وہ (کافر) اپنی آنکھوں سے انہیں اپنے سے دو چند دیکھ رہے تھے۔

اس آیت میں جو یہ کہا گیا ہے کہ کافروں کو مسلمان اپنے سے دو گنا نظر آتے تھے تو یہ صورت لڑائی شروع ہونے کے بعد تھی۔ لڑائی شروع ہونے سے پہلے کافروں کو مسلمان بہت تھوڑے دکھائی دے رہے تھے تاکہ ان کا غرور بڑھے اور وہ جنگ پر آمادہ رہیں۔ پھر جب دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے مقابل آگئیں اور لڑائی شروع ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مدد کے لئے فرشتے بھیج دیئے۔ اس وقت کافروں کی تعداد تو مومنوں کی نظر میں اسی طرح قلیل رہی جیسے لڑائی شروع ہونے سے پہلے تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے کافروں کی نظر میں مومنوں کی تعداد دو گنا کر دی تاکہ وہ مرعوب ہو کر شکست کھا جائیں۔

پھر فرمایا کہ یاد رکھو تمام امور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ پس اگر وہ اپنی قدرت کاملہ سے کسی وقت اپنے پیدا کئے ہوئے اسباب کے خلاف کوئی کرشمہ ظاہر کر دے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کیونکہ اسباب میں ذاتی طور پر کوئی تاثیر نہیں بلکہ ان کی تاثیر اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیت کے تابع ہے۔ اس لئے کہ وہی ذات مسبب الاسباب ہے۔

(مواعظ الرحمن ۷-۸، ۱۰/۸، حقائق ۴۰/۲)

آدابِ جہاد

۶۳۵-يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ

كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝

اے ایمان والو! جب کسی لشکر سے تمہارا آسنا سامنا ہو جائے تو تم ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو اور آپس میں ستازع نہ کرو۔ ورنہ تم کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

فَنَّةٌ: گروہ۔ چھوٹی جماعت۔

فَأَثَبْتُمْ: پس تم ثابت قدم رہو۔ ثَبَاتٌ سے امر۔

فَتَفْشَلُوا: پس تم بزدلی کرو گے۔ فَشَلٌ سے مضارع۔

تشریح: یہاں مسلمانوں کو دشمن سے مقابلے کے وقت میدان جنگ میں ثابت قدم رہنے

اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ذکر اللہ، مومن کا خاص ہتھیار ہے۔ مومنوں کے سوا تمام دنیا اس سے غافل ہے۔ اللہ کی یاد اور اس پر اعتماد ہر مصیبت اور پریشانی کو ختم کر دیتی ہے اور ان کے قلب کو مضبوط اور قدم کو ثابت رکھتی ہے۔ پس تم اس کی یاد میں لگے رہو۔ اسی پر بھروسہ رکھو اور اسی سے مدد طلب کرو، اسی میں کامیابی ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے رہو کیونکہ اللہ کی نصرت و مدد اس کی اطاعت ہی کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ آپس کے نزاع اور اختلاف سے بچو ورنہ تم میں بزدلی پھیل جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور دشمن پر جو تمہاری دھاک بیٹھی ہوئی ہے وہ جاتی رہے گی اور تم دشمن کی نظروں میں حقیر ہو جاؤ گے۔

آیت کے آخر میں باہمی نزاع اور اختلاف سے بچنے کا نسخہ بتا دیا کہ خلاف طبع امور پر صبر کا دامن نہ چھوڑو اس لئے کہ صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر وقت اور ہر حال میں صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک غزوے کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج ڈھلنے کا انتظار کیا پھر کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے لوگو!

دشمن سے مقابلے کی تمنا نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگتے رہو۔ پھر جب دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو صبر و استقامت رکھو اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ پھر آپ نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! پکی کتاب کے نازل فرمانے والے اور بادلوں کے چلانے والے اور لشکروں کو ہزیمت دینے والے، ان کافروں کو شکست دے اور ان کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔

طبرانی میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تین وقتوں میں خاموش رہنا پسند ہے۔ ۱۔ تلاوت قرآن کے وقت، ۲۔ جہاد کے وقت اور ۳۔ جنازے کے وقت۔ (ابن کثیر ۳/۱۶۲)

مسلمانوں کو فخر و غرور کی ممانعت

۳۷۔ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَأَوْرَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝

اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھانے کے لئے نکلے اور وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے تھے اور اللہ ان کے اعمال کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔

بَطَرًا: اترانا۔ اتراتے ہوئے۔ مصدر ہے۔
رِئَاءَ: دکھاوا۔ خود نمائی کرنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب کر کے مشرکین کی مشابہت اختیار نہ کرنے کا حکم دیا ہے کہ جس طرح مشرکین اپنے گھروں سے غرور و تکبر اور اپنی بہادری پر فخر کرتے ہوئے حق کو مٹانے کے لئے نکلے تھے، تم ان کی طرح بڑائی نہ مارنا اور نہ ریاکاری کرنا کیونکہ تم تو اللہ کے دین کی حمایت و نصرت اور اس کے دشمنوں سے لڑنے کے لئے نکلے ہو۔ اس لئے اپنے آپ کو ان کی مشابہت سے محفوظ رکھو۔ یہ مشرکین لوگوں کو اللہ کے دین سے روکنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا علم ان کے اعمال کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ان کا کوئی عمل اس سے پوشیدہ نہیں۔ قیامت کے روز وہ ان کو ان کے اعمال کی سزا دے گا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ابو سفیان نے دیکھا کہ وہ اپنے قافلے کو بچا کر لے جانے میں کامیاب ہو گیا ہے تو اس نے قریش کو یہ پیغام بھیجا کہ چونکہ قافلہ مسلمانوں کی زد سے صحیح و سالم نکل گیا ہے اس لئے تم بھی واپس لوٹ جاؤ۔ یہ سن کر ابو جہل کہنے لگا کہ واللہ! ہم اس وقت تک واپس نہ جائیں گے جب تک کہ بدر میں جا کر قیام نہ کریں ہم وہاں شراہیں پیئیں گے، طوائفیں گائیں گی اور ہم لوگوں کو کھانا کھلائیں گے۔ تمام عرب میں ہماری بات مشہور ہوگی اور سب پر ہماری ہیبت بیٹھ جائے گی۔

چنانچہ جب لوگ بدر پہنچے تو وہاں ان کو شراب کی بجائے موت کے جام ملے۔ گانے والی عورتوں کی جگہ، عورتوں نے ان پر نوحہ کیا۔ (روح المعانی ۱۴/۱۰، مظہری ۹۸/۴)

شیطان کا دعویٰ

۴۸۔ وَادْزَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمْ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّي جَارٌ لَّكُمْ فَلَمَّا تَرَأَتْ الْفِئْتَنَ نَكَصَ عَلَى عَقَبَيْهِ وَقَالَ اِنِّي بَرِئٌ مِّنْكُمْ اِنِّي اُرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيۤ اَخَافُ اللّٰهَ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

اور جب شیطان نے ان کو ان کے اعمال خوشنما کر کے دکھائے اور کہا کہ آج تم پر کوئی شخص غالب نہ ہو گا اور میں تمہارا حمایتی ہوں پھر جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو وہ لٹے پاؤں بھاگا اور کہنے لگا کہ مجھے تم سے کوئی سروکار نہیں کیونکہ میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

جَارٌ : ہمسایہ۔ پڑوسی۔ حمایتی۔

نَكَصَ : وہ پھر گیا۔ وہ لٹے پاؤں بھاگا۔ نَكَصٌ وَّنُكُوصٌ سے ماضی۔

عَقَبَيْهِ : ان کی دونوں ایڑیاں۔ جمع اَعْقَابٌ۔

تشریح : وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب شیطان کافروں کی پشت پناہی کر رہا تھا اور اس نے

ان کے دماغوں میں یہ بات حمادی تھی کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ سب اعمال نیک اور ان کی نجات

کا ذریعہ ہیں۔ اس روز شیطان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں کافروں کے سامنے ان کی قوت بیان کرنے اور ان کو اپنی مدد و حمایت کا یقین دلانے کے لئے نہایت مبالغے سے کلام لیتے ہوئے ان سے یہ تک کہہ دیا کہ بے سرو سامان مسلمانوں کے مقابلے میں تمہاری تعداد بھی بہت زیادہ ہے اور تمہارے پاس جنگی ساز و سامان کی بھی کوئی کمی نہیں لہذا آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اس معاملے میں، میں تمہارا ضامن ہوں۔

پھر جب بدر کے مقام پر دونوں فوجوں کا آمناسا منا ہوا اور شیطان نے حضرت جبرائیل اور فرشتوں کو آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا تو فوراً لٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ میں تم سے بری اور بے تعلق ہوں۔ بلاشبہ میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے۔ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں کہ کہیں قیامت سے پہلے ہی نہ پکڑ لیا جاؤں اور اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔

منافقوں کی احمقانہ سوچ

۴۹۔ اَذِيقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هُوَ لَا دِيْنُهُمْ ۖ وَهُمْ يَتَوَكَّلُ عَلٰی اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيْمٌ ۝

اس وقت منافقین اور جن لوگوں کے دلوں میں مرض تھا کہنے لگے کہ ان لوگوں (مسلمانوں) کو ان کے دین نے مغرور کر رکھا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔

اس نے فریب دیا۔ اس نے دھوکہ دیا۔ غرور سے ماضی۔

تشریح: اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ صرف کفار و مشرکین ہی اپنے اعمال بد کو اچھا سمجھنے کی بیماری میں مبتلا نہ تھے بلکہ مدینے کے منافق بھی اس بیماری میں مبتلا تھے۔ ان کے دلوں میں جو نفاق کا مرض ہے وہ بھی اسی شیطانی دھوکہ کا نتیجہ ہے۔ چونکہ بدر کی لڑائی میں مشرکین کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور ان کے پاس سامان جنگ بھی برائے نام تھا۔ اس لئے منافقین مسلمانوں کے بارے میں کہنے لگے کہ ان کو ان کے دین حق نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے کہ جو اللہ کی راہ میں لڑے گا اس کو جنت میں یہ یہ نعمتیں ملیں گی۔ یہ تین سو بے سرو سامان آدمی ایک ہزار مشرکین کے لشکرِ ہزار سے جنگ کرنے جا رہے ہیں جو ہر طرح کے سامان حرب و حرب

سے لیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان کسی غرور یا خوش فہمی میں مبتلا نہ تھے بلکہ وہ تو اللہ کی مدد و اعانت پر بھروسہ کر کے اس کے دشمنوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے نکلے تھے۔ منافق یہ بات نہیں جانتے کہ جو شخص اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ وہم و گمان سے بڑھ کر ان کی مدد و اعانت کرتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنے اوپر بھروسہ کرنے والوں کو غلبہ دینے پر قادر ہے۔ اس کے سب کام حکمت سے ہوتے ہیں۔

کافروں کی موت کا حال

۵۰-۵۱ وَلَوْ تَرَىٰ اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهُهُمْ وَاَذْبَارُهُمْۚ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلّٰمٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کاش آپ اس وقت کافروں کو دیکھیں جب فرشتے ان کی روحيں قبض کرتے ہیں۔ وہ ان کے چہروں اور پیٹھوں پر مارتے ہوں گے اور (کہتے جاتے ہوں گے کہ لو اب) جلنے کا عذاب چکھو۔ یہ (عذاب) ان کاموں کا بدلہ ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں سے آگے بھیجے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو بندوں پر (ذرا بھی) ظلم نہیں کرتا۔

الْحَرِيقِ: جلتی ہوئی آگ۔ بھڑکتی ہوئی آگ۔ حَرْق سے صفت مشبہ۔

ظَلَامٌ: ظلم کرنے والا۔ ظَلَمٌ سے اسم منسوب۔ قرآن کرم میں نسبت کے معنی مراد ہیں مبالغہ کے نہیں۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کاش آپ ان کافروں کی موت کے وقت وہ بہت ناک منظر دیکھتے جب فرشتے ان کی روحيں قبض کرتے وقت ان کے چہروں اور ان کی پشتوں پر مار رہے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ اپنی بد اعمالیوں کے سبب آگ میں جلنے کے عذاب کا مزہ چکھو۔ بعض ائمہ تفسیر نے بیان کیا کہ یہ واقعہ بدر کے دن کا ہے، جب سامنے سے تو ان کافروں کے چہروں پر تلواریں پڑتی تھیں اور جب پیٹھ پھیر کر میدان جنگ سے

بھاگتے تھے تو فرشتے ان کی پٹھوں پر مارتے تھے۔

ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے ابو جہل کی پیٹھ پر کانٹوں کے نشان دیکھے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں یہ فرشتوں کی مار کے نشان ہیں۔

صحیح یہ ہے کہ یہ آیت واقعہ بدر کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ الفاظ عام ہیں۔ موت کے وقت ہر کافر کا یہی حال ہوتا ہے۔ جب کوئی کافر مرتا ہے تو موت کا فرشتہ اس کی روح قبض کرتے وقت اس کے چہرے اور پشت پر مارتا ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ فرشتوں کے ہاتھوں میں آگ کے کوڑے اور لوہے کے گرز ہوتے ہیں جن سے وہ مرنے والے کافر کو مارتے ہیں۔ چونکہ اس عذاب کا تعلق عالم برزخ سے ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو آنکھوں سے نہیں دیکھا جاسکتا۔

حضرت براء کی روایت میں ہے کہ سکرات موت کی حالت میں موت کے فرشتے کافر کے پاس آکر کہتے ہیں کہ اے خبیث روح تو گرم ہوا، گرم پانی اور گرم سائے کی طرف چل۔ پس وہ اس کے بدن میں چھپنے لگتی ہے۔ آخر اسے اس کے جسم سے اس طرح گھسیٹ کر نکالا جاتا ہے جس طرح کسی زندہ شخص کی کھال کو اتارا جائے اس کے ساتھ رگیں اور پٹھے بھی آجاتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ فرشتے ان سے کہتے ہیں کہ اب آگ میں جلنے کے عذاب کا مزہ چکھو۔ یہ عذاب تمہارے کفر و معاصی اور تمہاری بد اعمالیوں کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ تو عدل و انصاف کرنے والا حاکم ہے وہ کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کرتا اور نہ کسی کو بلا وجہ عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔

(روح المعانی ۱۶-۱۷/۱۰، ابن کثیر ۳۱۹/۲)

سابقہ امتوں کے طور طریق

۵۲-۵۳ كَذَابِ اِلٰ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللّٰهِ
فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوبِهِمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝
ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى
يُغَيِّرَ وَا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۚ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ كَذَابِ اِلٰ
فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ كَذَّبُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ
فَاَمْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ ۚ وَاَعْرَقْنَا اِلٰ فِرْعَوْنَ ۙ وَكُلُّ كَانُوا

ظَلَمِیْنَ ۝

جیسی حالت آل فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کی تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کیا تو اللہ نے ان کے گناہوں پر ان کو پکڑ لیا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا (اور) سخت سزا دینے والا ہے۔ اس (عذاب الہی) کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نعمت کو ہرگز نہیں بدلتا (محروم نہیں کرتا) جو اس نے کسی قوم کو دی ہو جب تک کہ وہ لوگ خود اپنی حالت نہیں بدل ڈالتے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا (اور جاننے والا ہے)۔ جیسی حالت آل فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کی تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کے گناہوں کے سبب ان کو ہلاک کر دیا اور آل فرعون کو غرق کر دیا اور وہ سب ظالم تھے۔

کَذَابٍ : جیسی عادت۔ جیسا معاملہ۔

مُغَيِّرًا : بدلنے والا۔ تَغْيِيرٌ سے اسم فاعل۔

تشریح : دین حق اور اللہ کے نبی کی عداوت و تکذیب میں عرب کے مشرکوں کا وہی طریقہ ہے جو فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھا، قوم عاد و ثمود کا اپنے پیغمبروں کے ساتھ تھا۔ فرعون اور قوم عاد و ثمود اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو جھٹلاتے رہے اور کفر و معصیت میں ہمارے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو قیامت سے پہلے ہی ان کے کفر و نافرمانی کے سبب عذاب میں پکڑ لیا۔ یہی حال مشرکین کا ہوا کہ ان کی نافرمانیوں اور کفر و عناد کے سبب ان کو دنیا میں ہی بدر کے مقام پر قتل اور قید کے عذاب میں مبتلا کر دیا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا قوی ہے۔ اس کا عذاب بھی بڑا سخت ہے، کوئی نہیں جو اس پر غالب آسکے اور کوئی نہیں جو اس سے بھاگ سکے۔

اللہ تعالیٰ اپنی دی ہوئی نعمتوں کو اس وقت تک کسی قوم سے واپس نہیں لیتا جب تک کہ وہ قوم اپنی حالت کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری اور اس کے رسولوں کو جھٹلانے نہ لگے اور یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ اللہ ہر بات کو خوب سننے والا اور چھپے ہوئے خیال و عمل کو خوب جاننے والا ہے۔

اللہ کے دین اور اس کے نبی کی عداوت و تکذیب میں کفار و مشرکین کے بھی وہی طریقہ ہیں جو فرعون اور اس سے پہلے والوں کے تھے۔ انہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کو جھٹلایا تو اللہ

تعالیٰ نے ان کو ہلاک و برباد کر دیا، کسی کو پانی میں غرق کر کے، کسی کو زلزلے کے ذریعہ، کسی کو زمین میں دھنسا کر، کسی کی صورتیں بگاڑ کر اور کسی کو طوفان کے ذریعہ۔ یہ سب لوگ ظالم تھے۔ انہوں نے کفر و معاصی اختیار کر کے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا تھا۔

(ابن کثیر ۳۱۹-۳۲۰/۲، مظہری ۱۰۱-۱۰۳/۴)

یہود کی خباثت

۵۵۔ ۵۷ اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝
الَّذِيْنَ عٰهَدْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِى كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ
لَا يَتَّقُوْنَ ۝ فَاِمَّا تَثْقَفْنَهُمْ فِى الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَنْ
خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْكَرُوْنَ ۝

بیشک زمین پر چلنے والوں میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ لوگ بدتر ہیں جنہوں نے کفر کیا سو وہ ایمان نہیں لاتے۔ جن لوگوں سے آپ نے معاہدہ کیا تھا پھر بار بار وہ اپنے عہد کو توڑ ڈال دیتے ہیں اور وہ ڈرتے نہیں۔ پھر اگر کبھی آپ ان کو لڑائی میں پالیں تو ان کو ایسی سزا دیں کہ جو لوگ ان کے پیچھے ہیں وہ ان کو دیکھ کر بھاگ جائیں تاکہ ان کو عبرت ہو۔

الدَّوَابِّ: یہ آیت کی جمع ہے۔ اس کے لغوی معنی زمین پر چلنے والے کے ہیں۔ اس لئے انسان اور جتنے جانور زمین پر چلتے ہیں یہ لفظ ان سب کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر عام محاورے میں یہ لفظ خاص چوپائے جانوروں کے لئے بولا جاتا ہے۔
(معارف القرآن ۲۶۶/۴)

تَثْقَفْنَهُمْ: تو ان کو پائے۔ تو ان پر قابو پائے۔ ثَقَفٌ سے مضارع۔
فَشَرِّدْ بِهِمْ: پس تو ان کو منتشر کر دے۔ پس تو اس کو سزا دے۔ تَشْرِيدٌ سے امر۔
شان نزول: ابوالشیخ نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ اس آیت کا نزول یہود کے ان چھ آدمیوں کے بارے میں ہوا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے پیشگی خبر دی کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ (مظہری ۱۰۳/۴)

تشریح: ان آیتوں میں یہود کا حال بیان کیا گیا ہے کہ بلاشبہ اللہ کے نزدیک زمین پر چلنے پھرنے والوں میں خبیث و شریر تو وہ سب ہی لوگ ہیں جو کفر پر اڑے ہوئے ہیں۔ ان کے ایمان کی توقع نہیں مگر یہود خباثت میں سب سے بڑھ کر ہیں۔ ان میں دو وصف خاص طور پر پائے جاتے ہیں:

(۱) کفر پر اصرار (۲) بد عہدی۔

یہ لوگ بار بار عہد کرتے ہیں اور ہر بار اس کو توڑ دیتے ہیں۔ قول و قرار کی بھی پرواہ نہیں کرتے اور نہ قسم کی پابندی کرتے ہیں۔ اس کو بھی فوراً توڑ دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نہ تو ان کو خدا کا خوف ہے اور نہ گناہ کا کھٹکا۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ عہد شکنی کرنے والوں سے مراد بنی قریظہ کے یہود ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے درمیان محبت و اخوت کی ایک تحریر لکھی تھی جس میں یہودیوں سے بھی مصالحت کا ذکر تھا۔ یہودیوں سے معاہدہ تھا کہ وہ اپنے مذہب پر قائم رہیں گے اور ہر فریق کا نفع نقصان دوسرے فریق کا نفع و نقصان سمجھا جائے گا۔ مگر یہود نے یہ معاہدہ توڑ کر بدر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں مشرکین کی ہتھیاروں سے مدد کی بعد میں کہنے لگے کہ ہم سے غلطی ہو گئی، ہم دوبارہ معاہدہ کرتے ہیں۔ مگر انہوں نے پھر عہد شکنی کی اور کعب بن اشرف نے مکہ جا کر مشرکین سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے کا حلف لیا، جس کے نتیجہ میں غزوہ خندق پیش آیا۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب کبھی آپ لڑائی میں ان پر غالب آجائیں تو ان میں ایسی خونی ریزی کیجئے کہ ان کے بعد والے کافران کے قتل کا حال سن کر اس سے عبرت پکڑیں اور عہد شکنی سے باز رہیں۔ اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلبہ پانے کے بعد بنی قریظہ کے ہر بالغ کو قتل کیا اور عورتوں، بچوں کو باندی غلام بنایا اور ان کا مال تقسیم کیا۔

طبرانی نے حضرت اسلم انصاریؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کے قیدیوں کی تفتیش پر مجھے مامور فرمایا تھا چنانچہ میں نے جس لڑکے کو بالغ پایا اس کی گردن اڑادی تاکہ وہ نصیحت پکڑیں اور آئندہ عہد شکنی کی جرات نہ کریں۔ (روح المعانی ۲۱-۲۲ /

عہد شکنی کے اندیشے پر معاہدہ ختم کرنے کا حکم

۵۸ - وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَاةً فَانْذِرْ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ۝

اور اگر آپ کو کسی قوم کی دغا بازی کا اندیشہ ہو تو ان کا عہد ان کی طرف بھینک دیجئے تاکہ وہ اور آپ برابر ہو جائیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ دغا بازوں کو پسند نہیں کرتا۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر آپ کا کسی سے عہد و پیمان ہو اور پھر آثار و علامات سے آپ کو یہ اندیشہ ہو جائے کہ وہ بد عہدی اور وعدہ خلافی کریں گے تو آپ کو بھی برابری کی حالت میں معاہدہ ختم کرنے کا اختیار ہے۔ اگر کسی وقت ایسی صورت حال پیش آجائے یعنی معاہدہ توڑنے کی نوبت آجائے تو معاہدہ توڑنے سے کچھ دن پہلے ان کو اس کی خبر کر دو تاکہ وہ بھی صلح کے خیال میں نہ رہیں اور ان کو بھی معاہدہ ٹوٹنے کا بروقت علم ہو جائے۔ محض اندیشے اور خطرے کی بنا پر اطلاع کے بغیر دشمن پر حملہ کرنا ایک قسم کی خیانت ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں یعنی عہد شکنی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

مسند احمد میں مسلم بن عامر سے روایت ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور رومیوں میں ایک مدت تک کے لئے صلح کا معاہدہ تھا۔ پھر جب صلح کی مدت گزرنے کے قریب آئی تو انہوں نے لشکر کو رومی سرحد کے قریب کرنا شروع کر دیا تاکہ مدت گزرتے ہی ان پر اچانک حملہ کر دیں۔ اچانک گھوڑے پر سوار ایک شخص یہ کہتا ہوا آیا۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر عہد پورا کرو، عہد شکنی نہ کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب کسی قوم سے کوئی عہد و پیمان ہو جائے تو نہ کوئی گرہ کھولو اور نہ باندھو یہاں تک کہ صلح کی مدت ختم ہو جائے۔ یا انہیں اطلاع دے کر معاہدہ ختم کر دیا جائے۔ جب یہ بات حضرت امیر معاویہ کو پہنچی تو انہوں نے اسی وقت فوج کو واپسی کا حکم دے دیا۔ یہ شخص حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ تھے۔ (مواسب الرحمن

جہاد کے لئے بھرپور تیاری کا حکم

۶۰-۵۹ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا ۖ إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ۝
وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ
تُرْمَبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ ۚ
لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ
اللَّهِ يُوفَ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَظْلَمُونَ ۝

اور کافر یہ نہ سمجھیں کہ وہ بھاگ نکلے وہ ہرگز عاجز نہ کر سکیں گے اور جہاں تک
تم سے ہو سکے کافروں کے مقابلے کے لئے قوت مہیا کرو اور منجملہ اس کے
گھوڑے پالنا کہ جس سے تم اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر دھاک
بٹھاؤ گے اور ان کے سوا ان لوگوں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ ہی
ان کو جانتا ہے۔ اور جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے، تمہیں اس کا پورا
پورا بدلہ ملے گا اور تمہارا ذرا بھی نقصان نہیں کیا جائے گا۔

سَبَقُوا: انہوں نے سبقت کی۔ وہ آگے نکل گئے۔ وہ بھاگ نکلے۔ سَبَقٌ سے ماضی۔
أَعِدُّوا: تم تیار کرو۔ اِعْدَادٌ سے امر۔
رِبَاطٍ: چلے ہوئے۔ باندھنا۔ مصدر ہے۔
الْخَيْلِ: گھوڑے۔ جمع اُخْيَالٌ۔
تُرْمَبُونَ: تم رعب حمتاے ہو۔ تم ڈراتے ہو۔ اِرْحَابٌ سے مضارع۔
يُوفَ: اس کو پورا پورا (بدلہ) دیا جائے گا۔ تَوْفِيَةٌ سے مضارع مجہول۔

شان نزول: بغویؒ نے لکھا ہے کہ یہ آیت ان مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی جو بدر
کے دن شکست کھا کر بھاگ گئے تھے۔

تشریح: غزوہ بدر کفار و مشرکین کے لئے عذاب الہی تھا۔ جو لوگ اس میں شریک نہ ہونے
کی بنا پر بچ گئے تھے یا شریک ہونے کے بعد جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ان کے
بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ یہ خیال نہ کریں کہ وہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔
وہ اپنی چالاکي سے اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ وہ جب بھی ان کو پکڑنا چاہے گا تو یہ ایک قدم بھی

نہ بھاگ سکیں گے۔

دوسری آیت میں فرمایا کہ کفار سے مقابلے کے لئے تم سے جس قدر ممکن ہو سکے تیاری کرو۔ تمہاری کامیابی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ تمہارے مقابل کے پاس جیسا اور جتنا سامان حرب ہے تم بھی اسی قسم کا اور اتنی ہی مقدار میں حاصل کرو بلکہ تمہارے لئے اتنا سامان حرب حاصل کر لینا ہی کافی ہے جس کی تمہارے اندر استطاعت ہے۔ اس کے بعد اللہ کی مدد و نصرت تمہارے ساتھ ہوگی۔ یہاں لفظ قوت میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ قوت ہر زمانے اور ملک کے اعتبار سے مختلف ہو سکتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا اسلحہ، تیر، تلوار اور نیزے وغیرہ پر مشتمل تھا۔ جبکہ آج کل کا اسلحہ بموں، راکٹوں، ٹینکوں، توپوں، طیاروں، آب دوزوں اور بحری جہازوں وغیرہ پر مشتمل ہے۔ یہ سب اسی لفظ قوت کے مفہوم میں داخل ہیں۔

پھر فرمایا کہ سامان جنگ جمع کرنے کا اصل مقصد قتل و قتل نہیں بلکہ کفر و شرک کو زیر کرنا اور مرعوب و مغلوب کرنا ہے کیونکہ دشمن نہ تو کسی کے علم و فضل اور معاہدوں سے ڈرتا ہے اور نہ کسی قوم کی صنعت و حرفت سے خائف ہوتا ہے وہ تو صرف جنگی صلاحیت و قوت ہی سے ڈرتا ہے۔ اس لئے دشمن کے مقابلے کے لئے مسلمانوں کو اپنے وسائل کے مطابق ہر قسم کی جنگی تیاری کر کے معاملہ اللہ کے سپرد کر دینا چاہئے۔

اس کے بعد فرمایا کہ سامان حرب جمع کرنے سے جن لوگوں کو مرعوب و مغلوب کرنا مقصود ہے۔ ان میں سے بعض کو تو مسلمان جانتے ہیں۔ مثلاً کفار مکہ اور یہود مدینہ اور کچھ ایسے بھی ہیں جن کو مسلمان ابھی تک نہیں جانتے۔ اس سے مراد پوری دنیا کے کفار و مشرکین ہیں جو ابھی تک مسلمانوں کے مقابلے پر نہیں آئے بلکہ آئندہ ان سے تصادم ہونے والا ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ تم اس کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تمہیں دیا جائے گا۔ (معارف القرآن ۲۷۲-۲۷۳، ۴، حقائق ۲/۴۷۵)

کفار سے صلح کی اجازت

۶۱-۶۲ وَأَنْ جَنَحُوا لِلسَّلَامِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۖ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ وَأَنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ

حَسْبُكَ اللَّهُ مَا هُوَ الَّذِي آيَدَكَ بِنَصْرٍ ۖ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ۝

اور اگر وہ (کافر) صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی جھک جائیے اور اللہ پر بھروسہ رکھئے۔ بیشک وہ خوب سنتا (اور) جانتا ہے اور اگر وہ (کافر) آپ سے فریب کریں گے تو آپ کے لئے اللہ کافی ہے اور وہی ہے، جس نے آپ کو اپنی تائید اور مسلمانوں (کے ذریعہ) سے قوت دی۔

جَنَحُوا: وہ جھکے۔ وہ پست ہوئے۔ وہ آمادہ ہوئے۔ جَنُوحٌ سے ماضی۔

يَخْذُ عَوْكَ: وہ تجھ کو دھوکہ دیں گے۔ وہ تجھ کو فریب دیں گے۔ خُدْعٌ سے مضارع۔

آيَدَكَ: اس نے تیری تائید کی۔ اس نے تیری حمایت کی۔ اس نے تجھے قوت دی۔ تَائِيْدٌ سے ماضی۔

تشریح: اس سے پہلے بتایا جا چکا کہ اگر تمہارا کسی قوم سے معاہدہ ہو اور پھر ان کی طرف سے عہد شکنی کا اندیشہ ہو تو تم بھی معاہدہ ختم کر کے ان کو اس کی اطلاع دے دو۔ اس کے بعد اگر وہ لڑائی پر آمادگی ظاہر کریں تو آپ بھی اللہ پر بھروسہ کر کے جہاد شروع کر دیجئے۔ اگر وہ پھر صلح پر آمادہ ہو جائیں تو آپ بھی پھر سے صلح و صفائی کر لیجئے ممکن ہے اس طرح وہ اسلام میں داخل ہو کر آپ کے بھائی بن جائیں۔

اگر آپ کو یہ اندیشہ ہو کہ صلح کے ذریعہ یہ آپ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں اور اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اپنی شان و شوکت اور جنگی صلاحیت میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں تو آپ اس کی پروہ نہ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ان کے دھوکہ سے بچانے اور محفوظ رکھنے کے لئے کافی ہے۔ وہ اس سے پہلے بھی آپ کی مدد کر چکا ہے۔ (ابن کثیر ۲/۳۲۲)

ایک نعمت الہی کا بیان

۶۳۔ وَالْفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۖ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلْفَتْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلْفَ بَيْنَهُمْ ۖ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اسی نے تو ان (مسلمانوں) کے دلوں میں

الفت ڈالی۔ اگر آپ وہ سب کچھ خرچ کر ڈالتے جو زمین میں ہے تب بھی آپ ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے۔ لیکن اللہ ہی نے ان میں الفت ڈالی کیونکہ وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ایک نعمت یاد دلائی ہے کہ اس نے مہاجرین و انصار کے ذریعہ محض اپنے فضل سے آپ کی تائید کی۔ ان کو آپ پر ایمان لانے اور آپ کی اطاعت کی توفیق دی اور ان کو آپ کی مدد و نصرت کے لئے آمادہ کیا۔ اگر آپ روئے زمین کے تمام خزانے بھی خرچ کر ڈالتے تب بھی ان میں ویسی الفت و محبت پیدا نہ کر سکتے جیسی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ڈال دی، ان کی صدیوں پرانی عداوتوں کو محبت سے بدل دیا جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَإِذْ كُنتُمْ عَلَىٰ اللَّهِ عَٰلِيكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءُ فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُم مِّنْهَا (ال عمران آیت - ۱۰۳)

اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پھر اس نے تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی سو تم اس کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم تو جہنم کے کنارے پر پہنچ چکے تھے۔ لیکن اس نے تمہیں بچالیا۔

پھر فرمایا کہ بلاشبہ وہ غالب و حکیم ہے، اس نے اپنی حکمت و قدرت سے آپ کی خاطر ان کے دلوں کو بدل دیا وہ زبردست ہے اس لئے سب کچھ کر سکتا ہے۔

طبرانی نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے مل کر مصافحہ کرتا ہے تو دونوں کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے درخت کے خشک پتے تیز ہوا سے اور یہ کہ ان کے سب گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں گو وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ (ابن کثیر ۳۲۳ / ۲، حقیانی ۴۷۶)

مومنوں کو جہاد کی ترغیب

۶۳-۶۶، يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝
يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ۚ اِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ
عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِّائَةٌ
يَغْلِبُوا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ اِنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ اَللّٰهُ
خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنْ فِىْكُمْ ضَعْفًا ۚ فَاِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ
مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ اَلْفٌ يَغْلِبُوا
اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے لئے اللہ کافی ہے اور جو مسلمان آپ کی
اتباع کرتے ہیں وہ کافی ہیں۔ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) مسلمانوں کو جہاد پر
رغبت دلائیے۔ اگر تم میں بیس آدمی صبر کرنے والے (ثابت قدم رہنے والے)
ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سے سو آدمی (صبر کرنے
والے) ہوں گے تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب آئیں گے اس لئے کہ وہ کافر
ناکھ قوم ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کر دی اور معلوم کر لیا کہ ابھی تم
میں ضعف ہے، سو اگر تم میں سے سو آدمی صابر (ثابت قدم) ہوں گے تو وہ دو
سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے ہزار ہوں گے تو وہ اللہ کے حکم سے دو
ہزار پر غالب آئیں گے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

حَرِّضَ : تو ترغیب دلا۔ تو تاکید کر۔ تَحْرِيفٌ سے امر۔

مِائَتَيْنِ : دو سو۔

اَلْفًا : ہزار۔

يَفْقَهُوْنَ : وہ سمجھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں۔ فَقْدٌ سے مضارع۔

ضَعْفًا : ضعف۔ کمزوری۔ ناتوانی۔ مصدر ہے۔

خَفَّفَ : اس نے تخفیف کی۔ اس نے ہلکا کر دیا۔ تَخْفِيفٌ سے ماضی۔

تشریح : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حملہ امور میں آپ کے لئے اللہ کافی ہے اور ان مومنوں

کے لئے بھی اللہ کافی ہے جو آپ کی اتباع کر رہے ہیں۔ آیت کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لئے اللہ اور وہ مومن کافی ہیں جو آپ کی اتباع کر رہے ہیں۔ آپ مومنوں کو جہاد کی خوب تر غیبت دیتے رہئے تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور کفر ذلیل و خوار ہو۔ مسلمانوں کو جہاد کے وقت کافروں کی کثرت کو خاطر میں نہیں لانا چاہئے۔ ہمارا وعدہ ہے کہ اگر ان میں سے بیس آدمی صابر و ثابت قدم ہوں گے تو وہ دو سو کافروں پر غالب آئیں گے۔ اگر صابر و ثابت قدم رہنے والوں کی تعداد ایک سو ہوگی تو وہ ایک ہزار پر غالب آئیں گے۔ پھر جب مسلمانوں پر یہ حکم گراں گزرا تو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے صبر و استقامت میں ضعف و کمزوری کے پیش نظر اس میں تخفیف کر کے یہ حکم دیا کہ اب دو سو کافروں کے مقابلے میں سو صابر و ثابت قدم مسلمان غالب رہیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جب کافروں کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد نصف ہو تو ان کے لئے دشمن کے مقابلے سے بھاگنا جائز نہیں۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ پھر وہ کیوں غالب نہ ہوں گے۔ (مواہب الرحمن ۳۰-۳۳/۱۰)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صف بندی اور دشمن کے مقابلے کے وقت برابر فوجوں کا دل بڑھاتے۔ بدر کے دن آپ نے فرمایا کہ اس جنت کو حاصل کرو جس کا عرض (چوڑائی) آسمان و زمین کے (عرض کے) برابر ہے۔ حضرت عمیر بن حمام نے (تعجب سے) عرض کیا اتنی چوڑائی۔ آپ نے فرمایا ہاں اتنی ہی۔ انہوں نے کہا کہ واہ واہ۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کس ارادے سے کہا؟ انہوں نے عرض کیا کہ اس امید پر کہ شاید اللہ مجھے بھی جنتی کر دے۔ آپ نے فرمایا کہ بیشک تو جنتی ہے۔ پھر انہوں نے آگے بڑھ کر اپنی تلوار کامیان توڑ دیا اور کھجوریں نکال کر کھانے لگے۔ پھر انہوں نے یہ کہتے ہوئے کہ اب ان کو کھانے تک یہاں ٹھہرنا بھی مجھ پر گراں ہے، اپنے ہاتھ سے کھجوریں پھینک دیں۔ پھر وہ دشمن پر چھپٹ پڑے اور خوب قتال کیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ (ابن کثیر ۳۲۳/۲)

جنگی قیدیوں کے احکام

۶۹-۶۷ مَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُشِخَّرَ فِي الْأَرْضِ ۚ

تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۖ وَاللَّهُ عَزِيزٌ
حَكِيمٌ ۝ لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ
عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ فَكُلُوا مِنَّمَا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ
إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

نبی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے قبضہ میں قیدی رہیں جب تک کہ وہ
(نبی) زمین پر اچھی طرح خونریزی نہ کر لیں۔ تم تو دنیا کا مال و متاع چاہتے ہو
اور اللہ (تمہیں) آخرت (دینا) چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے
اگر نہ ہوتی ایک بات جو اللہ تعالیٰ پہلے سے لکھ چکا ہے تو جو کچھ تم نے (بدر کے
قیدیوں سے) لے لیا ہے اس پر تمہیں بڑی سزا ملتی۔ سو جو کچھ مال غنیمت تمہیں
ملا ہے اس کو حلال و طیب سمجھ کر کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ
تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

اَسْرٰی : قیدی - واحد اَسِیرٌ

یُشْخِنَ : وہ خوب قتل کرتا ہے - وہ کثرت سے خون بہاتا ہے - اِشْخَانٌ سے مضارع۔

عَرَضٌ : مال و متاع - سامان - جمع عَرَضٌ

شان نزول : مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کے بارے میں لوگوں سے مشورہ لیا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ نے
انہیں تمہارے قبضے میں دے دیا ہے۔ (بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے) پس حضرت عمر بن خطاب
رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کی گردنیں مار
دیکھئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منہ پھیر لیا۔ پھر فرمایا کہ اللہ نے انہیں تمہارے
بس میں کر دیا ہے۔ کل تک یہ تمہارے بھائی بند ہی تھے۔ حضرت عمرؓ نے پھر کھڑے ہو کر اپنا جواب
دہرایا اور آپ نے پھر ان سے منہ پھیر لیا اور پھر وہی فرمایا۔ پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کھڑے ہو
کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری رائے میں تو آپ ان کو معاف فرما دیجئے اور فدیہ
لے کر انہیں آزاد کر دیجئے۔ یہ سن کر آپ کے چہرہ انور سے غم کے آثار جاتے رہے۔ پھر آپ نے
سب کو معاف فرما دیا اور فدیہ لے کر سب کو آزاد کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

تشریح: بدر کی لڑائی میں مشرکوں کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر قید ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان ستر قیدیوں کو مدینے منورہ لے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان قیدیوں کے بارے میں مسلمانوں کے سامنے دو صورتیں پیش کیں۔ ۱۔ قتل کر دینا یا ۲۔ فدیہ لے کر چھوڑ دینا۔ یہ دو سری صورت اس شرط پر تھی کہ آئندہ سال اسی تعداد میں تمہارے آدمی قتل کئے جائیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے اس معاملے میں رائے طلب کی۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب آپ کے خویش و اقارب اور بھائی بند ہیں۔ اس لئے آپ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیجئے۔ اس احسان کے بعد ممکن ہے کچھ لوگ مسلمان ہو کر وہ خود اور ان کی اولاد ہمارے دست و بازو بنیں اور ان سے فدیہ کے طور پر حاصل ہونے والا مال جہاد کے کاموں میں لگے۔ رہا آئندہ سال ہمارے ستر آدمیوں کا شہید ہو جانا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ان کو درجہ شہادت ملے گا۔ فطری رحمہاں کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا میلان بھی اسی رائے کی طرف تھا۔ صحابہ کرام میں سے بہت سے لوگ تو ان ہی خیالات کی بنا پر جو حضرت ابو بکر کے تھے اور بعض مالی فائدے کو دیکھتے ہوئے اس رائے سے مستحق تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اس سے اختلاف کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ لوگ کفر کے امام اور مشرکین کے سردار ہیں۔ اس لئے ان کو قتل کر دیا جائے تاکہ کفر و شرک کا سر ٹوٹ جائے اور مشرکین پر ہیبت طاری ہو جائے۔ الغرض بحث و تخیص کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے مشورہ پر عمل ہوا۔

اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں آئی۔ پہلی آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ یہ صحابہ کرام کی سخت اجتہادی غلطی تھی۔ جن لوگوں نے مالی فوائد پر نظر کر کے اس رائے سے اتفاق کیا تھا ان کو مخاطب کر کے واضح طور پر فرمایا کہ تم دنیا کے فانی اسباب پر نظر کر رہے ہو حالانکہ مومن کی نظر انجام پر ہونی چاہئے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ پر پہلے ہی لکھ دیا تھا کہ مواخذہ نہ ہو گا ورنہ تم نے فدیہ لے کر جو کافروں کو چھوڑا تو اس کی پاداش میں تم پر عذاب نازل ہوتا۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر عذاب نازل ہوتا تو سوائے حضرت عمر اور حضرت سعد بن معاذ کے کوئی اس سے نہات نہ پاتا۔

اس عتاب و تہدید سے مسلمان ڈر گئے کہ مال غنیمت کو جس میں قیدیوں سے لیا ہوا فدیہ

بھی شامل ہے اب ہاتھ نہیں لگانا چاہئے۔ تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی و اطمینان خاطر کے لئے فرمایا کہ جو کچھ تم نے ان سے فدیہ کے طور پر لیا ہے یا غنیمت کے طور پر لائے ہو وہ اللہ کی عطا ہے اور تمہارے لئے حلال و طیب ہے۔ سو تم اس کو خوشی سے کھاؤ پیو۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے لیکن آئندہ ایسی باتوں سے پرہیز کرتے رہنا۔

(عثمانی ۵۳۳-۵۳۴، ۱/۵۳۴، حقانی ۴۴۴-۴۴۸/۲)

فدیہ کا نعم البدل

۱۰۰۔ یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَىٰ إِنْ يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِيَكُمْ خَيْرًا مِّمَّا آخَذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرَ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَإِنْ يَرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) جو قیدی آپ کے قبضے میں ہیں ان سے کہہ دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو تمہارے دلوں میں نیکی معلوم ہوگی تو وہ تمہیں اس سے بہتر دے دے گا جو تم سے لیا گیا ہے اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اگر یہ لوگ آپ سے دغا کرنا چاہیں گے تو اس سے پہلے یہ خود اللہ تعالیٰ سے دغا کر چکے ہیں سو اس نے ان کو گرفتار کر دیا اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان قیدیوں سے کہہ دیجئے کہ جو کچھ تم سے فدیہ میں لیا گیا ہے اس پر تمہیں افسوس کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر تمہارے دل میں بھلائی اور نیکی ہوگی اور تم اسلام لے آؤ گے تو تمہیں دنیا میں ہی اس سے بہتر مال دے دیا جائے گا جو تم سے فدیہ میں لیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بھی معاف فرما دے گا کیونکہ وہ خوب بخشنے والا مہربان ہے۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اگر یہ لوگ آپ کے پاس سے جانے کے بعد پھر شرارت کریں گے تو آپ اس کی ذرا پروا نہ کریں۔ اس سے پہلے بھی انہوں نے اللہ کے ساتھ شرارت کی تھی۔ جس کا انجام مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہونے کی صورت میں ہوا۔ آئندہ بھی اللہ تعالیٰ ان سے

بدلہ لینے پر پوری طرح قادر ہے۔ وہ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ نہ کوئی اس کے علم سے باہر ہے اور نہ کسی کو اس کی حکمتوں کے ادراک کی قدرت ہے۔ (حقانی ۸/۴۷۸)

مومنوں میں باہمی رفاقت

۴۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَعَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اُوْوُوا وَنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَّا لَكُمْ مِنْ وَلَايَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنْ اَسْتَنْصَرُوْكُمْ فِيْ الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمْ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيثَاقٌ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا اور وہ لوگ (انصار) جنہوں نے (مہاجرین کو) رہنے کی جگہ دی اور ان کی مدد کی وہی ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور جو لوگ ایمان تو لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی تو جب تک وہ ہجرت نہ کریں تمہیں ان کی رفاقت سے کچھ سروکار نہیں اور اگر وہ تم سے دینی کلام میں مدد چاہیں تو تمہارے ذمہ (ان کی) مدد کرنا لازم ہے۔ مگر اس قوم کے مقابلے میں نہیں کہ ان میں اور تم میں عہد ہو اور اللہ تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے۔

تشریح: اس آیت میں ہجرت و نصرت اسلام کے اعتبار سے اس زمانے کے مسلمانوں کی قسمیں بیان کی گئی ہیں۔

(۱) وہ لوگ جو ابتداء میں اللہ تعالیٰ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، فرشتوں، قیامت اور دیگر انبیاء پر صدق دل سے ایمان لائے، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے بیوی بچے، عزیز واقارب، دوست و احباب اور وطن سب کچھ چھوڑ کر مدینے کی طرف ہجرت کی اور اپنی جان اور مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔

(۲) جن لوگوں (انصار) نے اہل اسلام کو اپنے ہاں ٹھہرنے کی جگہ دی اور اپنے اموال میں سے ان کو حصہ دیا اور ان کے ساتھ مل کر دشمنانِ اسلام سے لڑائی کی۔

پھر مذکورہ دونوں قسموں کے بارے میں فرمایا کہ سب لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں بھائی چارہ کرایا۔ ایک ایک انصاری کو ایک ایک مہاجر کا بھائی بنادیا۔ یہ بھائی بندی قرابتداری سے بھی مقدم تھی۔

(۳) وہ مسلمان جو ایمان تو لائے مگر ہجرت کر کے مدینے منورہ میں نہ آئے ان کے بارے میں دو حکم بیان فرمائے کہ تم پر ان کی حمایت ضروری نہیں جب تک وہ ہجرت نہ کر لیں۔ فتح مکہ سے پہلے ہجرت فرض تھی۔ دوسرا حکم یہ دیا کہ اگر وہ دینی امور میں تم سے مدد طلب کریں تو ان کی مدد ضرور کرو کیونکہ وہ اہل ایمان ہیں۔ لیکن اگر ان کے مقابلے پر کوئی ایسا قبیلہ ہو کہ تمہارے اور اس قبیلے کے درمیان صلح کا معاہدہ ہو تو تم ہرگز عہد شکنی نہ کرو۔ (حقانی ۲/۴۹)

کفار کی باہمی رفاقت

۴۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۖ اِلَّا تَفْعَلُوا لَا تَكُنْ فِتْنَةً فِي الْأَرْضِ ۚ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ۝

اور جو کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین پر فتنہ اور بڑا فساد ہوگا۔

تشریح: تمام کافر خواہ وہ مشرک ہوں یا یہود و نصاری سب آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور مددگار ہیں۔ یہ لوگ باہمی اختلاف کے باوجود مسلمانوں کی دشمنی میں سب ایک ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کو نہ تو ان کافروں سے دوستی کرنی چاہئے اور نہ ان کے لئے دوسرے مسلمانوں کے خلاف ان کافروں کی مدد کرنا جائز ہے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت سے بخاری و مسلم نے صحیحین اور اصحاب السنن نے اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ مسلمان کافر کا

وارث ہوتا ہے اور نہ کافر مسلم کا۔

پھر فرمایا کہ اگر تم آپس میں ایک دوسرے کی مدد و اعانت نہ کرو گے تو اس سے زمین پر کفر کا فتنہ پھیل جائے گا۔ فساد برپا ہو جائے گا اور آخر کار کفر غالب آجائے گا۔ (حقانی ۲/۸۰، مظہری ۱۲۲/۴)

مہاجرین و انصار کے فضائل

۴۰-۵۰ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجْهَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ
أَوْوُوا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ
وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدِ وَهَاجَرُوا وَجْهَهُمْ
مَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ مِنْكُمْ ۚ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ
بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ (انصار) جنہوں نے رہنے کی جگہ دی اور مدد کی وہی سچے مسلمان ہیں۔ انہی کے لئے بخشش اور عزت کی روزی ہے اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت بھی کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا سو وہ بھی تمہیں میں سے ہیں اور جو لوگ رشتہ دار ہیں وہ اللہ کے حکم کی رو سے آپس میں ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

تشریح: مسلمانوں کی مذکورہ بالا تین قسموں میں سے پہلی دو قسموں کے مسلمانوں کے بارے میں فرمایا کہ یہی لوگ حقیقی مسلمان ہیں۔ ان کے کامل الایمان ہونے میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں۔ انہی کے لئے آخرت میں مغفرت اور جنت میں عزت کی روزی ہے۔

جو لوگ صلح حدیبیہ کے بعد ایمان لائے، پھر ہجرت کر کے آپ کے پاس پہنچ گئے۔ آپ کے ساتھ جہادوں میں شریک ہوئے وہ بھی احکام کے اعتبار سے مہاجرین اولین میں شامل ہیں۔ اگرچہ ہجرت میں تاخیر کی وجہ سے ان کا مرتبہ کم ہے۔ تم ان کے وارث اور وہ تمہارے وارث ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

سورہ، توبہ

وجہ تسمیہ: سورۃ الحمد کی طرح اس سورت کے بھی بہت سے نام ہیں۔ ان میں سے دو نام برأت اور توبہ زیادہ مشہور ہیں۔

۱۔ برأت: اس کو سورہ برأت اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی برأت و بیزاری کا اعلان فرمایا ہے۔

۲۔ توبہ: اس کو سورۃ توبہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں تین نیک مسلمانوں کی توبہ قبول ہونے کا بیان ہے یا اس میں توبہ کا ذکر بار بار آیا ہے۔

۳۔ سورۃ مُقَشَّقَشَّة: یہ نفاق سے بیزاری کا اظہار کرتی ہے۔

۴۔ سورۃ الْفَاحِشَةِ: اہل نفاق کی فضیحت و رسوائی کرنے والی۔

۵۔ سورۃ مُبْعَثَرَةُ: لوگوں کے اندرونی رازوں کی پردہ کشائی کرتی ہے۔
اسی طرح اور نام بھی ہیں۔ مثلاً مُنْكِلَةُ۔ عَذَابُ وَالِی۔ مُدْمِدْمَةُ۔ تباہی لانے والی وغیرہ۔

تعارف: اس میں سولہ رکوع، ایک سو انتیس یا ایک سو تیس آیتیں، ۲۵۳۷ کلمات اور ۱۱۳۶۰ حروف ہیں۔ یہ سورۃ بالاتفاق مدنی ہے۔ فتح مکہ کے بعد سب سے آخر میں نازل ہوئی۔

حضرت برآ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ سب سے آخری سورت جو نازل ہوئی وہ سورۃ برأت ہے اور سب سے آخر میں جو آیت اتری وہ سورۃ نساء کی آیت ۱۷۶ یعنی

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَّةِ ہے۔ (بخاری شریف کتب التفسیر سورۃ نساء)۔
سورۃ کے شروع میں عہد توڑنے والوں سے برأت و بیزاری اور متعلقہ احکام کا ذکر ہے۔
پھر فتح مکہ اور غزوہ حنین کا بیان ہے۔ آخر میں غزوہ تبوک کے واقعات اور اس میں شرکت نہ
کرنے والوں پر عتاب اور ملامت کا بیان ہے۔

بسم اللہ نہ لکھنے کی وجہ: ترمذی شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان
ہے کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ انفال مثنیٰ میں سے ہے اور برأت مثنیٰ
میں سے۔ آپ نے دونوں کو ایک جگہ جمع کر دیا اور ان کے درمیان میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِیْمِ نہیں لکھی اور برأت کو سبع طوال میں درج کر دیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت عثمان
رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اکثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کئی کئی سورتیں ایک ساتھ نازل ہوتی
تھیں۔ جب کچھ نازل ہوتا تو آپ کاتب وحی کو بلوا کر حکم دیتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں
جگہ لکھو، جہاں یہ یہ ذکر ہے۔ سورۃ انفال مدینے کے ابتدائی ایام یعنی ہجرت کے فوراً بعد نازل ہوئی
اور یہ سورہ برأت سب سے آخر میں نازل ہوئی۔ دونوں کا مضمون باہم ملتا جلتا تھا اور مجھے خیال
ہوا کہ یہ بھی کہیں اسی میں سے نہ ہو۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی زندگی میں صراحت نہیں
فرمائی کہ یہ اس میں سے ہے یعنی سورہ برأت سورہ انفال کا جزو ہے، اس لئے میں نے دونوں
سورتوں کو متصل لکھا اور ان کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہیں لکھی اور
انہیں پہلی سات لمبی سورتوں میں رکھا۔ امام احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن حبان اور حاکم نے بھی اسی
طرح روایت کیا ہے۔ حاکم نے اس کو صحیح اور ترمذی نے حسن کہا ہے۔ (مظہری ۳۲ / ۴، ابن
کثیر ۳۳۱ / ۲)

سورت کا سبب نزول: ہجرت کے آٹھویں سال مکہ مکرمہ فتح ہوا تو بہت سے قبائل
اسلام لائے اور بہت سوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا عہد کر لیا کہ وہ آپ سے
اور آپ کے حلیفوں سے جنگ نہ کریں گے اور مدد کے موقع پر آپ کو مدد دیں گے۔ جب ہجرت
کے نویں سال آپ شام کی طرف غزوہ تبوک کے لئے تشریف لے گئے تو آپ کے بعد بہت سے
قبائل نے بد عہدی کی۔ منافقوں نے بھی خوب افواہیں پھیلائیں۔ غزوہ تبوک سے واپس آنے کے

بعد یہ سورۃ نازل ہوئی، جس میں ان بد عہدوں، غزوہ تبوک میں شامل نہ ہونے والوں اور غلط باتیں اڑانے والوں کی سرزنش ہے۔ (حقانی ۲/۳۸۲)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: شروع میں عہد شکنوں سے برأت اور ان کو چار مہینے کی مہلت دینے اور عہد پورا کرنے والوں کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ پھر میثاق حدیبیہ توڑنے والوں کا حکم اور اسلام بچھنے کے لئے آنے والوں کو پناہ دینے کی تاکید ہے۔

رکوع ۲: اعلان برأت کی حکمت اور عہد شکنوں کی بد خصالیوں کا بیان ہے۔ پھر کفر کے سرداروں کی بیخ کنی اور کافروں سے جنگ کی ترغیب دی گئی ہے۔ آخر میں جہاد کی ایک حکمت بتائی گئی ہے کہ اس سے کھوٹے اور کھرے کی تمیز ہو جاتی ہے۔

رکوع ۳: مشرکین کے فخر و ناز کا جواب اور مہاجرین و مجاہدین کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ آخر میں کافروں سے ترک موالات کا حکم ہے۔

رکوع ۴: غزوات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کی نصرت خاص طور پر غزوہ حنین میں تائیدِ غیبی اور نزولِ سکینت کا بیان ہے۔ پھر مسجد الحرام میں مشرکین کے داخل ہونے کی ممانعت اور اہل کتاب سے جہاد و قتال کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۵: اہل کتاب کے عقائدِ باطلہ کا بیان اور کفار کا حق کو مٹانے کی کوشش کرنا۔ اجبار و رہبان کا شر و فساد، مال جمع کرنے اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے کا انہام۔ اہل عرب کی ایک جاہلانہ رسم یعنی حرمت والے مہینوں کی تعین میں اپنی مرضی سے رد و بدل کرنا۔

رکوع ۶: سستی کی وجہ سے جہاد میں نہ جانے والوں پر عتاب، تائیدِ غیبی اور جہاد و قتال کی تاکید کا بیان ہے۔

رکوع ۷: خدائے لطیف و خبیر کا عتابِ لطیف، منافقین متخلفین کے احوال اور جد بن قیس کے نفاق کا بیان ہے۔ پھر منافقین کے حسد و نفاق اور ان کی باطنی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں صدقات کی تقسیم کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر

منافقین کے جہمت لگانے کا ذکر ہے۔

رکوع ۸: زکوٰۃ کے مصارف بیان کئے گئے ہیں۔ پھر منافقوں کی بری حرکات، ان کی بد بختی و خود فریبی اور اسلام پر طعن و تشنیع مذکور ہے۔

رکوع ۹: منافقوں کی بد باطنی اور گزشتہ سرکش اقوام سے ان کا موازنہ اور ان کے انجام سے خبردار کرنا مذکور ہے۔ پھر مومنوں کے لئے مغفرت اور رضائے الہی کی بشارت کا ذکر ہے۔

رکوع ۱۰: مسلمانوں کو کفار و منافقین کے ساتھ جہاد و قتال کرنے کا حکم، منافقین کی احسان فراموشی اور ان کی عہد شکنی کے انجام کا بیان ہے۔ آخر میں مومنوں کے صدقات پر منافقوں کی طعنہ زنی بیان کی گئی ہے۔

رکوع ۱۱: متخلفین منافقین کو دردناک انجام کی خبر اور منافقوں کو آئندہ کسی جہاد میں لے جانے کی ممانعت کا بیان ہے۔ پھر منافقوں کی نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت اور غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے والے منافقوں کے حیلے بہانوں کا ذکر ہے۔

رکوع ۱۲: غزوہ تبوک کے موقع پر منافقین کا عذر کاذب اور مومنین کے عذر صادق کا بیان ہے۔ اس کے بعد منافقین کا عذر قبول کرنے کی ممانعت اور دیہات کے منافقین کی مذمت کی گئی ہے۔ آخر میں دیہات کے مومنوں کے لئے رحمت خداوندی کی بشارت دی گئی ہے۔

رکوع ۱۳: پہلے سبقت و اولیت والے مہاجرین و انصار کا ذکر ہے، پھر کامل منافقوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنین متخلفین کی توبہ قبول کرنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا صدقہ قبول کرنے کا حکم دیا گیا۔ آخر میں مسجد ضرار بنانے والوں کا حال اور ان کا انجام بتایا گیا ہے۔

رکوع ۱۴: مجاہدین کے فضائل اور صفات فاضلہ اور مشرکین کے لئے دعا، مغفرت کی ممانعت بیان کی گئی ہے۔ پھر مومنین متخلفین کا ذکر اور توبہ مؤخر کئے جانے والے تین اسریوں کی توبہ کا حال مذکور ہے۔

رکوع ۱۵: پرہیزگاری اختیار کرنے اور صادقین کی صحبت میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے والوں کی ملامت ہے۔ آخر میں مسلمانوں میں سے

کچھ لوگوں کو دین کی سمجھ پیدا کرنے کی تاکید ہے۔

رکوع ۱۶: جہاد و قتال کی ترتیب بیان کی گئی ہے کہ سب سے پہلے قریب ترین کافروں سے قتال کیا جائے۔ پھر ان کے بعد جو سب سے قریب ہوں وغیرہ۔ پھر منافقین کی کج فہمی اور امت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال شفقت و رافت کو بیان کیا گیا ہے۔

عہد شکنوں سے اعلان برأت

۲۱ بَرَاءَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ
 ۰ فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ
 مُعْجِزِي اللَّهِ ۚ وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ ۝

اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین سے دستبرداری ہے جن سے تم نے عہد کر رکھا تھا۔ پس (اے مشرکوں!) تم اس سرزمین میں چار مہینے تک چل پھر لو اور جان لو کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔

بَرَاءَةٌ: دستبرداری، خلاصی، چھٹکارا پانا۔ صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔
 فَسِيحُوا: پس تم سیاحت کرو۔ پس تم چلو پھرو۔ سِيحٌ و سِيَاحَةٌ سے امر۔
 مُخْزِي: رسوا کرنے والا۔ ذلیل کرنے والا اِخْزَاءٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: ۶ھ میں حدیبیہ کے مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان صلح کا معاہدہ ہوا تھا۔ جس کے نتیجہ میں بنی خزاعہ مسلمانوں کے اور بنی بکر قریش کے حلیف بنے۔ کچھ عرصے کے بعد بنی بکر نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بنی خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ قریش نے بھی معاہدہ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے حملہ آوروں کی اسلحہ وغیرہ سے مدد کی۔ اس طرح قریش اور ان کے حلیفوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور معاہدہ ختم کر دیا گیا۔ پھر ۸ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حملہ کر کے مکہ فتح کر لیا۔ ان قبائل کے سوا دیگر قبائل سے مسلمانوں کا میعاد یا غیر میعاد معاہدہ تھا۔ جن میں سے بعض قبائل اپنے معاہدے پر قائم رہے۔ کچھ قبائل ایسے بھی

تھے جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہ تھا۔ ان آیات میں ان مشرکین کا ذکر ہے جن سے معاہدہ تھا۔ مگر میعاد ہی نہ تھا۔ ان لوگوں کو اطلاع کر دی گئی کہ ہم آئندہ معاہدہ نہیں رکھنا چاہتے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ۔

جب قبائل عرب، مشرکوں اور یہود مدینہ نے معاہدے توڑ دیئے تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی معاہدوں کو پورا کرنے سے بری الذمہ ہیں۔ اب مشرکوں کو علانیہ طور پر بتادو کہ ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے۔ اس مدت میں وہ امن و سکون اور آزادی سے ساتھ چل پھر سکتے ہیں۔ ان کے جان و مال سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ نیز مہلت کے زمانے میں اگر وہ چاہیں تو اسلامی برادری میں شامل ہو جائیں ورنہ وہ وطن چھوڑ کر مرکز ایمان و توحید کو اپنے وجود سے خالی کر دیں یا جنگی مقابلے کے لئے تیار ہو جائیں۔ بہر حال وہ اپنے لئے کوئی ٹھکانہ اور جائے پناہ تلاش کرنے میں بھی پوری طرح آزاد ہوں گے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس مہلت کی ابتداء حج اکبر یعنی عید کے دن سے شروع ہو کر دس ربیع الثانی کو ختم ہوگی۔

پھر فرمایا کہ خوب جان لو کہ اگرچہ اس نے تمہیں مہلت دے دی ہے مگر تم اللہ تعالیٰ پر غالب نہیں آسکتے اور نہ تم اس کی گرفت سے بچ سکتے ہو خواہ تم زمین کے کسی خطہ اور گوشہ میں چلے جاؤ اور یہ بھی جان لو کہ اگر اسلام نہ لائے تو وہ تمہیں دنیا و آخرت میں ذلیل و خوار کرے گا۔ دنیا میں تو قتل اور قید کی ذلت و رسوائی ہوگی اور آخرت میں عذاب جہنم کی خواری ہوگی۔ (مظہری ۱/۱۳۳، عثمانی ۱/۵۴۰)

عام اعلان برأت

۳۔ وَ اِذَا نَزَلَ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِئٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ؕ وَرَسُولُهُ ؕ فَاِنْ تَبَتُّمُ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاَعْلَمُوْا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج اکبر کے دن لوگوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول دونوں مشرکوں (کو امن دینے) سے دستبردار ہوتے

ہیں۔ سو اگر تم (کفر و شرک سے) توبہ کر لو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم نے (اسلام سے) منہ موڑا تو جان لو کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہ کر سکو گے اور آپ کافروں کو ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے۔

النَّحَجِ الْاَكْبَرِ شریعت میں ہر حج کو حج اکبر اور عمرے کو حج اصغر کہتے ہیں۔ اسی لئے آیت میں حج کے ساتھ لفظ اکبر لگا کر اس کی صفت بیان کر دی تاکہ عمرے کا احتمال نہ رہے۔ عام لوگوں میں جو یہ مشہور ہے کہ حج اکبر وہ حج ہے جو خاص جمعہ کے دن ہو، اس کی کوئی اصل نہیں۔

تشریح: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حج اکبر کے دن عام لوگوں کے سامنے اعلان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں سے بری الذمہ، بیزار اور الگ ہیں۔ پہلا اعلان برأت صرف ان مشرکوں سے تھا۔ جنہوں نے معاہدہ کرنے کے بعد عہد شکنی کی تھی اور یہ اعلان برأت عام ہے۔ اس میں عہد شکنی کرنے والے کافروں سے بھی برأت کا ذکر کیا گیا ہے اور ان مشرکوں سے بھی جنہوں نے کوئی معاہدہ ہی نہیں کیا۔

یوم الحج الاکبر کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں۔ بغوی نے بروایت عکرمہ بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یوم الحج الاکبر یوم عرفہ ہے۔ بغوی نے حضرت عمر، حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی ہے۔ مجاہد اور ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد یوم عرفہ ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الحج عرفہ (حج عرفہ کا نام ہے) حضرت علیؓ سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے۔

حضرت مسور بن محزمہؓ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عرفہ کا دن حج اکبر کا دن ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ یوم الحج الاکبر سے مراد قربانی کا دن ہے۔ بخاری شریف، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النحر کے دن جمرات کے درمیان کھڑے ہوئے فرمایا آج کون سا دن ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ قربانی کا دن ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ یوم حج اکبر ہے۔ حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ اور ابن جبیر رضی اللہ عنہم سے بھی یہی منقول ہے کہ یوم حج اکبر سے مراد یوم النحر ہے کیونکہ اس دن حج کی تکمیل ہوتی ہے۔

مجاہد اور سفیان ثوری سے منقول ہے اس سے مراد تمام ایام حج ہیں جیسا کہ یومِ حمل و یومِ صفین سے تمام ایام جنگ مراد ہوتے ہیں۔ غرض حج اکبر سے یا تو دس ذی الحجہ کا دن مراد ہے یا پھر نو ذی الحجہ یعنی عرفہ کا دن مراد ہے۔

پھر فرمایا کہ اگر یہ مشرک کفر و شرک سے توبہ کر لیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہے۔ اگر وہ ایمان نہ لائیں، توبہ نہ کریں اور کفر و شرک پر اڑے رہیں تو کچھ لو کہ وہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور ان کی قوت و طاقت ان کو اللہ کے قہر و عذاب سے نہیں بچا سکتی اور نہ وہ اللہ کی گرفت سے بھاگ کر کہیں جاسکتے ہیں اور نہ وہ اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ یہ تو دنیا کی ذلت و رسوائی ہوئی۔ آخرت کا دردناک عذاب اس کے علاوہ ہے۔ (روح المعانی ۴۶/۱۰، مظہری ۱۳۴/۴)

عہد پورا کرنے والوں کا حکم

۴۔ **إِلَّا الَّذِينَ عٰهَدْتُمْ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوْا إِلَيْهِمْ عٰهَدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝**

البتہ جن مشرکوں سے تم نے عہد کیا تھا۔ پھر انہوں نے تمہارے ساتھ (عہد میں) ذرا کمی نہیں کی اور نہ انہوں نے تمہارے مقابلے میں کسی کی مدد کی تو ان کے معاہدوں کو ان کی (مقررہ) مدت تک پورا کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ (بد عہدی سے) پرہیز کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

تشریح: اس آیت میں ان لوگوں کے معاہدوں کا حکم بیان کیا گیا ہے جنہوں نے ایک مقررہ مدت کے لئے صلح کا معاہدہ کیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان لوگوں کے معاہدوں کو پورا کرنے کا حکم دیا جنہوں نے ایک خاص مدت کے لئے صلح کا معاہدہ کیا۔ وہ اس پر قائم رہے، اس کو پورا کرنے میں انہوں نے کوئی کوتاہی نہیں کی اور نہ مسلمانوں کے مقابلے میں انہوں نے ان کے دشمن کی مدد کی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں اور عہد کی پابندی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ معاہدے کی مدت ختم ہونے کے بعد کوئی نیا معاہدہ نہیں ہو گا۔ اس وقت ان کے لئے بھی وہی راستہ ہو گا جو اوروں کے لئے تھا۔ یہ حکم بنو فہرہ اور بنو مدلج کے معاہدوں کے بارے میں تھا۔

اس حکم کی رو سے ان کو نو مہینے کی مہلت مل گئی کیونکہ اس وقت ان کے معاہدے کے نو مہینے باقی تھے۔

یثاقِ حدیبیہ توڑنے والوں کا حکم

۵۔ فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُواهُمْ وَاحْصِرُوهُمْ وَأَقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصِدٍ ۚ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

پھر جب پناہ کے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو اور ان کو پکڑ لو اور گھیر لو اور ہر جگہ ان کی تاک میں بیٹھو۔ پھر اگر وہ (کفر سے) توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ بیشک اللہ بہت مغفرت کرنے والا (اور) مہربان ہے۔

انسَلَخَ: وہ نکل گیا۔ وہ گزر گیا۔ اِنْسِلَاخٌ سے ماضی۔

مَرْصِدٍ: گھات کی جگہ۔ کمین گاہ۔ رَصْدٌ سے مبالغہ یا اسم ظرف۔

وَأَقْعُدُوا: اور تم بیٹھو۔ قُعُودٌ سے امر۔

تشریح: مشرکین مکہ نے یثاقِ حدیبیہ کو خود توڑ دیا تھا۔ اس لئے یہ لوگ اب مزید کسی

مہلت کے مستحق نہ تھے۔ مگر جس وقت معاہدوں سے برأت کا حکم نازل ہوا وہ اشہرِ حرم کا زمانہ تھا

جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنگ و قتال ممنوع ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگرچہ ان

لوگوں نے عہد شکنی کر کے اپنا کوئی حق باقی نہیں چھوڑا۔ مگر حرمت والے مہینوں کے احترام میں

فوری طور پر ان کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔ اس عرصے میں وہ مکہ چھوڑ کر جہاں مناسب سمجھیں

سہولت و اطمینان کے ساتھ چلے جائیں یا اگر ان پر اسلام کی حقانیت روشن ہو چکی ہے تو وہ اسلام

قبول کر لیں اور شعائرِ اسلامی کو بجالائیں۔ یعنی نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں ورنہ حدودِ حرم یا

حل میں جہاں کہیں بھی پائے جائیں گے ان کو قتل کیا جائے گا یا ان کو قیدی بنایا جائے گا۔ اگر وہ

قلعہ بند ہو جائیں تو ان کا محاصرہ کر کے ان کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ یا تو جنگ کریں یا مسلمان ہو

جائیں یا جزیہ دینا قبول کریں۔ پھر فرمایا کہ ہر کمین گاہ میں ان کی گھات لگا کر بیٹھو تاکہ وہ جدھر سے بھی آئیں تم ان کو گرفتار کر لو۔ پھر اگر وہ تائب ہو کر شعائر اسلامی کو بھالائیں یعنی نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو تم بھی ان کا راستہ چھوڑ دو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو معاف کرنے والا اور ان پر مہربانی کرنے والا ہے۔ (مظہری ۱۳۹ / ۴)

پناہ طلب کرنے والے کا حکم

۶۔ وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ مَذِئِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ ۝
اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپ سے پناہ طلب کرے تو آپ اس کو پناہ دے دیجئے تاکہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔ پھر آپ اس کو اس کے امن کی جگہ پہنچا دیجئے۔ یہ اس لئے ہے کہ وہ لوگ علم نہیں رکھتے۔

اسْتَجَارَكَ: اس نے تجھ سے پناہ مانگی۔ اسْتَجَارَةُ سے ماضی۔
أَبْلِغْهُ: تو اس کو پہنچا دے۔ أَبْلَاغٌ سے امر۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جن کافروں سے آپ کو جہاد کا حکم دیا گیا ہے اگر ان میں سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا کلام سننے اور اسلام کو سمجھنے کے لئے آپ سے پناہ طلب کرے تو آپ اس کو پناہ دے دیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام اور آپ کی باتیں سن لے اور اسلام کی حقیقت کو سمجھ لے۔ پس اگر وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سننے کے بعد بھی ایمان نہ لائے تو اس کو امن و حفاظت کے ساتھ اس کی قوم اور قبیلے تک پہنچا دو اور اس سے کوئی تعرض نہ کرو۔ ممکن ہے وہ سوچ سمجھ کر حق کو قبول کر لے۔ یہ رعایت ان کو اس لئے دی گئی ہے کہ ان کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہے کیونکہ وہ لوگ اللہ کے دین اور اس کے کلام سے بے خبر اور ناواقف ہیں۔ (روح المعانی ۶۳، ۵۴ / ۱۰، ابن کثیر ۳۳۷ / ۲)

اعلانِ برأت کی حکمت

۷۔ كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝

اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک مشرکوں کا عہد کیسے (قابل رعایت) رہے گا سوائے ان لوگوں کے جن سے تم نے مسجد حرام کے نزدیک عہد کیا تھا۔ (یعنی جنہوں نے عہد کو قائم رکھا) پھر جب تک یہ لوگ تمہارے ساتھ سیدھی طرح رہیں تم بھی ان کے ساتھ سیدھی طرح رہو۔ (جب تک یہ عہد نہ توڑیں تم بھی عہد کی مدت پوری کرو)

تشریح: گزشتہ آیتوں میں جو برأت کا اعلان کیا گیا تھا۔ یہاں اس کی حکمت بیان کی گئی ہے کہ ایسے لوگوں سے وفا کی امید رکھنا عبث ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک ان مشرکین کا کوئی عہد قابل رعایت کیسے ہو سکتا ہے جبکہ یہ بار بار عہد شکنی کرتے رہے ہیں۔ ایسے دغا باز اور غدار لوگوں سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد کیسے ہو سکتا ہے۔ ایسے لوگوں سے برأت و بیزاری عین مصلحت ہے۔ البتہ ان میں سے جن لوگوں سے تم عہد کر چکے ہو اور انہوں نے عہد شکنی نہیں کی تو تم بھی اپنے عہد پر اس وقت تک قائم رہو جب تک کہ وہ وفائے عہد کرتے رہیں۔ اور تم اس بارے میں خاص احتیاط رکھو کہ تمہاری طرف سے کوئی ایسی معمولی سی بات بھی نہ ہونے پائے جس سے تمہارا دامن عہد شکنی کی گندگی سے آلودہ اور داغدار ہو جائے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو وہی لوگ محبوب ہیں جو اپنے معاملات میں پوری احتیاط کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی ۵۴۲ / ۱)

مشرکین کی عاداتِ بد

۸۔ ۱۱۔ كَيْفَ وَإِنْ يَظْهَرُ عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلَّا وَلَا ذِمَّةً ۚ يُرْضُونَكُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ ۚ وَكَثَرُوا فُسْقُونَ ۝ اشْتَرَوْا بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِهِ ۚ إِنَّهُمْ سَاءَ

مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلَّا وِلَا ذِمَّةً ۝
 وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ ۝ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوْا
 الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ ۝ وَنُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ
 يَعْلَمُونَ ۝

ان سے عہد کس طرح پورا کیا جائے جبکہ ان کی حالت یہ ہے کہ اگر وہ تم پر
 کہیں غلبہ پالیں تو وہ نہ تو تمہاری قرابت کا لحاظ کریں گے اور نہ عہد کا۔ یہ
 تمہیں اپنی زبانی باتوں سے راضی کر دیتے ہیں اور ان کے دل نہیں مانتے اور
 ان میں سے اکثر بد عہد ہیں۔ انہوں نے اللہ کی آیتوں کو تھوڑی سی قیمت کے
 بدلے بیچ دیا۔ پس وہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔ بیشک ان کا یہ
 عمل بہت ہی برا ہے۔ یہ لوگ کسی مسلمان کے حق میں نہ تو قرابت کا لحاظ
 کرتے ہیں اور نہ عہد کا اور یہ لوگ حد سے تجاوز کر رہے ہیں۔ پھر اگر یہ لوگ
 (کفر سے) توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیتے رہیں تو یہ بھی تمہارے
 دینی بھائی ہو جائیں گے اور ہم جاننے والوں کے لئے احکام کو خوب تفصیل سے
 بیان کرتے ہیں۔

يَرْقُبُوا: وہ لحاظ کریں گے۔ وہ رعایت کریں گے۔ رُقْبٌ وُرُقُوبٌ سے مضارع۔

ذِمَّةٌ: وعدہ۔ عہد۔ جمع ذِمَمٌ

ثَمَنًا: قیمت۔ دام۔ جمع اَثْمَانٌ

فَصَدُّوا: پس انہوں نے روکا۔ صَدٌّ سے ماضی۔

سَاءَ: وہ برا ہے۔ سَوٌّ سے ماضی۔ فعل ذم ہے۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں کے مکرو فریب اور بغض و

عداوت سے آگاہ کیا ہے تاکہ وہ ان سے دوستانہ تعلقات نہ رکھیں اور نہ وہ ان کے قول و قرار پر
 بھروسہ کریں۔ ان کا کفر و شرک ان کو وعدوں کی پابندی سے باز رکھتا ہے۔ یہ لوگ تو موقع کی
 تلاش میں رہتے ہیں کہ اگر یہ تم پر غلبہ پالیں تو نہ قرابت کا لحاظ کریں اور نہ قول و قرار کی پاسداری
 کریں۔ ان کا حال یہ ہے کہ جب وہ تمہارے مقابلے میں اپنے آپ کو کمزور پاتے ہیں تو بظاہر تم سے
 صلح کرنے لگتے ہیں اور اپنی چکنی چڑی باتوں سے تمہیں راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ

وہ دل میں دغا رکھتے ہیں۔ ان میں سے اکثر فاسق و بدکار ہیں کہ کسی قول و قرار پر قائم نہیں رہتے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے بدلے میں دنیا کے معمولی سے فائدے کو ترجیح دی اور لوگوں کو دین اسلام میں داخل ہونے سے روکا۔ بلاشبہ ان کے اعمال بہت ہی برے ہیں۔ یہ لوگ تو مومنوں کو نقصان پہنچانے ہی کے درپے ہیں۔ نہ انہیں رشتہ داری کا خیال ہے، نہ معاہدے کا پاس۔ یہی لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ ان کی شرارتوں اور زیادتی کی کوئی حد نہیں۔ لہذا ایسے لوگوں کے عہد و پیمان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ اگر یہ لوگ کفر و شرک سے توبہ کر لیں، شعائر اسلامی کو بھالائے ہوئے نماز قائم کرنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو پھر یہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ اسلام لانے سے تمہارے اور ان کے حقوق برابر ہو جائیں گے۔ اہل علم و اہل فہم کے لئے ہم اپنے احکام اسی طرح تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

(حقانی ۲/۲۸۴، ابن کثیر ۲/۳۳۸)

کفر کے سرداروں کی بیخ کنی کا حکم

۱۲ وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعْنُوا فِي دِينِكُمْ
فَقَاتِلُوا أَلْفَةَ الْكُفْرِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ ۝

اور اگر وہ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین (اسلام) پر طعن کریں تو تم لوگ کفر کے سرداروں سے اس خیال سے قتال کرو کہ شاید وہ (اپنی حرکتوں سے) باز آجائیں۔ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں۔

نَكَثُوا: انہوں نے عہد کو توڑا۔ نَكَثَ سے ماضی۔

أَيْمَانَهُمْ: ان کی قسمیں۔ واحد اَيْمَانٌ

طَعْنُوا: انہوں نے طعنہ دیا۔ انہوں نے عیب نکالا۔ طَعَنَ سے ماضی۔

يَنْتَهُونَ: وہ رکتے ہیں۔ وہ باز رہتے ہیں۔ اِنْتَهَاءً سے مضارع۔

تشریح: اگر یہ کفار و مشرکین اپنے عہد و پیمان کو توڑ کر تمہارے ساتھ وعدہ خلافی کریں۔

تمہارے دین اسلام پر اعتراض کریں، احکام شریعت پر ٹکتے چینی اور ان کی تحقیر و تمذیب کریں تو تم بھی ان سردار ان کفر سے خوب جہاد و قتال کرو۔ ان کی عہد شکنی کے سبب ان کی قسمیں اور ان کے

عہد و پیمان باقی نہیں رہے۔ ان کو کفر و عناد سے روکنے کا یہی طریقہ ہے۔
 یہاں ائمہ الکفر سے مراد یہ ہے کہ لوگ اپنی عہد شکنی کی وجہ سے کفر کے امام و قائد ہو کر
 اس بات کے مستحق ہو گئے کہ ان سے جنگ و قتال کیا جائے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں
 ائمہ الکفر سے مراد مکہ کے وہ سردار ہیں جو لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف اٹھارتے اور جنگی
 تیاریوں میں لگے رہتے تھے۔ ان سے جنگ کرنے کو خصوصیت کے ساتھ اس لئے ذکر فرمایا کہ اہل
 مکہ کی طاقت کا سرچشمہ بھی لوگ تھے۔ (ابن کثیر ۳۳۸، ۳۳۹، ۲ / معارف القرآن ۳۲۳ / ۴)

کفار سے جنگ کی ترغیب

۱۵-۱۳ اَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا اٰیْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاَخْرَاجِ الرَّسُوْلِ
 وَهُمْ بَدَّءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ اَتَنْخَشِوْنَهُمْ ۚ قَالَ لَّهٗ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْا
 اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبُهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ
 وَيُخْزِيْهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ
 ۝ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَيُتُوْبَ اللّٰهُ عَلٰی مَنْ يَّشَآءُ ۚ
 وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

کیا تم اس قوم سے نہیں لڑو گے۔ جس نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور وہ رسول
 کے اخراج کی فکر میں ہیں اور انہوں نے (چھیز خوانی میں) خود ہی تم سے پہلے کی
 کیا تم ان سے (قتال کرنے میں) ڈرتے ہو۔ پس اللہ اس بات کا زیادہ مستحق
 ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔ تم ان سے قتال کرو۔ اللہ تعالیٰ ان کو
 تمہارے ہاتھوں سے مرنے کا۔ اور ان کو رسوا کرے گا اور تم کو ان پر غلبہ دے
 گا اور مومنوں کے دلوں کو ٹھنڈا کرے گا اور وہ ان کے دلوں سے غیظ
 (و غصب) کو دور کرے گا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا تو بہ (کی توفیق) نصیب
 کرے گا اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانے والا (اور) حکمت والا ہے۔

مَمُّوْا: انہوں نے ارادہ کیا۔ انہوں نے قصد کیا۔ ہم سے ماضی۔
 بَدَّءُوْكُمْ: انہوں نے تم سے پہلے شروع کیا۔ انہوں نے تم سے پہلے ابتداء کی۔ بدو سے
 ماضی۔

يُخْزِيهِمْ: وہ ان کو ذلیل کرے گا۔ وہ ان کو رسوا کرے گا۔ اخْزَاءُ سے مضارع۔

شانِ نزول: ابو الشَّخ نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول بنی خُزاعہ کے بارے میں ہوا جن کو مکہ میں بنی بکر نے قتل کیا تھا۔ عکرمہ نے بھی یہی کہا ہے کہ اس آیت کا نزول بنی خُزاعہ کے متعلق ہوا۔ (مظہری ۱۳۵ / ۴)

تشریح: یہاں کفار سے جنگ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور ان سے جنگ نہ کرنے میں مسلمانوں کو عار دلائی گئی ہے کہ تم ان مشرکوں سے جنگ و قتال کیوں نہیں کرتے جنہوں نے عہد توڑ ڈالے، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے نکلنے کا قصد کیا۔ دار الندوہ میں جمع ہو کر اس کام کے لئے مشورے اور تدبیریں کیں اور تم سے چھڑ چھاڑ کرنے میں ہہل کی۔

جمہور مفسرین کے نزدیک اس آیت میں قسمیں توڑنے سے مراد وہ عہد شکنی ہے جو صلح حدیبیہ کے بعد مشرکین کی طرف سے ہوئی۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے چھٹے سال عمرہ کی ادائیگی کے لئے مکہ مکرمہ کا قصد کیا۔ آپ کے ہمراہ چودہ سو آدمی تھے۔ جب آپ حدیبیہ کے مقام پر پہنچے جو مکہ سے تقریباً نو میل کے فاصلے پر ہے تو مشرکین مکہ نے آپ کا راستہ روکا اور آمادہ جنگ ہوئے۔ آخر دس سال تک باہم جنگ نہ کرنے، آئندہ سال ہتھیاروں کے بغیر اگر عمرہ کرنے اور ایک دوسرے کے حلیف کو نہ ستانے جیسی شرائط پر صلح ہو گئی اور آپ وہیں سے مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ قبیلہ بنو بکر نے قریش کے ساتھ معاہدہ کیا تھا اور بنو خُزاعہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کیا تھا۔ دونوں قبیلوں میں مدت سے عداوت تھی صلح کے نتیجہ میں جب دونوں قبیلوں کے لوگ ایک دوسرے سے امن میں ہو گئے تو کچھ عرصہ کے بعد بنو بکر نے بنو خُزاعہ پر شہ خون مارا۔ دونوں قبیلوں میں خوب جنگ ہوئی۔ قریش نے معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ہتھیاروں اور آدمیوں سے بنو بکر کی مدد کی۔ آخر بنو خُزاعہ کو شکست ہو گئی۔ بنو خُزاعہ کے سردار عمرو بن سالم نے مدینہ منورہ پہنچ کر آپ سے فریاد کی۔ آخر کار معاہدہ حدیبیہ ٹوٹ گیا۔ یہی واقعہ فتح مکہ کا سبب بنا۔

پھر فرمایا کہ کیا تم کافروں کی قوت و شوکت اور ان کے جنگی ساز و سامان سے ڈر کر ان سے جنگ و قتال کرنے سے کتراتے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس کی قوت و قدرت پر نظر کرتے ہوئے اس کی پکڑ اور اس کے عذاب سے ڈرو۔ ایمان کا تقاضا ہی یہ ہے کہ

بندہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرے۔ اس کے قہر و غضب سے لرزاں و ترساں رہے۔ کیونکہ نفع و ضرر سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی اس کی مشیت کے بغیر کسی کو ادنیٰ سے ادنیٰ نفع و ضرر پہنچانے پر قادر نہیں۔

جب مسلمان کمزور تھے تو کافران کو بے پناہ تکلیفیں دیا کرتے تھے۔ جس سے ان کے دلوں میں غصہ اور رنج رہتا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا کہ تم ان شریر کافروں سے جہاد و قتال کرو۔ اللہ تعالیٰ ان کے غرور و تکبر اور مومنوں کو ستانے کے سبب ان کو تمہارے ہاتھ قید و قتل کر کے ان کو ذلت و رسوائی کے عذاب میں مبتلا کرے گا اور تمہیں ان پر غلبہ اور برتری عطا فرمائے گا۔ جس سے کافروں کے بارے میں تمہارے دلوں کا غیض و غضب جو بیماری کی طرح تمہیں بے چین کئے ہوئے ہے جاتا رہے گا اور تمہارے دل اس بیماری سے شفا پا جائیں گے۔ اور ان کافروں میں سے بھی اللہ جس کو چاہے گا کفر سے توبہ اور قبول اسلام کی توفیق عطا فرما دے گا۔ اگرچہ تمہیں ابھی اس کا علم نہیں۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد بہت سے اہل مکہ ایمان لے آئے۔ اور اچھے مسلمان ہو گئے۔ جیسے ابو سفیان، سہل بن عمرو اور عکرمہ بن ابی جہل وغیرہ رضی اللہ عنہم حالانکہ اسلام لانے سے پہلے یہ لوگ ائمہ کفر تھے۔ اللہ نے ان پر احسان کیا اور ان کو ایمان کی توفیق دی اور اللہ خوب جانتا ہے کہ ان کافروں میں سے کون کون ایمان لانے والے ہیں۔ وہی حکمت والا ہے۔ اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔ (مواہب الرحمن ۶۵، ۶۶ / ۱۰، حقائق ۲/۳۸۶، ۳۸۵)۔

ایمان کی کسوٹی

۱۶۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمْ يَاجِدِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَهِدُوْا مِنْكُمْ
وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلٍ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ
وَلِيْجَةً ۚ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ ابھی تو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ان لوگوں کو (ظاہری طور پر) معلوم ہی نہیں کیا جنہوں نے جہاد کیا اور اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہیں

بنایا اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے۔

حَسِبْتُمْ: تم نے گمان کیا۔ تم نے خیال کیا۔ **حَسِبَانُ** سے ماضی۔

تَتْرَكُوا: تمہیں ترک کر دیا جائے۔ تمہیں چھوڑ دیا جائے۔ **تَرَكَّ** سے مضارع مجہول۔

وَلِيْبَجَةٍ: بھیدی۔ دلی دوست۔ رازدار

تَشْرِيح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ

تمہیں امتحان لئے بغیر یونہی تمہارے حال پر چھوڑ دیا جائے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ان

لوگوں کو ابھی دوسرے لوگوں سے ممتاز نہیں کیا جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بھی جہاد میں بڑھ چڑھ

کر حصہ لیتے ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کے سوا کسی اور کو

دلی دوست نہیں بناتے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

أَحْسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۝

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا

وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ۝ (سورہ عنکبوت - آیات ۲، ۳)

کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ آزمائش سے گزرے بغیر ہی صرف اس

لئے چھوڑ دیئے جائیں گے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ ایمان لے آئے۔ حالانکہ ہم نے

ان سے پہلے مومنوں کو بھی آزمایا ہے۔ پس یاد رکھو اللہ تعالیٰ سچوں اور جھوٹوں

کو ضرور الگ الگ کرے گا۔

پس جہاد فرض کرنے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ کھرے اور کھوٹے کی

تمیز ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔ تم جو کچھ کرتے ہو، جس غرض اور جس نیت سے

کرتے ہو، اللہ تعالیٰ کو وہ سب معلوم ہے۔ جو کچھ اب ہونے والا ہے۔ وہ بھی اس کو معلوم ہے اور

جو کچھ آئندہ ہو گا، کب ہو گا، اور کس طرح ہو گا وہ سب اس کو معلوم ہے۔ وہ ہر چیز کی حالت سے

واقف ہے اور چاہتا ہے کہ دنیا پر بھی کھرا کھوٹا اور جھوٹ و سچ ظاہر کر دے۔ (روح المعانی

۶۳، ۶۴ / ۱۱۰ بن کثیر ۳۴۰ / ۲)

مشرکین کے فخر و ناز کا جواب

۱۸-۱۶ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسْجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَىٰ
 أَنْفُسِهِم بِالْكَفْرِ ۚ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي النَّارِ
 هُمْ خَالِدُونَ ۝ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
 الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَحْشَ إِلَّا لِلَّهِ
 فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ۝

مشرکوں کا یہ کام نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں جبکہ وہ خود اپنے اوپر
 کفر (کی باتوں) کا اقرار کر رہے ہوں۔ ان لوگوں کے سب اعمال ضائع ہو گئے
 اور وہ لوگ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ بیشک اللہ کی مسجدوں کو تو وہی آباد
 کرتا ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور نماز قائم کرتا ہو اور زکوٰۃ ادا
 کرتا ہو اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتا ہو۔ پس توقع ہے کہ ایسے لوگ ہدایت
 پانے والوں میں سے ہوں گے۔

يَعْمُرُوا: وہ تعمیر کرتے ہیں۔ وہ آباد کرتے ہیں۔ عَمَرُوْا عَمَارَةً سے مضارع
 حَبِطَتْ: وہ ناپید ہو گئے۔ وہ ضائع ہو گئے۔ حَبَطَ سے ماضی۔
 فَعَسَىٰ: سو عنقریب۔ پس جلد۔ پس امید ہے۔ یہ فعل مقاربہ ہے۔

شان نزول: بغویؒ نے بیان کیا کہ حضرت عباسؓ سے روایت ہے کہ جب جنگ بدر
 میں حضرت عباسؓ گرفتار ہو کر آئے تو مسلمانوں نے ان کو کفر اختیار کرنے اور قرابت منقطع کرنے
 کی شرم و عار دلائی اور حضرت علیؓ نے ان سے سخت کلامی کی۔

پھر (اس کے جواب میں) حضرت عباسؓ نے کہا کہ تم ہماری برائیوں کا تو ذکر کرتے ہو
 لیکن تم ہماری خوبیوں کا تذکرہ نہیں کرتے اس کی کیا وجہ ہے۔ حضرت علیؓ نے تعجب سے کہا کہ کیا
 تم لوگوں میں کچھ خوبیاں بھی ہیں۔ حضرت عباسؓ نے جواب دیا کہ ہاں۔ ہم مسجد حرام تعمیر کرتے
 ہیں۔ ہم کعبہ کی دربانی کرتے ہیں اور حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت
 عباسؓ کے کلام کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی۔ (مظہری ۱۳۶ / ۴، روح المعانی ۶۵ / ۱۰)

تشریح: مشرکین مکہ مسجد حرام کو آباد رکھتے اور اس کا انتظام کرتے تھے۔ حج کے دنوں میں حاجیوں کو پانی پلاتے تھے۔ وہ اپنی ان خدمات پر فخر کرتے ہوئے کہتے تھے کہ ان سے بڑھ کر اللہ کے نزدیک کس کا درجہ ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کعبہ کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ مشرکوں کو یہ حق نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کی تعمیر کریں اور ان کو آباد کریں کیونکہ مسجد تو وہ جگہ ہے جہاں صرف اللہ وحدہ لا شریک لہ کی ایسی عبادت کی جائے جو اس کی شان کے لائق ہو۔ جبکہ مشرکین نہ تو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ کفر و شرک سے باز آتے ہیں۔ انہوں نے تو کعبہ میں سیکڑوں مورتیاں نصب کر رکھی ہیں۔ یہ لوگ ان کی نذر و نیاز کرتے اور منتیں مانتے ہیں۔ ننگے ہو کر کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔ اللہ کے ذکر کی جگہ سیٹیاں اور تالیاں بجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں کو وہاں آنے سے روکتے ہیں۔ ایسی حالت میں ان کا حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کا انتظام کرنا اور کعبہ کا غلاف چمڑھانا جیسے اعمال بے جان و بے روح ہیں۔ کیونکہ کفر و شرک کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا جمع ہونا ہی محال ہے۔ پھر کفر و شرک تو تمام اچھے اعمال کو ضائع کر دیتا ہے۔ اس لئے اللہ کے ہاں ان کا کوئی عمل قبول نہیں۔ اسی بنا پر وہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہیں گے۔

پھر فرمایا کہ مساجد کی تعمیر کا اصل حق تو انہی لوگوں کو ہے جو عقائد اور اعمال کے اعتبار سے احکام الہی کے پابند ہوں، اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہوں اور نماز و زکوٰۃ کے پابند ہوں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے ہوں۔ سو امید ہے کہ ایسے لوگ ہدایت پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ (عثمانی، ۵۴۵/۱۔ مظہری ۱۳۶-۱۳۹/۴)

امام احمد، ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی کو مسجد آباد کرتے دیکھو (مسجد میں آنے جانے کی عادت والا دیکھو) تو اس کے مومن ہونے کی شہادت دو کیونکہ اللہ نے فرمایا

اَنْصَايَعُمُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ -----

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص شہر میں اچھی طرح وضو کرنے کے بعد مسجد کو جاتا ہے وہ اللہ کی ملاقات کو آنے والا (اللہ کا مہمان) ہو جاتا ہے اور میزبان پر حق ہے کہ وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔

بخاری نے صحیح میں اور امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور بغوی رحمہم اللہ نے روایت کی کہ

جو شخص اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کوئی مسجد بنائے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ویسا ہی مکان بنائے گا۔ (مظہری ۱۳۸ / ۴، ابن کثیر ۳۴۰ / ۲، روح المعانی ۶۶، ۶۵ / ۱۰)

مہاجرین و مجاہدین کے فضائل

۱۹-۲۲ اَجْعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ
أَمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَوُونَ
عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا
وَمَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ
أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ
رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ
۝ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝

کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد کرنا اس شخص کے اعمال کے برابر قرار دے لیا ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو۔ اللہ کے نزدیک یہ لوگ برابر نہیں اور اللہ ظالموں کو ہدایت (کی توفیق) نہیں دیتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا تو اللہ کے ہاں ان کے لئے بڑا درجہ ہے اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔ ان کا رب ان کو اپنی رحمت اور رضامندی کی بشارت دیتا ہے اور ایسے باغوں کی جن میں ان کے لئے دائمی نعمت ہوگی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ بلاشبہ اللہ کے پاس بڑا اجر ہے

يَسْتَوُونَ: وہ برابر ہوتے ہیں۔ اِسْتَوَوْا سے مضارع۔

نَعِيمٌ: بڑی نعمت۔ آرام۔

مُقِيمٌ: دائمی۔ اٹل۔ ابدی۔ اِقَامَةُ سے اسم فاعل۔

شان نزول: مسلم، ابوداؤد، ابن جریر اور ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ نے حضرت

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ میں چند صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے ساتھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ہم میں سے ایک آدمی کہنے لگا کہ اسلام لانے کے بعد اگر میں کوئی عمل نہ کروں تو مجھے پرواہ نہیں سوائے اس کے کہ میں حاجیوں کو پانی پلاؤں۔ دوسرے نے کہا کہ نہیں بلکہ مسجد الحرام کی آباد کاری (سب سے اچھا عمل ہے لہذا میں تو وہی کروں گا) ایک اور آدمی نے کہا کہ جو کچھ تم نے کہا اس سے بڑھ کر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ڈانٹا اور فرمایا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس اپنی آوازوں کو بلند مت کرو۔ یہ واقعہ جمعہ کے دن کا ہے۔ اور جب تم جمعہ کی نماز پڑھ لو گے تو میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر تمہارے ان جھگڑوں کے بارے میں دریافت کروں گا۔ اس پر آیت **الظَّالِمِينَ تَكُنَا نَزَّلَ بُوتَى**۔ (روح المعانی ۶/۱۰، مظہری ۱۳۹/۲، ابن کثیر ۳۴۲/۲)

ابن جریر نے محمد بن کعب کی روایت سے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت علی، حضرت عباس اور حضرت طلحہ بن شیبہ رضی اللہ عنہم کے حق میں ہوا تھا۔ تینوں اپنی اپنی بزرگیاں بیان کر رہے تھے۔ حضرت طلحہ نے کہا کہ میں کعبہ کا متولی ہوں، میرے ہاتھ میں کعبہ کی کنجیاں ہیں اگر چاہوں تو میں وہاں رات گزار سکتا ہوں۔ حضرت عباس نے کہا کہ میں حاجیوں کو زم زم پلاتا ہوں اور اس کا نگہبان ہوں۔ اگر چاہوں تو ساری رات مسجد میں رہ سکتا ہوں۔ حضرت علی نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ تم دونوں کیا کہہ رہے ہو۔ میں نے لوگوں سے چھ ماہ پہلے قبلے کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھی ہیں اور میں صاحب جہاد ہوں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر ۳۴۱/۲، مظہری ۱۵۰/۳)

تشریح: اللہ تعالیٰ کے نزدیک حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی خدمت بجالانے والا اس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لایا اور اس نے اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے اس کی راہ میں جہاد و قتال کیا۔ کافر چونکہ اپنے کفر و شرک کی وجہ سے انتہا درجہ کے ظالم ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت و عناد کی وجہ سے یہ لوگ اللہ کی رحمت سے دور ہیں۔ اس لئے ان کی بڑی سے بڑی نیکی بھی اللہ کے نزدیک کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتی۔ ان کی ہر نیکی کو کفر و شرک کا گھن کھا جاتا ہے۔

پھر فرمایا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کے لئے

اپنے گھر بار و عزیز و اقارب چھوڑ کر اپنی جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد و قتال کیا تو اللہ کے نزدیک ایسے لوگوں کے لئے بڑے درجات ہیں۔ ان کے درجات کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ دنیا و آخرت کے اعتبار سے یہی لوگ کامیاب و کامران ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی خاص رحمت اور رضا کی اور ایسے باغوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں دائمی نعمتیں ہوں گی یہ لوگ ان نعمتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے پاس ایسا اجر عظیم ہے کہ اس کے سامنے تمام دنیا بیچ ہے

کافروں سے ترکِ موالات کا حکم

۲۳-۲۴ یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءٍ اِنْ اسْتَحَبُّوْا الْكُفْرَ عَلٰى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ ۝ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالٌ اِقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَتَّخِشُوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرُسُوْلِهِ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهِ فَتَرْبُّوْا حَتّٰى يٰتٰى اللّٰهُ بِاَمْرٍ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِ الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

اے ایمان والو! تم اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ۔ اگر وہ ایمان کے مقابلے میں کفر کو عزیز رکھیں اور تم میں سے جو کوئی ان کو دوست رکھے سو ایسے ہی لوگ بڑے نافرمان ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندا ہونے سے تم ڈرتے ہو اور وہ گھر جس کو تم پسند کرتے ہو، تمہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو تم انتظار کرو۔ یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم (عذاب) بھیج دے۔ اور اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

اِقْتَرَفْتُمُوْهَا: تم نے اس کو کمایا۔ اِقْتَرَفٌ سے ماضی۔

کَسَادَهَا: اس کا مندا ہونا۔ اس کی تجارت نہ چلنا۔ مصدر ہے۔

فَتَرَبَّصُوا: پس تم منتظر رہو۔ تَرَبَّصٌ سے امر۔

شان نزول: نعلبی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ جب مومنوں کو

ہجرت کا حکم دیا گیا تو بعض لوگوں کے لہل و عیال ان سے چمٹ گئے اور اللہ کا واسطہ دے کر کہنے

لگے کہ (ہمیں چھوڑ) جانے کا ارادہ ترک کر دو۔ اس سے وہ سست ہو گئے اور کہنے لگے کہ اگر ہم

ہجرت کر جائیں تو اپنے والدین و اولاد و اقارب کا رشتہ قطع کریں گے اور ہماری تجارتیں جاتی رہیں

گی۔ ہمارے اموال ہلاک ہو جائیں گے اور ہمارے شہر تباہ ہو جائیں گے اور ہم برباد ہو جائیں گے

اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مقاتل نے کہا کہ یہ آیت ان نو آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی جو مرتد ہو کر مکہ چلے

گئے تھے اور کافروں سے جا ملے تھے۔ ان کے اقارب کو ان سے موالات کرنے سے منع کر دیا گیا۔

(مواہب الرحمن ۴۳ / ۱۰، روح المعانی ۴۰ / ۱۰)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں سے ترک موالات یعنی ان کی دوستی ترک

کرنے کا حکم دیا ہے۔ خواہ وہ ماں باپ ہوں یا بہن بھائی، بشرطیکہ وہ کفر کو اسلام پر ترجیح دیں۔ جو

شخص اللہ کے حکم کے باوجود اپنے کافر ماں باپ، بہن بھائی اور دیگر رشتہ داروں سے دوستانہ

تعلقات رکھے گا، ان کو مسلمانوں کے راز بتائے گا اور ہجرت چھوڑ کر ان کے ساتھ رہنے کو پسند

کرے گا تو وہ یقیناً بے انصاف اور ظالم ہو گا۔

اگر تمہیں اپنے ماں باپ، بیٹے، بھائی، اموال تجارت اور مکان وغیرہ اللہ اور اس کے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو پھر کافروں کے

ساتھ تم بھی عذاب برداشت کرنے کے لئے تیار رہو۔ پھر جو حال ان کا ہو گا وہی تمہارا بھی ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔

(مظہری ۲۰۲، ۲۰۵ / ۴، مواہب الرحمن ۴۳، ۴۵ / ۱۰)

زہرہ بن معبد اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ

وسلم کے ساتھ تھے اور آپ نے حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ کہنے لگے یا رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں۔ سوائے میری اپنی جان کے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی شخص مومن نہ ہو

گاجب تک کہ وہ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز نہ رکھے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ خدا کی قسم اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اب اے عمرؓ! (تو مومن ہو گیا)
(مسند احمد ۴۴۲/۵)

غزوات میں نصرتِ خداوندی

۲۴-۲۵ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ لَا وَيْلُومَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمُ مُدْبِرِينَ ۝ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝ ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مَنْ بَعْدَ ذَلِكَ عَلَى مَنْ يَشَاءُ ۖ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

بلاشبہ اللہ تعالیٰ (جنگ) کے بہت سے موقعوں پر (کفار کے مقابلے میں) تمہاری مدد کر چکا ہے اور (جنگ) حنین کے دن بھی جب تم اپنی کثرت پر خوش تھے۔ پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور اپنی فراخی کے باوجود تم پر زمین تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ موڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مومنوں (کے دلوں) پر اپنی سکینت نازل فرمائی اور (ان کی مدد کے لئے) ایسے لشکراتارے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے۔ پھر اس کے بعد اللہ جس کو چاہے توبہ نصیب کر دے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

مَوَاطِنُ: مواقع۔ جگہیں۔ جنگ کے میدان۔ واحد مَوْطِنٌ

أَعْجَبَتْكُمْ: وہ تم کو اچھی لگی۔ وہ تم کو بھلی لگی۔ اِعْجَابٌ سے ماضی۔

ضَاقَتْ: وہ تنگی کرنے لگی۔ وہ تنگ ہو گئی۔ ضَيْقٌ وَضَيْقٌ سے ماضی۔

رَحُبَتْ: وہ کشادہ ہوئی۔ وہ فراخ ہوئی۔ رَحْبٌ وَرَحَابَةٌ سے ماضی۔

جُنُوداً: لشکر۔ فوجیں۔ واحد جُنْدٌ۔

تشریح: فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ ہوازن و ثقیف کے کفار مسلمانوں سے جنگ کے لئے حنین کے مقام پر جمع ہوئے ہیں۔ آپ بارہ ہزار کی جمعیت لے کر ان کے مقابلے کے لئے روانہ ہوئے۔ ان بارہ ہزار میں دس ہزار تو وہ مہاجرین و انصار تھے جو مدینہ منورہ سے آپ کے ساتھ آئے تھے اور دو ہزار مکہ کے نو مسلم تھے۔ ادھر کافروں کی تعداد چار ہزار اور بعض روایتوں کے مطابق ۲۲، ۲۳ یا ۲۸ ہزار تھی۔

اس وقت بعض مسلمانوں کی زبان سے یہ نکلا کہ آج ہم تعداد کی قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی کہ مسلمانوں نے اس کی نصرت و اعانت پر بھروسہ کرنے کی، بھائے اپنی کثرت پر نظر کی۔ حالانکہ فتح تو اللہ تعالیٰ ہی کی نصرت و اعانت سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ جنگی ساز و سامان اور فوج کی کثرت سے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مستحب کرنے کے لئے پہلے تو ان کو شکست سے دوچار کیا تاکہ ان کو احساس ہو جائے کہ فتح کا دار و مدار قوت و کثرت پر نہیں بلکہ اللہ کی تائید و حمایت پر ہے۔ پھر جب ان کو اپنی لغزش کا احساس ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے تائیدِ غیبی سے شکست کو فتح سے بدل دیا۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جس طرح اس نے دوسرے بہت سے مواقع پر ان کی مدد و اعانت کی تھی اسی طرح اس نے حنین کے دن بھی مسلمانوں کی غیبی امداد کی جبکہ ان کی عددی کثرت جس پر انہیں فخر و ناز تھا۔ انکے ذرا بھی کام نہ آئی اور وہ دشمن کے حملے کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے اور فراخی کے باوجود ان پر زمین تنگ ہو گئی۔ پھر جب ان کو اپنی لغزش اور خطا کا احساس ہو گیا اور ان کا فخر و غرور زائل ہو گیا اور انہوں نے اپنی کثرت کی بجائے اللہ تعالیٰ کی نصرت و اعانت پر نظر کی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مومنوں پر اپنی خاص رحمت و سکینت نازل فرمائی۔ جس سے ان کے دلوں کو اطمینان و سکون نصیب ہوا اور ان کے اکھڑے ہوئے قدم جم گئے اور مسلمانوں کی مدد کے لئے آسمان سے ایسے لشکر اتارے جن کو وہ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ مگر ان کے آثار کو محسوس کرتے تھے۔ اس تائیدِ غیبی کی وجہ سے مومنوں کو غلبہ حاصل ہوا اور کافروں کو سزا ملی کہ وہ قتل بھی ہوئے اور گرفتار بھی۔ دنیا میں کافروں کی یہی سزا ہے۔

پھر فرمایا کہ اس سزا کے بعد اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اپنی رحمت سے اسلام کی توفیق بخش

دے گا کیونکہ وہ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔ چنانچہ ہوازن و ثقیف کے بہت سے لوگ تائب ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے۔ (ابن کثیر ۳۴۳-۳۴۶ / ۲)

مشرکین کے لئے ایک سال کی مہلت

۲۸- يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَآ الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرُبُوْا
الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً
فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمْ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ

○

اے ایمان والو! مشرک لوگ بڑے ناپاک ہیں۔ سو اس سال کے بعد یہ لوگ مسجد حرام کے نزدیک نہ آنے پائیں اور اگر تمہیں مفلسی کا اندیشہ ہو تو اللہ پر بھروسہ رکھو۔ اگر اللہ نے چاہا تو وہ تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔

نَجَسٌ: نجس۔ پلید۔ ناپاک۔ مصدر ہے۔

عَيْلَةً: محتاجی۔ فقر۔ مفلسی۔ مصدر ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا کہ اس سال کے بعد جس میں یہ حکم سنایا گیا ہے مشرکوں کو مسجد حرام میں نہ آنے دو کیونکہ وہ ناپاک ہیں۔ ان کی نجاست باطنی بھی ہے۔ جیسے کفر و شرک اور وہ ظاہری طور پر بھی نجس ہیں کیونکہ وہ نہ طہارت کرتے ہیں اور نہ نجاستوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کہتے ہیں کہ وہ نجس العین نہیں۔

مسجد الحرام کے سوا دوسری مساجد میں داخل ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ اہل مدینہ تمام مساجد سے منع کرتے ہیں۔ امام شافعی اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ دوسری مساجد میں آنے کی ممانعت نہیں کیونکہ آپ نے ثمامہ بن اثال کو اپنی مسجد میں باندھا تھا اور ثقیف کے وفد کو بھی وہیں ٹھہرایا تھا۔

پھر فرمایا کہ اگر مشرکین کی آمد و رفت بند ہو جانے سے، تمہیں معاشی مشکلات کا اندیشہ ہو تو کچھ لو کہ تمام مخلوق کی معاش کا نظام اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اپنے فضل و مہربانی سے

تمہیں دوسرے طریقوں سے غنی اور مالدار کر کے ان تمام کفار سے مستغنی کر دے گا کیونکہ وہ مادی اسباب کا محتاج نہیں۔ جب وہ کسی کام کا ارادہ کر لیتا ہے تو پھر اسباب خود بخود پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ پس اس کے چلبے کی دیر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ اس طرح پورا فرمایا کہ آسمان سے اچھی بارش فرمادی جس سے خوب غلہ پیدا ہوا۔ اہل صنعاء اور یمن وغیرہ کو اسلام کی ہدایت فرمائی جس سے مکہ میں غلہ کی بڑی مقدار آئی۔ پھر شام و روم وغیرہ فتح کرا دیئے۔ جس سے مال غنیمت اور جزیہ بڑی مقدار میں حاصل ہوا۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے۔ تمہاری مصلحتوں کو وہ تم سے زیادہ جانتا ہے۔ اس کی حکمت و علم سے بعض کو ملتا ہے اور بعض کو نہیں ملتا۔ بعض چیز ملتی ہے اور بعض چیز نہیں ملتی، بعض وقت ملتی ہے اور بعض وقت نہیں ملتی۔ یہی عین حکمت ہے۔

(حقانی ۲/۲۹۱، مواہب الرحمن ۸۲، ۸۵/۱۰)

اہل کتاب سے جہاد کا حکم

۲۹ - قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ
وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ
مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ
ضِعْرُونَ ۝

ان اہل کتاب میں سے ان لوگوں سے قتال کرو جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کر دیا ہے اور نہ بچے دین (اسلام) کو قبول کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دینا منظور کر لیں۔

يَدِينُونَ: وہ دین اختیار کرتے ہیں۔ وہ اطاعت کرتے ہیں۔ دین سے مضارع۔
الْجِزْيَةُ: فدیہ۔ خراج۔ وہ رقم جو اسلامی حکومت میں سکونت پذیر کافروں سے سالانہ وصول کی جاتی ہے۔

ضِعْرُونَ: بے عزت۔ ذلیل۔ خوار۔ صغار سے اسم فاعل۔

تشریح: مشرکین سے جہاد و قتال کے ذکر کے بعد اس آیت میں اہل کتاب سے جہاد کا حکم ہے گویا یہ غزوہ تبوک کی تہمید ہے۔ جو اہل کتاب کے مقابلے میں پیش آیا۔ اگرچہ لغوی اعتبار سے لفظ اہل کتاب ہر اس کافر جماعت کے لئے استعمال ہو سکتا ہے جو کسی آسمانی کتاب پر ایمان رکھتی ہو مگر قرآن کریم میں یہ لفظ یہود و نصاریٰ کے لئے استعمال ہوا ہے کیونکہ عرب کے قرب و جوار میں اہل کتاب کے یہی دو گروہ معروف تھے۔

یہود و نصاریٰ چونکہ اہل علم تھے۔ ان کے پاس توریت و انجیل کا علم تھا۔ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک اور حلیہ تک نہایت تفصیل سے مذکور ہے۔ اس علم کے باوجود ان کا کفر و انکار اور اسلام و مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا ان کے جرم کی سنگینی کو شدید بنا دیتا ہے۔ اسی لئے ان سے جنگ و قتال کا ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں اہل کتب کے ساتھ جنگ کی چار وجوہ بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

وہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے۔

یہود و نصاریٰ اگرچہ علانیہ طور پر توحید کا انکار نہیں کرتے۔ مگر یہود حضرت عزیر کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا کہہ کر ان کو اس کی خدائی میں شریک ٹھہراتے ہیں۔ پس درحقیقت یہ لوگ اللہ وحدہ لا شریک نہ پر ایمان نہیں رکھتے بلکہ ایسے خدا پر ایمان رکھتے ہیں جس کے بیٹے ہوں۔ اس لئے ان کا توحید و ایمان کا دعویٰ غلط ہے

۲۔ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ

اور نہ وہ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔

یہود روز آخرت اس دن کو کہتے ہیں جس میں وہ لوگ بڑے آرام سے جنت میں داخل ہوں گے۔ ان کی چوری، دغا بازی، ظلم، فریب اور زنا کاری وغیرہ کسی بھی جرم کا ان سے مواخذہ نہ ہو گا اور صرف وہی جنت کے مالک ہوں گے۔ کوئی اور اس میں نہ جاسکے گا۔ نصاریٰ کا دعویٰ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے گناہوں کے بدلے سولی چڑھ گئے۔ اب ان کے سوا جنت کا حقدار کوئی نہیں۔ جو کچھ گناہ وہ دنیا میں کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں ان سے کوئی پوچھ گچھ نہ ہو گی۔ پس یہ لوگ اس قسم کے روز آخرت کے قائل ہیں۔ جبکہ حقیقت میں ایسا کوئی روز آخرت نہ ہو گا۔ بلکہ روز قیامت تو وہ دن ہے جب آدمی سے ذرہ ذرہ کا حساب اور پورا پورا عدل و انصاف

ہو گا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور اس نے نیک کام کئے وہ ثواب و آرام پائے گا اور جنت میں اپنے اعمال کے مطابق درجات حاصل کرے گا۔ خواہ وہ کوئی ہو اور جو کافر رہا، مشرک، بدکار و گنہگار رہا وہ اپنے کئے پر گرفتار ہو کر عذاب پائے گا۔ اس دن کوئی شخص دوسرے کے گناہوں کا بوجھ اپنے سر نہیں لے گا اور نہ کسی کی بدکاری میں دوسرا پکڑا جائے گا بلکہ ہر ایک اپنے کئے کی جزایا سزا پائے گا۔

۳ - وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ

وہ ان چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے جن کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام بتایا ہے۔

یہود و نصاریٰ بہت سی ایسی چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے جن کو توریت و انجیل نے حرام قرار دیا تھا۔ جیسے سود، چہرہ وغیرہ۔ یہود پر چہرہ کھانا حرام تھا مگر انہوں نے اس کو پگھلا کر فروخت کر کے اس کی قیمت کھانا شروع کر دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو تنبیہ فرمادی کہ وہ شرعی احکام میں یہود کی مانند حیلہ و فریب نہ کریں۔

۴ - وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ

وہ سچے دین کو قبول نہیں کرتے۔

یہود و نصاریٰ دین اسلام کو قبول نہیں کرتے حالانکہ دین اسلام نے دوسرے تمام دینوں کو منسوخ کر دیا اب قیامت تک یہی دین ثابت و قائم رہے گا۔

آخر میں فرمایا کہ ان لوگوں سے اس وقت تک قتال کرتے رہو جب تک کہ وہ تمہارے ماتحت ہو کر اور تمہاری رعایا بن کر جزیہ دینا منظور نہ کر لیں۔

(معارف القرآن ۳۵۹-۳۶۲ / ۴، مواہب الرحمن ۸۷-۸۸ / ۱۰)

اہل کتاب کے عقائد پر باطلہ

۳۰-۳۱. وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِمُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَتَلْنَاهُمْ اللَّهُ إِنِّي يُوَفِّكُونَ ۝ اتَّخَذُوا

أَحْبَارُهُمْ وَرَهْبَانُهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝

اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ یہ بھی ان لوگوں کی سی باتیں کرنے لگے جو ان سے پہلے ہو چکے۔ اللہ ان کو ہلاک کرے۔ یہ کدھر لٹے جا رہے ہیں۔ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں اور مریم کے بیٹے مسیح کو خدا ٹھہرا لیا ہے۔ حالانکہ ان کو ایک معبود کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا۔ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ ان کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔

يُضَاهَوْنَ: وہ مشابہہ ہوتے ہیں۔ وہ برابری کرتے ہیں۔ مُضَاهَاةٌ سے مضارع۔

يُؤْفَكُونَ: وہ لوٹائے جاتے ہیں۔ وہ پھیرے جاتے ہیں۔ اُفَكَ وَاُفُكٌ سے مضارع۔

أَحْبَارُهُمْ: ان کے علماء۔ یہود کے علماء۔ واحد جُزْء۔

رَهْبَانُهُمْ: ان کے درویش۔ اہل نصاریٰ کے علماء۔ ان کے عبادت گزار۔ واحد رَہْبَانٌ۔

أَرْبَابًا: بہت سے رب۔ کئی معبود۔ واحد رَبٌّ۔

تشریح: ان آیتوں میں یہود و نصاریٰ کے باطل عقائد اور شرکیہ افعال کا بیان ہے۔ چنانچہ

ارشاد ہے کہ یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے تھے۔ اسی طرح نصاریٰ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ اس لئے یہود و نصاریٰ دونوں کا توحید و ایمان کا دعویٰ غلط

ہے۔ اس طرح عقیدے کے اعتبار سے یہ دونوں مشرکوں کی مانند ہیں جو فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی

بیٹیاں کہتے ہیں۔

ان کا شرک کوئی مخفی چیز نہیں بلکہ یہ تو صاف طور پر اپنی زبانوں سے اس کا اقرار کرتے

ہیں۔ اور یہ ان کی اپنی ہی کی ہوئی باتیں ہیں جن کی نہ کوئی حقیقت و اصلیت ہے اور نہ کوئی سند و

دلیل۔ جس طرح ان سے پہلے لوگ کفر و گمراہی میں بہلائے تھے۔ اسی طرح یہ بھی گمراہ ہیں۔ خدا ان کو

غارت کرے۔ یہ توحید کی روشنی چھوڑ کر شرک کی تاریکی کی طرف جا رہے ہیں۔ اور کفر و معصیت

کی جو باتیں ان کے اگلے پڑھے لکھے اور درویش لوگ کہہ گئے ہیں یہ انہیں کو بلا دلیل ملنے اور اللہ

اور اس کے رسول کے حکم کا انکار کئے جا رہے ہیں۔

دوسری آیت میں ان کے افعال کفریہ کا ذکر ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنا رکھا ہے۔ یہ لوگ ان کے احکام و اقوال کو اپنا دین و ایمان سمجھتے ہیں۔ خواہ وہ توریت و انجیل کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں اور ان پر عمل کرنا بھی اسی طرح ضروری سمجھتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل ضروری ہے۔ پس ایسی بلا چوں و چرا اطاعت عبادت کے حکم میں ہے۔ یہی ان کا شرک ہے۔ حالانکہ توریت و انجیل میں اللہ تعالیٰ نے ان کو صرف ایک خدا کی عبادت کا حکم دیا تھا۔ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے۔ نہ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق ہے اور نہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ بیٹی۔

(ابن کثیر ۴/۲۹، ۲/۳۹، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۱۲، ۳۱۶ / ۳)

کفار کا حق کو مٹانے کی کوشش کرنا

۳۲-۳۳ سُرِيدُونَ اَنْ يُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَامِهِمْ وَيَاْبٰى اللّٰهُ اِلَّا اَنْ يُتِمَّ
نُوْرُهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ
بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَ عَلٰی الدِّیْنِ كُلِّهِ لَا وَلَوْ كَرِهَ
الْمُشْرِكُوْنَ ۝

وہ لوگ اللہ کے نور (دین) کو اپنے منہ سے بجھا دینا چاہتے ہیں اور اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچائے بغیر نہیں رہے گا۔ خواہ کفار کتنے ہیں ناخوش ہوں۔ اسی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ وہ اس کو (باقی) تمام دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں۔

يُطْفِئُوْا: وہ اس کو بجھاتے ہیں۔ اِطْفَاءٌ سے مضارع۔

يَاْبٰى: وہ انکار کرتا ہے۔ وہ باز رہتا ہے۔ اِبَاءٌ سے مضارع۔

لِيُظْهِرَ: تاکہ وہ اس کو غالب کرے۔

تَشْرِیْح: یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی نیک بخت بھٹک جاتا ہے تو وہ روشنی کا مستلاشی ہوتا

ہے۔ پھر جب اس کو روشنی مل جاتی ہے تو وہ راہِ راست پر آجاتا ہے۔ اس کے برخلاف تمام کافر یہ

چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور ہدایت ہی کو نکھادیں، ہدایت خداوندی اور دین حق کو مٹا دیں۔ لیکن یہ ان کی خام خیالی اور سعی لاحاصل ہے۔ جس طرح کوئی شخص اپنے منہ کی پھونک سے سورج اور چاند کی روشنی کو نہیں نکھاسکتا۔ ۱۔ طرح یہ لوگ بھی اپنی مقدور بھر کوشش کے باوجود نور خدا کو نکھانے سے عاجز و بے بس رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ دین حق کا بول بالا ہو کر رہے گا۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ان کی خواہش پر غالب رہے گا۔

اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ اپنا پیغمبر بنا کر دنیا میں بھیجا ہے تاکہ وہ اس دین اسلام کو دنیا کے تمام دینوں پر غالب کر دیں خواہ یہ بات مشرکوں کو بری ہی لگے۔

مفسرین کے اقوال کے مطابق اس آیت کے مفہوم میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ دین سے مراد دین اسلام ہے۔ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تمام ادیان یعنی تمام دیگر مذاہب پر غالب کر دیا جائے اور وہ سب رسوا ہو جائیں۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ حکمت کے تقاضوں کے مطابق اسلام کے علاوہ دیگر تمام مذاہب منسوخ کر دیئے جائیں۔ اکثر مفسرین نے پہلا احتمال اختیار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس سے دین اسلام کا تمام ادیان پر غالب آنا مراد ہے اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت ہو گا جب اسلام کے سوا کوئی دین باقی نہیں رہے گا۔ (ابن کثیر ۳۴۹/۲، روح المعانی ۸۶/۱۰)

احبار و رہبان کا شر و فساد

۳۴۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اے ایمان والو! بیشک بہت سے احبار (عالم) اور رہبان (درویش) لوگوں کے اموال ناحق (طریقہ سے) کھاتے ہیں اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔

تشریح: ضحاکؒ نے کہا کہ احبار سے علماء یہود اور رہبان سے علماء نصاریٰ مراد ہیں۔ یہود و نصاریٰ کے عالم اپنی کتابوں میں تحریف کرنے کے عادی تھے۔ وہ مال کی محبت اور لالچ میں، لوگوں کو طرح طرح کے شبہات میں مبتلا کرتے تھے اور ان سے پیسے لے کر احکام شرعیہ کو بدل

ڈالتے تھے۔ مثلاً رشوت لے کر لوگوں کے فیصلے ان کی خواہش کے مطابق کرنا۔ اللہ کے کلام میں تحریف کرنا۔ خود اپنے ہاتھوں سے لکھ کر یہ کہنا کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ حکم ہے۔ وغیرہ۔ اس لئے مسلمانوں کو ان کے مکرو فریب سے متنبہ فرمانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ دنیا کی حرص و طمع میں گرفتار ہیں اور لوگوں کو طرح طرح کے شبہات میں مبتلا کرتے اور ان سے پیسے لے کر شرعی احکام کو بدل دیتے ہیں۔ سو ایسے لوگوں سے دور رہنا چاہئے۔ یہ لوگ تو تعظیم و تکریم ہی کے لائق نہیں چہ جائیکہ ان کو رب بنالیا جائے۔ پس تم اپنے دین پر قائم رہو اور یہود و نصاریٰ کے اجبار و رہبان کی مخالفت کا خیال نہ کرو۔ یہ لوگ نہ صرف احکام الہی میں تحریف کرتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ ہی لوگوں کو دین اسلام میں داخل ہونے سے بھی رد کرتے ہیں۔ لہذا ایسے لوگوں کی مخالفت سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔

(مظہری ۱۹۶ / ۴، مواہب الرحمن ۱۰۵، ۱۰۶ / ۱۰)

مال جمع کرنے کا انجام

۳۴۔ ۵ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فُتْكُوىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هَذَا مَا كَنْزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ۝

اور جو لوگ (حرص سے) سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو آپ ان کو دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے۔ جس دن اس مال کو دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے گا۔ پھر اس سے ان کی پیشانیوں اور ان کی کروٹوں اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور ان سے کہا جائیگا کہ) یہ ہے وہ جس کو تم نے اپنے لئے جمع کر رکھا تھا۔ سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو۔

يَكْنِزُونَ: وہ جمع کرتے ہیں۔ وہ اکٹھا کرتے ہیں۔ کَنْزٌ سے مضارع۔
يُحْمَى: اس کو گرم کیا جائے گا۔ اِحْمَاءٌ سے مضارع مجہول۔

فَتُكْوَىٰ: پس داغ دیا جائے گا۔ کی شے مضارع۔

جَبَاؤُهُمْ: ان کے ماتھے۔ ان کی پیشانیاں۔ واحد جَبَؤٌ۔

جُنُوبُهُمْ: ان کے پہلو۔ واحد جَنْبٌ۔

ظُهُورُهُمْ: ان کی پٹھیں۔ ان کی پشتیں۔ واحد ظَهْرٌ۔

فَذُوقُوا: پس تم (مرا) چکھو۔ ذُوقٌ سے امر۔

تشریح: جو لوگ حرص اور لالچ کی بنا پر سونے اور چاندی کو جمع کرنے رکھتے ہیں اور اس کو

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب کی بشارت ہے۔

قیامت کے روز ان کے جمع کردہ سونے اور چاندی کو جہنم کی آگ میں گرم کر کے اس سے ان کی

پیشانیوں، ان کے پہلوؤں اور ان کی پٹھوں کو داغا جائے گا کیونکہ یہ لوگ غریبوں اور مسکینوں کو

دیکھ کر منہ موڑ لیتے تھے۔ پھر داغ دیتے وقت ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہی سونا چاندی ہے جس کو

تم نے اپنے فائدے کے لئے جمع کر رکھا تھا اور تم اس میں سے اللہ کا حق ادا نہیں کرتے تھے، سو اب

تم اپنے ذخیرہ کئے ہوئے مال کے وبال کا مزہ چکھو۔

جمہور علماء مفسرین کے نزدیک اس آیت میں جس وعید کا ذکر ہے وہ اس شخص کے

بارے میں ہے جو اپنے مال کی زکوٰۃ اور حقوق واجبہ ادا نہ کرے۔ اس کے برعکس جس مال کی زکوٰۃ

ادا کر دی جائے اس کے جمع کرنے پر کسی قسم کی وعید نہیں خواہ اس کی مالیت ارہبار ہی کیوں

نہ ہو۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا لفظ عام ہے۔ اس میں فرض زکوٰۃ، نفل خیرات اور تمام واجب

و مستحب صدقات داخل ہیں۔

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو

شخص ثواب کی امید سے اپنے بال بچوں پر صرف کرتا ہے وہ اس کے لئے صدقہ ہے۔ (بخاری

و مسلم)

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ ایک دینار وہ ہے جس کو تو اللہ کی راہ (جہاد) میں خرچ کرے، ایک دینار وہ ہے جو تو کسی

غلام (کی آزادی) کے لئے صرف کرے ایک دینار وہ ہے جو تو کسی مسکین کو خیرات کرے۔ ایک

دینار وہ ہے جو اپنے بال بچوں کے صرف میں لائے۔ ان میں سب سے زیادہ ثواب والا دینار وہ ہے

جو تو اپنے بال بچوں کے صرف میں لائے۔

ابن مردویہ اور بیہقی نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ کنز نہیں یعنی لغت و عرف کے اعتبار سے تو یہ کنز ہو گا مگر شرعی اعتبار سے وہ ایسا کنز نہیں رہتا جس پر عذاب کی وعید آئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کو اللہ نے مال دیا ہو اور اس نے اس مال کی زکوٰۃ ادا نہ کی ہو تو قیامت کے روز اس مال کو گنجدے سانپ کی شکل میں بنادیا جائے گا جس کی آنکھوں کے اوپر سیاہ نقطے ہوں گے۔ یہ سانپ طوق کی شکل میں اس کے گلے میں پڑ جائے گا اور اس کی دونوں باجھوں کو پکڑ کر (چیرے گا اور) کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا مال ہوں۔ (روح المعانی ۸۷/۱۰، مظہری ۱۹۷/۲۰۱، ۳)

اہل عرب کی ایک جاہلانہ رسم

۳۶-۳۷ عَنْ عِدَّةِ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْهُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝ إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُوَاطُّوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ ۚ زَيْنٌ لَهُمْ سُوءٌ أَعْمَالِهِمْ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝

بیشک کتاب الہی میں مہینوں کا شمار اسی روز سے جس روز اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا، اللہ کے نزدیک بارہ مہینے (معتبر) ہیں۔ ان میں سے چار مہینے احترام کے ہیں۔ یہی سیدہ حدین ہے۔ پس تم ان مہینوں میں اپنے اوپر ظلم مت کرو اور تم سب مل کر مشرکوں سے قتال کرو۔ جیسا کہ وہ سب مل کر تم سے قتال کرتے ہیں اور جان لو کہ اللہ پر ہمیز گاروں کے ساتھ ہے۔ بیشک احترام کے کسی مہینے کو ہٹا کر آگے پیچھے کر دینا کفر کے زمانے میں (اپنی طرف

سے) بڑھائی ہوئی بات ہے۔ اس سے کافر گمراہی میں پڑے رہتے ہیں۔ کسی سال تو وہ اس مہینے کو (نفسانی اغراض سے) حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال (جب کوئی غرض نہ ہو) تو وہ اس کو حرام رکھتے ہیں۔ تاکہ وہ ان مہینوں کی گنتی پوری کر لیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے محترم کیا ہے۔ پھر اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینے کو حلال کر لیتے ہیں۔ ان کی نظر میں ان کے برے کام اچھے کر دیئے گئے اور ایسے کافروں کو اللہ تعالیٰ ہدایت (کی توفیق) نہیں دیتا۔

عِدَّةٌ: گنتی۔ شمار۔ مدت

الْقَيِّمُ: قائم رکھنے والا۔ درست۔ سیدھا۔ قیام سے صفت شہ۔

كَافَّةٌ: سب۔ تمام۔ اسم جمع کے معنی میں آتا ہے۔

النَّسْتِیُّ: آگے پیچھے کر دینا۔ ہٹا دینا۔

لِيُؤَاطُوا: تاکہ وہ پورا کریں۔ تاکہ وہ درست کریں۔ مُوَاطَّئَةً۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک مشرکین عرب کا دستور تھا کہ وہ حرمت والے مہینوں، ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب کی نہایت تعظیم کرتے تھے۔ ان مہینوں میں مار دھاڑ، قتل و غارت سب بند ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے دشمن یا اپنے باپ کے قاتل کو بھی کچھ نہ کہتے تھے۔ اس لئے لوگ ان مہینوں میں امن و امان کے ساتھ سفر کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایک عجیب بدعت بھی ایجاد کر رکھی تھی کہ جب ان میں سے کسی زور آور قبیلے کو ماہ محرم میں کسی سے لڑنے کی ضرورت پیش آتی تو ایک سردار یہ اعلان کر دیتا کہ اس سال انہوں نے محرم کو حرمت والے مہینوں سے نکال کر اس کی جگہ ماہ صفر کو حرمت والا مہینہ قرار دے دیا ہے۔ پھر اگلے سال کہہ دیتے کہ قدیم دستور کے مطابق محرم حرمت والا اور صفر حلال رہے گا۔ اس طرح مشرکین عرب سال بھر میں حرمت والے چار مہینوں کی گنتی تو پوری کر لیتے تھے۔ لیکن ان کی تعین میں اپنی مرضی سے رد و بدل کرتے رہتے تھے۔ اور حسب ضرورت جس مہینے کو چاہتے حلال کر لیتے اور جس مہینے کو چاہتے حرام کر لیتے۔

اسی کے رد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب سے اس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے اسی دن سے لوح محفوظ میں قمری اعتبار سے سال کے بارہ مہینے ہیں۔ جن میں سے چار مہینے نہایت ادب و احترام والے ہیں۔ ان محترم مہینوں میں سے تین مہینے ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرم تو مسلسل

ہیں اور چوتھا مہینہ رجب کا ہے جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے۔ ان میں کوئی تغیر و تبدل اور تقدم و تاخير جائز نہیں۔ یہی دین مستقیم ہے۔ اس کے برعکس کسی حرمت والے مہینے کو حلال اور حلال مہینے کو حرام ٹھہرا لینا نری جہالت، بے دینی اور گمراہی ہے۔

ان مہینوں کو حرمت والے مہینے اس لئے کہا گیا کہ ایک تو ان میں قتال حرام ہے اور دوسرے ان میں عبادت کا زیادہ ثواب ملتا ہے۔ پہلا حکم یعنی ان مہینوں میں قتال کا حرام ہونا تو اسلام میں مسوخ ہو گیا مگر دوسرا حکم یعنی ان میں عبادت کا زیادہ ثواب ملنا اسلام میں بھی باقی ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب میں سے اکثریت کی گزر اوقات لوٹ مار اور قتل و غارت پر ہوتی تھی۔ لہذا لگاتار تین مہینوں کی پابندی سے ان کو تکلیف ہوتی تھی۔ اس لئے جب ان کو قتل و غارت اور لوٹ مار کی ضرورت ہوتی تو وہ ان حرمت والے مہینوں میں سے جس میں چاہتے قتال کر لیتے اور اس کے بعد والے کسی حلال مہینے کو اس کے بدلے میں حرام قرار دے لیتے تاکہ سال بھر میں چار مہینے کی تعداد پوری ہو جائے۔ یہی زمانہ جاہلیت کی فسی تھی۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ مہینوں کا آگے پیچھے کر دینا کفر کے زمانے میں اپنی طرف سے بڑھائی ہوئی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ کافروں کی گمراہی میں اضافہ کرتا ہے کیونکہ جب کسی سال ان کو ضرورت ہوتی تو وہ حرمت والے مہینے کو حلال کر لیتے اور پھر کسی سال جب ان کو ضرورت نہ ہوتی تو اس کو حرام ہی رہنے دیتے تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو چار مہینوں کو حرمت والا قرار دیا ہے ان کی تعداد پوری رہے۔ حالانکہ گنتی پوری کر لینے سے تعمیل حکم نہیں ہوتی بلکہ جو حکم جس مہینے کے لئے دیا گیا ہے اس کو اسی مہینے میں پورا کرنا ضروری ہے۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ مشرکین عرب سردی گرمی کے مہینوں کا لحاظ کر کے قمری مہینوں کو شمسی مہینوں کے مطابق کر دیا کرتے تھے تاکہ حج ایک خاص موسم میں آیا کرے۔ چنانچہ جس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تو ہر قمری مہینہ اپنے اصلی موقع پر تھا۔ اس وقت آپ نے گیارہ ذی الحجہ کو منی میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔ اے لوگو! بلاشبہ زمانہ گھوم پھر کر آج اپنی اسی دست پر آگیا ہے جس پر کہ وہ اس دن تھا جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا اور اللہ کے نزدیک سال کے بارہ مہینے ہیں جن میں سے چار حرمت و ادب والے ہیں۔ ان میں سے ایک مہینہ رجب ہے جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے اور ذی القعدہ اور ذی الحجہ اور محرم ہیں۔

پھر فرمایا کہ شیطان نے ان کی بدکاریاں ان کی نظروں میں رچا بسادی ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ بدکاری و بد اعمالی کو اچھا سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے کافروں کو جو احکام خداوندی میں تحریف کرتے ہوں اور حرام کو حلال اور حلال کو حرام بناتے ہوں، ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔
(حقانی ۳۹۳-۳۹۵ / ۲، روح المعانی ۹۰ / ۱۰، مواہب الرحمن ۱۱۱، ۱۱۶ / ۱۰)

جہاد سے پہلو تھی پر عتاب

۳۸-۹ سَيَاتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَالَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ أَنْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
إِنَّا قُلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ مَارَضِينَ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۖ
فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۝
تَنْفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۖ وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ
وَلَا تَصْرُوهَا شِينَاءَ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے (جہاد کئے) اللہ کی راہ میں نکلنے کو کہا جاتا ہے تو تم بو جھل ہو کر زمین سے لگ جاتے ہو۔ کیا تم آخرت کو چھوڑ کر دنیاوی زندگی پر راضی ہو گئے؟ سو آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کے فائدے بہت ہی قلیل ہیں۔ اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔ اور تمہارے بدلے میں دوسری قوم کو لے آئے گا۔ اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

انْفِرُوا: تم فرار ہو جاؤ۔ تم نکلو۔ تم کوچ کرو۔ انْفِرُوا نَفُورًا سے امر۔
إِنَّا قُلْتُمْ: تم زمین کو لگے جاتے ہو۔ تم بو جھل ہو گئے۔ إِنَّا قُلْنَا سے ماضی۔
مَتَاعٌ: فائدہ۔ بوخی۔ جمع امْتِعَةٌ

شان نزول: بغوی نے لکھا ہے کہ طائف سے واپس آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں سے جہاد کرنے کی تیاری کا حکم دیا۔ محمد بن یوسف صامی کا بیان ہے کہ تبوک کے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب رومیوں سے جہاد کا ارادہ کیا تو وہ زمانہ بڑی شگند سستی، سخت گرمی اور قحط سالی کا تھا اور پھلوں کی فصل بھی تیار تھی۔ لوگ اپنے پھلوں کی نگرانی کے لئے

مدینہ میں رکنا اور سائے میں رہنا پسند کرتے تھے۔ ایسے وقت اور ایسی حالت میں روانہ ہونا ان کو پسند نہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب آپ کسی جہاد پر جانے کا ارادہ فرماتے تو عام طور پر آپ اس کا صحیح مقام نہیں بتاتے تھے بلکہ کسی دوسرے مقام کا نام لیتے تھے۔ صرف تب تک کا جہاد ہی ایسا ہے جس کو آپ نے صاف صاف نام لے کر ظاہر فرمادیا تھا تا کہ لوگ مناسب تیاری کر لیں کیونکہ یہ سخت گرمی کا زمانہ اور طویل مسافت تھی اور دشمن کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ ابن ابی شیبہ، بخاری اور ابن سعد رحمہم اللہ نے حضرت کعب بن مالک کی روایت سے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔ اس میں اتنا زائد ہے کہ آپ نے مدینہ کے گرد و نواح میں رہنے والے عرب قبائل کو بھی شرکت کی دعوت دی تھی اور مکہ بھی پیغام بھیج دیا تھا۔ چنانچہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد آپ کے ساتھ شامل ہو گئی اللہ متفقین اور مخلص مومنوں میں سے کچھ سست لوگ آپ کے ساتھ نہیں گئے۔ انہی کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے ایک قبیلے کو جہاد پر چلنے کی دعوت دی تو قبیلے والے بو جھل ہو گئے اور سستی کی وجہ سے جہاد پر نہیں گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۲۰۶ / ۴)

تشریح: اس آیت میں صرف ان مسلمانوں کو خطاب ہے جو سستی کی وجہ سے جہاد کے لئے نہیں گئے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے مومنو! جب اللہ کے رسول نے تمہیں جہاد کے لئے نکلنے کا حکم دیا تو تم جہاد کے لئے کیوں نہیں نکلے اور بو جھل ہو کر اپنی زمینوں اور گھروں سے کیوں چٹ گئے۔ کیا تم آخرت کی نعمتوں کے بدلے دنیا کے حقیر ساز و سامان کو پسند کرتے ہو حالانکہ دنیاوی آرام و راحت اور ساز و سامان نہایت حقیر اور زائل ہو جانے والے ہیں اور آخرت کی نعمتیں ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں۔

اگر تم اس جہاد کے لئے نہ نکلے جس کے لئے تمہیں بلایا جا رہا ہے تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا میں بھی دردناک عذاب دے گا اور آخرت میں بھی اور تمہاری جگہ ایسی قوم کو لے آئے گا جو اس کی فرماں بردار ہوگی اور اللہ کے دین کی مدد کرنے میں تمہاری غفلت و بے رغبتی اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گی کیونکہ اللہ ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ اللہ نے اپنے رسول سے ان کی حفاظت و کامیابی کا وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ وہ تمہیں تباہ و برباد کر کے

تمہاری جگہ دوسری قوم کو لانے، اسباب کو بدلنے اور کسی کی مدد کے بغیر اپنے رسول کو اپنی مدد و اعانت سے فتح یاب بنانے پر بھی قادر ہے۔ (مظہری ۲۰۶، ۲۰۷ / ۴)

تائید غیبی

۴۰۔ اَلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذَا خَرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِثْنَيْنِ اِذْهُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَاۙ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَا۟ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا السُّفْلٰى ۚ وَكَلِمَةَ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

اگر تم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد نہ کرو گے تو اللہ تو ان کی مدد اس وقت کر چکا ہے جب کافروں نے ان کو (مکہ سے) نکالا تھا جبکہ وہ دو آدمیوں میں سے ایک تھے اور وہ دونوں غار میں تھے۔ جبکہ وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ تو غم نہ کر یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر اللہ نے اپنی طرف سے اس پر تسکین نازل فرمائی اور ایسے لشکروں سے اس کی مدد کی جن کو تم نے نہیں دیکھا تھا اور اللہ نے کافروں کی بات نیچی کر دی اور اللہ ہی کا بول بالا رہا اور اللہ زبردست ہے، حکمت والا ہے۔

السُّفْلٰى : بہت نیچی۔ پست ہونا۔ سُفُوْلٌ وَسَفَالٌ سے اسم تفضیل۔

الْعُلْيَا : اونچی جگہ۔ بلندی۔ سب سے اوپر۔ عُلُوٌّ سے اسم تفضیل۔

تشریح: اگر تم اللہ کے رسول کی مدد نہیں کرو گے تو نہ کرو وہ تمہاری مدد کے محتاج نہیں۔

اللہ تعالیٰ ضرور ان کی مدد کرے گا۔ جیسا کہ اس نے اس وقت بھی ان کی مدد کی تھی جب کافروں نے ان کو قتل یا قید کرنے یا ملک سے نکلنے کی سازش کی تھی اور آپ اپنے سچے ساتھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ سے نکل کر جبل ثور کے ایک غار میں پناہ گزیں ہوئے تھے۔ تاکہ تلاش کرنے والے مشرکین جب مایوس ہو کر واپس چلے جائیں تو آپ یہاں سے نکل کر مدینہ منورہ روانہ ہو جائیں۔ اس وقت غار میں آپ کے ساتھ صرف ایک ہی آدمی تھا۔ پس جس خدا نے

ایسے وقت میں اپنے پیغمبر کی مدد کی جب سوائے حضرت ابو بکر کے کوئی دوسرا شخص آپ کے ہمراہ نہ تھا۔ وہ اب بھی آپ کی مدد کرنے پر قادر ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر کے ہمراہ غارِ ثور میں جا کر چھپ گئے تو مشرکین مکہ آپ کا سراغ لگاتے لگاتے عین غار کے منہ پر جا کھڑے ہوئے۔ اس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ حالت دیکھ کر گھبرا گئے اور کہنے لگے کہ اگر کافروں میں سے کسی نے اپنے پاؤں کی طرف نظر کی تو وہ ہمیں ضرور دیکھ لے گا۔ آپ نے حضرت ابو بکر کی تسلی کے لئے فرمایا کہ تمہیں کسی قسم کا اندیشہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر پر سکون و اطمینان کی ایک خاص کیفیت نازل فرمائی۔ جس کے انوار و برکات نے حضرت ابو بکر کے رنج و خوف کو دور کر دیا اور سکینت و طمانیت کی اس خاص کیفیت کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے بدروحنین کی طرح فرشتوں کے ایسے لشکروں سے اپنے پیغمبر کی مدد و حفاظت فرمائی جن کو تم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ان کے ارادوں میں ناکام کر دیا اور ان کی تمام تدبیروں کو خاک میں ملا دیا اور آپ کو بحفاظت مدینہ منورہ پہنچا دیا۔ اللہ تعالیٰ ہی کا کلمہ بلند و بالا ہے اور اللہ ہی اپنے تمام امور اور تدبیروں میں غلبہ اور حکمت والا ہے۔ وہ جس طرح چاہے اور جس کو چاہے غلبہ عطا فرمادے۔ (مظہری ۲۰۷ / ۴، مواہب الرحمن ۱۲۰، ۱۲۲ / ۱۰)

جہاد و قتال کی تاکید

۳۱-۳۲ اِنْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَبِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلَٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَحَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝

نکل پڑو ہلکے اور بو تھل (خواہ پیادہ ہو یا سوار، فقیر ہو یا غنی، جوان ہو یا بوڑھے، جس حال میں بھی ہو نکل پڑو) اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں

جہاد کرو۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تمہیں سمجھ ہے۔ اگر مال کا حصول نزدیک معلوم ہوتا اور سفر بھی ہلکا بھلا ہوتا تو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) یہ لوگ ضرور آپ کے ساتھ ہو لیتے لیکن ان کو تو مسافت دور دراز معلوم ہونے لگی اور بہت جلد وہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم سے ہو سکتا تو ہم ضرور آپ کے ساتھ چلتے۔ یہ لوگ (جھوٹ بول کر) اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں۔

خِفَافًا: ہلکے۔ واحد خِفِيفٌ۔
ثِقَالًا: بوجھل۔ بھاری۔ واحد ثَقِيلٌ۔
عَرَضًا: مال و متاع۔ سامان۔ جمع عُرُوضٌ۔
قَاصِدًا: ارادہ کرنے والا۔ معمول۔ ہلکا۔ قَصْدٌ سے اسم فاعل۔
الشَّقَّةُ: مسافت۔ دوری۔ یہاں غزوہ تبوک کی مسافت مراد ہے۔

تشریح: جب آپ نے تبوک کے لئے کوچ فرمایا تو بہت سے منافقوں نے تو مدینہ ہی میں عذر کرنے شروع کر دیئے۔ وہ جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے عذر پیش کر رہے تھے۔ دور ان سفر جب کسی منزل پر پڑا ہوتا تو بعض منافق کچھ نہ کچھ بہانہ کر کے جہاد میں شرکت نہ کرنے کی اجازت لے کر پیچھے رہ جاتے۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ہر حال میں جہاد کے لئے نکلنے کا حکم دے کر منافقوں کے حیلوں، بہانوں کا رد فرمادیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو تم اپنے اموال اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد و قتال کے لئے نکلو۔ حالت خفاف اور ثقال کے معنی یہ ہیں کہ خواہ بوڑھے ہو یا جوان، خواہ ضعیف ہو یا توانا، تنگ دست ہو یا فراخ دست، مشغول ہو یا غیر مشغول، ہتھیار بند ہو یا بغیر ہتھیار کے غرض ہر حال میں جہاد کے لئے نکلو۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔

پھر فرمایا کہ جن لوگوں نے غزوہ میں شرکت نہیں کی وہ مال کے حریص اور آرام طلب ہیں۔ تبوک کا سفر چونکہ طویل اور دشوار ہے اور اس میں مال غنیمت ملنے کی بھی امید نہیں اس لئے منافقین آپ کے ساتھ نہیں نکلے۔ جب آپ غزوہ تبوک سے واپس جائیں گے تو وہ جھوٹی قسمیں کھا کر کہیں گے کہ اگر ان کو قدرت ہوتی تو وہ آپ کے ساتھ جہاد کے لئے ضرور نکلتے۔ وہ لوگ اپنے نفاق اور جھوٹی قسموں سے اپنے آپ ہی کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خوب

جانتا ہے کہ وہ اپنی قسموں میں جھوٹے ہیں اور انہیں کوئی عذر نہ تھا۔ انہوں نے غزوہ میں شرکت نہ کر کے اپنے آپ کو ہلاک و برباد کر لیا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۴۸/۳، روح المعانی ۱۰۴/۱۰)

عتاب لطیف

۲۳۔ هَافَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لَمْ اَذْنَتْ لَهُمْ حَتّٰى يَتَّبِعَنَّ لَكَ الَّذِيْنَ
صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۚ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِىْ رَيْبِهِمْ
يَتَرَدَّدُوْنَ ۝

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ نے آپ کو معاف کر دیا۔ آپ نے ان کو (ایسی جلدی) کیوں رخصت دے دی یہاں تک کہ سچ بولنے والے آپ پر ظاہر ہو جاتے اور آپ جھوٹوں کو بھی جان لیتے۔ جو لوگ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے کے بارے میں آپ سے رخصت نہیں مانگیں گے اور اللہ خوب جانتا ہے پرہیزگاروں کو۔ بیشک وہ لوگ آپ سے (جہاد میں نہ جانے کی) رخصت مانگتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں سو وہ اپنے شک ہی میں بھٹک رہے ہیں۔

اَذْنَتَ : تو نے رخصت دی۔ تو نے اجازت دی۔

ارْتَابَتْ : وہ شبہ میں پڑی۔ اَرْتِيَابٌ سے ماضی۔

يَتَرَدَّدُوْنَ : وہ تردد کرتے ہیں۔ وہ حیران ہوتے ہیں۔ تَرَدَّدٌ سے مضارع۔

تشریح : منافقوں کا جہاد میں شرکت نہ کرنے کی اجازت طلب کرنا حقیقت میں نفاق پر مبنی

تھا۔ انہوں نے تو پہلے ہی سے یہ طے کر رکھا تھا کہ خواہ ان کو اجازت ملے یا نہ ملے وہ غزوہ میں نہیں

جائیں گے۔ اس لئے ان کو اجازت دینا مناسب نہیں تھا۔ اگر آپ ان کو اجازت نہ دیتے تو اطاعت گزار تو حاضر ہو جاتے اور نافرمان اجازت نہ ملنے پر بھی جہاد کے لئے نہ نکلتے۔ اس طرح جائز عذر کرنے والوں اور جھوٹے حیلے بہانے کرنے والوں میں تمیز ہو جاتی۔

پھر فرمایا کہ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہوں وہ آپ سے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے سے رخصت طلب کریں کیونکہ اللہ کی راہ میں جہاد و قتال تو ان کی دلی تمنا اور آرزو ہے۔ ان کا جان و مال تو ہر وقت جہاد کے لئے حاضر ہے۔ ایسے لوگ جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت کیسے طلب کر سکتے ہیں۔ یہی لوگ مستحق و پرہیزگار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی پرہیزگاری سے خوب واقف ہے۔ وہ ایسے لوگوں کو ان کے تقویٰ اور پرہیزگاری کے مطابق اجر و ثواب عطا فرماتا ہے۔

بلاشبہ جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت وہی لوگ طلب کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ ان کے دلوں میں آخرت کی کوئی تمنا نہیں جس کے حصول کے لئے وہ جہاد کریں۔ ان کے دل تو اب تک دین حق کی طرف سے شک و شبہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ اسی میں حیران و سرگرداں ہیں۔ ان کا ایک قدم آگے بڑھتا تو دوسرا قدم پیچھے ہٹتا ہے۔ انہیں ثابت قدمی اور استقلال حاصل نہیں۔ یہ نہ ادھر ہیں اور نہ ادھر۔ یہ اللہ کے گمراہ کئے ہوئے ہیں اور ہلاک و برباد ہونے والے ہیں۔ (ابن کثیر ۳۶۰ / ۲، روح المعانی ۱۰۷، ۱۰۸ / ۱۰)

منافقین متخلفین کے احوال

۳۶-۸ یُولُوْا رَاۤدُوْا الْخُرُوْجَ لَا عُدُوْا لَہٗ عُدَّةٌ وَلٰکِنْ کَرِہَ اللّٰہُ اَنْیَعَاثَہُمْ فَتَبَطَّہُمْ وَقِیْلَ اَقْعُدُوْا مَعَ الْقَاعِدِیْنَ ۝ لَوْ خَرَجُوْا فِیْکُمْ مَّا زَادُوْکُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَا اَوْضَعُوْا خِلٰلَکُمْ یَبْغُوْنَکُمْ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِیْکُمْ سَمْعُوْنَ لَہُمْ ۙ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِالظَّالِمِیْنَ ۝ لَقَدْ اَبْتَغَوْا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَبُوْا لَکَ الْاُمُوْرَ حَتّٰی جَآءَ الْحَقُّ وَظَہَرَ اَمْرُ اللّٰہِ وَہُمْ کَرِہُوْنَ ۝

اور اگر وہ لوگ (جہاد کے لئے) نکلنا چاہتے تو اس کے لئے کچھ سامان بھی تیار

کرتے لیکن اللہ نے ان کا اٹھنا (جانا) پسند نہیں کیا اس لئے ان کو توفیق نہیں دی اور کہہ دیا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ اگر وہ (جہاد کے لئے) تمہارے ساتھ نکل بھی پڑتے تو تمہارے لئے فساد ہی بڑھاتے اور تمہارے درمیان فتنہ پرداز کی فکر میں دوڑے دوڑے پھرتے۔ اور (اب بھی) تم میں بعض لوگ ان کے جاسوس، میں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ وہ تو پہلے بھی فتنہ پرداز کی فکر میں لگے رہے اور آپ کے کام لٹتے رہے یہاں تک کہ حق پہنچا اور اللہ کا حکم غالب ہو گیا اور وہ ناخوش ہی رہے۔

اَعْدُّوْا: وہ تیار کرتے۔ اِعْدَادٌ سے ماضی۔

عُدَّةً: ساز و سامان۔ ہتھیار۔ جمع عُدَّةٌ۔

اِنْبِعَاثُهُمْ: ان کا اٹھنا۔ ان کا جانا۔ اِنْبِعَاثٌ مصدر۔

فَثَبَّتَهُمْ: پس اس نے ان کو باز رکھا۔ پس اس نے ان کو روک دیا۔ ثَبَّتَ سے ماضی۔

اَقْعُدُوْا: تم بیٹھو۔ قَعْدٌ سے امر۔

خَبَالًا: تباہ کرنا۔ برباد کرنا۔ خراب کرنا۔ مصدر ہے۔

اَوْضَعُوْا: انہوں نے گھوڑے دوڑائے۔ وہ سازشیں کرتے پھرے۔ اِضَاعٌ سے ماضی۔

خَلَلَكُمْ: تمہارے درمیان۔ واحد خَلَلٌ۔

سَمِعُوْنَ: خوب کان لگا کر سننے والے۔ جاسوس۔ سَمْعٌ سے مبالغہ۔

تَشْرِیح: منافقین کا جہاد میں نہ جانے کے لئے رخصت طلب کرنا سب جھوٹ اور نفاق ہے۔

اگر ان کا جہاد کے لئے نکلنے کا ارادہ ہوتا تو اس سفر کے لئے کچھ نہ کچھ سامان ضرور تیار کرتے لیکن یہ تو اعلان و حکم کے بعد بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا جہاد میں جانا، ان کی بزدلی اور سستی کے سبب پسند نہیں فرمایا۔ اسی لئے ان کو جہاد میں جانے کی توفیق نہیں دی اور ان کے دلوں میں جہاد سے کراہت پیدا فرمادی اور ان کو کہہ دیا کہ تم بھی بچوں اور اپانچ لوگوں کے ساتھ گھر میں بیٹھے رہو۔ جہاد کے لئے نہ نکلو۔

اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ جہاد میں شامل ہو جاتے تو جہاد کے وقت یا تو مسلمانوں کے لوں میں خوف ڈال کر بزدلی پیدا کرتے یا کافروں کی مدد کرتے اور مسلمانوں کو دھوکہ دیتے اور ایسے امور کی کوشش کرتے جس سے تمہارے اندر خلل اور بد نظمی پیدا ہوتی۔ مثلاً شکست کھا کر

بھاگ کھڑے ہوتے اور کفار کے مقابلے میں مسلمانوں کی مدد نہ کرتے وغیرہ۔ اب بھی تمہارے اندر کچھ لوگ ایسے ہیں جو ان کی باتیں سنتے اور ان کا کہا مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کے باطنی حالات اور ان کی ظاہری حرکتوں سے خوب واقف ہے۔

۱ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! بلاشبہ یہ لوگ تو اس غزوہ سے پہلے بھی فتنہ و فساد برپا کرنے اور آپ کے کاموں کو خراب کرنے کی تدبیریں کر چکے ہیں جیسا کہ انہوں نے معرکہ احد میں عین وقت پر مسلمانوں سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ یہاں تک کہ حق واضح ہو گیا اور اللہ کا حکم غالب آگیا اور اللہ تعالیٰ کی مدد و اعانت سے مسلمانوں کو کافروں پر غلبہ حاصل ہو گیا۔ حالانکہ کافر اسلام کے غلبہ اور فتح و کامرانی کو پسند نہیں کرتے تھے۔

(مظہری ۲۲۳، ۲۲۴ / ۴، روح المعانی ۱۱۱، ۱۱۳ / ۱۰)

جد بن قیس کا نفاق

۴۹ - وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ اٰذْنٌ لِّيْ وَلَا تَفْتِنْنِيْ ۖ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْۤا ۚ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ان میں سے وہ شخص بھی ہے جو کہتا ہے کہ مجھے رخصت دو اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالو۔ آگاہ ہو جاؤ! یہ لوگ فتنہ میں تو خود ہی پڑے ہوئے ہیں اور بیشک کافروں کو جہنم نے گھیر رکھا ہے۔

اٰذْنٌ : تو اجازت دے۔ تو رخصت دے۔ اٰذْنٌ سے امر۔

سَقَطُوْۤا : وہ گر پڑے۔ سَقَطُوْۤا سے ماضی۔

لَمُحِيْطَةٌ : السبۃ احاطہ کرنے والی۔ السبۃ گھیرنے والی۔ اِحَاطَةُ سے اسم فاعل۔

شان نزول : ابن المنذر، طبرانی، ابن مردویہ اور المعرفہ میں ابو نعیم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور ابن ابی حاتم و ابن مردویہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ کے حوالے سے اور محمد بن اسحاق و محمد بن عمرو بن عقیبہ نے اپنے مشائخ کی سند سے بیان کیا کہ جد بن قیس اپنے ساتھیوں کو لے کر (جن کی تعداد دس سے کم تھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسجد میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے یہیں رہ جانے کی اجازت

دے دیجئے میری کچھ کھیتی باڑی کی زمین ہے (جس کی دیکھ بھال ضروری ہے) میں اس کی وجہ سے معذور ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تیاری کرو تم فراخ دست ہو شاید تمہیں (مال غنیمت میں) بنی الاصر (اہل روم) کی کوئی عورت مل جائے۔ جد نے عرض کیا مجھے تو اجازت ہی دے دیجئے اور مجھے آزمائش میں نہ ڈالئے۔ میری قوم والے واقف ہیں کہ مجھ سے زیادہ کوئی بھی عورتوں کا دلدادہ نہیں مجھے ڈر ہے کہ اگر میں رومی عورتوں کو دیکھ لوں تو اپنے آپ کو نہ روک سکوں گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف سے منہ موڑ لیا اور فرمایا کہ میں نے تجھے اجازت دے دی۔

محمد بن عمرو نے یہ اضافہ کیا ہے کہ جد بن قیس کا بیٹا عبد اللہ بدری صحابی (خالص مومن) اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا خیانی بھائی (ماں ایک ہو اور باپ الگ الگ) تھا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ سے کہا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو کیوں رد کر دیا۔ واللہ بنی مسلمہ میں آپ سے زیادہ مالدار کوئی نہیں ہے۔ آپ نہ خود جارہے ہیں اور نہ (اپنی طرف سے) کسی کو سواری دے رہے ہیں۔ جد نے جواب دیا کہ بیٹے سخت گرمی (طوفانی) ہو اور تنگ حالی کے زمانے میں رومیوں کے مقابلے پر کیسے جاسکتا ہوں اس وقت تو میں اپنے گھر میں ہوں پھر بھی رومیوں کے خوف سے خالی نہیں ہوں۔ ایسے میں ان سے لڑنے کے لئے کیسے جاسکتا ہوں۔ بیٹے خدا کی قسم میں زمانے کے چکروں سے واقف ہوں۔

پھر بیٹے نے کچھ درشتی کے ساتھ کہا خدا کی قسم اور کوئی بات نہیں ہے یہ تو صرف نفاق ہے۔ خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی آیت نازل ہو جائے گی اور آپ اس کو پڑھیں گے (تو تمہارا نفاق ظاہر ہو جائے گا) یہ سن کر جد نے جھنڈا اٹھا کر بیٹے کے منہ پر مارا اور بیٹا چلا گیا اور اس نے باپ سے کوئی بات نہیں کی۔ پھر اللہ نے یہ آیت نازل فرمادی۔

(روح المعانی ۱۱۳/۱۰، مظہری ۲۲۵/۴)

تشریح: منافقین میں سے ایک ایسا شخص بھی تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتا تھا کہ مجھے گھری بیٹھے رہنے کی اجازت دے دیجئے اور مجھے جہاد کے لئے جا کر قتلہ میں نہ ڈالئے۔ آگاہ ہو جاؤ! رومی عورتوں کا قتلہ تو بعد میں پیش آئے گا یہ لوگ تو پہلے ہی فتنے اور مصیبت میں مبتلا ہیں ان لوگوں کا جہاد میں نہ جانا اور پھر ان کے نفاق کا ظاہر ہونا ہی ان کی ہلاک و بربادی ہے۔ یہ لوگ دوزخ کی آگ سے بھاگ کر کہیں نہیں جاسکتے۔ بلاشبہ جہنم ان کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

(روح المعانی ۱۱۳، ۱۱۴/۱۰)

منافقین کا حسد و نفاق

۵۰-۵۲ اِنْ تُصِيبَكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَانْ تُصِيبَكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ
اَخَذْنَا اَمْرًا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَهُمْ فَرِحُونَ ۝ قُلْ لَنْ
يُصِيبَنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مُوَلِّنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا اِلَّا الْاَحَدَى
الْحُسْنَيْنَيْنِ ۚ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُصِيبَكُمْ اللّٰهُ بِعَذَابٍ
مِّنْ عِنْدِ اَوْ بَايْدٍ نَّارٍ فَنَرَبَّصُوا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُونَ ۝

اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو وہ ان کو رنجیدہ کرتی ہے اور اگر آپ کو کوئی
تکلیف پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی سے اپنا کام ٹھیک کر رکھا تھا اور
وہ خوش ہوتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہمیں ہرگز کوئی مصیبت
نہیں پہنچ سکتی۔ سوائے اس کے جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی۔ وہی ہمارا
کار ساز ہے اور مسلمانوں کو تو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ آپ کہہ دیجئے کہ
تم تو ہمارے حق میں دو بھلائيوں (فتح یا شہادت) میں سے ایک ہی بھلائی
(شہادت) کی امید لگائے رہتے ہو اور ہم تمہارے حق میں اس بات کے منتظر
رہتے ہیں کہ اللہ تم پر اپنی طرف سے کوئی عذاب نازل کرے یا ہمارے ہاتھوں
سے (سزا دلوائے)۔ سو تم انتظار کرو، ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں۔

تُصِيبُكَ : تجھ کو پہنچے۔ اِصَابَةٌ سے مضارع۔

تَسُؤْهُمْ : وہ ان کو بری لگتی ہے۔ وہ ان کو رنجیدہ کرتی ہے۔ سَوَّءٌ سے مضارع۔

فَرِحُونَ : خوش۔ اترانے والے۔ واحد فَرِحَ۔ فَرَحٌ سے صفت شبہ۔

تَرَبَّصُونَ : تم منتظر رہتے ہو۔ تَرَبَّصٌ سے مضارع۔

تشریح : ان آیتوں میں منافقین کی اندرونی خباثت و عداوت بیان کی گئی ہے کہ اگر آپ کے

ساتھ کسی لڑائی میں کوئی بھلائی پیش آجائے مثلاً فتح یا مال غنیمت کا حاصل ہونا تو حسد و عداوت کی بنا
پر ان کے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے اور اگر خدا نخواستہ آپ کو دوسری حالت پیش آجائے مثلاً

شکست، کوئی دشواری تو خوب چمک چمک کر اپنی چالاکي و ہوشیاری کا اظہار کرتے ہیں اور خوشی سے بغلیں بجاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو پہلے ہی انجام سے باخبر تھے، اسی لئے لڑائی میں شریک نہیں ہوئے۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجئے کہ ہر قسم کا رنج و راحت اور ہم خود اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی منشاء کے ماتحت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے لوح محفوظ میں جو کچھ لکھ دیا وہی ہمارے لئے خیر و خوبی کا باعث ہے۔ اہل ایمان کو تو اللہ کے سوا کسی پر بھروسہ ہی نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ وہی ان کا کارساز ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

آپ کہہ دیجئے کہ لڑائی میں ہمیں یا تو فتح و غنیمت حاصل ہوگی یا پھر شہادت اور اجر ثواب ان دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی ضرور ہمیں حاصل ہوگی۔ سو تم ہمارے حق میں ان کے علاوہ اور کس چیز کے منتظر ہو۔ اور ہم تو تمہارے حق میں اس بات کے منتظر ہیں کہ یا تو اللہ تعالیٰ براہ راست تم پر کوئی عذاب نازل کر دے جیسے زلزلہ اور طوفان وغیرہ تاکہ تم سب اس عذاب الہی سے ہلاک ہو جاؤ یا پھر اللہ تعالیٰ ہمارے ہاتھوں تمہیں قتل و قید کرا کے ذلیل و خوار کرے۔ پس تم ہمارے انجام کے منتظر رہو اور ہم تمہارے انجام کے منتظر رہتے ہیں۔ وہ وقت دور نہیں جب انجام تمہارے سامنے آجائے گا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۵۱، ۳۵۲ / ۳، ابن کثیر ۳۶۱، ۳۶۲ / ۲)

منافقین کے نفقات کا مردود ہونا

۵۳۔ ۵۔ قُلْ أَنْفِقُوا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَنْ يُتَقَبَلَ مِنْكُمْ إِنْ كُنْتُمْ قَوْمًا فَاسِقِينَ ۝ وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقَبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرُسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَى وَلَا يُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَرُمُونَ ۝ فَلَا تَعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ خواہ تم خوشی سے مال خرچ کرو یا ناخوشی سے، تم سے ہرگز قبول

نہ کیا جائے گا۔ بلاشبہ تم نافرمان قوم ہو اور ان کا خرچ کیا ہوا (مال) قبول نہ ہونے کی اس کے سوا کوئی وجہ نہیں کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ نماز کے لئے آتے بھی، میں تو کلابی سے اور وہ کچھ خرچ بھی کرتے ہیں تو ناگواری سے۔ پس ان کے مال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں اللہ کو تو صرف یہ منظور ہے کہ وہ ان چیزوں کی وجہ سے ان کو دنیاوی زندگی میں عذاب میں مبتلا رکھے اور ان کی جانیں کفر کی حالت میں نکلیں۔

طَوْعًا: اطاعت کرنا۔ فرماں برداری کرنا۔ خوشی سے کرنا۔

كَرْهًا: ناپسندیدگی۔ سختی۔ جبر۔

نَفَقْتُهُمْ: ان کا خرچ کرنا۔ ان کی خیرات۔

كُسَالَى: سست۔ کلال۔ واحد کسل اور کسلان۔

تَزْهَقَ: وہ نکل جائے۔ وہ مٹ جائے۔ زھوق سے مضارع۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان

منافقوں سے کہہ دیجئے کہ تم تو فاسق و فاجر اور مسلمانوں کے گروہ سے خارج ہو اس لئے تمہاری

طرف سے دی ہوئی مالی امداد اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں۔ خواہ تم خوش دلی سے دیا بے دلی

سے۔ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے ہیں، نماز میں سستی کرتے

ہیں اور اللہ کی راہ میں ناگواری کے ساتھ محض لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں، اسی لئے

ان کی خیرات اس وقت تک قابل قبول نہیں جب تک کہ وہ اللہ اور رسول کے ساتھ تعلق قائم نہ

کریں۔ سو آپ کو ان کے مال و اولاد سے تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ جو مال و اولاد ہم نے ان کو عطا کیا

ہے وہ پسندیدگی کے قابل نہیں۔ یہ تو ان کے لئے محض ایک مہلت اور ڈھیل ہے جو حقیقت میں

وہال ہے۔ یہ لوگ دولت جمع کرنے اور اولاد کی دیکھ بھال کے لئے طرح طرح کی فریب کاریاں

کرتے ہیں، دکھ اٹھاتے ہیں اور سختیاں جھیلے ہیں، اس لئے اس مال کو خرچ کرنا انہیں ناگوار ہوتا

ہے اور جس کے پاس مال نہیں وہ حسرت و افسوس کرتا ہے۔ غرض مال و اولاد کا ہونا یا نہ ہونا

دونوں صورتوں میں ان پر عذاب ہی عذاب ہے۔ (مظہری ۲۲۷، ۲۲۸ / ۴)

منافقوں کی باطنی کیفیت

۵۶-۵۷ وَيَخْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۖ وَمَا مِنْكُمْ وَلَكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرُقُونَ ۖ لَوْ يَجِدُونَ مَلَجًا أَوْ مَغْرَبًا أَوْ مَدْخَلًا لَّوَلَّوْا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُونَ ۝

اور یہ لوگ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ بے شک وہ تم میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں بلکہ وہ تو (ظاہر و باطن میں) فرق رکھنے والی قوم ہے۔ اگر ان لوگوں کو کوئی پناہ کی جگہ یا غار یا گھس یا بٹھنے کی ذرا جگہ مل جائے تو وہ اسی طرف رسیاں تڑاتے ہوئے بھاگ نکلیں۔

مَلَجًا: پناہ کی جگہ۔ لَجَأٌ اسم ظرف۔

مَغْرَبًا: غار۔ گڑھے۔ واحد مَغْرَبَةٌ۔

مَدْخَلًا: داخل ہونے کی جگہ۔ اِدْخَالَ سے اسم ظرف۔

لَّوَلَّوْا: الہتہ انہوں نے منہ موڑا۔ الہتہ انہوں نے پیٹھ پھیری۔ تَوَلَّوْا سے ماضی۔

يَجْمَحُونَ: وہ سرکشی کرتے ہیں۔ وہ سرپٹ دوڑتے ہیں۔ تَجَمُّعٌ و تَجَمُّعٌ و تَجَمُّعٌ سے مضارع

تَشْرِعٌ: ان کی سراپیمگی اور پریشانی و بے اطمینانی کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے کفر و نفاق پر پردہ

برقرار رکھنے کے لئے لمبی چوڑی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ واللہ وہ تمہارے بھائی اور مسلمان ہیں

حالانکہ حقیقت میں یہ مسلمان نہیں ہیں۔ یہ محض اپنے نفاق کو چھپانے کے لئے ایسا کہتے ہیں۔ وہ تم

سے اس لئے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کا نفاق ظاہر ہو جانے سے تم ان کے ساتھ بھی قتل و قید کا برتاؤ

نہ کرو جیسا کہ تم مشرکوں کے ساتھ کرتے ہو۔

اگر ان کو اپنے بچاؤ کے لئے کوئی پناہ گاہ یا کوئی غار یا کوئی سرگھسانے کی جگہ مل جائے تو فوراً

پشت پھیر کر سرپٹ دوڑتے ہوئے اسی طرف چلے جائیں گے اور ان میں سے ایک بھی آپ کے

پاس نظر نہیں آئے گا، کیونکہ انہیں آپ سے ذرا بھی محبت نہیں۔ یہ تو محض ضرورت، مجبوری

اور خوف کی بنا پر آپ کی چالوسی کرتے ہیں۔ (ابن کثیر ۳/۲، مواہب الرحمن ۱۴۳/۱۰)

تقسیم صدقات پر منافقین کا طعن

۵۸- ۹. هُوَ مِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ ۚ فَاِنْ اَعْطَوْا مِنْهَا رُضُوْا
وَ اِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَا اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا
مَا اَتَتْهُمُ اللّٰهُ وَرُسُوْلُهُ ۚ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ
فَضْلِهِ وَرُسُوْلُهُ اِنَّا اِلَى اللّٰهِ رَاغِبُوْنَ ۝

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو صدقات کی تقسیم کے بارے میں آپ پر الزام لگاتے ہیں۔ پھر اگر ان کو بھی ان صدقات میں سے ان کی خواہش کے مطابق مل جائے تو راضی ہو جاتے ہیں اور اگر ان کو ان کی خواہش کے مطابق نہ ملے تو ناراض ہو جاتے ہیں اور ان کے لئے بہتر ہوتا اگر وہ اسی پر راضی ہو جاتے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ان کو دیا تھا اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے۔ اللہ اور اس کا رسول اپنے فضل سے ہمیں اور دے گا۔ ہم تو اللہ ہی کی طرف راغب ہیں۔

يَلْمِزُكَ: وہ تجھ کو طعنہ دیتا ہے۔ وہ تیرے اندر عیب نکالتا ہے۔ لَمَزٌ سے مضارع۔
يَسْخَطُوْنَ: وہ ناراض ہوتے ہیں۔ وہ ناخوش ہوتے ہیں۔ سَخَطٌ سے مضارع۔

شان نزول: بعض منافقین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمت لگائی کہ آپ صدقات کی تقسیم صحیح نہیں کرتے۔ اس ہمت سے ان کا مقصد اپنے لئے نفع حاصل کرنے کے سوا کچھ نہ تھا۔ اگر انہیں کچھ مل جائے تو راضی ورنہ ناراض۔ ابن جریج، داؤد ابن ابی عاصم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صدقات کا مال تقسیم کرنے کے لئے تشریف لائے اور جب آپ نے مال تقسیم فرمادیا تو انصار میں سے کسی نے آواز لگائی کہ یہ عدل نہیں ہے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ (ابن کثیر ۳/۲۶۳)

تشریح: منافقوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو صدقات کی تقسیم کے بارے میں آپ پر ٹکتہ چینی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ صدقات کامل عدل و انصاف کے ساتھ تقسیم نہیں کرتے، حالانکہ آپ تمام مخلوق سے بڑھ کر عادل اور جور و ظلم سے دور ہیں۔ ان لوگوں کی ٹکتہ چینی محض حرص اور طمع کی بنا پر ہے۔ جب آپ ان کو ان کی خواہش اور حرص کے مطابق دے دیتے ہیں تو وہ

آپ کے فعل سے خوش ہو جاتے ہیں اور کوئی اعتراض نہیں کرتے کیونکہ ان کی غرض اور مقصد یہی تھا۔ اگر ان کو ان کی خواہش کے مطابق حصہ نہ دیا جائے تو یہ لوگ فوراً بگڑ جاتے ہیں اور زبان درازی کرنے لگتے ہیں۔

اگر یہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقات اور مال غنیمت میں سے ان کو حصہ دیا تھا اور یہ کہتے کہ ہمارے لئے تو بس اللہ تعالیٰ کافی ہے، وہی ہماری کفایت کرنے والا ہے، آئندہ بہت جلد وہ اپنے فضل و کرم سے اور اس کا رسول اپنے لطف و عنایت سے ہمیں اور دے دیں گے، تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا۔

(مظہری ۲۲۹، ۲۳۰ / ۴، مواہب الرحمن ۱۴۴، ۱۴۵ / ۱۰)

مصارفِ صدقات (زکوٰۃ)

۶۰۔ اِنَّمَا الصَّدَقَتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَمِلِينَ عَلَيْهَا
وَالْمَوْلَفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَرَمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

زکوٰۃ تو صرف فقیروں اور مسکینوں اور زکوٰۃ وصول کرنے والے کارکنوں اور جن کی دلجوئی منظور ہے اور غلاموں کو آزاد کرانے اور قرض داروں کے قرض ادا کرنے اور اللہ کے راستہ (یعنی جہاد) اور مسافروں (کی مدد) کے لئے ہے۔ یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہے اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے۔

الْمَوْلَفَةِ: دلجوئی۔ کئے ہوئے۔ تالیفِ قلب کئے ہوئے۔ تالیف سے اسم فاعل

الرِّقَابِ: گردنیں۔ مراد غلاموں کو آزاد کرانا۔ واحد رقبۃ ۛ

الْغَرَمِينَ: قرضدار۔ تاوان دینے والا۔ غَرَمًا و غَرَامَةً سے اسم فاعل۔

تشریح: اس سے پہلی آیتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صدقات کی تقسیم کے

بارے میں منافقوں کی ٹکتہ چینی اور اس کے جواب کا ذکر تھا۔ منافقین کہتے تھے کہ آپ صدقات کی تقسیم میں (معاذ اللہ) انصاف نہیں کرتے۔ جس کو جتنا چاہتے ہیں دے دیتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرما دیا کہ زکوٰۃ کی تقسیم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی

مرضی پر موقوف نہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے مصارف میں ہی خرچ ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تقسیم کسی کے سپرد نہیں کی بلکہ اس کی تقسیم کا طریقہ اس نے خود مقرر فرمادیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رائے سے کچھ نہیں کرتے بلکہ وہ تو اللہ کے حکم کے مطابق اس کو لوگوں میں تقسیم فرماتے ہیں۔ (ابن کثیر ۳۶۴ / ۲)

بہ جمعہ صحابہ و تابعین اس آیت میں صدقہ واجبہ یعنی زکوٰۃ کے مصارف کا بیان ہے جو آٹھ ہیں۔

۱۔ **فقراء:** امام ابو حنیفہ کے نزدیک فقیر وہ ہے جس کے پاس نصاب زکوٰۃ نہ ہو بلکہ نصاب سے کم مال ہو یا دوسرے لفظوں میں فقیر وہ ہے جو غنی نہ ہو خواہ اس کے پاس مال بالکل نہ ہو یا کچھ مال ہو مگر اتنا نہ ہو کہ غنی ہو جائے۔ فقیر عالم کو زکوٰۃ دینا فقیر جاہل کو دینے سے افضل ہے۔

بخاری و مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن بھیجتے وقت فرمایا کہ تم ایسے لوگوں کی طرف جا رہے ہو جو اہل کتاب ہیں۔ پہلے ان کو لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی شہادت کی طرف دعوت دینا۔ اگر وہ مان لیں تو ان کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ مان لیں تو ان کو بتانا کہ اللہ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے غنی (صاحبِ نصاب) لوگوں سے لی جائے گی اور انہی کے فقراء (جو صاحبِ نصاب نہ ہوں) میں تقسیم کی جائے گی۔ زکوٰۃ میں سب سے بڑھیا جانور نہ لینا، مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہنا، مظلوم کی بددعا (براہِ راست اللہ تک پہنچتی ہے اس کے) اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی۔

اس حدیث کی رو سے زکوٰۃ لینے والے کا مسلم ہونا ضروری ہے۔ بہ جمعہ علماء غیر مسلم کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی، خواہ وہ غیر مسلم ذمی ہو (جزیہ دینے والا کافر جو مسلم حکومت میں رہتا ہو) یا حر (وہ کافر جو غیر مسلم ریاست میں رہتا ہو)۔ (مظہری ۲۳۱ / ۴، عمدۃ الفقہ ۱۲۷ / ۳)

۲۔ **مساکین:** مسکین اس کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ وہ اپنے کھانے یا بدن ڈھانپنے کے لئے مانگنے کا محتاج ہو اور بخلاف فقیر کے اس کے لئے سوال کرنا حلال ہو۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

مسکین وہ نہیں جو مار مارا پھرے۔ ایک دو لقموں کی طلب یا ایک دو چھوہاروں کی خواہش اس کو لئے لئے پھرے، بلکہ مسکین وہ ہے جس کو بقدر کفایت نہ ملتا ہو اور کوئی اس کی حالت سے واقف بھی نہ ہو کہ کچھ خیر خیرات ہی اس کو دے دے اور وہ خود بھی کھڑا ہو کر کسی سے نہ مانگتا ہو۔

(مظہری ۲۳۲ / ۴)

زکوٰۃ کے حکم کے اعتبار سے فقراء اور مساکین دونوں یکساں ہیں کہ جس شخص کے پاس اس کی ضروریاتِ اصلیہ سے زائد بقدر نصاب مال نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے اور اس کے لئے زکوٰۃ لینا بھی جائز ہے۔ ضروریات میں رہنے کا مکان، ضرورت کا گھریلو سامان، کپڑے، خادم، سواری، ہتھیار اور کتابیں وغیرہ سب داخل ہیں۔ جس کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی ہو یا اس کی قیمت کے برابر نقد رقم ہو اور وہ قرض دار بھی نہ ہو تو ایسے شخص پر زکوٰۃ فرض ہے۔

جو شخص صاحبِ نصاب نہیں مگر تندرست، قوی اور کمانے کے قابل ہے اور اس پاس ایک دن کا گزارہ موجود ہے تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ مگر ایسے شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ لوگوں سے سوال کرتا پھرے۔ اس کے لئے لوگوں سے سوال کرنا حرام ہے۔

(معارف القرآن ۳۹۶ / ۴)

۳۔ عاملین: عاملین سے مراد وہ کارکن ہے۔ جو اسلامی حکومت کی طرف سے صدقات، زکوٰۃ اور عشر وغیرہ وصول کر کے بیت المال میں جمع کرنے کی خدمت پر مامور ہوتے ہیں۔ یہ لوگ چونکہ اپنا سارا وقت اسی کام میں صرف کرتے ہیں، اس لئے ان کی ضروریات کو پورا کرنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ ان لوگوں کا حق الخدمت زکوٰۃ ہی کی مد سے دیا جائے گا۔ عاملین کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ ان کے کام کی اجرت اور معاوضہ نہیں بلکہ وہ ان کی خدمت کا صلہ اور انعام ہوتا ہے

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صدقہ کسی غنی (مال دار) کے لئے حلال نہیں، سوائے پانچ شخصوں کے: ۱۔ وہ جو جہاد کے لئے نکلا ہو اور وہاں اس کے پاس بقدر ضرورت مال نہ ہو اگرچہ گھر میں وہ مال دار ہو۔ ۲۔ وہ شخص جو صدقہ وصول کرنے کی خدمت انجام دیتا ہو۔ ۳۔ کسی کے پاس مال تو ہو مگر وہ اس مال سے زیادہ مقروض ہو۔ ۴۔ جو

شخص صدقہ کا مال کسی غریب مسکین سے پیسے دے کر خرید لے۔ ۵۔ وہ شخص جس کو کسی غریب نے صدقہ کا حاصل شدہ مال بطور مدیہ پیش کر دیا ہو۔ (معارف القرآن ۳۹۷/۴)

امام ابو حنیفہؒ اور اکثر ائمہ نے فرمایا کہ صدقہ وصول کرنے والے نے جتنی مدت کام میں صرف کی ہو اس کو اتنی مدت کی ضروریات پوری کرنے کے بقدر (معاوضہ) دیا جائے گا۔ مثلاً کسی نے اس کام میں ایک دن صرف کیا تو اس کو ایک دن کا معاوضہ بقدر کفایت دیا جائے گا اور اگر اس نے ایک سال صرف کیا تو اسے ایک سال کا معاوضہ بقدر کفایت دیا جائے گا۔

اگر اس کی اجرت بقدر کفایت اتنی ہو کہ وہ وصول شدہ زکوٰۃ کے کل مال کا حقدار ہو جاتا ہو تو علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ زکوٰۃ کا کل مال اس کو نہیں دیا جائے گا بلکہ آدھا دیا جائے گا۔ نصف سے زائد مال کل مال کے حکم میں ہوتا ہے۔ اس لئے اگر نصف سے زیادہ مال دیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس نے فقراء کے لئے زکوٰۃ وصول نہیں کی بلکہ اپنے لئے وصول کی۔ اس طرح اصل مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ (مظہری ۲۳۳، ۲۳۴/۴)

۴۔ مؤلفۃ القلوب: ان کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ وہ جن کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے تالیفِ قلب کی کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔

۲۔ وہ جو مسلمان تو ہو چکے تھے مگر ان کا ایمان قوی نہ تھا۔ جیسے عیینہ بن حصن، اقرع بن حبس، عباس بن مرداس اسلمی۔ ایسے لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے عطا کیا کہ ان کا اسلام قوی ہو جائے۔

۳۔ وہ لوگ جنہیں اس لئے عطا کیا گیا تاکہ وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے سے باز رہیں۔ اس تیسری قسم میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جنہیں کفار اور مانعین زکوٰۃ سے قتال کے لئے صدقات وغیرہ عطا کر کے ان کی تالیفِ قلب کی گئی۔ یہ (تالیفِ قلب) ختم ہو چکی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت عطا کر دی ہے اور اس بات پر صحابہ کرام کا اجماع ہو چکا ہے۔

(ہدایہ کتاب الزکوٰۃ ۱۸۳/۱)

ایک روایت میں ہے کہ عیینہ اور اقرع زمین کا مطالبہ لے کر حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے

حضرت ابو بکرؓ نے ان کے لئے تحریر لکھ دی مگر حضرت عمرؓ نے وہ تحریر پھاڑ ڈالی اور فرمایا کہ یہ تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں اسلام پر قائم رکھنے کے لئے دیا کرتے تھے اور آج اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرمادیا ہے اور تمہاری طرف سے (مسلمانوں کو) بے نیاز کر دیا ہے۔ پس اگر تم اسلام پر ثابت قدم رہتے ہو تو ٹھیک ورنہ تمہارا فیصلہ تلوار کرے گی۔ وہ لوٹ کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ خلیفہ آپ ہیں یا عمر؟ (رضی اللہ عنہما)۔ آپ نے ہمیں ایک خط دیا اور (حضرت) عمرؓ نے اسے پھاڑ ڈالا۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ اگر وہ چلمیں (تو وہی خلیفہ ہیں)۔ چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کی توثیق کر دی اور صحابہ میں سے کسی نے بھی ان کے فیصلے پر اعتراض نہیں کیا۔

(روح المعانی ۱۲۲ / ۱۰)

۵۔ رِقَاب: جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک رِقَاب سے مراد وہ غلام ہیں جن کے آقاؤں نے مال کی ایک خاص مقدار متعین کر کے کہہ دیا کہ اگر اتنا مال کما کر ہمیں دے دو تو تم آزاد ہو۔ شرعی اصطلاح میں اس کو مکاتب کہا جاتا ہے۔ اس شخص کو اس کا آقا اجازت دے دیتا ہے کہ وہ تجارت یا مزدوری کے ذریعہ مال کمائے اور آقا کو لا کر دے۔ اس آیت میں رِقَاب سے مراد یہ ہے کہ ایسے شخص کو زکوٰۃ کی رقم میں سے حصہ دے کر آزادی حاصل کرنے میں اس کی مدد کی جائے۔ غلام کی گلو خلاصی کے لئے دینا عام فقراء و مساکین کو دینے سے زیادہ افضل ہے۔

۶۔ غَارِم: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے ذمہ کسی کا قرض ہو اور ان کے پاس اس کو ادا کرنے کے لئے کچھ نہ ہو۔ غلام کی گلو خلاصی کی طرح قرض دار کو قرض کی ادائیگی کے لئے دینا بھی عام فقراء و مساکین کو دینے سے زیادہ افضل ہے، بشرطیکہ اس قرض دار کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے وہ قرض ادا کر سکے۔ اگر کسی نے گناہ کے کام کے لئے قرض لیا جیسے شراب وغیرہ، شادی کی ناجائز رسمیں، تو ایسے قرض دار کو زکوٰۃ میں سے نہیں دیا جائے گا تاکہ اس کی معصیت اور اسراف کی حوصلہ افزائی نہ ہو۔ (معارف القرآن ۴۰۶ / ۴)

۷۔ فی سبیل اللہ: امام ابو یوسف کے نزدیک فی سبیل اللہ سے مراد وہ غازی ہیں جو فقیری کی وجہ سے لشکر اسلام کے غازیوں سے جدا ہیں۔ یعنی جو اپنے فقیر ہونے کی وجہ سے خرچہ یا

سواری وغیرہ نہ ہونے کی بنا پر لشکر اسلام کے ساتھ ملنے سے عاجز رہ گئے ہوں تو ان کو صدقہ (زکوٰۃ) لینا حلال ہے۔ اگرچہ وہ کسب کر سکتے ہوں۔ اس لئے کہ وہ کسب میں مشغول ہوں گے تو جہاد سے رہ جائیں گے۔ یہی صحیح اور اظہر ہے۔

بعض نے کہا کہ فی سبیل اللہ سے طالب علم مراد ہیں اور بعض نے کہا کہ حاملین قرآن مراد ہیں جبکہ وہ فقراء ہوں۔ بعض نے سفر حج میں قافلے سے پچھڑا ہوا حاجی وغیرہ مراد لیا ہے جبکہ وہ خرچ نہ ہونے کی وجہ سے قافلے میں نہ مل سکے۔ (عمدة الفقہ ۱۳۱ / ۳)

۸۔ مسافر: ابن السبیل سے مراد مسافر ہے۔ مسافر اگرچہ اپنے وطن میں مالدار ہو۔ لیکن سفر میں اس کے پاس خرچ ختم ہو گیا ہو یا کوئی اور ایسی وجہ ہو گئی کہ گھر تک پہنچنے کا خرچ نہیں ہے یا حاجی کا خرچ ختم ہو گیا اگرچہ وہ اپنے وطن میں مالدار ہو تو ایسے مسافر یا حاجی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

فقیر مسافر کو اپنی ضرورت کے مطابق لینا جائز ہے۔ ضرورت سے زیادہ لینا حلال نہیں، لیکن جو شخص اپنے وطن میں بھی فقیر ہے اس کو ضرورت سے زیادہ لینا درست ہے۔ مسافر فقیر کو زکوٰۃ لینے سے قرض لینا اولیٰ ہے۔ (عمدة الفقہ ۱۳۲ / ۳)

منافقین کی حرکاتِ بد

۶۱۔ وَمِنْهُمْ الَّذِينَ يُوعِذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أَذْنٌ لِّقُلْ أَذْنٌ خَيْرٌ لِّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

اور ان میں سے وہ بھی ہیں جو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ کانوں کا کچا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ وہ دھیان دے کر تو وہی بات سنتے ہیں جو تمہارے حق میں بہتر ہو۔ وہ اللہ پر یقین رکھتا ہے اور مومنوں کی بات مانتا ہے اور تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں ان کے حق میں رحمت ہے

اور جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے درناک عذاب ہے۔

يُؤْذُونَ: وہ ایذا دیتے ہیں۔ وہ تکلیف دیتے ہیں۔ **اِيْذَاءً** سے مضارع۔

اَذْنُ: ہر کسی کی بات سن کر قبول کرنے والا۔

شان نزول: ابن ابی شیبہ، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ رحمہم اللہ نے مجاہد کا

بیان اور ابن ابی حاتم نے سدئی کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت منافقوں کی ایک جماعت کے بارے

میں نازل ہوئی۔ انہیں میں سے حلاس بن سدید بن صامت، رفاعہ بن عبد المنذر اور ودیعہ بن

ثابت بھی تھے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کچھ نامناسب باتیں کہیں تو

ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ ایسا مت کہو۔ ہمیں ڈر ہے کہ یہ بات جو تم کہتے ہو محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کو پہنچ جائے گی۔ پھر حلاس نے کہا کہ ہم جو چاہیں گے کہیں گے پھر ہم ان کے پاس چلے

جائیں گے سو وہ ہماری بات کو سچ مان لیں گے کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو صرف کان میں (ہر

ایک کا عذر سن لیتے ہیں)۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ آیت منافقوں میں سے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی

جس کو بنقل بن حارث کہا جاتا تھا۔ یہ شخص سرخ آنکھوں اور تھکے گالوں والا بد شکل آدمی تھا۔ یہ

آپ کی باتیں سنتا اور جا کر منافقوں کو چپکے چپکے بتاتا تھا۔ جب اس سے کہا گیا کہ ایسا مت کر تو وہ کہنے

لگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو سراسر کان میں، جو کوئی ان سے کچھ بیان کرتا ہے تو وہ اس کو سچ مان

لیتے ہیں۔ ہم جو چاہیں گے کہیں گے، پھر ان کے پاس جا کر (جھوٹی) قسمیں کھالیں گے (اور اپنی بات

سے منکر ہو جائیں گے) تو وہ ہماری بات کو سچ مان لیں گے۔

یہی وہ شخص ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جو

شخص شیطان کو دیکھنا چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ بنقل بن حارث کو دیکھ لے۔

(روح المعانی، ۱۲۵، ۱۲۶ / ۱۰)

تشریح: منافقوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی باتوں کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ نبی تو کانوں کے بہت کچے ہیں۔ جو بات ان سے

کہی جاتی ہے اس کو سن لیتے ہیں اور اس پر یقین کر لیتے ہیں۔ جھوٹ اور سچ میں فرق نہیں کرتے، سو

لوگوں کی باتوں سے دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ ہم بھی ان کے پاس جا کر جھوٹی قسمیں کھالیں گے اور ان

باتوں سے انکار کر دیں گے جو ہم نے ان کے بارے میں کہی ہیں۔ وہ ہماری باتوں کا بھی یقین کر

لیں گے۔

اس آیت میں ان کی انہیں باتوں کا جواب دیا گیا ہے کہ ان لوگوں کو آپ کے حلم و بردباری اور چشم پوشی سے دھوکہ لگا اسی لئے وہ آپ کے بارے میں نامناسب باتیں کہتے ہیں۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ آپ خیر کے کان ہیں شر کے کان نہیں، حق و باطل اور خیر و شر کا فرق آپ پر مخفی نہیں۔ آپ نور نبوت سے بچ اور جھوٹ پہچان لیتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم پوشی اور نرمی ان منافقوں کے حق میں ایک قسم کی رحمت ہے کہ علم کے باوجود آپ نے ان کو بر ملا رسوا نہیں کیا اور ان کا پردہ فاش نہیں کیا۔ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دیتے ہیں۔ ان کے لئے آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ (مواہب الرحمن ۱۵۳/۱۰)

منافقوں کی بد بختی

۶۲-۶۳ یَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لَبِئْسَ صُورُكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوهُ إِنْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ ۝ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنِ يُحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ۝

وہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی رکھیں حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق رکھتے ہیں کہ یہ ان کو راضی کریں۔ اگر یہ ایمان رکھتے ہوں۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔

يُحَادِدُ: وہ دشمنی کرتا ہے۔ وہ مخالفت کرتا ہے۔ محاددة سے مضارع۔
الْخِزْيُ: ذلت۔ خواری۔ رسوائی۔ مصدر ہے۔

شان نزول: منافقوں میں سے ایک شخص کہنے لگا کہ ہمارے سردار اور رئیس ہم میں سے بہترین لوگ ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کہتے ہیں اگر وہ سچ ہے تب تو یہ لوگ سب سے زیادہ بیوقوف ہیں۔ یہ بات ایک سچے مومن صحابی نے سن لی۔ وہ کہنے لگے کہ واللہ رسول صلی اللہ

علیہ وسلم جو کچھ کہتے ہیں وہ سب بالکل سچ ہے۔ تمہیں لوگ بیوقوف ہو کہ ان پر ایمان نہیں لاتے۔

پھر یہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے اس شخص کو بلوا کر پوچھا کہ تجھے یہ بات کہنے پر کس چیز نے لکھا رہا۔ وہ قسمیں کھا کھا کر کہنے لگا کہ میں نے تو یہ بات کہی ہی نہیں۔ وہ صحابی اللہ سے دعا کرنے لگے کہ اے پروردگار! تو سچے کالج اور جھوٹے کا جھوٹ ظاہر فرما دے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(روح المعانی ۱۲۸/۱۰، ابن کثیر ۳۶۶/۲)

مقابلہ اور کھڑی کا بیان ہے کہ اس آیت کا نزول منافقوں کی ایک جماعت کے بارے میں ہوا جو غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئی تھی۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوہ سے واپس تشریف لائے تو وہ مومنوں کے پاس آکر اپنے پیچھے رہ جانے کے بارے میں عذر پیش کرنے اور قسمیں کھانے لگے۔ (روح المعانی ۱۲۸/۱۰، مظہری ۲۵۵/۴)

تشریح: منافقین اپنی خلوتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں پر طعن و تشنیع کرتے تھے۔ پھر جب ان کے کہے ہوئے نازیبا کلمات آپ تک پہنچتے تو یہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی بات کا انکار کرتے اور حلفیہ کہتے کہ ہم نے یہ بات نہیں کہی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ان کی اسی حالت سے مطلع فرمایا ہے کہ یہ منافق محض تمہیں راضی کرنے کے لئے جھوٹی قسمیں کھا کر اپنی گستاخیوں کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر یہ لوگ واقعی سچے ایماندار ہیں تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ یہ لوگ ان کو راضی کریں۔ ان کو راضی کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ لوگ سچے دل سے ان کی اطاعت و فرمانبرداری کریں، ان کے بارے میں اپنے دلوں سے شیطانی خیالات کو نکال دیں اور زبان سے ان کے بارے میں گستاخانہ کلمات نہ کہیں۔ ان لوگوں کو اتنی بھی عقل نہیں کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کو دھوکہ نہیں دے سکتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ وہ اپنے رسول کو بھی ان کے کرتوتوں اور بد اعمالیوں سے وحی کے ذریعہ مطلع کر دیتا ہے۔

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک زمانے سے لوگوں کو وعظ و نصیحت اور احکام دین سکھا رہے ہیں اور ان کو جزا و سزا کے بارے میں بتا رہے ہیں تو کیا یہ منافق اب بھی نہیں جانتے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت

کرے گا، جس طرح یہ لوگ کرتے ہیں، تو بلاشبہ اس کو دوزخ کے عذاب کی سزا ملے گی۔ دوزخ میں داخل ہونے کے بعد یہ ہمیشہ اس عذاب میں مبتلا رہے گا اور کبھی اس سے نہات نہیں پائے گا یہ سزا بڑی سخت اور ذلت ور سوائی کی ہے۔ (مواہب الرحمن ۱۵۳، ۱۵۴/۱۰)

منافقوں کی خود فریبی

۶۴۔ یَحْذَرُ الْمُنْفِقُونَ أَنْ تَنْزَلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ ۚ قُلِ اسْتَهِزْوا إِنَّا اللَّهُ مُخْرِجٌ مَا تَحْذَرُونَ ۝

منافق اس بات سے ڈر رہے ہیں کہ مسلمانوں پر ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو ان کے دل کی بات ظاہر کر دے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم استہزاء کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ اس چیز کو ظاہر کر کے رہے گا جس سے تم ڈرتے ہو۔

يَحْذَرُ: وہ ڈرتا ہے۔ وہ بچتا ہے۔ حَذَرٌ سے مضارع۔

تُنَبِّئُهُمْ: وہ ان کو خبر دے گا۔ تُنَبِّئُہُ سے مضارع۔

تشریح: یہ عجیب بات ہے کہ منافقین اپنی باطنی حالت کے بارے میں قرآن کے نزول کا تو خوف کرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قرآنی آیات کے ذریعہ مسلمان ان کی باطنی حالات سے باخبر ہو جائیں اور اس طرح وہ دنیا ہی میں ان کے سامنے ذلیل ور سوا ہو جائیں، مگر وہ اپنے دلوں سے نفاق اور شک کو دور نہیں کرتے تھے بلکہ اس پر مستعد اور پختہ تھے اور دین کے تمسخر اور استہزاء میں لگے ہوئے تھے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم دین کے ساتھ خوب تمسخر اور استہزاء کرتے رہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے حسد و عناد اور وہ تمام باتیں جو تم نے دل میں چھپائی ہوئی ہیں سب کے سامنے ظاہر کرنے والا ہے تاکہ جس ذلت ور سوائی کا تمہیں خوف و اندیشہ ہے وہ تمہاری نظروں کے سامنے آجائے۔

(مواہب الرحمن ۱۵۵/۱۰)

اسلام پر طعن و تشنیع

۶۵-۶۶ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ مَا قُلْنَا لِلَّهِ
وَأَيَّتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِؤْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ
بَعْدَ إِيمَانِكُمْ إِنَّ نَعْفَ عَنْ طَائِفَةٍ مِّنْكُمْ نَعَذِّبُ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ
كَانُوا مُجْرِمِينَ ۝

اگر آپ ان سے پوچھیں تو وہ کہہ دیں گے کہ ہم تو بات اور دل لگی کرتے تھے۔
آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی کرتے
تھے۔ اب (یہ بے ہودہ) عذر مت کرو۔ بے شک تم تو ایمان لانے کے بعد کفر
کرنے لگے۔ اگر ہم تم میں سے بعض کو معاف بھی کر دیں تو بعض کو اس لئے
عذاب دیں گے کہ وہ تو تھے ہی گنہگار۔

نَخُوضُ: ہم بحث کرتے ہیں۔ ہم باتوں میں مشغول ہوتے ہیں۔ نَحُوضُ سے مضارع۔
نَلْعَبُ: ہم کھیلتے ہیں۔ ہم دل لگی کرتے ہیں۔ لَعَبُ سے مضارع۔
طَائِفَةٌ: گروہ۔ جماعت۔ طَوَّفُ سے اسم فاعل۔

شان نزول: ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی
کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی طرف جا رہے تھے۔ آپ سے آگے آگے کچھ
فاصلے پر منافقوں کا ایک گروہ یہ کہتے ہوئے جا رہا تھا کہ اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو
دیکھو۔ ان کا خیال ہے کہ وہ شام کے محلات اور قلعے فتح کر لیں گے۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ
نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اس گفتگو سے مطلع فرما دیا۔ چنانچہ آپ نے حکم دیا کہ ان
سواروں کو روک لو۔ جب ان کو آپ کے پاس لایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے ایسے ایسے کہا تھا
وہ کہنے لگے کہ اے اللہ کے نبی! ہم تو ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(روح المعانی ۱۳۰/۱۰، ابن کثیر ۲/۳۶)

ابن جریر اور ابن مردویہ وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے
روایت کی وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے غزوہ تبوک میں کہا کہ ہم نے اپنے ان قرآن پڑھنے
والوں کی طرح کسی کو ان سے زیادہ کھانے کا حریص، زبان کا جھوٹا اور دشمن سے مقابلے کے

وقت بزدلی کا مظاہرہ کرنے والا نہیں دیکھا۔ یہ سن کر ایک شخص نے کہا تو جھوٹ کہتا ہے اور تو منافق ہے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ضرور کروں گا۔ چنانچہ یہ بات آپ تک پہنچی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۱۳۱ / ۱۰، مظہری ۲۶۰ / ۳)

حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس منافق کو دیکھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے کجاوہ کے چٹھلے حصے کو پکڑ کر لٹکا ہوا جا رہا تھا اور اس کی دونوں ٹانگوں پر پتھر لگ رہے تھے۔ اسی حالت میں وہ کہتا جا رہا تھا کہ اِنَّا كُنَّا نَخْوُصُ وَنُلْعَبُ، ہم تو سفر طے کرنے کے لئے ہنسی مذاق کر رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے اَبَا اللّٰهِ وَاٰیَاتِهِ وَرُسُوْلِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ یہ آیت رَأْسُ الْمُنَافِقِینِ عبد اللہ بن ابی کے بارے میں نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۱۳۱ / ۱۰، مواہب الرحمن ۱۵۶ / ۱۰)

تشریح: منافقین دین اسلام اور مومنوں پر طعن و تشنیع کرتے تھے۔ جب آپ نے بلا کر ان سے باز پرس کی کہ تم کیوں دین اسلام پر طعن و تشنیع کرتے ہو تو وہ قسمیں کھا کر کہنے لگے کہ ہم دل سے ایسی باتیں نہیں کرتے بلکہ ہم تو محض دل لگی کے طور پر زبان سے ایسی باتیں کر رہے تھے تاکہ باتوں باتوں میں سفر کٹ جائے۔ دین میں عیب جوئی ہرگز ہمارا مقصد نہ تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ، اس کے احکام اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمسخر کرتے ہو۔ تم لوگ یہاں نے مت بناؤ۔ تمہارے دل تو کفر و نفاق سے لبریز ہیں۔ اب تک تو تم ظاہر میں مسلمان تھے مگر تمہارے اس استہزاء اور تمسخر سے تمہارا ظاہری اسلام بھی جاتا رہا اور تمہارا باطنی کفر ظاہر ہو گیا۔ لہذا اب جھوٹے عذر تراشنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اب جرم کی سزا مل کر رہے گی۔ البتہ تم میں سے جو لوگ صدق دل سے توبہ کر لیں گے ان کا قصور معاف کر دیا جائے گا اور جو لوگ اپنے کفر و نفاق اور حسد و عناد سے توبہ نہیں کریں گے اور اس پر بدستور قائم رہیں گے تو ان کو ضرور سزا ملے گی۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۷۱، ۳۷۲ / ۳)

منافقین کی بد باطنی

۶۷-۶۸ الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنْفِقَتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ مَّيْمُونُونَ

بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ ۖ
 نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ وَعَدَ
 اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ
 فِيهَا هُمْ فِيهَا هُمُ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعْنَهُمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۝

منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک طرح کے ہیں (جو) بری باتوں (کفر) کا
 حکم کرتے ہیں اور اچھی باتوں (ایمان و اسلام لانے) سے روکتے ہیں اور اپنے
 ہاتھوں کو (خیرات دینے سے) بند رکھتے ہیں۔ وہ اللہ کو بھول بیٹھے۔ سو اللہ نے
 بھی ان کو بھلا دیا۔ بلاشبہ منافق بڑے ہی نافرمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے منافق
 مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے دوزخ کا وعدہ کر رکھا ہے جس میں
 وہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان کے لئے بھی (سزا) کافی ہے اور اللہ نے ان پر لعنت کر
 دی اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے۔

يَقْبِضُونَ: وہ بند کرتے ہیں۔ وہ روکتے ہیں۔ وہ بخل کرتے ہیں۔ قَبْضٌ سے مضارع۔
 نَسُوا: وہ بھول گئے۔ انہوں نے چھوڑ دیا۔ نَسِيَانٌ سے ماضی۔
 مُّقِيمٌ: دائمی۔ اٹل۔ ابدی۔

تشریح: منافق مرد اور عورتیں بد باطنی، شرک و نفاق اور ایمان سے دور ہونے میں سب
 برابر اور ایک جیسے ہیں۔ یہ سب لوگ مسلمانوں کی عداوت و مخالفت پر طبعی طور پر متفق ہیں۔
 ان کے احوال مسلمانوں کے بالکل برعکس ہیں، اس لئے یہ مسلمانوں میں سے نہیں ہیں۔ ان
 آیتوں میں تفصیل کے ساتھ ان کی بد خصلتوں کو بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ شرک و نافرمانی اور
 اسلام کی مخالفت کی تلقین کرتے ہیں، ایمان و اسلام اور اتباع رسول سے لوگوں کو روکتے ہیں اور
 کہتے ہیں کہ سخت گرمی میں جہاد کے لئے نہ نکلو۔ یہ لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کرتے
 ہیں اور اپنی مٹھی بند رکھتے ہیں اللہ کو اس طرح بھول گئے ہیں گویا کہ انہیں معلوم ہی نہیں کہ ان کا
 کوئی خالق بھی ہے جو ایک روز ان سے ان کے اعمال کی باز پرس کرے گا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے
 ان کو فراموش کر دیا۔ دنیا میں ان کو ایمان کی توفیق اور ہدایت اسلام سے محروم کیا اور آخرت میں
 ان کو اپنی رحمت سے دور کر کے عذاب میں ڈال کر چھوڑ دے گا اور پھر خبر بھی نہ لے گا۔ بلاشبہ یہ
 لوگ ایمان و اسلام کے دائرہ سے بالکل خارج ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور عورتوں اور علانیہ کفر کرنے والوں سے دوزخ کی آگ کا وعدہ کر رکھا ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان کو دنیا میں عذاب دینے کی ضرورت نہیں بلکہ ان کے کفر و نفاق کی سزا کے لئے دوزخ کا عذاب ہی کافی ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔

(روح المعانی ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۰ / مظہری ۲۶۲ / ۴)

منافقوں کا حال

۶۹۔ كَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَآكَثَرَ أَمْوَالًا
وَأَوْلَادًا ۖ فَاسْتَمْتَعُوا بِخَلْقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ
كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلْقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِي
خَاضُوا ۖ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ
وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝

اے منافقو! تمہاری عادت بھی ان لوگوں کی مانند ہے جو تم سے پہلے ہو چکے۔ وہ تم سے زیادہ قوت اور زیادہ مال و اولاد والے تھے۔ وہ اپنے دنیوی حصے سے خوب فائدہ اٹھا گئے۔ سو تم نے بھی اپنے (دنیوی) حصے سے خوب فائدہ حاصل کیا جیسا کہ تم سے پہلے والوں نے اپنے حصوں سے فائدہ حاصل کیا۔ اور تم بھی برائی میں ایسے ہی پڑے جیسے وہ لوگ پڑے تھے۔ یہی ہیں وہ لوگ جن کے اعمال (حسنہ) دنیا اور آخرت میں ملیا میٹ ہو گئے اور یہی لوگ خسارے میں پڑے ہوئے ہیں۔

اسْتَمْتَعُوا: انہوں نے فائدہ اٹھایا۔ اسْتَمْتَعُ سے ماضی۔

بِخَلَاقِهِمْ: اپنے حصے سے۔

خُضْتُمْ: تم نے یہودہ گوئی کی۔ تم گھسے۔ تم نے بحث کی۔ خُضْتُ سے ماضی۔

حَبِطَتْ: وہ ضائع ہو گئے۔ وہ ناپید ہو گئے۔ حَبِطْتُ سے ماضی۔

تشریح: یہاں منافقوں کو بتایا جا رہا ہے کہ تمہاری حرکتیں بھی ویسی ہی ہیں جیسی تم سے پہلے

کافروں کی تھیں۔ انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کو پس پشت ڈالا تھا۔ اس لئے اللہ نے ان پر

لعنت فرمائی۔ تم نے بھی انہی کی طرح سرکشی کی اس لئے اللہ نے تم پر بھی لعنت کی۔

گزشتہ لوگ جسمانی قوت اور مال و اولاد میں تم سے بہت زیادہ تھے، اس لئے دنیاوی اعتبار سے انہوں نے اپنے مال و اولاد سے خوب فائدہ اٹھایا، مگر آخرت کی کچھ پرواہ نہ کی۔ پس ان کے بعد تم نے بھی اپنے سے پہلے والوں کی طرح اس دنیا سے خوب فائدہ حاصل کیا۔ تم بھی لہو و لعب اور بری باتوں میں بالکل انہی کی مانند ہو اور انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہو۔ جیسے انہوں نے رسولوں کے ساتھ استہزاء، سرکشی اور نافرمانی کی، تم بھی ویسے ہی کر رہے ہو۔ لہذا جس طرح ان کے اعمال دنیا و آخرت میں اکارت گئے اور وہ بڑے نقصان میں رہے، اسی طرح تمہارے اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے اور تم بھی دنیا و آخرت دونوں اعتبار سے خسارے میں رہو گے۔

(مظہری ۲۶۳ / ۴، مواہب الرحمن ۱۶۱، ۱۶۳ / ۱۰)

گزشتہ انبیاء کی تکذیب کا انجام

۱۰۔ اَلَمْ يَأْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُوْدٌ ۙ
وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ ۚ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۙ اَتَنْتَهُمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا
اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

کیا ان لوگوں کو ان کے (عذاب و ہلاکت) کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے ہوئے ہیں جیسے قوم نوح و قوم عاد و ثمود اور قوم ابراہیم و اصحاب مدین اور الٹی ہوئی بستیوں والے۔ ان کے رسول ان کے پاس معجزے لے کر آئے۔ سو اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ تو خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔

نَبَاً: خبر۔ اطلاع۔ واقعہ۔ اسم ہے۔

الْمُؤْتَفِكٰتِ: الٹی ہوئی۔ منقلب۔ اِتِفَاكٌ سے اسم فاعل۔

اَتَنْتَهُمْ: وہ ان کے پاس آئی۔ اَتْيَانٌ سے ماضی۔

تشریح: کیا ان منافقوں کو گزشتہ نافرمانوں کے حال کی خبر نہیں ملی جو عذاب آنے سے پہلے

دنیاوی لذتوں میں غرق اور آخرت سے بے فکر تھے۔ انہوں نے ہمارے پیغمبروں کی نافرمانی کی اور

ہمارے احکام کو پس پشت ڈالا تو ہم نے ان پر عذاب بھیج کر ان کو تباہ کر ڈالا۔ ان منافقوں کو چاہئے کہ گزشتہ اقوام کے حال سے عبرت پکڑیں مثلاً:

- ۱۔ قوم نوح: پانی کے طوفان سے ہلاک کی گئی۔
 - ۲۔ قوم عاد: آندھی کے طوفان سے ہلاک کی گئی
 - ۳۔ قوم ثمود: زلزلے سے تباہ ہو گئی۔
 - ۴۔ قوم ابراہیم: اللہ تعالیٰ نے اس قوم سے اپنی نعمت چھین کر اس کو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کیا اور ایک حقیر ٹھہریا چوٹی سے ان کے بادشاہ نمرود کو ہلاک کر دیا اور اس کے ساتھیوں کو غارت کر دیا۔
 - ۵۔ اصحاب مدین: مدین والے یا حضرت شعیب کی قوم۔ ان پر بادل کا عذاب آیا جس سے آگ برسی اور وہ سب ہلاک ہو گئے۔
 - ۶۔ مؤتفلت: الٹی ہوئی بستیاں یا قوم لوط کی بستیاں جن کو الٹ دیا گیا۔ زمین کو زیر و زبر کر دیا گیا اور پھر اوپر سے نوکیلے پتھر برسائے گئے۔
- اللہ تعالیٰ جرم کے بغیر کسی کو ہلاک نہیں کرتا بلکہ تمہاری طرح انہوں نے بھی اپنے پیغمبروں کو جھٹلا کر خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا۔ ان کے پیغمبر بالکل کھلے کھلے اور واضح معجزے لے کر ان کے پاس آئے تھے اور ان کو عذاب الہی سے ڈرایا تھا، مگر انہوں نے اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا اور ان کی نافرمانی کی جس کے نتیجہ میں وہ تباہ و برباد ہوئے۔ تمہیں بھی ڈرنا چاہئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی طرح تم پر بھی عذاب الہی آجائے۔ (روح المعانی ۱۳۳-۱۳۵/۱۰)

مومنوں کے لئے بشارت

۱-۲، وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ
بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ
وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ
سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ وَعَدَ اللَّهُ

الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسْكِنٌ طَيِّبَةٌ فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ ۚ وَرِضْوَانٌ
مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝

اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے (دینی) مددگار ہیں۔ وہ
نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں اور وہ نماز قائم
کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے
ہیں۔ ان لوگوں پر اللہ ضرور رحمت کرے گا۔ بلاشبہ اللہ زبردست (اور)
حکمت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور عورتوں سے ایسے باغوں کا
وعدہ کر رکھا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔
اور (اللہ نے) نفیس مکانوں کا (بھی وعدہ کر رکھا ہے) جو عدن کے باغوں میں
ہوں گے اور اللہ کی رضا سب سے بڑی (نعمت) ہے۔ یہ (جزا اور اجر) بڑی
کامیابی ہے۔

عَدْنٌ: عدن جنت میں ایک خاص مقام کا نام ہے۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد

جَنَّاتٍ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدَ لِرَحْمَنٍ عِبَادًا بِالْغَيْبِ۔

(سورہ مريم، آیت ۶۱)

(نیک لوگ رہیں گے) عدن کے باغات میں، جن کا رحمن نے اپنے بندوں سے
غائبانہ وعدہ کیا ہے۔

اور ہزار و دارِ قطنی نے اور ابن مردویہ نے ابو درداء رضی اللہ عنہ
سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عدن اللہ کا گھر
ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال گذرا۔
اس میں صرف تین طرح کے لوگ رہ سکیں گے: انبیاء، صدیقین اور شہداء۔

اور عطاء بن سائب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عدن جنت میں ایک ہنر کا
نام ہے، جس کے دونوں کناروں پر باغات ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ عدن
اصل میں ٹھہرنے اور قرار پکڑنے کو کہتے ہیں اور اس آیت میں ہمیشہ کا قیام مراد

ہے۔ (روح المعانی، ۱۳۶ / ۱۰ - نسفی، ۳۵ - ۳۶ / ۲ - لسان العرب، ۲۷۹ /

(۱۳)

تشریح: ان آیتوں میں مسلمانوں کی نیک صفتوں کا بیان ہے کہ مومن مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے دست و بازو ہیں۔ وہ اللہ کی اطاعت اور اللہ کے دین کو سر بلند کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ بھلائی کا درس دیتے اور بری باتوں سے امکان بھر روکتے ہیں۔ تمام شرائط کے ساتھ نماز پابندی سے پڑھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ساتھ مخلوق کی دلجوئی بھی ہوتی رہے۔ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے تمام احکام پر دل و جان سے عمل کرتے ہیں۔ یہی لوگ جن میں مذکورہ بالا صفات پائی جائیں رحمت خداوندی کے مستحق ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی عزت و حکمت والا ہے۔ نہ کوئی اس سے سرتابی کی طاقت رکھتا ہے اور نہ کوئی اس کی حکمت کی نہ کوئی پہنچ سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے مومن مردوں اور عورتوں سے، جن کی صفات ابھی اوپر بیان ہوئی ہیں، ایسے باغوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کے نیچے ہنریں بہتی ہوں گی اور عدن کے باغوں میں ان کے لئے نہایت عمدہ اور پاکیزہ مکان ہیں۔ یہ لوگ ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور اللہ نے یہ بھی وعدہ کر رکھا ہے کہ جنت میں ان لوگوں کو اللہ کی رضا اور خوشنودی بھی ملے گی جو سب نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اس کے مقابلے میں ہر کامیابی حقیر ہے۔

(مظہری ۲۶۳-۲۶۶ / ۴، ابن کثیر ۳۶۹ / ۲)

ایک حدیث میں ہے کہ مومن، مومن کے لئے دیوار کی مانند ہے، جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو تقویت پہنچاتا اور مضبوط کرتا ہے۔ آپ نے یہ فرماتے ہوئے اپنے ہاتھ کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈال کر دکھایا۔ (ابن کثیر ۳۶۹ / ۲)

صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو جنتیں چاندی کی ہیں جن کی تمام چیزیں چاندی کی ہیں اور دو جنتیں سونے کی ہیں جن کے برتن اور تمام چیزیں سونے کی ہیں اور جنت عدن کے اندر اہل جنت اور ان کے رب کے درمیان کوئی حجاب نہ ہو گا۔ صرف (اللہ کی) کبریائی کی چادر ہو گی جو اللہ تعالیٰ کے چہرے پر پڑی ہو گی۔

طبرانی نے اوسط میں صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ جب اہل جنت، جنت میں داخل ہو چکیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تمہیں کسی اور چیز کی طلب ہے

جو میں عطا کروں۔ جنتی عرض کریں گے کہ اے ہمارے مالک! جو کچھ تو نے ہمیں عطا فرما دیا اس سے بڑھ کر اور کیا چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اللہ کی رضامندی ان سب سے بڑھ کر ہے۔

(مظہری ۲۶۵، ۲۶۶ / ۴)

کفار و منافقین سے سختی کا حکم

۴۔ یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ
وَمَا لَهُمْ جَهَنَّمَ ۖ وَبُنُسَ الْمَصِيرِ ۝

اے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

أَغْلُظْ: تو سختی کر۔ غَلْظَ: سے امر۔

بُنُسَ: برا۔ خراب۔ فعل ذم ہے۔

الْمَصِيرُ: لوٹنے کی جگہ۔ ٹھکانا۔ اسم ظرف و مصدر مبی۔

جَاهِدِ: تو جہاد کر۔ تو اللہ کی راہ میں لڑائی کر۔ مُجَاهِدَةٌ سے امر۔ جہاد کے معنی کسی

ناپسندیدہ چیز کے دفع کرنے کے لئے اپنی انتہائی طاقت اور کوشش خرچ کرنے کے ہیں، خواہ یہ کوشش سیف و سینان سے ہو یا زبان اور حجت و برہان سے یا قلم سے۔ غرض جس وقت جیسی مصلحت ہو جہاد کیا جائے۔ کیونکہ آیت میں

لفظ عام ہے۔ (عثمانی ۵۶۷ / ۱)

تشریح: منافقین کے ناشائستہ اعمال و افعال کے ذکر کے بعد اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ منافقوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ نہ کریں جیسا کہ آپ کی عادت حمیدہ ہے بلکہ آپ ان کے ساتھ شدت اور سختی سے پیش آئیے۔ ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ اور مسلمانوں جیسا معاملہ کرنے کا حکم اس وقت تک تھا جب تک کہ ان کا نفاق پوشیدہ تھا۔ اب چونکہ ان کا نفاق ظاہر ہو گیا ہے، اس لئے یہ بد بخت سختی اور شدت ہی کے مستحق ہیں۔ آخرت میں بھی ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے جو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت میں کفار سے جہاد کا جو حکم آیا

ہے اس سے جہاد بالسیف والسنان مراد ہے اور منافقین سے جو جہاد کا حکم آیا ہے اس سے زبان اور برہان کے ذریعے جہاد کرنا مراد ہے۔ منافقین اپنے آپ کو مسلمان بتاتے تھے اور دوسرے لوگ بھی ان کو ظاہر کے اعتبار سے مسلمان ہی سمجھتے تھے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کے قتل سے اعراض فرمایا اور ان کے ساتھ کافروں جیسا معاملہ نہیں فرمایا۔ اسی لئے حضرات مفسرین نے فرمایا کہ اس آیت میں منافقین کے ساتھ زبان و قلم اور برہان کے ذریعے جہاد کرنا مراد ہے۔ یہ حکم اس وقت تک ہے جب تک نفاق پوشیدہ رہے۔ جب نفاق ظاہر ہو جائے تو پھر منافقین کے ساتھ بھی جہاد بالسیف ہو گا۔ منافقین چونکہ بظاہر مسلمان تھے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ نرمی برتتے تھے۔ غزوہ تبوک کے موقع پر جب ان کا نفاق ظاہر اور واضح ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے ان کے ساتھ سختی کرنے کا حکم نازل فرمایا۔ (روح المعانی ۱۳، ۱۳۸، ۱۰، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۷۸، ۳۷۹، ۳ / ۳)

منافقین کی احسان فراموشی

۴۳۔ یَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا
بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَمُتَوَابِعًا لِّمَا قَالُوا وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ
اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ فَإِنْ يَتُوبُوا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ وَإِنْ
يَتَوَلَّوْا يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا ۖ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ
وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝

وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے (وہ باتیں) نہیں کہیں حالانکہ وہ کفر کا کلمہ کہہ چکے ہیں اور وہ اسلام لانے کے بعد کافر ہو چکے اور انہوں نے ایسی بات کا ارادہ کیا تھا جس کو وہ پانہ سکے۔ اور انہوں نے یہ اسی کا بدلہ نکالا کہ اللہ اور اس کے رسول نے ان کو اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ پھر اگر وہ توبہ کر لیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہو گا اور اگر روگردانی کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو دنیا و آخرت میں دردناک عذاب دے گا اور روئے زمین پر نہ ان کا کوئی حمایتی ہو گا اور نہ مددگار۔

مَمُّوْا: انہوں نے ارادہ کیا۔ انہوں نے قصد کیا۔ حُمُّ سے ماضی۔

یَنَالُوْا: وہ پہنچتے ہیں۔ وہ پاتے ہیں۔ نَلَّ سے مضارع۔

نَقَمُوْا: انہوں نے ناپسند کیا۔ انہوں نے بدلہ دیا۔ نَقَمٌ سے ماضی۔

شان نزول: ابن جریر، ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے

نقل کیا کہ دو افراد میں لڑائی ہوئی، جن میں سے ایک قبیلہ جہنہ سے تعلق رکھتا تھا اور دوسرا قبیلہ

غفار سے۔ جہنہ والے انصار مدینہ کے حلیف تھے۔ اس لڑائی میں غفاری اپنے مد مقابل پر غالب آ

گیا۔ یہ دیکھ کر عبد اللہ بن ابی (منافق) قبیلہ اوس کو کہنے لگا کہ تم اپنے بھائی (جہنی) کی مدد کرو۔

واللہ ہماری اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اپنے کتے کو موٹا تازہ

کرے اور کتا اسے کھا جائے اور واللہ جب ہم مدینہ لوٹیں گے تو ہم میں سے عزت والے ذلت

والوں کو وہاں سے نکال دیں گے۔ ایک شخص نے اس کی یہ باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

پہنچا دیں۔ آپ نے جب اسے بلوایا تو وہ اللہ کی قسمیں کھانے لگا کہ اس نے یہ بات نہیں کہی۔ اس

پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۱۳۸/۱۰، مواہب الرحمن ۱۴۱، ۱۴۲/۱۰)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک طویل روایت میں ہے کہ جو منافق پیچھے رہ

گئے تھے (اور غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے) اور جن کے بارے میں قرآن کریم بھی نازل

ہوا، ان میں سے بعض حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ انہیں میں سے جلاس

بن سوید بن صامت بھی تھا۔ حضرت عمیر بن سعد کی والدہ اس کے گھر میں تھیں اور خود عمیر بن

سعد بھی اس کی پرورش میں تھے۔ چنانچہ جب قرآن نازل ہوا اور منافقین کا نفاق ظاہر ہوا تو جلاس

کہنے لگا کہ واللہ اگر یہ شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ کہہ رہا ہے وہ سچ ہے تو ہم تو گدھے

سے بھی بدتر ہیں۔ یہ بات عمیر نے بھی سنی اور کہنے لگے۔ خدا کی قسم اے جلاس! تو مجھے تمام لوگوں

سے زیادہ محبوب تھا اور تیری تکلیف مجھ پر اپنی تکلیف سے بھی زیادہ شاق تھی۔ لیکن تو نے ایسی

بات کہہ دی ہے جسے میں اگر ذکر کرتا ہوں تو میری رسوائی ہے اور اگر میں اسے چھپاتا ہوں تو اس

میں میری ہلاکت ہے۔ لیکن ان میں سے ایک (یعنی رسوائی) مجھ پر دوسری بات (ہلاکت) سے

زیادہ آسان ہے۔ چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جلاس کی

بات بیان کی۔ جب یہ بات جلاس کو معلوم ہوئی تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اللہ کی قسم

کھا کر کہنے لگا کہ اس نے یہ بات نہیں کہی اور عمیر نے اس پر جھوٹ بولا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے

یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر ۱/ ۳۷۲)

اس آیت کے شان نزول میں منافقین کے اور بھی واقعات ہیں۔ اور اس میں کوئی تضاد

اور بعد نہیں کہ اس آیت میں سب ہی واقعات مراد ہوں۔

تشریح: اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ منافقین اپنی مہلوسوں میں مومنوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نازیبا کلمات کہتے رہتے ہیں۔ پھر جب مسلمانوں کو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچتی ہے تو جھوٹی قسمیں کھا کر اپنی برأت ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ اپنے ظاہری اسلام کے بعد کھلا کفر کر چکے ہیں اور زبان سے نازیبا کلمات کہہ چکے ہیں اور انہوں نے ایک ایسی بات کا ارادہ کیا تھا جس کو وہ پورا نہ کر سکے۔

روایتوں میں آیا ہے کہ تبوک سے واپسی میں آپ لشکر سے علیحدہ ہو کر ایک پہاڑی راستہ پر جا رہے تھے۔ حضرت حذیفہ اور حضرت عمار آپ کے ساتھ تھے۔ بارہ منافق ایک گھاٹی میں (چھپ کر) کھڑے ہو گئے تھے تاکہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہاڑی سے گرا دیں (نعوذ باللہ)۔ جبرائیل امین نے آپ کو اطلاع دی اور اللہ کا حکم پہنچایا کہ آپ کسی آدمی کو بھیج دیں تاکہ وہ ان کی اونٹنیوں کے رخ پلٹ دے۔ آپ نے حضرت حذیفہ کو بھیج دیا۔ انہوں نے مار مار کر ان کی اونٹنیوں کے رخ پھیر دیئے۔ منافقین چونکہ اپنے چہرے چھپائے ہوئے تھے اس لئے حضرت حذیفہ ان کو پہچان نہ سکے۔ بعد میں آپ نے حضرت حذیفہ کو ان منافقوں کے نام اور پتے بتا دیئے مگر ان کو کسی پر ظاہر کرنے سے منع فرما دیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا سے منافقوں کو دولت مند بنادیا، قرضوں کے بار سے سبکدوش کر دیا اور آپ کی برکت سے ان کی زمینوں میں پیداوار اچھی ہوئی۔ انہوں نے ان احسانات کا بدلہ یہ دیا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دغا بازی کرنے لگے، آپ کو اور مسلمانوں کو ستانے پر ہمہ وقت کمر بستہ رہنے لگے۔ اگر یہ لوگ اب بھی کفر و نفاق سے توبہ کر لیں تو ان کے حق میں بہتر ہے اور اگر انہوں نے توبہ سے منہ موڑا اور اپنے کفر و نفاق پر جے رہے تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں بھی ذلت و رسوائی اور قتل کی صورت میں سخت سزا دے گا اور آخرت میں بھی دوزخ کے ناقابلِ برداشت عذاب سے دوچار کرے گا۔ دنیا میں ان کا کوئی یار و مددگار اور طرف دار نہیں جو ان کے کچھ کلام آئے اور ان کو قتل و رسوائی سے بچا سکے۔ یہ لوگ یونہی بے یار و

مددگار رہیں گے۔ (مظہری ۲۶۸، ۲۶۹ / ۳، مواہب الرحمن ۱۷۲، ۱۷۳ / ۱۰، عثمانی ۵۶۷ / ۱)

منافقین کی عہد شکنی کا انجام

۸-۷۵، وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَلَمَّا اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْهُمۡ وَتَوَلّٰوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمۡ اِلٰی یَوْمٍ یَّلْقَوْنَهٗۤ بِمَا اٰخَلَفُوْا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ۝ اَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلٰمُ الْغُیُوْبِ ۝

اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا، اگر اللہ اپنے فضل سے ہمیں دے تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور نیک ہو کر رہیں گے۔ پھر جب اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دے دیا تو وہ اس میں (سے خیرات کرنے میں) بخل کرنے لگے اور روگردانی کرنے لگے۔ اور وہ تو تھے ہی روگردانی کے عادی۔ سو اس وعدہ خلافی کی سزا میں اور ان کے جھوٹ بولنے کی بنا پر، اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا جو اللہ کے پاس جانے کے دن تک رہے گا کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ان کا بھید اور خفیہ مشورہ جانتا ہے اور یہ کہ اللہ بڑا غیب دان ہے۔

فَاَعْقَبَهُمْ: پس اس نے ان میں اثر رکھ دیا۔ پس اس نے ان میں ڈال دی۔ اِعْقَابُ سے ماضی۔

نَجْوَاهُمْ: ان کی سرگوشیاں۔ ان کے خفیہ مشورے۔ اسم بھی ہے مصدر بھی

شان نزول: حضرت امامہ ہابلیؑ سے روایت ہے کہ ثعلبہ بن حاطب آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے (کثیر) مال عطا کرے۔ آپ نے فرمایا کہ اے ثعلبہ تجھ پر افسوس ہے! کیا تجھے میرا طریقہ پسند نہیں۔ اگر میں چاہتا کہ اللہ تعالیٰ ان پہاڑوں کو سونے کا بنا کر میرے ساتھ چلائے تو یہ ضرور چل پڑتے۔ اس نے (پھر) کہا کہ اے اللہ کے رسول آپ میرے لئے دعا کریں کہ وہ مجھے (کثیر) مال عطا کر دے پس قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے مال عطا

کر دیا تو میں ہر حق دار کو اس کا حق ضرور دوں گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ افسوس ہے تجھ پر اے ثعلبہ! وہ قلیل مال بہتر ہے جس کا تو شکر ادا کر سکے اس کثیر مال سے، جس کا شکر ادا کرنے کی تم طاقت نہ رکھ سکو۔ مگر اس نے پھر بھی یہی کہا کہ اے اللہ کے رسولؐ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ اس پر آپؐ نے اس کے لئے دعا فرمائی کہ اے اللہ! اس کو مال عطا فرما۔ چنانچہ اس دعا کے بعد اس نے بکریاں پالیں اور ان میں اتنی برکت ہوئی کہ وہ اس تیزی سے بڑھتی تھیں، جیسے کیزے بڑھ رہے ہوں۔ یہاں تک کہ اس کے لئے مدینہ میں جگہ تنگ پڑ گئی اور وہ شہر سے باہر جا بسا۔ اب وہ دن کی نمازیں تو آپؐ کے ساتھ پڑھتا تھا مگر رات کی نمازوں میں آپؐ کے ساتھ شرکت نہیں کرتا تھا۔

پھر جانوروں میں اور اضافہ ہوا اور وہ مزید دور چلا گیا۔ اب وہ آپؐ کے ساتھ نہ تو دن کی نمازوں میں حاضر ہوتا تھا اور نہ رات کی نمازوں میں۔ البتہ جمعہ کی نماز میں حاضر ہوتا تھا۔ پھر (بکریوں میں) مزید اضافہ ہوا اور موجودہ جگہ بھی تنگ ہوئی اور وہ مزید دور چلا گیا۔ اب وہ نہ جمعہ کی نماز میں آپؐ کے ساتھ حاضر ہوتا تھا اور نہ جنازے کی نماز میں شریک ہوتا تھا۔ مگر وہ سواروں سے مل کر خبریں دریافت کر لیا کرتا تھا۔

آپؐ نے اس کو نہ پا کر صحابہ سے پوچھا تو بتایا گیا کہ اس نے بکریاں خرید لی ہیں اور مدینہ میں (اس کی بکریوں کے لئے) جگہ تنگ پڑ گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا افسوس ہے ثعلبہ بن حاطب! افسوس ہے ثعلبہ بن حاطب!! پھر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صدقات وصول کرنے کا حکم دیا اور یہ آیت نازل ہوئی:

حُذِرْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةٌ تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلَّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ ۖ (التوبہ آیت ۱۰۳)

آپ ان کے مال میں سے صدقہ لے لیں تاکہ اس سے آپ ان (کے ظاہر و باطن) کو پاک اور صاف فرمائیں اور ان کے لئے دعا فرمائیں۔ بے شک آپ کی دعا ان کے لئے (باعث) تسکین ہے۔

چنانچہ آپؐ نے صدقات کی وصولی کے لئے دو اشخاص کو روانہ فرمایا۔ ان میں سے ایک جہینہ کا تھا اور دوسرا بنی سلمہ کا، اور انہیں ایک خط دیا جس میں آپؐ نے انہوں اور بکریوں کی عمریں لکھوا دیں اور یہ بھی لکھ دیا کہ صدقہ کس طرح وصول کرنا ہے اور ان دونوں کو ثعلبہ اور بنی سلیم کے ایک شخص کے پاس جانے کا حکم دیا۔

پھر وہ دونوں وہاں سے روانہ ہو کر (بھلے) ثعلبہ کے پاس پہنچے اور اس سے زکوٰۃ طلب کی۔ اس نے کہا کہ کیا تم مجھے اپنا خط دکھاؤ گے۔ پھر وہ خط دیکھ کر کہنے لگا کہ یہ تو جزیہ (کافروں پر عائد ہونے والا ٹیکس) ہے۔ تم (دوسرے شخص سے) فارغ ہو کر میرے پاس آنا۔ پھر وہ دونوں بنی سلیم کے شخص کے پاس چلے گئے۔ جب اس کو ان کی آمد کا مقصد معلوم ہوا تو اس نے بہترین اونٹ نکال کر سامنے دیئے۔ ان دونوں نے کہا کہ تم پر ایسے (بہترین) جانور دینا لازم نہیں۔ اس نے کہا کہ میں اللہ کے تقرب (رضا) کے لئے اپنا بہترین مال دے رہا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے وہ قبول کر لئے۔

وہاں سے فراغت پا کر وہ پھر ثعلبہ کے پاس آئے۔ اس نے پھر کہا کہ تم مجھے خط دکھاؤ۔ خط دیکھ کر کہنے لگا کہ یہ تو جزیہ ہے۔ تم جاؤ میں ذرا سوچ لوں۔ پھر وہ وہاں سے روانہ ہو کر مدینے آئے جب آپؐ نے ان دونوں کو دیکھا تو آپؐ نے ان کے بات کرنے سے پہلے ہی فرمایا: افسوس ہے ثعلبہ بن حاطب! اور سلیمی شخص کے حق میں برکت کی دعا فرمائی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰہَ..... تین آیات (روح المعانی ۱۴۳/۱۰، مظہری ۲۶۹، ۲۷۰/۴)

جب یہ آیات ثعلبہ کے قریبی عزیزوں نے سنیں تو انہوں نے اس کے پاس جا کر اس سے کہا کہ تجھ پر افسوس ہے ثعلبہ، تیرے بارے میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔ پھر وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی زکوٰۃ پیش کی۔ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تیرا مال قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ یہ سن کر وہ رونے لگا اور اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ تیرے اعمال کی سزا ہے۔ میں نے تو تجھے حکم دیا تھا مگر تو نے میری اطاعت نہیں کی۔ سو آپؐ نے اس کا مال قبول نہیں فرمایا۔ یہاں تک کہ وہ چلا گیا۔ پھر وہ (حضرت) ابو بکرؓ کے (دور میں ان کے) پاس آیا اور کہنے لگا کہ میری زکوٰۃ قبول کر لیں۔ انصار میں میرا جو مرتبہ ہے وہ آپؐ جانتے ہی ہیں۔ (حضرت) ابو بکرؓ نے فرمایا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری زکوٰۃ قبول نہیں فرمائی تو میں کیسے قبول کر لوں۔ چنانچہ انہوں نے اس کا مال قبول نہیں فرمایا۔

پھر جب حضرت عمرؓ امیر مقرر ہوئے تو وہ ان کے پاس آیا اور کہا کہ اے ابو حفص! اے امیر المؤمنین! آپؐ میرا مال قبول فرما لیجئے۔ مگر انہوں نے کہا کہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا اور نہ (حضرت) ابو بکرؓ نے تو میں کون ہوں؟ اس طرح حضرت عمرؓ نے بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر (حضرت) عثمانؓ امیر بنے تو انہوں نے بھی اس کا مال قبول نہیں

کیا اور وہ ان کی خلافت کے دور ان ہلاک ہو گیا۔

(روح المعانی ۱۳۳، ۱۳۴ / ۱۰، مظہری ۲۴۱، ۲۴۰ / ۴)

حسن بصریؒ اور مجاہدؒ کہتے ہیں کہ اس آیت کا نزول ثعلبہ اور معتب بن قشیر کے بارے میں ہوا۔ یہ دونوں بنی عمرو بن عوف کے خاندان سے تھے۔ قبیلے کے سرداروں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی کہ یہ دونوں ادھر سے گزرے اور ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں (مال) عطا فرمائے تو ہم ضرور صدقہ کریں گے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمادیا تو انہوں نے بخل کیا (اور زکوٰۃ بھی نہیں دی)۔

(مظہری ۲۴۱ / ۴، روح المعانی ۱۳۴ / ۱۰)

تشریح: منافقین میں سے کچھ لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و مہربانی سے ہمیں مال عطا فرمادے تو ہم خوب سخاوت کریں گے، اس میں سے فرض و مستحب صدقات بھی دیں گے، لوگوں کی بھلائی کے کلام بھی کریں گے اور حقداروں کو ان کا حق بھی دیں گے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و عنایت سے ان کو بہت سا مال دے دیا اور ان کو خوشحال بنا دیا تو وہ اس میں بخل کرنے لگے۔ اپنے عہد و پیمان سے پھر گئے اور اللہ کی اطاعت و فرماں برداری سے روگردانی کرنے لگے۔ یہاں تک کہ انہوں نے فرض زکوٰۃ دینے سے بھی انکار کر دیا۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کے بخل و نافرمانی، عہد شکنی اور جھوٹ کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق پختہ کر دیا، جو قیامت تک قائم رہے گا۔ یعنی اللہ نے قیامت تک ان کو توبہ سے محروم کر دیا۔ قیامت کے روز جب وہ اللہ سے ملیں گے اس وقت بھی وہ منافق ہوں گے۔

پھر فرمایا کہ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کے پوشیدہ ارادوں اور ان کی کانا پھوسی کو جو وہ اسلام کی مخالفت میں کرتے رہتے ہیں خوب جانتا ہے۔ اسے تو پہلے ہی معلوم تھا کہ یہ لوگ محض زبانی دعوے کرتے ہیں کہ اگر ہم مالدار ہو جائیں تو یوں شکر گزاری کریں گے، یوں خیراتیں کریں گے، یوں نیکیاں کریں گے۔ بلاشبہ وہ عالم الغیب ہے وہ ہر حاضر و غائب اور ظاہر و باطن سے خوب واقف ہے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۸۳ / ۳، مواہب الرحمن ۱۴۵، ۱۴۸ / ۱۰)

صدقات پر منافقوں کی طعنہ زنی

۸۰-۷۹ الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝

(یہ منافقین ایسے ہیں) جو ان مسلمانوں پر طعن کرتے ہیں جو دل کھول کر خیرات کرتے ہیں اور (خصوصیت کے ساتھ) ان لوگوں سے تمسخر کرتے ہیں جن کو محنت و مزدوری کے سوا کچھ میر نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر ہنسے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ آپ ان (منافقین) کے لئے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں۔ اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی بخشش طلب کریں گے تو بھی اللہ ان کو نہیں بخشے گا۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور اللہ ایسی نافرمان قوم کو ہدایت (کی توفیق) نہیں دیتا۔

يَلْمِزُونَ: وہ طعنہ دیتے ہیں۔ وہ عیب نکالتے ہیں۔ لَمَزَ سے مضارع۔

الْمُطَّوِّعِينَ: نفلی صدقات دینے والے۔ خیرات کرنے والے۔ تَطَوُّعٌ سے اسم فاعل۔

شان نزول: بغویؒ نے اپنی معجم میں اور ابوالشیخ نے حسنؒ سے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے لوگو! صدقہ دو۔

اے لوگو! صدقہ دو۔ میں قیامت کے روز تمہارے لئے اس کی گواہی دوں گا۔ آگاہ رہو! شاید تم میں

سے کوئی شخص بہت مالدار ہو اور اس کا پڑوسی مسکین ہو، کسی چیز کی قدرت نہ رکھتا ہو۔ آگاہ رہو!

ایک آدمی اپنی اونٹنی کے دودھ کا ایک بڑا پیالہ صبح کو (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے اور ایک پیالہ شام کو

(اللہ کی راہ میں) دیتا ہے اور صبح کے وقت اپنے گھر والوں کو ایک پیالہ دیتا ہے اور ایک پیالہ شام

کے وقت ان کو دیتا ہے۔ آگاہ ہو جاؤ! اللہ ان کا اجر بہت بڑا ہے۔

پس ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے پاس چار اونٹ ہیں۔ پھر ایک دوسرا شخص کھڑا ہو جو چھوٹے قد کا اور بد شکل تھا اور اس نے اپنی خوبصورت اونٹنی آگے بڑھ کر پیش کی۔ پھر منافقین میں سے ایک شخص نے آہستہ سے کہا اور اس کا خیال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات نہیں سنی کہ اس سے تو اس کی اونٹنی اچھی ہے۔ پس آپ نے اس کی بات سن لی اور فرمایا کہ تو جھوٹ کہتا ہے، وہ تجھ سے بھی بہتر ہے اور اس اونٹنی سے بھی۔

پھر عبدالرحمن بن عوف کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آٹھ ہزار (درہم یا دینار دونوں روایتیں آئی ہیں) ہیں جن میں سے چار ہزار میں اپنے گھر والوں کے لئے چھوڑ آیا ہوں اور چار ہزار اللہ تعالیٰ کے لئے پیش کرتا ہوں۔ انہوں نے جو کچھ پیش کیا منافقین نے اسے کثیر خیال کیا۔ پھر عاصم بن عدی انصاری کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے پاس کھجور کے ستر و سق (ایک پیمانہ جو تقریباً پانچ من پانچ سیر کا ہوتا ہے) ہیں (میں وہ پیش کرتا ہوں)۔ منافقوں نے اسے بھی کثیر سمجھا اور کہا کہ اس نے چار ہزار ریاکاری کے لئے دیئے ہیں اور اس نے بھی ستر و سق ریاکاری اور شہرت کے لئے دیئے ہیں۔ پس ان دونوں نے خفیہ طور پر کیوں نہیں دیا؟ انہوں نے الگ الگ کیوں نہیں دیا؟

پھر ایک انصاری صحابی کھڑے ہوئے جن کا نام حجاب اور کنیت ابو عقیل تھی۔ ابن کثیر نے ان کا نام حباب لکھا ہے۔ ان کے نام میں کافی اختلاف ہے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس کچھ مال نہیں سوائے اس کے کہ گزشتہ شب میں نے فلاں قبیلے میں دو صاع کھجور کے بدلے مزدوری کی تھی (صاع ایک پیمانہ ہے جو ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے) اور اپنی گردن پر بوجھ اٹھایا تھا۔ پس میں نے اس میں سے ایک صاع اپنے گھر والوں کے لئے چھوڑ دیا اور ایک صاع لے آیا ہوں اور اس کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ منافقین نے اس کا بھی مذاق اڑایا اور کہا کہ اونٹوں والے اونٹ لائے اور چاندی والے چاندی لے کر آئے اور یہ چند کھجوریں اٹھا کر لایا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(روح المعانی ۱۴۶ / ۱۰، ابن کثیر ۳۷۵ / ۲)

تشریح: یہ منافق نہایت بد خصلت ہیں۔ ہر شخص میں عیب نکالتے ہیں خواہ کوئی نئی ہو یا بخیل۔ اگر کوئی شخص اللہ کی راہ میں ایک بڑی رقم صدقہ کرتا ہے تو یہ اس کو ریاکار کہتے ہیں اور اگر

کوئی غریب و مسکین آدمی مالی وسعت نہ ہونے کی بنا پر تھوڑی سی چیز صدقہ کرتا ہے تو یہ لوگ اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ تو کجس ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے صدقے کی کیا ضرورت ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو صدقہ و خیرات کی ترغیب دی تو بعض صحابہ نے تو بہت سامان پیش کیا۔ ان لوگوں کے بارے میں منافقوں نے کہا کہ یہ تو دکھاوے اور شہرت کے لئے لائے ہیں۔ بعض لوگ غریب و نادار تھے، محنت و مزدوری کرتے تھے، اس لئے وہ بہت کمال لے کر حاضر ہوئے۔ ایک صحابی صرف ایک صاع (ساڑھے تین سیر) کھجور لے کر حاضر ہوئے، اس پر منافقین نے ان پر طعنہ زنی کی اور کہا کہ اللہ اور رسول کو ایک صاع کی کیا ضرورت ہے۔ جس طرح یہ منافقین یہاں غریب مومنوں کا مذاق اڑاتے ہیں اسی طرح قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان منافقوں کا مذاق اڑائے گا اور ان کو دردناک عذاب سے دوچار کرے گا۔

لہذا ان تمسخر کرنے والے منافقوں کے حق میں آپ دعائے مغفرت نہ کریں، کیونکہ اگر آپ ان کے حق میں ستر دفعہ بھی مغفرت طلب کریں گے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا، اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور مومنوں کا تمسخر اڑایا۔ اللہ تعالیٰ ایسے بدکاروں کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔

(ابن کثیر ۳/ ۳۷۶، ۳۷۷، ۲/ ۳۸۳، ۳۸۴، ۳/ ۳۸۳)

متخلفین منافقین کا دردناک انجام

۸۱-۸۲، فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلْفَ رَسُولِ اللَّهِ وَكَرِهُوا أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ ۖ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا ۖ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۖ

رسول اللہ کے (غزوہ تبوک کے لئے) جانے کے بعد پیچھے رہ جانے والے اپنے (بہانہ کر کے) بیٹھے رہنے پر خوش ہو گئے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان

سے جہاد کرنا ان کو ناگوار ہو اور (دوسروں کو بھی) کہنے لگے کہ تم گرمی میں مت نکلو۔ آپ کہہ دیجئے کہ دوزخ کی آگ تو (اس سے) بہت زیادہ گرم ہے۔ کاش وہ (اس بات کو) سمجھتے۔ سو وہ (دنیا میں) تھوڑا سا نرس لیں اور ان کا سوں کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے (آخرت میں) بہت رونا ہو گا۔

فَلْيُضْحَكُوا: پس ان کو ہنسنا چاہئے۔ ضحک سے امر غائب۔

لْيَبْكُوا: ان کو چاہئے کہ وہ رونیں۔ بکاء سے امر غائب۔

جَزَاءً: جزا دینا۔ بدلہ دینا۔ سزا دینا۔ مصدر ہے۔

تشریح: غزوہ تبوک کے موقع پر، کچھ لوگ سخت گرم موسم کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تھے۔ انہوں نے جھوٹے عذر بنا کر آپ سے رخصت لے لی تھی۔ پھر وہ اپنے گھروں میں ہی بیٹھے رہنے پر خوش تھے۔ وہ اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرنے سے نہ صرف یہ کہ خود ہلوتی کر رہے تھے بلکہ وہ دوسروں کو بھی موسم کی شدت اور سفر کی طوالت کا خوف دلا کر جہاد سے روک رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کو بتا دیجئے کہ تم اپنی بدکرداری اور بد باطنی سے جہنم کی جس آگ کے مستحق ہو رہے ہو وہ موسم کی شدت و حرارت سے کہیں زیادہ گرم ہے۔ اگر یہ لوگ اس بات کو سمجھ لیتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور نافرمانی کے نتیجہ میں دوزخ کی جس آگ میں جلنا پڑے گا وہ موسم کی گرمی اور دنیا کی آگ سے بہت زیادہ گرم ہوگی تو وہ دوزخ کی آگ سے بچنے کے لئے خوشی خوشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں نکلتے اور اپنی جان و مال کو اللہ کی راہ میں فدا کرتے۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری یہ آگ دوزخ کے ستر اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔ پھر بھی یہ سمندر کے پانی میں دو دفعہ بکھائی ہوئی ہے ورنہ تم اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکتے۔

حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز اہل دوزخ میں سب سے کم عذاب والا وہ ہو گا جس کے دونوں پاؤں میں تسے سمیت آگ کی دو جوتیاں ہوں گی، جس سے اس کا دماغ، منڈیا کی طرح کھول رہا ہو گا اور وہ سمجھ رہا ہو گا کہ سب سے زیادہ سخت عذاب اسی کو ہو رہا ہے، حالانکہ حقیقت میں سب سے ہلکا عذاب اسی کا

ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ دنیاوی زندگی تو بہت تھوڑی سی ہے، لہذا اس میں یہ لوگ جتنا چاہیں، بس لیں، پھر آخرت کی زندگی میں تو ان کے لئے رونا ہی رونا ہے جو کبھی ختم نہ ہو گا۔ یہ ان کی بد اعمالیوں کی سزا ہے۔

آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لوگوں کو دنیا میں کم ہنسنا چاہئے، کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے اور دنیا میں اللہ کے خوف سے زیادہ رونا چاہئے تاکہ گناہوں کی تلافی ہو جائے۔ کیونکہ رونے سے گناہ ساقط ہو جاتے ہیں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو تم کم ہنستے اور زیادہ روتے۔

ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مومن بندہ اللہ کے خوف سے اپنی آنکھوں سے آنسو نکالتا ہے خواہ وہ آنسو مکھی کے سر کے برابر ہوں پھر آنسو نکلنے سے اس کو دکھ پہنچتا ہے تو اللہ اس کو دوزخ پر حرام کر دیتا ہے۔

(ابن کثیر، ۲/۳۷۷، مظہری ۲/۲۷۵)

منافقوں کو جہاد میں لے جانے کی ممانعت

۸۳۔ فَإِنْ رَجَعَكَ اللَّهُ إِلَى طَائِفَةٍ مِنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوكَ لِلْخُرُوجِ فَقُلْ لَنْ تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَنْ تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا إِنَّكُمْ رَضِيتُمْ بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخُلَفَاءِ ۝

سو (اے رسول) اگر اللہ تعالیٰ آپ کو ان (منافقین) کے کسی گروہ کی طرف پھر لے جائے اور یہ لوگ (کسی جہاد میں) چلنے کی اجازت مانگیں تو آپ کہہ دیجئے کہ تم میرے ساتھ کبھی نہ چلو گے اور نہ میرے ساتھ مل کر کبھی کسی دشمن سے لڑو گے تم نے تو پہلے بھی بیٹھے رہنے کو ہی پسند کیا تھا۔ سو تم اب بھی بیٹھے رہ جانے والوں ہی کے ساتھ بیٹھے رہو۔

تشریح: اس آیت میں منافقوں کو آئندہ کسی جہاد میں لے جانے کی ممانعت فرمادی گئی۔

چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ آپؐ کو اس غزوہ سے امن و سلامتی اور خیر و عافیت کے ساتھ مدینہ منورہ واپس پہنچادے اور اس کے بعد کوئی دوسرا امر پیش آجائے اور ان منافقوں میں سے کچھ لوگ آپ کے پاس آکر اس دوسرے غزوے میں جانے کی اجازت طلب کریں تو آپ ان کو سزا دینے کے لئے صاف صاف بتا دیجئے کہ تم لوگ نہ تو میرے ساتھ جہاد کے لئے نکل سکتے ہو اور نہ میرے ساتھ رہ کر دشمنوں سے لڑ سکتے ہو۔ جب تم پہلی دفعہ اپنے گھروں میں بیٹھے رہنے پر خوش رہے تو اب بھی بلا عذر پیچھے رہنے والوں کے ساتھ عورتوں کی طرح گھر میں ہی بیٹھے رہو۔ اب تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔

منافقوں کی نمازِ جنازہ کی ممانعت

۸۴-۸۵ وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ ۚ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَسِقُونَ ۝ وَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَن يُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ۝

اور (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) ان میں سے کوئی مرجائے تو آپ کبھی اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھئے اور نہ اس کی قبر پر (جا کر) کھڑے ہونا۔ (کیونکہ) بیشک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور وہ نافرمانی کرتے کرتے مر گئے اور ان کے مال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں۔ اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ (ان چیزوں سے) ان کو دنیا میں عذاب دے اور ان کا دم بھی کفر کی حالت میں نکلے۔

تَوَلَّيْتُ : تو نماز پڑھ۔ تو دعاء کر۔ تَصَلَّيْتُ : سے مضارع۔

تَقُمْ : تو کھڑا ہو۔ قِيَامٌ : سے مضارع۔

تَزْهَقُ : وہ نکل جائے۔ وہ مٹ جائے۔ زَهْوَقٌ : سے مضارع۔

شانِ نزول : بخاری شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب عبد اللہ بن ابی کا انتقال ہوا تو اس کے بیٹے حضرت عبد اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں حاضر ہو کر اپنے باپ کے کفن کے لئے ایک کرتہ عطا فرمانے کی درخواست کی۔ آپ نے اس کو عطا فرمادیا۔ پھر انھوں نے (اپنے باپ کی) نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی تو آپ نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ پھر حضرت عمرؓ نے آپ کا کپڑا پکڑ کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ نے تو آپ کو اس کی نماز پڑھانے سے منع فرمادیا ہے۔ آپ نے فرمایا، اللہ نے مجھے اختیار دے دیا ہے۔ **اِسْتَفِیْرَ لَھُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرَ لَھُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرَ لَھُمْ سَبْعِیْنِ مَرَّۃً**.....

اور میں ستر دفعہ سے زیادہ اس کے لئے دعاء مغفرت کروں گا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یہ تو منافق تھا مگر آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھا دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(روح المعانی ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۰/۱۵۳، مظہری ۲۷۶/۳)

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقوں سے بالکل بے تعلق ہو جانے کا حکم دیا ہے۔ چونکہ یہ لوگ کفر و فسق اور نافرمانی و سرکشی کی حالت پر زندہ رہے اور اسی حالت میں مرے، اس لئے ان کا معاملہ مسلمانوں جیسا نہیں۔ گو ظہری اعتبار سے وہ مسلمان تھے۔ ان کی قبریں اللہ کے غضب اور قہر کا محل ہیں۔ اس لئے مومن کے لئے جائز نہیں کہ وہ ایسی جگہ جہاں اللہ کا قہر نازل ہو رہا ہو وہاں ایک منٹ کے لئے بھی کھڑا ہو۔ لہذا نہ تو ایسے بد بختوں کی نماز جنازہ پڑھنے کی ضرورت ہے اور نہ ان کی قبروں پر جا کر ان کے لئے مغفرت کرنے کی ضرورت ہے۔ اس آیت کے نزول کے بعد منافق کا جنازہ پڑھنا قطعاً ممنوع ہو گیا۔ چنانچہ اس کے بعد آپ نے کبھی کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

ان منافقوں کا مال و اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالے کہ مغضوب خدا ہونے کے باوجود ان کو یہ نعمتیں کیسے عطا ہوئیں۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کو مال و اولاد میں جو ترقی دے رکھی ہے وہ اس لئے نہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے مقبول و منتخب بندے ہیں بلکہ یہ تو ان کے لئے محض ایک ڈھیل اور مہلت ہے جو حقیقت میں وہاں ہے۔ یہ لوگ دولت جمع کرنے اور اولاد کی دیکھ بھال کے لئے طرح طرح کی فریب کاریاں کرتے ہیں، دکھ اٹھاتے ہیں اور سختیاں جھیلتے ہیں۔ اس لئے اس مال کو خرچ کرنا انہیں ناگوار ہوتا ہے۔ اور جس کے پاس مال نہیں وہ حسرت و افسوس کرتا ہے۔ غرض مال و اولاد کا ہونا یا نہ ہونا دونوں صورتوں میں ان پر عذاب ہی عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول و محبوب ہونے کا ذریعہ صرف اس کی کامل اطاعت ہے

نہ کہ مال و دولت - (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۸۷، ۳۸۹ / ۳، مواہب الرحمن ۱۸۵، ۱۸۶ / ۱۰)

جہاد سے جی چرانے والے

۸۶-۸۹ وَإِذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ أَنْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ اسْتَأْذَنَكَ أُولُوا الطَّلُوفِ مِنْهُمْ وَقَالُوا ذَرْنَا نَكُنْ مَعَ الْقُعْدِيِّينَ ○ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ○ لَكِنَّ الرَّسُولَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ○ وَأُولَئِكَ لَهُمُ الْخَيْرُ تَزَوَّالُونَ ○ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ○ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ○

اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ہمراہ (کافروں سے) جہاد کرو تو ان میں سے مقدور والے آپ سے (جہاد میں شرکت سے) رخصت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجئے تاکہ ہم بھی یہاں بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہیں۔ وہ لوگ خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہو گئے اور ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی سودہ گھبتے ہی نہیں۔ لیکن رسول اور وہ لوگ جو اس پر ایمان لائے، انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا اور انہی کے لئے سب بھلائیاں ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

الطَّلُوفُ: مال - دولت - مہر - وسعت

ذَرْنَا: تو، ہم کو چھوڑ دے - وَذَرَّ عَمْرٍ -

الْخَوَالِفُ: پیچھے رہنے والیاں - وَاحِدٌ خَالِفٌ ○

طَبَعَ: مہر کردی گئی۔ بندش کردی گئی۔ طَبَعَ سے ماضی مجہول۔
 اَعَدَّ: اس نے تیار کیا۔ اَعَدَّ سے ماضی۔

تشریح: ان آیتوں میں بھی ان منافقین کا حال بیان کیا گیا ہے جو غزوہ تبوک میں شریک ہونے سے حیلہ بہانے کر کے رک گئے تھے۔ جو لوگ طاقت و قوت اور وسعت ہونے کے باوجود جہاد کے لئے نکلنے سے جی چراتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا حکم سننے کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر جہاد سے پیچھے رہ جانے کی اجازت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ ہمیں تو گھر میں بیٹھے رہنے والوں ہی کے ساتھ چھوڑ دیجئے۔ یہ لوگ راحت پسندی کی بنا پر گھروں میں بیٹھنے والی عورتوں کے ساتھ رہنے پر خوش ہیں۔ اگر یہ لوگ اطاعت گزار ہوتے اور جہاد کی برکات و سعادت کو سمجھتے تو جہاد کے لئے ضرور نکلتے۔ یہی ان کے لئے بہتر تھا۔ مگر ان کے دلوں پر تو بد اعمالیوں کی مہر لگ چکی ہے۔ اب ان میں اپنے نفع و نقصان کو سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی۔ ان کے گھروں میں بیٹھے رہنے اور جہاد کے لئے نہ نکلنے سے اسلام کا کوئی نقصان نہیں ہوا، اس لئے کہ ان سے بہتر اور افضل لوگوں نے اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کیا۔ انہی لوگوں کے لئے دونوں جہان میں ہر قسم کی خیر و خوبی اور بھلائی ہے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ انہی کے لئے ایسے باغات تیار کئے گئے ہیں جن کے نیچے ہنریں بہتی ہیں۔ یہ لوگ ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ (ابن کثیر ۳۸۰/۲)

منافقین کا عذرِ کاذب

۹۰۔ وَجَاءَ الْمُعَذِّرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا اللَّهَ وَرُسُولَهُ سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

اور صحرائیوں میں سے بھی کچھ بہانہ کرنے والے آئے تاکہ ان کو بھی (گھر میں رہنے کی) اجازت مل جائے اور جہنوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا وہ تو بالکل ہی بیٹھے رہے (آئے تک نہیں) سو ان میں سے کافروں کو دردناک عذاب ہو گا۔

تشریح: غزوہ تبوک کے وقت کچھ لوگ دیہاتوں سے آئے جنہوں نے قلت مال اور کثرت عیال کا عذر پیش کیا، تاکہ ان کو جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت مل جائے۔ یہ قبیلہ بنو غفار کے لوگ تھے۔ ان دیہاتیوں میں سے کچھ ایسے بھی تھے جو اپنے گھروں پر ہی بیٹھے رہے۔ انہوں نے آپ کے پاس آکر اپنے نہ جانے کا عذر بھی پیش نہیں کیا کیونکہ انہوں نے اسلام کا جھوٹا دعویٰ کر کے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ بولا تھا۔ ان میں سے جو لوگ آخر تک اپنے کفر پر قائم رہے ان کو آخرت میں دردناک عذاب ہو گا اور جو لوگ توبہ کر لیں گے وہ عذاب سے بچ جائیں گے۔ (روح المعانی ۱۵۷/۱۰)

مومنین کا عذر صادق

۹۱-۹۳، لَيْسَ عَلَى الضَّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يَنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا اتَّوَكَّلْتَ لْتَخِمْلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۖ تَوَلَّوْا وَأَعْيَيْنُهُمْ تَفِيضٌ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يَنْفِقُونَ ۝ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَستَازِلُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ رِضْوَانًا يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ ۖ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

ضعیفوں اور مریضوں پر کوئی الزام نہیں اور نہ ان پر (کوئی الزام ہے) جن کو سفر خرچ میر نہیں۔ بشرطیکہ وہ گھر بیٹھ کر اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کرتے ہوں۔ ان نیکو کاروں پر کوئی الزام نہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور نہ ان پر کچھ الزام ہے جو آپ کے پاس سواری لینے کے لئے آئے تھے اور آپ نے ان سے کہہ دیا تھا کہ میرے پاس تمہیں سوار کرانے کے لئے کچھ نہیں تو وہ آنکھوں سے اس غم میں آنسو بہاتے ہوئے واپس لوٹ گئے کہ ان کو سفر خرچ میر نہیں۔ الزام تو صرف ان لوگوں پر ہے جو مالدار ہونے کے باوجود آپ

سے رخصت ملگتے ہیں۔ وہ لوگ تو خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہنے پر راضی

ہو گئے اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی سو وہ جلتے ہی نہیں۔

لِتَحْمِلَهُمْ: تاکہ تو ان کو سوار کر دے۔ حَمْلٌ سے مضارع۔

أَجْدُ: میں پاتا ہوں۔ وَجَدْتُ سے مضارع۔

تَفِيضٌ: وہ بہتی ہے۔ وہ جاری ہوتی ہے۔ فَيْضٌ سے مضارع۔

الدَّمَعُ: آنسو۔ جمع دُمُوعٌ۔

حَزَنًا: رنج دینے والا۔ غم دینے والا۔

شان نزول: ابن ابی حاتم اور دارقطنی نے بیان کیا کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے فرمایا کہ

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب تھا اور سورۃ برأت لکھ رہا تھا۔ پس (اس وقت) میں نے

قلم کو اپنے کان پر رکھا ہوا تھا جب ہمارے لئے قتال کا حکم نازل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم وحی کے منتظر تھے کہ آگے کیا حکم نازل ہوتا ہے کہ اتنے میں ایک نابینا شخص آپ کے پاس آیا

اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نابینا ہوں۔ میرے بارے میں کیا حکم ہے۔ اس

وقت یہ آیت لَیْسَ عَلَی الضُّعَفَاءِ..... نازل ہوئی۔

(روح المعانی ۱۵۸/۱۰، مظہری ۲۷۹/۴)

بغوی نے لکھا ہے کہ قتادہ نے کہا کہ اس آیت کا نزول حضرت عابد بن عمروؓ اور ان کے

ساتھیوں کے بارے میں ہوا تھا۔ ضحاکؓ نے کہا کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ کے بارے

میں نازل ہوئی جو نابینا تھے۔ (مظہری ۲۷۹/۴)

تشریح: ان آیتوں میں شرعی عذروں کا بیان ہے۔ اگر کوئی شخص ان عذروں کے ہوتے

ہوئے جہاد میں نہ جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اس آیت کی رو سے جو لوگ کسی شرعی عذر کی بنا

پر جہاد میں شرکت سے مستثنیٰ ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ کمزور و ناتواں لوگ۔ یعنی بوڑھے مہچے، عورتیں اور نحیف و کمزور لوگ جو جہاد کی

مشقت کو برداشت نہیں کر سکتے۔

۲۔ بیمار، معذور۔ اس میں اندھے، لنگڑے اور لو لے بھی داخل ہیں۔

۳۔ غریب و نادار۔ جن کے پاس سواری اور ہتھیار نہ ہوں اور نہ ان کے پاس اتنے پیسے

ہوں کہ وہ ان سے سامان جہاد مہیا کر سکیں۔

ایسے لوگوں پر جہاد سے پیچھے رہ جانے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وہ دل و جان سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر خواہی کرتے رہیں، مجاہدین کے اہل و عیال کی حفاظت کرتے رہیں اور دوسرے لوگوں کو جہاد کی ترغیب دیتے رہیں۔ ان لوگوں کو جہاد سے پیچھے رہ جانے پر اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا۔ الزام و ملامت تو صرف ان لوگوں پر ہے جو مالدار ہیں اور زادِ راہ اور سواری ہونے کے باوجود آپ سے جہاد میں نہ جانے کی اجازت مانگتے ہیں۔ یہ لوگ تو گھروں میں بیٹھنے والی عورتوں کے ساتھ رہنے پر ہی خوش ہیں۔ اگر یہ لوگ جہاد کی برکات کو سمجھتے تو ضرور اس کے لئے نکلتے، مگر اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے۔ اب ان میں اپنے نفع و نقصان کو سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی۔

ابن جریرؒ اور ابن مردودہؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے نیز ابن جریرؒ نے محمد بن کعب قرظیؒ کی روایت سے اور ابن اسحاقؒ اور ابن المنذرؒ نے زہری بن یزید رومانؒ، عبد اللہ بن ابی بکرؒ اور قتادہؒ کے حوالے سے بیان کیا کہ صحابہ کی ایک جماعت (غزوہ تبوک کے موقع پر) سواریاں طلب کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی یہ سب تنگ دست اور محتاج تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی سے رہ جانا بھی نہیں چاہتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میرے پاس سواریاں نہیں ہیں کہ سوار ہونے کے لئے تمہیں دے سکوں۔ یہ لوگ روتے ہوئے اس رنج کے ساتھ واپس چلے گئے کہ ان کے پاس خرچ کے لئے کچھ بھی نہیں ہے (اور رسول اللہ کے پاس بھی کوئی زائد سواری نہیں ہے)۔ مظہری ۲۸۰ / ۴۔

منافقین کا عذر قبول کرنے کی ممانعت

۹۳-۹۶ یَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ ۖ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُونَ وَاللَّيْنُ نُؤْمِنُ لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ ۖ وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ سَيُحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لَنُغَرِّضَنَّ عَنْهُمْ ۖ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ إِنَّهُمْ رَجُوسٌ وَمَا لَهُمْ جَهَنَّمَ ۖ جزاء بما كانوا يكسبون ۝ يَحْلِفُونَ

لَكُمْ لَتَرْضَوْا عَنْهُمْ: فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَى
عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ۝

جب تم (جہاد سے لوٹ کر) ان کے پاس جاؤ گے تو یہ لوگ تم سب کے سامنے
عذر پیش کریں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم عذر پیش نہ کرو۔ ہم ہرگز تمہاری بات
نہیں مانیں گے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے سب حالات، ہمیں بتا چکا ہے اور ابھی تو اللہ
اور اس کا رسول تمہارے عمل کو دیکھے گا۔ پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے
جو پوشیدہ اور ظاہر سب کا جاننے والا ہے۔ پھر وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کیا
کرتے تھے۔ جب تم ان کے پاس لوٹ کر جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے اللہ کی
قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے درگزر کرو۔ سو تم ان سے منہ پھیر لینا کیونکہ
وہ بالکل ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ (یہ) ان کاموں کا بدلہ ہے جو وہ
(دنیا میں) کیا کرتے تھے۔ تمہیں راضی کرنے کے لئے وہ قسمیں کھائیں گے۔
پھر اگر تم ان سے خوش ہو بھی جاؤ تو اللہ تعالیٰ تو نافرمان لوگوں سے راضی نہیں
ہوتا۔

تُرَدُّوْنَ: تم لوٹائے جاؤ گے۔ تمہیں پھیرا جائے گا۔ رَدُّ سے مضارع مجہول۔
اُنْقَلَبْتُمْ: تم لوٹ گئے۔ تم پھر گئے۔ اِنْقِلَابٌ سے ماضی۔
لَتُعْرَضُوا: تاکہ تم اعراض کرو۔ تاکہ تم ان سے درگزر کرو۔ اِعْرَاضٌ سے مضارع۔
رَجُسٌ: ناپاک۔ گندہ۔ عذاب۔ جمع اَرْجَاسٌ
مَا وَهَّمُ: ان کے رہنے کی جگہ۔ ان کا ٹھکانا۔ اُوْیٌ سے اسم ظرف۔

تشریح: یہ آیتیں غزوہ تبوک سے واپس آنے سے پہلے نازل ہوئیں۔ ان میں آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم کو منافقوں کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ آپ کی واپسی کے بعد آپ کے پاس
آکر غزوہ تبوک میں اپنے شریک نہ ہونے کے بارے میں عذر پیش کریں گے اور قسمیں کھا کر آپ
کو یقین دلائیں گے۔ مگر آپ ان کو صاف صاف بتا دیجئے کہ اب کسی قسم کے عذر کی ضرورت نہیں
اللہ تعالیٰ نے تمہاری باطنی حالت سے ہمیں آگاہ کر دیا ہے۔ لہذا اب ہم تمہاری کسی بات کا یقین
نہیں کریں گے اور نہ تمہارا کوئی عذر قبول کریں گے۔

اگر تم اپنے سچا ہونے پر اصرار کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول آئندہ تمہارے طریقے

عمل کو دیکھیں گے کہ آیا تم اپنے نفاق سے توبہ کر کے سچے مومن بنتے ہو یا اپنے نفاق پر قائم رہتے ہو اور اسی کے مطابق تمہارے ساتھ معاملہ کیا جائے گا۔ پھر قیامت کے روز تم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو تمہارے اعمال اور تمام پوشیدہ خیالوں سے واقف ہے۔ پھر وہ تمہیں تمہارے اعمال سے آگاہ کرے گا اور تمہارا نفاق ظاہر کر دے گا۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جب آپ غزوہ سے لوٹ کر ان کے پاس جائیں گے تو وہ آپ کے پاس آکر قسمیں کھائیں گے اور اپنے عذر بیان کریں گے تاکہ آپ ان سے اعراض کر لیں اور ان پر غصہ نہ کریں۔ سو آپ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔ بلاشبہ وہ نہایت پلید اور گندے ہیں۔ ان کے راہ راست پر آنے کی امید نہیں اس لئے ان کے کفر و نفاق کی سزائیں ان کا ٹھکانا جہنم ہے سو ایسے لوگوں سے میل جول کی ضرورت نہیں۔

یہ لوگ تمہارے سامنے اس لئے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان کی باتوں پر یقین کر کے ان سے راضی ہو جاؤ اور ان کے ساتھ پہلے جیسا سلوک کرنے لگو۔ اگر بالفرض تم ان سے راضی بھی ہو جاؤ تب بھی اللہ تعالیٰ ان بدکاروں سے راضی نہ ہو گا کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو دھوکہ نہیں دے سکتے اور نہ اس سے اپنی حالت چھپا سکتے ہیں۔ لہذا اللہ کی ناراضگی کے ہوتے ہوئے تمہاری رضا مندی ان کو کچھ فائدہ نہ دے گی۔ ان پر دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب ضرور آئے گا۔

(معارف القرآن ۴۴۲، ۴۴۵ / ۴، مواہب الرحمن ۱، ۳ / ۱۱)

دیہات کے منافقین کی مذمت

۹۷-۹۸ الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَأَجْدَرُ أَلَّا يَعْلَمُوا حُدُودَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَيَتَرَبَّصُّ بِكُمُ الدَّوَائِرَ ۚ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

دیہات کے لوگ کفر و نفاق میں بہت سخت ہیں اور ان کو ایسا ہونا ہی چاہئے کہ وہ ان احکام کو نہ جانیں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں اور اللہ تعالیٰ خبردار (اور) حکمت والا ہے۔ اور دیہات کے بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو

کچھ وہ خرچ کرتے ہیں تو اس کو تاوان سمجھتے ہیں۔ اور تمہارے لئے زمانے کی گردشوں کے منتظر رہتے ہیں۔ اور برا وقت انہی (منافقین) پر پڑنے والا ہے اور اللہ خوب سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔

أَعْرَابٌ: یہ لفظ عرب کی جمع نہیں بلکہ یہ اسم جمع ہے جو دیہات کے باشندوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس کا مفرد **أَعْرَابِيٌّ** ہے۔

أَجْدَرُ: زیادہ اہل۔ زیادہ لائق۔ **جَذْرَةٌ** سے اسم تفصیل۔

مُغْرَمًا: جرمانہ۔ تاوان۔ غم سے مصدر مسمیٰ۔ جمع **مُغْرَمٌ**۔

يَتَرَبَّصُّ: وہ راہ دیکھتا ہے۔ وہ انتظار کرتا ہے۔ **تُرْبُصٌ** سے مضارع۔

الدَّوَائِرُ: گردشیں۔ مصائب۔ دائرے۔ واحد **دَائِرَةٌ**۔

السَّوْءُ: برا ہونا۔ مصدر ہے۔

تشریح: مدینہ کے مضافات و دیہات کے رہنے والوں میں منافقین بھی تھے اور مومنین بھی

ان آیتوں میں دیہات کے منافقین کا ذکر ہے کہ ان کا کفر و نفاق دوسروں کے مقابلے میں بہت زیادہ اور شدید ہوتا ہے۔ وہ لوگ علم سے بھی دور ہوتے ہیں اور علماء کرام کی صحبت بھی ان کو میسر نہیں ہوتی۔ اس لئے ان کے دل سخت ہوتے ہیں اور وہ اللہ کی نازل کردہ حدود اور احکام سے بے خبر رہتے ہیں۔

اگر یہ لوگ اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرتے ہیں تو اس کو تاوان اور نقصان سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے دلوں میں ایمان نہیں۔ یہ لوگ محض اپنے کفر و نفاق کو چھپانے کے لئے نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ بھی دیتے ہیں۔ مگر دل میں کڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ مال ضائع ہو گیا۔ اس لئے یہ لوگ اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ کسی طرح مسلمانوں پر کوئی مصیبت آجائے یا وہ کسی حادثے سے دوچار ہو جائیں اور دشمن ان پر غلبہ پالے تاکہ وہ اس تاوان سے نہات حاصل کر لیں۔ لیکن یہ حوادث و مصائب گھوم پھر کر انہی پر نازل ہوں گے اور یہ اپنے افعال و اقوال کی بنا پر اور زیادہ ذلیل و رسوا ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی پکار کو سننے والا ہے۔ وہ اس بات کو خوب جانتا ہے کہ ذلت و نامرادی کا مستحق کون ہے اور نصرت و کامیابی کا سزاوار کون۔

(معارف القرآن ۴/۴۴، ابن کثیر ۳/۳۸۳)

بغوی نے لکھا ہے کہ یہ آیت بنی اسد، بنی غطفان اور بنی تمیم کے صحرا نشینوں کے حق میں

نازل ہوئی۔ ابو الشیخ نے کبھی کاہی بیان نقل کیا ہے، مگر اس میں بنی تمیم کا ذکر نہیں۔

(مظہری ۲۸۳ / ۳)

رحمتِ خداوندی کی بشارت

۹۹۔ وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرْبًا عِنْدَ اللَّهِ وَصَلَوَاتِ الرَّسُولِ ۚ أَلَا إِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ سَيُدْخِلُهُمُ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

اور دیہات کے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اپنے خرچ کرنے کو اللہ کا قرب حاصل ہونے کا ذریعہ اور رسول کی دعا کا وسیلہ شمار کرتے ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ! ان کا یہ خرچ کرنا ان کے لئے موجبِ تقرب ہے۔ بہت جلد اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا (اور) مہربان ہے۔

تشریح: دیہات کے تمام باشندے ایک جیسے نہیں ہوتے ان میں مخلص مسلمان اور کچھ دار لوگ بھی ہیں جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور زکوٰۃ و صدقات اس امید پر دیتے ہیں کہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں حاصل کریں۔ ان لوگوں کا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا یقیناً قربِ خداوندی کا سبب ہو گا اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ بلاشبہ وہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

یہ آیت قبائلِ مضر، اسلم، غفار اور جہنیہ کے بارے میں نازل ہوئی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے تھے اور ثواب کی نیت سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۹۸ / ۳)

سبقِ والے مہاجرین و انصار

۱۰۰۔ وَالشُّبُّوْنَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ

اتَّبِعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَاضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ
جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ
الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝

اور جو مہاجرین اور انصار (ایمان لانے میں سب سے) مقدم ہیں اور (باقی امت
میں سے) جو لوگ نیکی میں ان کی پیروی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے
راضی ہو گیا اور وہ اس (اللہ) سے راضی ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے
ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ
رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

تشریح: السَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ میں اکثر مفسرین
نے حرف ”من“ کو تبعیض کے لئے قرار دیا ہے۔ جس سے صحابہ کرام کے دو طبقے ہو گئے؛ ایک
سابقین اولین کا طبقہ جو پہلے درجے میں ہیں اور دوسرا باقی صحابہ کرام کا جو دوسرے درجے میں ہیں
سابقین اولین کے بارے میں بھی مختلف اقوال ہیں۔ سعید بن مسیب، قتادہ اور ابن سیرین وغیرہ
کے نزدیک مہاجرین میں سے سابقین اولین وہ لوگ ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز
پڑھی۔ یعنی جو لوگ تحویل قبلہ سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ وہ سابقین اولین ہیں ان کے علاوہ
باقی لوگ دوسرے درجے میں ہیں۔

عطا بن ابی ربیع کے نزدیک سابقین اولین سے وہ صحابہ مراد ہیں جو غزوہ بدر میں شریک
ہوئے۔ ان کے بعد باقی لوگ دوسرے درجے میں ہیں۔

علامہ شعبی فرماتے ہیں کہ جو صحابہ واقعہ حدیبیہ کے موقع پر بیعت رضوان میں شریک
ہوئے وہ سابقین اولین ہیں۔ باقی لوگ دوسرے درجے میں ہیں۔

بعض کے نزدیک صرف وہ آٹھ صحابی مراد ہیں جو سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔ یعنی
حضرت ابو بکر، حضرت زید بن حارثہ، حضرت عثمان بن عفان، حضرت زبیر بن عوام، حضرت علی،
حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم

اسحاق بن ابراہیم حنظلی نے ان مختلف اقوال میں اس طرح تطبیق کی ہے کہ مردوں میں
سابق الاسلام حضرت ابو بکرؓ تھے، عورتوں میں حضرت خدیجہؓ، لڑکوں میں حضرت علیؓ اور (آزاد کردہ)

غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ - مذکورہ بالا تمام اقوال مہاجرین صحابہ کے بارے میں ہیں - جہاں تک سابقین انصار کا تعلق ہے تو اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے لیلۃ العقبہ (گھائی والی رات) میں آپ سے بیعت کی، یہ چھ یا سات آدمی تھے۔

(معارف القرآن ۴/۲۳۹، مظہری ۴/۲۸۶، ۲۸۵)

تفسیر مظہری میں ایک قول یہ بھی ہے کہ آیت میں حرف "من" تبعیض کے لئے نہیں بلکہ بیان کے لئے ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ تمام صحابہ کرام باقی امت کے مقابلے میں سابقین اولین ہیں کیونکہ ان کا ایمان باقی امت سے اول اور سابق ہے۔ (مظہری ۴/۲۸۶)

وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بَاحْسَنَ سَعْيِهِمْ وَهُمْ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَهُمْ جُزْءٌ مِّمَّا كَسَبُوا

اور ان کے نقش قدم پر چلے، خواہ وہ صحابہ ہوں یا تابعین ہوں یا تبع تابعین یا ان سے بھی بعد کے لوگ یعنی وہ تمام لوگ مراد ہیں جو مہاجرین و انصار کی پیروی کریں، خواہ وہ کسی زمانے میں ہوں، وہ سب جنت کے مستحق ہیں۔ وہ اللہ سے خوش اور اللہ ان سے خوش۔

پس یہ آیت قیامت تک جملہ مسلمانوں کو شامل ہے جو صحابہ کرام کے طریقے پر ہوں اور اپنے تمام اقوال و افعال میں ان کی پوری پوری اتباع کرتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لئے اپنی رضا، مغفرت اور جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ یہی عظیم کامیابی ہے کہ اس کے بعد کامیابی کا کوئی درجہ نہیں۔ صحابہ کرام کی اتباع اور پیروی کے بغیر اللہ کی رضا اور جنت نہیں مل سکتی۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳/۴۰۰)

کامل منافقین کا ذکر

۱۰۱۔ وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنْفِقُونَ خَاؤُمْ مِّنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُّوْا عَلَى النَّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ ۝

اور کچھ تمہارے گرد و پیش والے دیہاتی بھی منافق ہیں اور بعض مدینے والے بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ آپ ان کو نہیں جانتے، ہم ان کو جانتے ہیں۔ جلد ہم ان کو دہری سزا دیں گے۔ پھر (آخرت میں) وہ بڑے عذاب کی طرف

لوٹائے جائیں گے۔

مَرْدُوًّا: انہوں نے ضد کی۔ انہوں نے سرکشی کی۔ مَرْدَأ سے ماضی۔

مَرَّتَيْنِ: دو مرتبہ۔ دو بار۔ واحد مَرَّةً۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقوں کے حال سے مطلع فرمایا کہ مدینے کے اطراف میں رہنے والے قبائل میں سے بعض لوگ منافق ہیں۔ اسی طرح کچھ مدینے کے رہنے والے مسلمان بھی حقیقت میں منافق ہیں۔ یہ لوگ اپنے نفاق میں نہایت پختہ اور کامل ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کمال فراست سے منافقوں کو ان کے انداز گفتگو سے پہچان لیا کرتے تھے۔ مگر یہ منافق ایسے چال باز تھے کہ ان کا نفاق آپؐ پر ظاہر نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ان کے بارے میں مطلع فرمایا۔ پھر فرمایا کہ بہت جلد ہم ان کو دو مرتبہ عذاب دیں گے؛ ایک مرتبہ دنیا میں ذلیل و رسوا کر کے اور دوسری مرتبہ عذابِ قبر سے دوچار کریں گے۔

ابن ابی حاتم اور طبرانی نے اپنی اوسط میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ذکر کی ہے کہ ایک روز جمعہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرمانے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے فلاں! کھڑے ہو اور نکل جاؤ، اس لئے کہ تم بلاشبہ منافق ہو۔ اے فلاں! تم نکل جاؤ کیونکہ تم منافق ہو۔ سو آپؐ نے ان منافقین کو ان کے ناموں سے پکار پکار کر نکالا اور ان کو رسوا کیا۔

حضرت عمرؓ اس جمعہ میں اپنی کسی مصروفیت کی وجہ سے (اس وقت تک) حاضر نہیں ہو سکے تھے۔ وہ منافقین کو (راستے میں) ملے، جب وہ مسجد سے نکل کر آرہے تھے۔ سو حضرت عمرؓ اس بات پر شرم محسوس کرتے ہوئے کہ وہ جمعہ میں حاضر نہیں ہو سکے ان منافقین سے چھپنے لگے اور ان کا خیال تھا کہ وہ (منافقین نماز سے) لوٹ رہے ہیں (اور نماز ہو چکی ہے) اور منافقین بھی یہ گمان کرتے ہوئے حضرت عمرؓ سے چھپنے لگے کہ ان کو ان کے معاملے کا علم ہو گیا ہے۔

پھر جب حضرت عمرؓ مسجد میں داخل ہوئے تو (دیکھا کہ) لوگ واپس نہیں لوٹے تھے، یعنی ابھی جمعہ کی نماز ادا نہیں کی تھی۔ پس انہیں (دیکھ کر) ایک شخص نے کہا کہ اے عمرؓ! تمہیں خوش خبری ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آج منافقین کو رسوا کر دیا۔ یہ ہلا عذاب ہے اور عذابِ ثانی قبر کا عذاب ہو گا۔

ابن مردویہ نے بیان کیا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اس روز جب آپ منبر پر تھے تو آپ نے چھتیس آدمیوں (منافقوں) کو نکالا تھا۔ (روح المعانی ۱۱ / ۱۱، ابن کثیر ۳۸۳ / ۲)

مومنین متخلفین کا ایک گروہ

۱۰۲- وَأَخْرُؤْنَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا
وَأَخْرَسَيْنَا، عَسَى اللَّهُ أَنْ يَكْتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنْ اللَّهُ غَفُورٌ
رَحِيمٌ

اور بعض لوگ اور بھی ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا ہے۔
انہوں نے ملے جلے عمل کئے ہیں۔ کچھ نیک اور کچھ بد۔ کچھ عجب نہیں کہ اللہ
تعالیٰ ان کی توبہ قبول کر لے کیونکہ وہ بڑا بخشنے والا (نہایت) مہربان ہے۔

شان نزول: ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور بیہقی رحمہم اللہ نے
دلائل میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے نیز بیہقی نے سعید بن مسیبؓ کے حوالے سے بیان کیا
کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان لوگوں کی تعداد دس تھی، جو رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوہ تبوک پر نہیں گئے تھے۔ انہیں میں سے ابو لہابؓ بھی تھے۔ جب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو ان میں سے سات آدمیوں نے اپنے آپ کو
مسجد کے ستونوں سے بندھوا دیا۔ مسجد سے واپسی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گزر
گاہ اسی طرف تھی۔

جب آپؐ نے ان کو دیکھا تو فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو باندھا ہوا
ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یہ ابو لہاب اور ان کے ساتھی ہیں جو آپ کے ساتھ نہیں گئے تھے۔
انہوں نے عہد کر رکھا ہے کہ جب تک آپؐ ان سے راضی نہیں ہو جائیں گے اور ان کو اپنے
دست مبارک سے نہ کھولیں گے، یہ خود کھلنے پر تیار نہ ہوں گے۔ انہوں نے اپنی خطا کا اعتراف
بھی کر لیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا میں بھی اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں ان کو نہیں کھولوں گا اور نہ ان
کا عذر قبول کروں گا، یہاں تک کہ اللہ ہی ان کو کھولے۔ یہ لوگ مجھ سے منحرف ہو کر مسلمانوں

کے ساتھ جہاد پر نہیں گئے۔ جب ان لوگوں کو آپ کا یہ فرمان پہنچا تو کہنے لگے کہ ہم بھی اپنے آپ کو نہیں کھولیں گے جب تک کہ اللہ ہی نہ کھولے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(روح المعانی ۱۱/۱۲، مظہری ۲۹۰/۴)

ایک اور روایت میں ہے کہ ان لوگوں کی تعداد تین تھی۔ ابن ابی حاتم نے حضرت زید کی روایت سے بیان کیا کہ وہ آٹھ آدمی تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کی تعداد پانچ تھی۔ اس بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ ابو لبابہ بن عبد المنذر ان میں شامل تھے۔ (روح المعانی ۱۱/۱۲)

تشریح: مسلمانوں میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو کلاہی اور سستی کی وجہ سے غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے، مگر اپنی غیر حاضری پر نہایت نادام تھے۔ ان لوگوں نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غزوہ تبوک سے واپسی کے بارے میں سنا تو شرم و ندامت کی وجہ سے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا۔ منافقوں کی طرح جھوٹے عذر پیش کرنے کی بجائے انہوں نے صاف اقرار کر لیا کہ وہ سستی اور غفلت کی وجہ سے غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہو سکے۔ انہوں نے ملا جلا کلام کیا، ایک نیک عمل اور دوسرا برا عمل۔ برے عمل سے مراد غزوہ تبوک سے پیچھے رہنا ہے جو منافقوں سے مشابہ تھا اور نیک عمل سے مراد ان کے دیگر اعمالِ صالحہ ہیں۔ مثلاً ان میں ایمان بھی تھا، یہ لوگ نماز، روزے کے بھی پابند تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں بھی شرکت کرتے رہے۔ غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے میں جو غفلت و سستی ان سے ہوئی اس کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔ بلاشبہ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

مومنین متخلفین کا صدقہ قبول کرنے کا حکم

۱۰۳-۱۰۵۔ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ وَقُلْ أَعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ ۖ وَسَتُرَدُّونَ إِلَىٰ عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعہ آپ ان کو (گناہوں سے) پاک و صاف کر دیں گے اور ان کے لئے دعاء خیر کیجئے۔ بلاشبہ آپ کی دعاء ان کے لئے باعث تسکین (قلب) ہے اور اللہ خوب سناتا (اور) جانتا ہے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہی تو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان سے صدقہ لیتا ہے اور یہ کہ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے اور آپ کہہ دیجئے تم عمل کئے جاؤ، پھر بہت جلد اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور اہل ایمان تمہارا عمل دیکھ لیں گے اور تم بہت جلد اس کے پاس لوٹائے جاؤ گے، جو چھپی اور کھلی چیزوں کا جلنے والا ہے۔ پھر وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے۔

شان نزول: حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب ان لوگوں کی توبہ قبول ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ان کو کھولا اور قبول توبہ کی بشارت سنائی۔ ستونوں سے کھلنے کے بعد یہ لوگ اپنا کچھ مال لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان مالوں ہی نے ہمیں غزوہ میں جانے سے روکا تھا۔ اب ہم توبہ قبول ہونے کے شکر یہ میں اپنا یہ مال اللہ کی راہ میں صدقہ کرتے ہیں۔ آپ اس کو قبول فرمائیے اور اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے مغفرت طلب کیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے تمہارے مال لینے کی اجازت نہیں۔ اس پر آیت **خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ**۔۔۔۔۔ نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۱۴ / ۱۱)

تشریح: پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ مومنین متخلفین، اپنے گناہوں کے کفارے میں جو مال اور صدقہ و خیرات لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں وہ آپ لے لیجئے تاکہ وہ گناہوں کی نجاست سے پاک و صاف ہو جائیں اور آپ ان کے حق میں دعاء خیر کیجئے۔ بلاشبہ آپ کی دعاء سے ان کے دلوں کا اضطراب دور ہو کر ان کو سکون و طمانیت حاصل ہوگی کہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی دعاء کو سننے والا اور ان کی توبہ اور ندامت کو جلنے والا ہے۔ اس آیت کے نزول کے بعد آپ نے ان کا ایک ہتھائی مال قبول فرمایا اور دو ہتھائی مال ان کو واپس فرمادیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ان کے مال میں سے کچھ لے لیجئے اور یہ نہیں فرمایا کہ صدقہ میں ان کا تمام مال لے لیجئے۔

پھر فرمایا کہ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور

جو لوگ توبہ کے بعد صدق دل سے صدقہ و خیرات دیتے ہیں وہ اس کو قبول فرما لیتا ہے۔ پس اگر کوئی خطا سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ کرنی چاہئے اور حسبِ توفیق اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات دینا چاہئے۔ منافقوں کو بھی چاہئے کہ وہ بھی ان مخلص مومنوں کی طرح صدق دل سے توبہ کریں اور اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات کریں۔ کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ خوب توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم جو چاہو عمل کرو۔ اللہ تعالیٰ، اس کا رسول اور مومنین تمہارے عمل کو دیکھ لیں گے۔ جو چیز تم چھپاؤ گے، اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ اس کو اپنے رسول پر ظاہر فرما دے گا۔ پھر مسلمان بھی اس سے واقف ہو جائیں گے۔ پھر قیامت کے روز تمہیں ایسی ذات کے پاس لے جایا جائے گا جو تمہارے ظاہر و باطن سے خوب واقف ہے۔ پھر وہ تمہارے اعمال کے مطابق تمہیں سزا دے گا۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۰۳-۳۰۵/۴)

مومنین متخلفین کا دوسرا گروہ

۱۰۶۔ **وَآخِرُونَ مُّرْجُونَ لِأَمْرِ اللَّهِ إِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَإِمَّا يَمُتُّوهُمْ عَلَيْهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝**

اور بعض وہ لوگ، میں جن کا معاملہ اللہ کا حکم آنے تک ملتوی ہے۔ یا تو وہ ان کو عذاب دے گا یا ان کی توبہ قبول کر لے گا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے والا (اور) حکمت والا ہے۔

آخِرُونَ: دوسرے لوگ۔ واحد آخر۔

مُرْجُونَ: ڈھیل دئے ہوئے۔ مہلت دیئے ہوئے۔ ارجاء سے اسم مفعول۔

تشریح: اس آیت میں اہل مدینہ کی ایک چھوٹی سی جماعت کا ذکر ہے۔ اصل میں غزوہ تبوک

میں شریک نہ ہونے والے تین قسم کے لوگ تھے: ۱۔ منافقین جو شک اور نفاق کی وجہ سے علیحدہ رہے۔ ۲۔ بعض مومنین جو محض سستی اور تن آسانی کی وجہ سے جہاد میں شریک نہ

ہوئے اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کی اطلاع پا کر اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا۔ ان کا بیان پچھلی آیت میں گزر چکا۔ ۳۔ سستی اور تن آسانی کی وجہ سے

جہاد میں شریک نہ ہونے والے تین آدمی عبد اللہ بن کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع عمری اور ہلال

بن امیہ واقعی ایسے تھے جنہوں نے اپنے آپ کو ستونوں سے نہیں باندھا تھا اور نہ ہی کوئی عذر تراشا تھا بلکہ جو بھی بات تھی وہ صاف صاف آپ سے بیان کر دی تھی۔ یہ آیت انہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی کہ ان کا معاملہ ابھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے انتظار میں التوا میں رکھا گیا ہے چاہے تو وہ ان کو جہاد سے پیچھے رہ جانے کی سزا دے اور چاہے وہ اپنی رحمت سے ان کو معاف کر دے۔ وہ چاہے تو صغیرہ گناہ پر گرفت فرمالے اور چاہے تو کبیرہ گناہ بھی معاف فرمادے۔ کوئی چیز اس پر لازم نہیں۔ لہذا بندوں کو امید بھی رکھنی چاہئے اور اس سے ڈرتے بھی رہنا چاہئے کیونکہ اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت رکھتی ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ غضب و ناراضگی کا مستحق کون ہے اور معافی و درگزر کا مستحق کون۔ وہ اپنے تمام افعال و اقوال میں حکیم ہے۔

(ابن کثیر ۳۸۷/۳، عثمانی ۵۷۹، ۵۸۰/۱)

مسجد ضرار

۱۰۷-۸ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضَرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَأَرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلِيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ ۚ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۚ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ۚ لِمَسْجِدٍ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ ۚ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَّطَهَّرُوا ۚ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ ۚ

اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے (مدینے میں) ایک مسجد بنائی ہے (تاکہ) اسلام کو ضرر پہنچائیں اور (اس میں بیٹھ کر) کفر کی باتیں کریں اور مومنوں میں پھوٹ ڈالیں اور اس شخص کے لئے پناہ کا سامان کریں جو پہلے ہی سے اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کر رہا ہے۔ اور وہ قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو محض خیر کا ارادہ کیا تھا اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں آپ اس مسجد میں (نماز کے لئے) کبھی کھڑے نہ ہوں۔ البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے اس لائق ہے کہ آپ اس میں (نماز کے

لئے) کھڑے ہوں اور اس میں ایسے لوگ ہیں جو خوب پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

ضَرَارًا: ضرر پہنچانا۔ ایذا دینا۔ تکلیف دینا۔ مصدر ہے۔

إِرْصَادًا: گھات لگانا۔ پناہ دینا۔ مصدر ہے۔

حَارَبَ: اس نے جنگ کی۔ اس نے لڑائی کی۔ اس نے مخالفت کی۔ مُحَارَبَۃ سے ماضی۔

أُسِّسَ: اس کی بنیاد رکھی گئی۔ تَأْسِيسُ سے ماضی مجہول۔

شان نزول: ابن اسحاق اور ابن مردویہ نے (حضرت) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے

روایت کی کہ مسجد ضرار بنانے والے افراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ اس وقت آپؐ تبوک کی طرف جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ پس وہ کہنے لگے کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے ان لوگوں کے لئے مسجد بنائی ہے جو کسی بیماری اور ضرورت کی وجہ سے یا بارش کی راتوں اور سرد راتوں میں مسجد نبوی میں حاضر نہ ہو سکتے ہوں اور ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے پاس آئیں اور اس میں نماز پڑھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے تو ابھی سفر درپیش ہے اور میں اب مصروف ہوں یا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر اللہ نے چاہا تو واپسی پر تمہارے پاس آکر تمہارے ساتھ اس میں نماز پڑھوں گا۔ پھر جب آپ سفر سے واپس ہوئے اور مقام ذی اذان پر قیام فرمایا جو مدینے سے کچھ فاصلے پر ایک مقام کا نام ہے تو آپ کو اس مسجد کے بارے میں معلوم ہوا آپ نے مالک بن الدخشم اور معن بن عدی کو بلایا اور انہیں حکم دیا کہ اس مسجد میں جاؤ جس کے بنانے والے ظالم ہیں، اس کو مہندم کردو اور جلاڈالو۔ چنانچہ وہ تیزی سے اس کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب وہ بنی سالم بن عوف میں پہنچے جو مالک کا قبیلہ تھا تو مالک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ٹھہرو میں اپنے گھر سے آگ لے کر آتا ہوں۔ سو وہ اپنے گھر میں داخل ہوئے اور کھجور کی ایک خشک شاخ لے کر اس کو جلا یا۔ پھر وہ دونوں تیزی سے نکلے یہاں تک کہ مسجد میں داخل ہو گئے اور مسجد میں منافقین موجود تھے۔ پھر انہوں نے اس کو جلا دیا اور مہندم کر دیا اور منافق وہاں سے منتشر ہو گئے انہی منافقوں کے بارے میں مذکورہ آیتیں نازل ہوئیں۔ اس مسجد کو بنانے والے بارہ آدمی تھے۔

(روح المعانی ۱۸ / ۱۱)

ابن جریر نے (حضرت) ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ ابو عامر نے انصار کے ایک

گروہ سے کہا کہ تم ایک مسجد بناؤ اور جس قدر ممکن ہو سکے اس میں اسلحہ جمع کر لو۔ میں روم کے بادشاہ۔ قصر کے پاس جا رہا ہوں وہاں سے رومیوں کا ایک لشکر لاکر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کو نکال باہر کروں گا۔

پھر جب وہ لوگ مسجد بنا کر فارغ ہو گئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم اپنی مسجد بنا کر فارغ ہو گئے ہیں۔ سو ہم چاہتے ہیں کہ آپ اس میں نماز ادا کریں اور برکت کی دعاء کریں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۱۸/۱۱)

تشریح: جن لوگوں نے مسجد ضرار کو بنایا تھا وہ قسمیں کھا کر کہہ رہے تھے کہ انہوں نے تو نیک ارادے سے اس کی بنیاد ڈالی تھی۔ ان کے پیش نظر تو صرف لوگوں کی خیر خواہی تھی۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شہادت دیتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ انہوں نے تو یہ مسجد اس لئے تعمیر کی ہے تاکہ اس سے مسجد قبا کی اہمیت کم کر کے اس کو نقصان پہنچائیں اس میں بیٹھ کر کفر کی اشاعت کریں، مسلمانوں میں تفرقہ ڈالیں اور اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے اس کو کمیں گاہ کے طور پر استعمال کریں اور اس میں بیٹھ کر مشورے کریں۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اس مسجد میں کبھی جا کر بھی کھڑے نہ ہوں چہ جائیکہ آپ اس میں نماز پڑھیں۔ البتہ جس مسجد کی بنیاد پہلے ہی روز سے تقویٰ و پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ اس بات کی زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اور اس میں نماز پڑھیں۔ اس سے مراد مسجد قبا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے روز کبھی پیدل اور کبھی سواری پر مسجد قبا تشریف لے جاتے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھتے۔

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد قبا میں نماز پڑھنا ایک عمرے کے ثواب کے برابر ہے۔ (ابن کثیر ۳۸۸، ۳۸۹/۲)

پھر فرمایا کہ اس مسجد میں ایسے لوگ ہیں جو خوب پاک و صاف رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی پاک و صاف رہنے والوں کو محبوب رکھتا ہے جو اپنے ظاہر و باطن کی طہارت و پاکی میں لگے رہتے ہیں۔

ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب آیت **فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ** نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم مہاجرین کو ساتھ لے کر پیدل روانہ ہوئے اور مسجد قبا کے دروازے پر پہنچ کر کھڑے ہو گئے۔ مسجد کے اندر انصار بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم لوگ مومن ہو؟ انصار خاموش رہے۔ آپؐ نے پھر یہی فرمایا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا یہ یقیناً مومن ہیں اور میں بھی ان کے ساتھ ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم قضاء (الہی) پر راضی ہو؟ انہوں نے جواب دیا۔ جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا کیا تم مصیبت پر صبر کرتے ہو؟ انہوں نے جواباً کہا۔ جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا کیا تم راحت پر شکر کرتے ہو؟ انہوں نے کہا۔ جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا رب کعبہ کی قسم تم مومن ہو۔ پھر آپؐ (ان کے پاس) بیٹھ گئے اور فرمایا اے انصار کے لوگو! اللہ نے تمہاری تعریف فرمائی ہے۔ تم وضو اور رفع حاجت کے وقت کیا کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع حاجت کے بعد ہم تین پتھر استعمال کرتے ہیں پھر پتھروں کے بعد پانی استعمال کرتے ہیں۔ اس پر آپؐ نے آیت فیہ رجال یحبون ان یتطہروا تلاوت فرمائی۔ (مظہری ۲۹۹/۴)

اہلِ ضرار کا انجام

۱۰۹۔ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلٰی تَقْوٰی مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلٰی شَفَا جُرْفٍ مَّارٍ فَاُتْهَارَ بِهِ فِی نَارٍ جَهَنَّمَ ۚ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظَّالِمِیْنَ ۝ لَا یَزَالُ بُنِیَانُهُمُ الَّذِی بَنَوْا رِیْبَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّا اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ۝

بھلا جو اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے خوف اور اس کی رضا پر رکھے وہ بہتر ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی کھائی کے کنارے پر رکھی جو گرنے ہی والی ہے۔ پھر وہ (عمارت) اس (بنانے والے) کو لے کر دوزخ کی آگ میں گر پڑے اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت (کی توفیق) نہیں دیتا۔ جو عمارت انہوں نے بنائی ہے وہ ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی۔ یہاں تک کہ ان کے دل ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور اللہ بڑے علم والا (اور) حکمت والا ہے۔

شَفَا: کنارہ۔ آخری حصہ۔ جمع اَشْفَاؤُ۔

جُرْف: غار۔ کھائی۔ کھوکھلی جگہ۔ واحد جُرْفَةٌ۔
 مَار: گرنے والی۔ گرنے کے قریب۔ هُوْرٌ سے اسم فاعل۔
 رَيْبَةٌ: شک۔ شبہ۔ کھٹک۔ جمع رَيْبٌ

تشریح: مسجد ضرار اپنی ناپائیداری اور انجام کے لحاظ سے ایسی ہی ہے جیسے کوئی عمارت پانی کی کمزور کھائی کے کنارے پر بنائی گئی ہو کہ جب پانی کا تھپڑا لگے تو ساری عمارت ایک دم سے گر پڑے اور اس کے رہنے والے سب تباہ و برباد اور ہلاک ہو جائیں۔ اسی طرح مسجد ضرار کی بنیاد جہنم کے کنارے پر ہے۔ وہ ان منافقوں کو جہنم میں لے کر جہنم میں جا کرے گی۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو نہایت کاراستہ نہیں دکھاتا جس کے ذریعہ وہ منزل مقصود تک پہنچ جائیں یا کم از کم ہلاکت و بربادی ہی سے محفوظ ہو جائیں۔ جب تک وہ زندہ رہیں گے ان کی بنائی ہوئی مسجد ہمیشہ ان کے دلوں میں شک و شبہ اور حسرت و اضطراب پیدا کرتی رہے گی۔ ان کی حسرت اور اضطراب مرنے کے بعد ہی ختم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ انہوں نے کس نیت سے یہ عمارت بنائی تھی۔ وہ خیر و شر کا بدلہ دینے میں بڑا حکیم ہے۔ (ابن کثیر ۳۹۱/۲)

مجاہدین کے فضائل

۱۱۱۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنْ لَّهُمُ الْجَنَّةَ ۖ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعَدَا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرَةِ وَالْاِنْجِلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَ مَنْ اَوْفٰ بِعَهْدِهٖ مِّنَ اللّٰهِ فَاسْتَبَشِّرْ ۚ وَابٰیْعُكُمُ الَّذِیْ بَاٰیْعُكُمْ بِهٖ ۚ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جانوں اور مالوں کو جنت کے عوض خرید لیا ہے۔ وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں۔ وہ (کافروں کو بھی) قتل کرتے ہیں اور خود بھی قتل ہوتے ہیں۔ اس نے اپنے اوپر سچا وعدہ قائم کر لیا ہے جو توریت اور انجیل اور قرآن میں (لکھا گیا) ہے۔ اور اللہ سے زیادہ کون اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہے۔ سو تم اپنے اس سودے پر جو تم نے کیا ہے خوشی

مناؤ اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

شانِ نزول: اکثر مفسرین کے مطابق یہ آیتیں بیعت عقبی کے شرکاء کے بارے میں نازل ہوئیں۔ یہ بیعت ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں مدینے کے انصار سے لی گئی تھی۔ عقبہ، پہاڑی حصے کو کہتے ہیں۔ یہاں وہ جگہ مراد ہے جو منیٰ میں حمرہ عقبی کے ساتھ پہاڑ کا حصہ ہے۔ آج کل پہاڑ کا یہ حصہ صاف کر کے میدان بنادیا گیا ہے اور اب یہاں صرف حمرہ باقی رہ گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گھاٹی میں مدینے کے انصار سے تین مرتبہ بیعت لی۔ پہلی بیعت بعثت نبوی کے گیارہویں سال ہوئی جس میں چھ آدمی بیعت و اسلام سے مشرف ہوئے جب یہ لوگ مدینے واپس گئے تو وہاں گھر گھر اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا ہونے لگا۔ اگلے سال جو بعثت نبوی کا بارہواں سال تھا، حج کے موسم میں انصار مدینہ کے بارہ آدمی پھر اسی جگہ جمع ہوئے۔ ان میں سے پانچ تو وہی تھے جو گزشتہ سال بیعت کر چکے تھے اور سات نئے تھے۔ جب یہ لوگ مدینے جانے لگے تو انہوں نے درخواست کی کہ ہمارے ساتھ کسی کو بھیج دیجئے تاکہ ہم اس سے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کر سکیں۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت معصب بن عمیرؓ کو ان کے ہمراہ مدینے بھیج دیا۔ انہوں نے مسلمانوں کو قرآن بھی پڑھایا اور تبلیغ اسلام بھی کرتے رہے جس کے نتیجہ میں مدینے کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔

پھر بعثت نبوی کے تیرہویں سال تہتر مرد اور دو عورتیں اسی گھاٹی میں جمع ہوئے۔ یہ تیسرا اور آخری موقع تھا کہ مدینے کے لوگوں نے آپؐ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ عموماً بیعت عقبی سے یہی بیعت مراد ہوتی ہے۔ اس بیعت کے موقع پر حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ نے عرس کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت معاہدہ ہو رہا ہے، آپؐ اپنے رب کے متعلق یا اپنے بارے میں ہم سے جو چاہیں شرائط طے کر لیں، ہم سب کو ملنے کے لئے تیار ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے تو یہ شرط رکھتا ہوں کہ تم سب اسی کی عبادت کرنا، کسی کو اس کا شریک قرار نہ دینا اور اپنے لئے یہ شرط رکھتا ہوں کہ جس طرح تم اپنی جانوں اور مالوں کی حفاظت کرتے ہو اسی طرح میری بھی حفاظت کرنا۔ انصار کے لوگوں نے کہا کہ اگر ہم یہ دونوں شرطیں پوری کر دیں تو اس کے بدلے میں ہمیں کیا ملے گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جنت ملے گی۔ انصار نے کہا کہ یہ نفع کا سودا ہے۔ اب ہم اس سودے کو نہ تو خود فسخ کریں گے اور نہ اس کو فسخ کرنے دیں گے۔ اس پر یہ

آیتیں نازل ہوئیں۔ (مظہری ۳۰۱، ۳۰۲ / ۴، ابن کثیر ۳۹۱ / ۲)

تشریح: اللہ تعالیٰ تمام عالم دنیا اور آخرت کا خالق و مالک ہے۔ اس نے روئے زمین کے تمام مومنوں سے قیامت تک جنت کے بدلے میں ان کی جانوں اور اموال کو خرید لیا ہے۔ یہ خریداری محض نفع اور سراسر فائدہ ہے۔

مومن اپنی جانوں اور اموال کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد و قتال کریں گے اور اللہ تعالیٰ اس کی جزا کے طور پر ان کو جنت عطا فرمائے گا۔ یہ مومنوں پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے ورنہ اللہ تعالیٰ تو مومنوں سمیت تمام مخلوق کا خالق و مالک ہے۔ مومن کی نہ جان اپنی ہے اور نہ مال، بلکہ جان بھی اسی کی دی ہوئی ہے اور مال بھی اسی نے عطا فرمایا ہے۔ اس لئے مومن کا اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال فدا کرنا بہت ہی حقیر فدیہ ہے۔ اس لئے اس حقیر جان و مال کو اللہ کی راہ میں فدا کرنے کا بدلہ جنت نہیں ہو سکتی۔ یہ تو محض اللہ کا فضل و انعام ہے کہ اس نے مومن کو اس کی راہ میں جان و مال کا نذرانہ دینے پر جنت کا مستحق قرار دیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس خرید و فروخت پر مومنوں سے جو وعدہ فرمایا ہے وہ سچا اور پکا وعدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنت کا یہ وعدہ اپنی بڑی بڑی کتابوں مثلاً تورات، انجیل اور قرآن مجید وغیرہ میں لکھ دیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اپنے وعدے کو پورا کرنے والا کوئی نہیں۔ لہذا اے اہل ایمان، تم اس بات پر خوش ہو جاؤ کہ تم نے نفع کی تجارت کی ہے کہ ایک بے قیمت اور فانی چیز دے کر ایک قیمتی اور باقی رہنے والی چیز حاصل کر لی۔ یہی عظیم کامیابی ہے۔

(مواہب الرحمن ۳۰-۳۲/۱۱)

مجاہدین کی صفاتِ فاضلہ

۱۱۲۔ التَّائِبُونَ الْعَبْدُونَ الْحَمِيدُونَ السَّانِحُونَ الزَّكَوُونَ
الشَّجِدُونَ الْأَمْرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَالْحَفِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ ۖ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝

وہ (گناہوں سے) توبہ کرنے والے، (اللہ کی) عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، اللہ کی راہ میں سفر کرنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم کرنے والے، برائی روکنے والے اور حدود اللہ (احکام الہی)

کی حفاظت کرنے والے ہیں اور آپ (ان صفات کے حامل مومنوں کو) خوشخبری سنا دیجئے۔

تشریح: اس آیت میں ان مومنوں کی صفات کا بیان ہے جن کے جان و اموال کو اللہ تعالیٰ نے جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے۔ ان اوصاف کے بیان سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جنت کے اہل لوگ ان اوصاف کے حامل ہوتے ہیں۔

۱۔ **التَّائِبُونَ:** (شرک سے) توبہ کرنے والے۔ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کر لی اور رسول اللہ کے تمام احکام کی تعمیل کا عہد کر لیا وہ ان تمام اوصاف کے حامل ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے۔

۲۔ **الْعَابِدُونَ:** شرک جلی و خفی کو چھوڑ کر صرف اللہ کی عبادت کرنے والے۔

۳۔ **الْحَامِدُونَ:** راحت ہو یا تکلیف ہر حال میں اللہ کی تعریف کرنے والے۔

طبرانی، حاکم اور بیہقی نے شعب الایمان میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عباسؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ (تکلیف و راحت ہر حال میں) اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ تعریف کرتے ہیں سب سے پہلے ان کو جنت کی طرف بلایا جائے گا۔

۴۔ **السَّائِحُونَ:** سیاحت کرنے والے، روزے رکھنے والے۔ اصل میں یہ لفظ سیاحت سے ماخوذ ہے۔

اسلام سے پہلے نصرانیت میں سیاحت ایک عبادت سمجھی جاتی تھی کہ انسان اپنا گھر بار چھوڑ کر عبادت کے لئے نکل کھڑا ہو۔ اسلام نے اس کو رہبانیت قرار دے کر اس سے منع کر دیا اور اس کے بدلے میں روزے کی عبادت مقرر کر دی کیونکہ سیاحت کا مقصد ترک دنیا تھا اور روزے کی حالت میں اپنے گھر میں رہتے ہوئے بھی ایک خاص وقت میں تمام دنیاوی خواہشات کو ترک کر دینا ہوتا ہے۔

جمہور مفسرین کے نزدیک یہاں سائحون سے مراد روزے رکھنے والے ہیں۔ ابن جریر نے حضرت عبید بن عمیر اور بغوی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سائحون کے معنی دریافت کئے گئے تو آپؐ نے فرمایا کہ روزے رکھنے والے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ آدم زاد کے ہر نیک عمل کا اجر دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے۔ سوائے روزے کے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ بندہ میرے لئے ہی اپنی خواہش صنفی اور کھانا پینا ترک کرتا ہے۔ مستحق علیہ۔

بعض نے کہا کہ سائون سے مراد غازی ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ جیسا کہ ابن ماجہ، حاکم اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی سیاحت اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے

حضرت عکرمہؓ نے کہا کہ سیاحت کرنے والوں سے مراد طالب علم ہیں جو طلب علم میں ملکوں میں پھرتے ہیں۔

۵۔ **الَّذِي كَعُونَ السَّاجِدُونَ** : رکوع و سجود کرنے والے یعنی نماز پڑھنے والے۔ حضرت ابن مسعودؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ کو کون سا عمل سب سے زیادہ پسند ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ وقت پر نماز پڑھنا۔ میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد کون سا؟ آپؐ نے فرمایا کہ ماں باپ کی فرماں برداری کرنا۔ میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد کون سا؟ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ (بخاری و مسلم)

مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سجدے کی حالت میں بندہ اپنے رب سے سب حالتوں سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ سو تم سجدے کی حالت میں دعاء زیادہ کیا کرو۔

۶۔ **أَمْرُونَ بِالْمَعْرُوفِ** : بھلائی کا حکم دینے والے یعنی ایمان و اطاعت کا حکم دینے والے۔

۷۔ **النَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ** : برے کاموں سے روکنے والے۔

۸۔ **الْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ** : اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے۔ پھر فرمایا کہ جن لوگوں کے اندر یہ صفات موجود ہوں ان کے لئے ایسی نعمتوں کی خوشخبری ہے جن کو نہ تو الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے اور نہ کسی دماغ میں ان کا تصور آسکتا ہے اور نہ کسی کان نے ان کو سنا ہے ایسی نعمتوں سے مراد جنت ہے۔

(مظہری ۳۰۴، ۳۰۵، ۴، معارف القرآن ۴۶۸، ۴۶۹، ۴)

مشرکین کے لئے دعاء مغفرت کی ممانعت

۱۱۳-۱۱۴۔ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ
وَلَوْ كَانُوا أَوْلَىٰ قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ
الْجَحِيمِ ۝ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ
مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا آيَآلَهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۖ
إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ۝

نبی اور مومنوں کو زیب نہیں کہ مشرکوں کے لئے بخشش طلب کریں اگرچہ وہ ان کے قرابت دار ہی ہوں، جبکہ ان پر یہ ظاہر ہو چکا ہو کہ یہ لوگ دوزخی ہیں اور (حضرت) ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے بخشش طلب کرنا صرف ایک وعدہ کی بنا پر تھا جو انہوں نے اس سے کر لیا تھا۔ پھر جب ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے تعلق ہو گئے۔ بیشک (حضرت) ابراہیم بڑے نرم دل اور تحمل والے تھے۔

تَبَرَّأَ: وہ بری ہوا۔ وہ الگ ہوا۔ وہ بیزار ہوا۔ تَبَرَّأَ سے ماضی۔

لَأَوَّاهٌ: العتبہ بہت آہ کرنے والا۔ درد مند۔ نرم دل۔ اَوَّاهٌ سے مبالغہ۔

شان نزول: مسند امام احمد میں سعید ابن السیب سے روایت ہے کہ جب ابوطالب بستر مرگ پر تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت ان کے پاس ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے ابوطالب سے فرمایا کہ اے چچا! آپ لا الہ الا اللہ کہہ دیجئے۔ میں اس حملے کی وجہ سے اللہ کے پاس آپؐ کی بخشش کے لئے حجت پیش کروں گا۔ ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ نے کہا کہ اے ابوطالب کیا تم ملت عبد المطلب سے روگردانی کرو گے؟ تھوڑی دیر ان کے درمیان (اسی طرح) گفتگو ہوتی رہی۔ پھر ابوطالب نے ان سے سب سے آخر میں جو بات کی وہ یہ تھی کہ میں ملت عبد المطلب پر جان دوں گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں اس وقت تک آپؐ کی مغفرت کی دعاء کرتا رہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ مجھے منع نہ کر دے۔ چنانچہ آیت ماکان للنبی۔۔۔۔۔ تا آخر نازل ہوئی۔ (مسند احمد ۶/۶۰۳)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں نے ایک شخص کو اپنے مشرک ماں باپ کے لئے دعا مغفرت کرتے ہوئے سنا تو میں نے اس سے کہا کہ کیا تم اپنے مشرک ماں باپ کے لئے دعا کرتے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ حضرت ابراہیمؑ نے بھی تو اپنے مشرک ماں باپ کے لئے دعا مغفرت کی تھی۔ میں نے یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا اس پر آیت مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ ----- نازل ہوئی۔ (ابن کثیر ۳۹۳/۲)

تشریح: کفر و شرک کسی حال میں بھی قابل مغفرت نہیں۔ اس لئے مرنے کے بعد نہ تو کسی کافر کا جنازہ پڑھنا جائز ہے اور نہ اس کے لئے مغفرت کی دعا کرنا جائز ہے اور نہ اس کی قبر پر کھڑا ہونا جائز ہے۔ خواہ وہ کسی مسلمان کا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے برخلاف مسلمان خواہ کتنا ہی گنہگار ہو، اس کے لئے مغفرت کی دعا کرنا جائز ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کا اپنے مشرک باپ کے لئے دعا مغفرت کرنا ایک وعدہ کی بنا پر ان کی زندگی میں تھا۔ جیسا کہ قرآن میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي۔ (سورہ مریم، آیت ۴۷)

ابراہیمؑ نے کہا: اے باپ! تم پر سلام ہو، میں تمہارے لئے اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کروں گا۔

حضرت ابراہیمؑ اس امید میں تھے کہ شاید میرا باپ ایمان لے آئے۔ اسی بنا پر انہوں نے اس کے لئے دعا کی تھی۔ زندہ مشرک کے لئے مغفرت کی دعا کے معنی دعائے ہدایت کے ہیں کہ اللہ اس کو ہدایت دے۔ پھر جب حضرت ابراہیمؑ پر ظاہر ہو گیا کہ ان کا باپ حالت کفر میں مرا اور اس کو ایمان کی توفیق نہیں ملی یا وحی کے ذریعہ ان کو بتا دیا گیا کہ ان کا باپ آزر ایمان نہیں لائے گا تو حضرت ابراہیمؑ اس سے بیزار ہو گئے اور اس کے لئے مغفرت کی دعا موقوف کر دی۔

مومنوں کو تسلی

۱۱۵-۱۱۶ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَهُمْ حَتَّىٰ يُبَيِّنَ لَهُم مَّا يَتَّقُونَ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ ۖ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ

مِنْ وَلِيِّيَ وَلَا نُصِيرُ ۝

اور اللہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ نہیں کرتا یہاں تک کہ وہ ان کو صاف صاف بتا دے وہ چیزیں جن سے ان کو بچنا چاہئے۔ بیشک اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔ بیشک آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی حمایتی ہے اور نہ مددگار۔

تشریح: جب آیت مَآ كَانَ لِلنَّبِيِّ نَازِلَ ہوئی تو ان مسلمانوں کو جو اس سے پہلے مشرکوں کے لئے استغفار کر چکے تھے، اللہ کی طرف سے اپنے مواخذہ کا ڈر ہوا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی اور اطمینان کے لئے مَآ كَانَ اللَّهُ مُبْضِلًا نَازِلَ فرمائی اور ان کو بتا دیا کہ تم گمراہی پر نہیں ہو اور نہ تمہارا مواخذہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی کو گمراہ قرار نہیں دیتا جب تک کہ وہ اس کو اس چیز سے آگاہ نہ کر دے جس سے اس کو پرہیز کرنا ہے۔ چونکہ اب تک مشرکین کے لئے استغفار کی ممانعت نہیں کی گئی تھی اس لئے ان کا مواخذہ نہ ہو گا۔ البتہ اب ممانعت کے بعد، مشرکوں کے لئے دعا، استغفار کرنا گمراہی اور قابل مواخذہ ہے۔ بلاشبہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے کہ کس نے نادانقیت اور عدم صلح کی بنا پر ایسا کیا اور کس نے سرکشی کے تحت ایسا کیا۔ وہی آسمانوں اور زمین کا مالک ہے، زندگی اور موت بھی وہی دیتا ہے۔ لہذا تم اسی کے احکام کی پیروی کرو۔ اس کے سوا نہ تمہارا کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی یار و مددگار جو تمہیں اس کے قہر کے بچا سکے۔ اس لئے تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم مشرکوں سے قلبی دوستی کرو یا ان کے لئے مغفرت کی دعا کرو۔

مومنین مخلصین کا ذکر

۱۱۷- لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ لَا مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ ۝

البتہ اللہ تعالیٰ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مہاجروں اور انصار پر مہربان ہوا جنہوں نے مشکل کی گھڑی میں نبی کا ساتھ دیا بعد اس کے کہ ان میں سے

بعضوں کے دل پھر جانے کو تھے۔ پھر اللہ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی۔
بلاشبہ اللہ ان پر بہت ہی شفیق (اور) مہربان ہے۔

سَاعَةٌ: گھڑی۔ وقت۔ قیامت

الْعُسْرَةُ: تنگی۔ مفلسی۔ اسم ہے۔

يَزِيغُ: وہ منحرف ہوتے ہیں۔ وہ پھر جاتے ہیں۔ زِيغٌ سے مضارع۔

كَأَدَ: وہ قریب ہے۔ کوڈُ سے ماضی۔

تشریح: اس آیت میں مومنین مخلصین کے دو گروہ بتائے گئے ہیں۔ ایک وہ جو جہاد کا حکم

ملنے ہی فوراً جہاد کے لئے تیار ہو گئے۔ آیت میں اتَّبِعُوا فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ سے یہی لوگ مراد ہیں۔ دوسرے وہ جو جہاد کا حکم ملنے کے بعد پہلے تو کچھ تردد میں پڑے۔ مگر پھر سنبھل گئے اور سب کے ساتھ جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ آیات میں مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِنْهُمْ انہیں کے لئے آیا ہے۔

یہاں توبہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب مہاجرین و انصار کو گناہ سے بچا دیا جو جہاد کا حکم ملنے ہی فوراً جہاد کے لئے تیار ہو گئے یا کچھ تردد کے بعد اس میں شریک ہو گئے۔ قرآن کریم نے اس جہاد کے موقع کو سَاعَةُ الْعُسْرَةِ کہا ہے کیونکہ مسلمان اس وقت افلاس و تنگی میں تھے مسلمانوں کے پاس نہ تو سواری تھی اور نہ زادِ راہ، ادھر سخت گرمی کے دن تھے اور راستہ میں پانی بھی بہت کم دستیاب تھا۔

توبہ مؤخر کئے جانے والے انصار کا مقاطعہ

۱۱۸ - وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا مَا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ
الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ
لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ
التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝

اور اس نے ان تینوں پر بھی (مہربانی کی) جو پیچھے رہ گئے تھے۔ یہاں تک کہ
کشادہ ہونے کے باوجود ان پر زمین تنگ رہ گئی اور وہ اپنی جانوں سے بھی

تنگ آگئے اور وہ کچھ گئے کہ اللہ کے سوا کہیں پناہ نہیں۔ پھر اللہ نے ان پر بھی مہربانی کی تاکہ وہ توبہ کریں۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہی بڑا توبہ قبول کرنے والا (اور) مہربان ہے۔

ضَاقَتْ: وہ تنگ ہو گئی۔ ضِيقٌ وَضِيقٌ سے ماضی
رَحِبَتْ: وہ کشادہ ہوئی۔ وہ فراخ ہوئی۔ رَحْبٌ سے ماضی۔
مَلَجًا: پناہ کی جگہ۔ لَجَأٌ سے اسم ظرف۔

شانِ نزول: حضرت عبد اللہ بن کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ کعب بن مالک نے تبوک میں شریک نہ ہونے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ غزوہ تبوک کے سوا کسی غزوہ میں ایسا نہیں ہوا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک نہ ہوا ہوں۔ البتہ غزوہ بدر میں بھی میں شریک نہیں ہوا تھا مگر جو لوگ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے ان کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قسم کی ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا تھا، کیونکہ آپ اس وقت قریش کے قافلے کی تلاش میں نکلے تھے (جنگ کے ارادے سے نہیں)۔ مگر اللہ تعالیٰ نے دشمن سے آپؐ کا آمناسامنا کر دیا اور میں لیلہ عقبہ میں بھی (انصار کے لوگوں کے ساتھ) آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اسی رات میں، ہم نے (مکہ میں) اسلام کے لئے عہد کیا تھا اور وہ رات مجھے غزوہ بدر سے بھی زیادہ عزیز ہے اگرچہ لوگوں میں بدر کا چرچا بہت ہے۔

حضرت کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی زندگی میں کبھی اتنا قوی اور اتنا صاحب مال نہیں ہوا تھا جتنا اس غزوہ کے موقع پر تھا۔ میں پیچھے رہ گیا تھا۔ خدا کی قسم اس سے پہلے میرے پاس کبھی دو اونٹ جمع نہیں ہوئے تھے مگر اس غزوہ کے موقع پر میرے پاس دو اونٹ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوہ کے لئے تشریف لے جاتے تو آپؐ اس کو مبہم الفاظ میں بیان فرماتے (تاکہ معاملہ راز میں رہے) مگر جب اس غزوہ کا موقع آیا تو گرمی بڑی شدید تھی، سفر طویل تھا، دشمن کی کثیر تعداد اور دیگر تمام مشکلات کے پیش نظر آپؐ نے مسلمانوں کو صاف الفاظ میں خبر دی تھی اور سمت کی بھی تعیین کر دی تھی جس کی طرف جانے کا ارادہ تھا تاکہ لوگ پوری طرح تیاری کر لیں۔ مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد آپؐ کے ساتھ تھی کہ کسی رجسٹر میں ان سب ناموں کا اندراج مشکل تھا۔ حضرت کعبؓ نے بیان کیا کہ اگر کوئی شخص اس غزوہ میں شریک نہ ہونا چاہتا تو یہ خیال کر سکتا تھا کہ (شکر کی کثرت کی وجہ سے) اس کی غیر حاضری کا کسی کو پتہ نہیں چلے گا،

سوائے اس کے کہ اس کے متعلق وحی نازل ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اس غزوہ کے لئے تشریف لے جا رہے تھے تو اس وقت پھل پکنے کا زمانہ تھا اور سائے میں بیٹھنے کے دن تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ مسلمان (جنگ کی) تیاریوں میں مصروف تھے، لیکن میں روزانہ یہ سوچتا تھا کہ کل سے تیاری کروں گا۔ اس طرح میں ہر روز اسے نالتا رہا۔ مجھے یقین تھا کہ میں تیاری کر لوں گا اور مجھے اس کے ذرائع بھی میرے تھے۔ یونہی وقت گزرتا رہا آخر لوگوں نے اپنی تیاریاں مکمل کر لیں اور آپ مسلمانوں کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئے۔ اس وقت تک میں نے کوئی تیاری نہیں کی تھی۔ پھر میں نے اپنے دل میں سوچا کہ کل پر سوں تک تیاری کر لوں گا اور لشکر سے جا ملوں گا۔ پھر دوسرے دن میں نے تیاری کا ارادہ کیا اور اس دن بھی کوئی تیاری نہیں کی۔ پھر میں نے تیسرے دن کے لئے سوچا اور اس دن بھی کوئی تیاری نہیں کی۔ وقت یونہی گزرتا رہا اور اسلامی لشکر بہت آگے نکل گیا اور میرے لئے غزوہ میں شرکت بہت مشکل ہو گئی اور میں بھی سوچتا رہا کہ میں یہاں سے روانہ ہو کر ان کو پالوں گا۔ کاش میں نے ایسا کر لیا ہوتا لیکن یہ میرے مقدر میں نہیں تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد کبھی میں باہر نکل کر لوگوں میں جاتا تو مجھے بڑا رنج ہوتا کیونکہ مجھے یا تو وہ لوگ نظر آتے جن کے چہروں سے نفاق ظاہر ہوتا تھا یا پھر وہ لوگ ملتے جنہیں اللہ تعالیٰ نے معذور اور ضعیف قرار دے دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے متعلق کسی سے کچھ نہیں پوچھا، یہاں تک کہ آپ تبوک پہنچ گئے۔ تبوک میں آپ نے ایک مجلس میں فرمایا کہ کعب نے کیا کیا۔ پھر بنی سلمہ کے ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کو اس کے کبر اور غرور نے آنے سے روک دیا۔ (یہ سن کر) حضرت معاذ بن جبل نے (بنو سلمہ کے اس شخص سے) کہا کہ تم نے بری بات کہی۔ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کی قسم، میں ان کے متعلق بھلائی کے سوا اور کچھ معلوم نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں فرمایا۔

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ جب مجھے یہ خبر ملی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لا رہے ہیں تو مجھے تشویش ہوئی اور میرا ذہن کوئی ایسا جھوٹا بہانہ تلاش کرنے لگا جس سے میں آپ کی ناراضگی سے بچ سکوں۔ میں نے اپنے گھر کے ہر ذی رائے سے اس کے متعلق مشورہ لیا۔ پھر جب مجھے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینے سے بالکل قریب پہنچ گئے ہیں تو میرے

ذہن سے تمام باطل خیالات دور ہو گئے اور میں سمجھ گیا کہ اس معاملے میں جھوٹ بول کر میں اپنے آپ کو کبھی نہیں بچا سکتا۔ چنانچہ میں نے سچ بات کہنے کا ارادہ کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت تشریف لائے۔ آپ کی عادت تھی کہ جب آپ سفر سے واپس تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے۔ پھر لوگوں کے ساتھ مسجد میں بیٹھتے۔ چنانچہ حسب عادت جب آپ (نماز سے) فارغ ہو چکے تو وہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو غزوہ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ وہ لوگ قسمیں کھا کھا کر اپنے عذر بیان کرنے لگے۔ ان لوگوں کی تعداد تقریباً اسی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ظاہر کو قبول فرمایا اور ان سے بیعت کی اور ان کے لئے مغفرت کی دعا کی اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد کر دیا۔ پھر میں حاضر ہوا۔ جب میں نے سلام کیا تو آپ مسکرائے اور آپ کی مسکراہٹ میں غصہ تھا۔ پھر فرمایا "آؤ"۔ میں چند قدم چل کر آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا: "مجھے کس چیز نے روکے رکھا؟ کیا تو نے سواری نہیں خریدی تھی؟" میں نے عرض کیا کہ میرے پاس سواری موجود تھی۔ خدا کی قسم اگر میں آپ کے سوا دنیا کے کسی اور شخص کے سامنے بیٹھا ہوا ہوتا تو میں کوئی عذر پیش کر کے اس کی ناراضگی سے بچ سکتا تھا۔ مجھے اچھی گفتگو کا سلیقہ حاصل ہے۔ لیکن خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ اگر آج میں آپ کے سامنے کوئی جھوٹا عذر بیان کر کے آپ کو راضی کر لوں تو اللہ تعالیٰ ضرور آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا اور اگر میں آپ سے سچی بات کر دوں تو یقیناً آپ کو میری طرف سے ملال ہو گا مگر مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ مجھے معاف فرمائے گا۔ خدا کی قسم مجھے کوئی عذر نہیں تھا۔ خدا کی قسم اس سے پہلے میں کبھی اتنا قوی اور صاحب مال نہیں تھا۔ پھر بھی میں آپ کے ساتھ شریک نہیں ہو سکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا ہے (اور فرمایا کہ) اچھا اب جاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ فرمادے۔

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں اٹھ گیا اور میرے پیچھے پیچھے بنی سلمہ کے کچھ لوگ بھی آئے اور مجھ سے کہنے لگے خدا کی قسم ہمیں تمہارے بارے میں یہ معلوم نہیں تھا کہ تم نے اس سے پہلے کوئی گناہ کیا ہے اور تم نے بڑی کوتاہی کی کہ تم نے ویسا ہی کوئی عذر بیان نہیں کیا جیسا دوسرے پیچھے رہ جانے والوں نے بیان کیا تھا۔ تمہارے گناہ کی معافی کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمہارے لئے طلب مغفرت ہی کافی تھی۔ خدا کی قسم مجھے ان لوگوں نے اتنی ملامت کی

کہ مجھے خیال آیا کہ میں واپس جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی جھوٹا عذر پیش کروں پھر میں نے ان لوگوں سے پوچھا کہ کیا میرے علاوہ کسی اور نے بھی مجھ جیسا عذر بیان کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں دو اور آدمیوں نے بھی اسی طرح بیان کیا جس طرح تم نے بیان کیا اور ان کو بھی وہی جواب ملا جو تمہیں ملا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ وہ دونوں کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ مرارہ بن ربیع عمری اور ہلال بن امیہ واقفی ہیں۔ انہوں نے ایسے دو نیک آدمیوں کا نام لیا تھا جو بدر کی جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ چنانچہ ان کا طرزِ عمل میرے لئے نمونہ بن گیا اور میں ان کا نام سن کر اپنے گھر چلا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ہم تینوں سے بات چیت کرنے سے منع فرما دیا۔ لوگ ہم سے الگ رہنے لگے اور سب لوگ بھول گئے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ساری کائنات بدل گئی۔ پچاس دن تک ہم اسی طرح رہے۔ میرے دو ساتھی مرارہ اور ہلال تو اپنے گھروں سے ہی نہیں نکلتے تھے، بس روتے رہتے تھے۔ مگر میں ہمت کر کے باہر نکلتا تھا، مسلمانوں کے ساتھ نماز میں شریک ہوتا تھا اور بازاروں میں گھومتا تھا اور مجھ سے کوئی شخص بات نہیں کرتا تھا۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی حاضر ہوتا تھا۔ جب آپ نماز کے بعد مجلس میں بیٹھتے تھے تو میں آپ کو سلام کرتا تھا اور اپنے دل میں سوچتا کہ میرے سلام کے جواب میں کیا آپ کے ہونٹ مبارک ہلے۔ پھر میں آپ کے قریب ہی نماز پڑھنے لگ جاتا اور آپ کو کنکھیوں سے دیکھنے لگتا۔ جب میں نماز میں مشغول ہو جاتا تو آپ میری طرف دیکھتے مگر جو نہی میں آپ کی طرف دیکھتا آپ رخ انور پھیر لیتے۔

آخر جب لوگوں کی بے رخی بڑھتی ہی گئی تو (ایک دن) میں ابو قتادہ کے باغ میں دیوار پر چڑھ گیا۔ وہ میرے چچا زاد بھائی تھے اور مجھے بہت عزیز تھے۔ میں نے انہیں سلام کیا مگر خدا کی قسم انہوں نے بھی میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا اے ابو قتادہ! میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے خدا کا واسطہ دے کر دوبارہ یہی سوال کیا مگر وہ اب بھی خاموش تھے میں نے پھر اللہ کا واسطہ دے کر ان سے یہی سوال کیا انہوں نے (جواب میں) صرف اتنا کہا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو زیادہ علم ہے۔ اس پر میرے آنسو نکل آئے اور میں دیوار پر سے اتر کر واپس چلا آیا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک روز میں مدینے کے بازار میں جا رہا

تھا کہ شام کا ایک کاشتکار جو غلہ فروخت کرنے مدینے آیا تھا وہ لوگوں سے پوچھ رہا تھا کہ کعب بن مالک کہاں رہتے ہیں۔ لوگوں نے میری طرف اشارہ کر کے اس کو بتایا تو وہ میرے پاس آیا اور غسان کے بادشاہ کا ایک خط مجھے دیا جس میں تحریر تھا۔

”اما بعد! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے صاحب (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ذلیل پیدا نہیں کیا ہے کہ تمہارا حق ضائع کیا جائے۔ تم ہمارے پاس آ جاؤ، ہم تمہارے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کریں گے۔“

میں نے خط پڑھ کر اپنے آپ سے کہا کہ یہ ایک اور مصیبت آگئی۔ پھر میں نے اس خط کو تنور میں جلادیا۔ ان پچاس دنوں میں سے جب چالیس دن گزر چکے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد میرے پاس آیا اور کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم اپنی بیوی کے بھی قریب نہ جاؤ۔ میں نے پوچھا کہ میں اسے طلاق دے دوں یا پھر کیا کروں۔ اس نے بتایا کہ نہیں صرف اس سے جدا رہو۔ اس کے قریب نہ جاؤ۔ آپ نے میرے ان دونوں ساتھیوں کو بھی (جنہوں نے میری طرح معذرت کی تھی) یہی حکم بھیجا۔ چنانچہ میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ اب تم اپنے میکے چلی جاؤ اور اس وقت تک وہیں رہو جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس معاملہ کا فیصلہ فرمائیں۔ حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ (میرے دوسرے ساتھیوں میں سے) ہلال بن امیہ کی بیوی نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہلال بن امیہ بہت بوڑھے اور کمزور ہیں، ان کے پاس کوئی خادم بھی نہیں ہے۔ اگر میں ان کی خدمت کروں تو کیا آپ ناپسند فرمائیں گے؟ آپؐ نے فرمایا کہ صرف ان سے صحبت نہ کرنا۔ اس نے عرض کیا خدا کی قسم وہ تو کسی چیز کے لئے حرکت بھی نہیں کر سکتے۔ جب سے ان پر یہ عتاب ہوا ہے اس وقت سے آج تک ان کے آنسو نہیں رکے۔ حضرت کعبؓ کہتے ہیں کہ میرے گھر کے بعض افراد نے مجھ سے کہا کہ جس طرح آپؐ نے ہلال بن امیہ کی بیوی کو ان کی خدمت کی اجازت عطا فرمادی ہے، آپؐ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح کی اجازت لے لیجئے۔ میں نے کہا نہیں، خدا کی قسم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی اجازت نہیں لوں گا۔ میں جوان ہوں اور مجھے نہیں معلوم کہ جب میں آپؐ سے اجازت لینے جاؤں تو آپؐ کیا فرمائیں۔ اس طرح دس راتیں اور گزر گئیں اور ممانعت کی پچاس راتیں پوری ہو گئیں۔

پھر جب میں نے پچاسویں رات کی صبح کی نماز پڑھی اور میں اپنے مکان کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا اور میرا حال یہ تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ میرا دم گھٹنا جا رہا تھا اور زمین میرے لئے تنگ ہوتی جا رہی تھی۔ اس وقت میں نے ایک پکارنے والے کی آواز سنی جو جبلِ سلع پر چڑھ کر بلند آواز سے کہہ رہا تھا۔ اے کعب بن مالک! تمہیں بشارت ہو۔ حضرت کعبؓ کہتے ہیں کہ یہ آواز سن کر میں سجدے میں گر پڑا اور مجھے یقین ہو گیا کہ اب معاملہ آسان ہو جائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز کے بعد اللہ کی بارگاہ میں ہماری توبہ کی قبولیت کا اعلان فرمادیا تھا۔ لوگ ہمیں بشارت دینے کے لئے آئے لگے اور انہوں نے میرے دونوں ساتھیوں کو بھی جا کر بشارت دی۔ ایک صاحب اپنا گھوڑا دوڑاتے ہوئے آرہے تھے۔ اوھر قبیلہ اسلم کے ایک صحابی نے پہاڑی پر چڑھ کر آواز دی تھی۔ جب وہ بشارت دینے کے لئے میرے پاس آئے تو میں نے بشارت کی خوشی میں اپنے دونوں کپڑے اتار کر انہیں دے دیئے خدا کی قسم اس وقت ان دو کپڑوں کے سوا میری ملکیت میں اور کوئی چیز نہیں تھی۔ پھر میں نے (ابو قتادہ سے) دو کپڑے مانگ کر بیٹنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ لوگ جوق در جوق مجھ سے ملاقات کر رہے تھے اور مجھے توبہ کی قبولیت پر بشارت دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اللہ کی بارگاہ میں توبہ کی قبولیت مبارک ہو۔ حضرت کعبؓ کہتے ہیں کہ آخر میں مسجد میں داخل ہوا۔ آنحضرت تشریف رکھتے تھے۔ چاروں طرف صحابہ کا مجمع تھا۔ طلحہ بن عبید اللہ دوڑ کر میری طرف آئے اور مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی۔ خدا کی قسم میرے آنے پر ان کے سوا مہاجرین میں سے کوئی بھی کھڑا نہیں ہوا۔ میں طلحہ کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔

حضرت کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو اس وقت آپؐ کا چہرہ انور خوشی سے دمک رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس مبارک دن کے لئے تمہیں بشارت ہو جو تمہاری عمر کا سب سے بہترین دن ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بشارت آپؐ کی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بات پر خوش ہوتے تو چہرہ انور منور ہو جاتا تھا اور ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے چاند کا ٹکڑا ہو۔ آپؐ کی مسرت ہم آپؐ کے چہرہ مبارک سے سمجھ جاتے تھے۔ پھر جب میں آپؐ کے سامنے بیٹھ گیا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں اپنی توبہ کی قبولیت کی خوشی میں اپنا مال اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی

راہ میں صدقہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا کہ کچھ مال اپنے پاس بھی رکھ لو، یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا پھر میں خیر کا حصہ اپنے پاس رکھ لوں گا۔ حضرت کعبؓ کہتے ہیں کہ میں نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے سچ بولنے کی وجہ سے نجات دی۔ اب میں اپنی توبہ کی قبولیت کی خوشی میں یہ عہد کرتا ہوں کہ اپنی بقیہ زندگی میں سچ کے سوا کوئی اور بات زبان پر نہیں لاؤں گا۔ خدا کی قسم جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سچ بولنے کا عہد کیا ہے۔ میں کسی ایسے مسلمان کو نہیں جانتا جس پر اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے کی وجہ سے اتنے انعام فرمائے ہوں جتنے سچ بولنے کی وجہ سے اس نے مجھے پر فرمائے ہیں اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ باقی زندگی میں بھی مجھے اس سے محفوظ رکھے گا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر یہ آیت نازل کی۔ (بخاری شریف ۶۲-۶۳ / ۳)

تشریح: غزوہ تبوک کے موقع پر بعض لوگ کھلی دوستی کی وجہ سے جہاد میں شریک نہ ہو سکے مگر بعد میں نادام و تائب ہوئے اور بالآخر ان سب کی توبہ قبول ہو گئی۔ یہ کل دس آدمی تھے جن میں سے سات آدمیوں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کے بعد فوراً اپنی ندامت و توبہ کا اظہار اس طرح کیا کہ اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ لیا کہ جب تک توبہ قبول نہ ہوگی اسی طرح بندھے رہیں گے۔ ان کی توبہ کا حال پہلے بیان ہو چکا ہے۔ ان میں سے تین آدمی وہ تھے جنہوں نے اپنے آپ کو ستونوں سے نہیں باندھا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ان کے مقاطعہ کا حکم دیا کہ کوئی ان کے ساتھ سلام و کلام نہ کرے۔ اس سے یہ حضرات سخت پریشان ہو گئے۔ اس آیت میں انہی کی توبہ قبول ہونے کا بیان ہے۔

جن لوگوں کا معاملہ وحی کے انتظار میں موقوف اور ملتوی رکھا گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کے حال پر بھی توجہ فرمائی۔ جب ان تینوں کے ساتھ مسلمانوں کے مقاطعہ کے پچاس دن پورے ہو گئے اور ان کے اضطراب کی حالت یہ ہو گئی کہ کشادہ و فراخ ہونے کے باوجود زمین ان پر تنگ ہو گئی اور انتظار کی شدت اور غم کی وحشت سے ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہو گئیں، ان کا باہر آنا جانا تک رک گیا۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں، سوائے اس کے کہ صبر کریں اور اپنی ذلت و رسوائی پر راضی رہیں اور ان کو یقین ہو گیا کہ مغفرت کی دعا کے سوا اللہ کی ناراضگی سے بچنے کی کوئی صورت نہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حال پر بھی توجہ فرمائی اور ان کی توبہ قبول فرما

کی تاکہ وہ آئندہ بھی اسی طرح اللہ کی طرف رجوع کرتے رہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ جو شخص ان توبہ کرنے والوں کے طریقے پر چلے گا اللہ تعالیٰ اس کی توبہ بھی قبول فرمائے گا۔ (ابن کثیر ۳۹۹/۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۱۸/۳)

صادقین کی معیت کا حکم

۱۱۹۔ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ۝

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور بچے لوگوں کے ساتھ رہو۔

تشریح: اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ ایمان کے بعد تقویٰ و پرہیزگاری اور بچے لوگوں کی صحبت ضروری ہے۔ جس طرح علم حاصل کرنے کے لئے کتاب کا مطالعہ کافی نہیں بلکہ کسی عالم کی صحبت میں رہ کر علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح اعمال و افعال میں اخلاص و پرہیزگاری کے لئے کسی بچے اور پرہیزگار کی صحبت ضروری ہے۔ چونکہ حضرت کعب بن مالک وغیرہ کی معافی پرہیزگاری اور بچے بولنے کی وجہ سے ہوئی، اس لئے مسلمانوں کو منافقوں کی صحبت سے بچتے رہنا چاہئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی معیت و صحبت اختیار کرنی چاہئے۔

متخلفین کو ملامت

۱۲۰-۱۲۱ مَآ كَانِ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهِ ۚ ذَٰلِك بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ وَلَا مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطَؤُونَ مَوْطِنًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوِّ نِيْلًا ۖ إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝ وَلَا يُنْفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا ۖ إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

اہل مدینہ اور ان کے آس پاس کے دیہاتیوں کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پیچھے نہیں رہنا چاہئے تھا اور نہ یہ کہ وہ اپنی جانوں کو رسول کی جان سے زیادہ عزیز جانیں۔ یہ اس لئے کہ ان کو اللہ کی راہ میں جو تکلیف پہنچتی ہے پیاس کی اور محنت کی اور بھوک کی اور یا ان کا ایسی جگہ جانا جو کفار کو ناگوار گزرتا ہو اور ان کا دشمنوں سے کوئی چیز چھین لینا۔ ان سب باتوں پر ان کے لئے نیک عمل لکھا جاتا ہے۔ بیشک اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا اور جو کچھ وہ خرچ کرتے ہیں خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اور جو میدان وہ طے کرتے ہیں تو سب کچھ ان کے لئے لکھ لیا جاتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے کام کا بہتر سے بہتر بدلہ عطا کرے۔

يَرْغَبُوا: وہ رغبت کریں گے۔ وہ عزیز سمجھیں گے۔ رَغْبٌ وَرَغْبَةٌ سے مضارع۔

ظَمًا: پیاسا ہونا۔ تشنگی۔ مصدر ہے۔

نَصَبٌ: محنت۔ تکلیف۔ مشقت۔ جمع اَنْصَابٌ۔

مُحْمَصَةٌ: سخت بھوک۔ اسم ہے۔

يَطْلُونَ: وہ پامال کریں گے۔ وہ چلیں گے۔ وہ جائیں گے۔ وُطْأٌ سے مضارع۔

يَنَالُونَ: وہ لیتے ہیں۔ وہ پاتے ہیں۔ وہ پہنچتے ہیں۔ نِيلٌ سے مضارع۔

يَقْطَعُونَ: وہ قطع کرتے ہیں۔ وہ کاٹتے ہیں۔ وہ طے کرتے ہیں۔ قَطْعٌ سے مضارع۔

نَيْلًا: پانا۔ کامیاب ہونا۔ مصدر ہے۔

تشریح: جو اہل مدینہ اور اعراب، غزوہ تبوک میں آرام طلبی اور سستی کی وجہ سے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے وہ ان برکات اور اجر و ثواب سے محروم رہے۔ جو آپ

کے ساتھ جانے والوں کو نصیب ہوا کیونکہ متخلفین کو نہ تو بھوک و پیاس سے سابقہ پڑا، اور نہ

انہیں رنج و تکلیف پہنچی اور نہ وہ مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو کر کافروں کو خوف زدہ کرنے کا

باعث بنے اور نہ ان کو کافروں پر غلبہ اور کامیابی کا شرف حاصل ہوا۔ جبکہ مجاہدین کو ان کے ہر

عمل پر اجر و ثواب ملتا ہے خواہ وہ بھوک پیاس کی تکلیف ہو یا رنج اور محنت و مشقت یا ان کا

دشمن کی سرزمین پر چلنا پھرنا جس سے کافروں کو غصہ اور طیش آئے یا وہ دشمن سے کوئی چیز چھین

لیں یا ان کو قتل و گرفتار کر کے تکلیف دیں۔ ان سب کاموں پر مجاہدین کو اجر و ثواب ملتا ہے۔

متخلفین اس اجر و ثواب سے محروم رہے۔

مسلمانوں کے لئے۔ مناسب نہیں کہ جب کوئی جانثاری کا موقع آئے تو وہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدہ ہو کر اپنی راحت و حفاظت کو رسول کی راحت و حفاظت پر مقدم سمجھیں بلکہ ان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ کر مشقتوں اور سختیوں کو برداشت کرنا ضروری تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا رسول تمام عالم سے افضل و اکرم اور بہت عزت اور قدر و منزلت والے ہیں۔ پس جب آپؐ نے یہ سختیاں برداشت کیں تو ان لوگوں کو چاہئے تھا کہ ان سخت حالات میں یہ اپنی جانوں کو نہایت ہلکا اور خفیف جانتے ہوئے رسول اللہ کے سامنے جان بازی کرتے۔ اللہ تعالیٰ کسی حالت میں بھی نیک لوگوں کے اجر و ثواب کو ضائع نہیں کرتا۔

پھر فرمایا کہ مجاہدین اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی کرتے ہیں خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ یا سفر جہاد میں، وہ وادی کا تھوڑا سا حصہ بھی ملے کریں تو انہیں اس کا بہترین اجر و ثواب دیا جاتا ہے۔
(مواہب الرحمن ۶۲-۶۳، ۱۱/۱، ابن کثیر ۴۰۰/۲)۔

دین کی سمجھ پیدا کرنے کی ضرورت

۱۲۲۔ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۝

اور مومنوں کے لئے ضروری نہیں کہ وہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں۔ مگر ایسا کیوں نہیں کیا کہ ان کی ہر جماعت میں سے کچھ لوگ نکلتے تاکہ وہ دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جا کر اپنی قوم کو خبردار کرتے تاکہ وہ (برے کاموں سے) بچتے رہیں۔

لِيَنْفِرُوا: تاکہ وہ فرار ہوں۔ تاکہ وہ بھاگیں۔ نَفَرُوا: مضارع۔
كَافَّةً: سب۔ تمام۔ کَفَّ: بمعنی روکنا سے اسم فاعل۔
طَائِفَةٌ: گروہ۔ جماعت۔ طَوَّفَ: اسم فاعل۔

تشریح: گزشتہ آیتوں میں جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں پر جو ملامت کی گئی اس سے بعض مسلمانوں کو یہ شبہ ہوا کہ مسلمانوں پر جہاد کے لئے نکلنا فرض عین ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس

آیت میں یہ بات واضح فرمادی کہ ہر جہاد میں جانا فرض نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ جہاد کی طرح دین کا علم حاصل کرنا بھی فرض کفایہ ہے۔ جب کوئی لشکر جہاد کے لئے روانہ ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں ہی قیام فرما رہیں تو کچھ لوگوں کا آپ کے پاس رہنا ضروری ہے تاکہ وہ آپ کی خدمت میں رہ کر دین کا علم حاصل کریں اور دین میں کچھ پیدا کریں اور جب مجاہدین کا لشکر جہاد سے واپس آئے تو یہ لوگ ان کو احکام خداوندی سے آگاہ کریں اور اللہ کی معصیت سے ڈرائیں تاکہ وہ ان احکام سے واقف ہو کر جو ان کی عدم موجودگی میں اللہ کے رسول پر نازل ہوئے ان میں اللہ کی نافرمانی سے بچیں۔

آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ علم کے حصول کے لئے سب لوگ اپنے گھروں سے نہ نکل جائیں بلکہ تھوڑے سے لوگ جایا کریں۔ پھر وہ تحصیل علم کے بعد اپنی قوم میں واپس آکر ان کو تعلیم دیں اور وعظ و تلقین کریں۔

فقہ سے مراد احکام شریعت کا علم ہے جس میں عقائد اور اعمال ظاہر اور اعمال باطنہ سب داخل ہیں اور سب ہی کا جاننا فرض ہے۔ لغت میں فقہت کے معنی فہم اور سمجھ کے ہیں۔ لغت اور شریعت کے اعتبار سے فقیہ اس شخص کو کہتے ہیں جو شریعت کے حقائق اور دقائق اور اس کے اصول و فروع کو سمجھتا ہو۔ محض الفاظ یاد کر لینے کا نام فقہت نہیں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۲۲-۴۲۴/۳)

جہاد و قتال کی ترتیب

۱۲۳۔ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝

اے ایمان والو! اپنے آس پاس کے کافروں سے قتال کرو اور چاہئے کہ وہ

تمہارے اندر سختی پائیں اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

تشریح: اس آیت میں جہاد و قتال کی ترتیب بیان کی گئی ہے کہ سب سے پہلے ان کفار سے

جہاد ہونا چاہئے جو مسلمانوں سے قریب تر ہوں۔ پھر جو ان کے قریب رہنے والوں کے قریب ہوں

حلقہ جہاد کو اسی طرح درجہ بدرجہ وسیع کرنا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے

راشدین کے جہاد اسی ترتیب سے ہوئے۔ ”دفاعی جہاد“ میں بھی فقہاء نے یہی ترتیب رکھی ہے کہ جس اسلامی ملک پر کفار حملہ آور ہوں، وہاں کے مسلمانوں پر دفاع واجب ہے۔ اگر وہ کافی نہ ہوں یا سستی کریں تو ان کے متصل رہنے والوں پر دفاع واجب ہو گا۔ اگر وہ بھی کافی نہ ہوں تو پھر جو ان سے متصل ہیں ان پر واجب ہو گا۔ اسی طرح اگر ضرورت پڑے تو درجہ بدرجہ مشرق سے مغرب تک جہاد فرض ہوتا چلا جائے گا۔

مومن کی شان یہ ہے کہ اپنے بھائی کے حق میں نرم اور دشمنان خدا اور رسول کے حق میں سخت اور شدید ہو تاکہ دشمن اس کی نرمی اور ڈھیلے پن سے بے خوف نہ ہو جائے۔ اللہ سے ڈرنے والوں کو کسی کافر قوم سے ڈرنے اور دینے کی ضرورت نہیں۔ اللہ کی حفاظت و نصرت اور اعانت و معیت پر ہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ جب تک تم پر ہیزگاری اختیار کئے رہو گے اللہ کی نصرت و اعانت تمہارے ساتھ رہے گی۔ (عثمانی ۵۸۹/۱)

منافقین کی کج فہمی

۱۲۳-۱۲۴۔ وَإِذَا مَا أَنْزَلْتُ سُورَةً فَمِنْهُمْ مَن يَقُولُ أَيْكُم زَادَتْهُ هَذِهِ
إِيمَانًا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ
وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَى
رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا وَهُمْ كَافِرُونَ ۝ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ
فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذْكُرُونَ ۝
وَإِذَا مَا أَنْزَلْتُ سُورَةً نَّظَرُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ هَلْ يَرَاكُمْ مِّنْ
أَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوا ۖ صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا
يَفْقَهُونَ ۝

اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان (منافقوں میں سے) بعض لوگ کہتے ہیں اس سورت نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کر دیا۔ پس جو اہل ایمان ہیں ان کا ایمان تو اس نے زیادہ کر دیا اور وہی خوش بھی ہوتے ہیں۔ اور جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے تو اس سورت نے ان کی پہلی گندگی

ہیں۔ پھر اگر کوئی مسلمان ان کو نہ دیکھتا ہو تو وہ مسجد سے کھسک جاتے ہیں اور اگر ان کو یقین ہو جائے کہ کوئی ان کو دیکھ رہا ہے تو وہ جے بیٹھے رہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کرتوتوں کی سزا میں ان کے دلوں کو اسلام سے پھیر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ حق و باطل اور نفع و نقصان کو نہیں سمجھتے۔

(مظہری ۳۲۶-۳۲۷، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۲۷-۴۲۸/۳)

آپ کا کمالِ شفقت و رافت

۱۲۸-۱۲۹۔ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ
حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ فَإِنْ تَوَلَّوْا
فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَهُوَ رَبُّ
الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝

بیشک تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک ایسا رسول آگیا ہے جس پر تمہاری تکلیف شاق گزرتی ہے، جو تمہاری بھلائی کا بڑا خواہش مند ہے۔ وہ مومنوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔ پھر بھی اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میرے لئے تو اللہ کافی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں نے تو اسی پر بھروسہ کر لیا ہے اور وہی عرشِ عظیم کا مالک ہے۔

عَزِيزٌ: سخت۔ گراں۔ شاق۔ عزت والا۔

عَنِتُّمْ: تم کو تکلیف پہنچی۔ تم کو ایذا پہنچی۔ عُنْتُ سے ماضی۔

تَشْرِيح: انبیاء کرام علیہم السلام کا کلام یہ ہے کہ شفقت و رحمت اور مہمردی و خیر خواہی کے

جذبے کے ساتھ خلق خدا کو اللہ تعالیٰ کی طرف آنے کی دعوت دیں۔ اگر مخلوق کی طرف سے ان کو کوئی تکلیف پیش آئے تو اس کو اللہ کے سپرد کر دیں اور اسی پر بھروسہ کریں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اس نے تمہیں میں سے ایک شخص کو رسول بنا کر

تمہارے پاس بھیجا ہے۔ جس طرح تم انسان ہو وہ بھی انسان ہے۔ وہ تمہارے درمیان تمہاری ہی طرح زندگی بسر کرتا ہے۔ تم اس کے حسب و نسب، اس کی عفت و پاکیزگی، اخلاق سے واقف ہو۔

تم اس کے لٹھنے بیٹھنے، آنے جانے اور صدق و امانت، سب ہی باتوں کو جلتے ہو۔ جاہلیت کے زمانے میں اس کے خاندان پر کوئی دھبہ نہیں۔ وہ تمہارا ہم جنس ہونے کے علاوہ، تمہارا غایت درجہ، مدد و شفیق اور مہربان ہے۔ امت کی تکلیف ان کو نہایت شاق گزرتی ہے۔ یہ تم پر اللہ کا بہت بڑا احسان ہے ورنہ اگر وہ کسی جن یا فرشتے کو رسول بنا کر تمہارے پاس بھیج دیتا تو تم نہ تو اس سے مانوس ہوتے اور نہ وہ تمہارا اس درجہ، مدد و خیر خواہ ہوتا۔ لہذا تمہارے لئے اس سے پوری طرح استفادہ کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں۔

ایسے شفیق و مہربان کی بات نہ ماننا اور اس کے ساتھ ضد و عناد کا معاملہ کرنا سراسر عقل و فطرت کے خلاف ہے۔ سو اگر یہ لوگ اس قدر شفقت و مہربانی کے مشاہدے کے بعد بھی آپ سے روگردانی کریں اور اپنے بغض و عناد پر قائم رہیں تو آپ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے اور کہہ دیجئے کہ مجھے تو بس اللہ کافی ہے۔ وہی تمہارے شر سے میری حفاظت کرے گا اور مجھے تم پر غالب کرے گا۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں جو نفع و ضرر کا مالک ہو۔ میں نے اپنے سب کلام اسی کے سپرد کر دیئے ہیں جو عرشِ عظیم کا مالک ہے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۳۰ / ۳)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق قرآن کریم کی یہ آخری آیتیں ہیں۔ ان کے بعد کوئی آیت نازل نہیں ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔

حدیث میں ان دو آیتوں کے بڑے فضائل مذکور ہیں۔ حضرت ابو درداء فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح و شام سات مرتبہ یہ آیتیں پڑھ لیا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے دنیا و آخرت کے سارے کام بنادے گا اور وہ جو ارادہ کر رہا ہو اس کو پورا کرے گا۔

(ابن کثیر ۴۰۳ - ۴۰۵ / ۲، روح المعانی ۵۳ / ۱۱)

بسم الله الرحمن الرحيم

سورۃ الیونس

وجہ تسمیہ: اس سورت میں چونکہ حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اس لئے صحابہ کرام میں یہ سورت سورہ یونس کے نام سے مشہور ہوئی۔

تعارف: اس میں گیارہ رکوع، ایک سو نو آیتیں، ۱۸۶۱ کلمات اور ۳۳۳ حروف ہیں۔ یہ سورت مکی ہے۔ ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس سورت کی تین آیتیں مدنی ہیں جن کی ابتدا فان کنت فی شک سے ہوتی ہے۔

اس سورت میں زیادہ تر توحید و رسالت اور آخرت وغیرہ کو کائناتِ عالم اور اس میں ہونے والے تغیرات و مشاہدات سے استدلال کر کے ثابت کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ کچھ عبرت انگیز واقعات کے ذریعہ ان لوگوں کو ڈرایا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی کھلی نشانیوں پر نظر نہیں کرتے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قرآن کریم کی عظمت و جلالتِ شان بیان کی گئی ہے۔ پھر رسالتِ محمدیہ اور توحید کا اثبات اور آخرت کی زندگی اور عجائباتِ قدرت کا بیان ہے۔ آخر میں منکرینِ آخرت کا انجام اور مومنین صالحین کا انعام مذکور ہے۔

رکوع ۲: اللہ تعالیٰ کا لطف و حلم، سابقہ کافروں کی ہلاکت اور مشرکینِ مکہ کی ہرزہ سرائی کا بیان ہے۔ پھر شرک کا ابطال اور مشرکین کی ہٹ دھرمی بیان کی گئی ہے۔

رکوع ۳: توحید کا مزید اثبات اور حیاتِ دنیا کی مثال بیان کی گئی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا لوگوں کو دارالسلام یعنی جنت کی طرف بلانا۔ آخر میں اعمال کا بدلہ اور قیامت کے روز کافروں کی ذلت و رسوائی کا بیان ہے۔

رکوع ۴: توحید کے کچھ اور دلائل اور کفار کو قرآن کا چیلنج کہ تم بھی لیل زبان ہو، فصاحت و بلاغت میں کمال رکھنے کے دعویدار ہو، غیر عرب کو عجی کہتے ہو۔ اگر تمہارے خیال میں یہ قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا ہوا ہے جو محض امی ہیں، تو تم اس قرآن جیسی صرف ایک سورت ہی بنا لاؤ۔

رکوع ۵: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو، معاندین کو ان کے حال پر چھوڑنے کا حکم۔ پھر قیامت کے روز مکذبین کی حسرت و ندامت اور انجام کا بیان۔ آخر میں کفار کا مکذیب و تمسخر کے طور پر بے خوفی کے ساتھ عذاب طلب کرنا مذکور ہے۔

رکوع ۶: عذاب و قیامت کا یقینی طور پر آنا۔ پھر قرآن کے محاسن و صفات کا بیان اور آخر میں مشرکین کے قبیح اعمال کا بیان ہے۔

رکوع ۷: اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا بیان ہے پھر اولیاء اللہ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ نہ تو قیامت کے روز ان کو کسی قسم کا خوف دامن گیر ہو گا اور نہ دنیا میں ان کو کوئی رنج و ملال ہو گا۔ آخر میں آپ کو تسلی و بشارت اور توحید کے کچھ دلائل کا بیان ہے۔

رکوع ۸: شروع میں حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کا بیان اور فرعون کا جادو گروں کو جمع کرنا مذکور ہے۔

رکوع ۹: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توکل اور کثرتِ صلوٰۃ کی تاکید اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا بیان ہے۔ آخر میں فرعون کے لشکر کی غرقابی کا ذکر ہے۔

رکوع ۱۰: اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کو اپنے انعامات یاد دلانا اور قرآن کی حقانیت کا بیان ہے۔ پھر قوم یونس کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں مکذبین کو قدرت کی نشانیوں میں غور کا حکم دیا گیا ہے۔

رکوع ۱۱: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دین اسلام کی حقانیت اور توحید کی تعلیم و تاکید بیان کی گئی ہے۔ آخر میں آپ کو تسلی و تشفی دی گئی ہے۔

حروفِ مقطعات

۱۔ آلرُ یہ حروفِ مقطعات ہیں جو قرآن مجید کی بہت سی سورتوں کے شروع میں آئے ہیں۔ جیسے آلم، حم عسق وغیرہ۔ اس قسم کے حروف کے بارے میں صحابہ کرام، تابعین اور جمہور سلف کا مسلک یہ ہے کہ یہ خاص رموز ہیں۔ ان کے معنی و مراد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں۔ لہذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ان الفاظ کو کلامِ خداوندی سمجھیں اور ان کے معنی اور تاویل میں نہ پڑیں۔

قرآن کی عظمت و جلالتِ شان

تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ ۝

یہ حکمت والی کتاب (قرآن) کی آیتیں ہیں۔

تشریح: یہ کتاب سراپا نورِ حکمت اور چشمہ ہدایت ہے۔ اس کے دلائل و براین نہایت قوی اور واضح ہیں۔ یہ ہر قسم کے عیب اور خلل سے پاک ہے۔ اس میں غلطی اور خطا کا امکان نہیں اس کے الفاظ تحریف و تبدل سے محفوظ اور اس کے علوم و معارف عقل و حکمت کے مطابق ہیں اور اس کے احکام نسخ سے محفوظ ہیں، اس لئے کہ یہ اللہ کی آخری کتاب ہے۔ اس کے بعد کوئی دوسری کتاب نہیں آئے گی جو اس کی ناسخ ہو۔

(حقانی ۵۲۸ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۳۳ / ۳)

اثباتِ رسالتِ محمدیہ

۲۔ أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ رَجُلٍ مِّنْهُمْ أَنْ أَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمٌ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ، قَالَ الْكَافِرُونَ إِنَّ هَذَا السَّحَرُ الْمُبِينُ ۝

کیا لوگوں کو اس بات پر تعجب ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص پر وحی بھیجی کہ وہ لوگوں کو خبردار کرے اور مومنوں کو بشارت دے کہ ان کے رب کے پاس (پہنچ کر) ان کو پورا مرتبہ ملے گا۔ کافر کہنے لگے کہ (نعوذ باللہ) یہ تو بلاشبہ صریح جادو گر ہے۔

تشریح: کیا لوگوں کے لئے یہ بات باعث تعجب و حیرت ہے کہ ہم نے ان کی اصلاح و ہدایت کے لئے انہیں میں سے ایک ایسے شخص پر وحی بھیجی جس کے حسب و نسب اور صدق و دیانت سے یہ لوگ خوب واقف ہیں تاکہ وہ اللہ کی نافرمانی کرنے والوں کو ان کے برے اعمال اور برے عقائد کے برے نتائج سے جو دنیا میں اور مرنے کے بعد آخرت میں پیش آتے ہیں خبردار کرے۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! جو لوگ اللہ تعالیٰ پر، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو خوش خبری سنائیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ بلند مرتبہ اور اجر عظیم کے مستحق ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے کسی برگزیدہ بندے پر لوگوں کی ہدایت و اصلاح اور بشارت و نذارت کے لئے وحی کا نزول کوئی تعجب کی بات نہیں بلکہ باعث تعجب تو یہ ہوتا کہ لوگوں کو اکاہی و رہنمائی کے بغیر یونہی مھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا، مگر یہ کافر تو تعجب سے بھی آگے بڑھ کر طعن و تشنیع پر اتر آئے اور آپ کے معجزات کو دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ شخص تو کھلا جادو گر ہے۔ قرآن تو سراپا موعظت و حکمت ہے۔ اس کا جادو ہونا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے صاحب کرامات و معجزات کو جادو گر کہنا ناممکن اور محال ہے۔ آپ تو اللہ کے سچے رسول ہیں اور اس کی صفات و کمالات کو بیان کرتے ہیں۔

(حقانی ۵۲۸ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۳۴، ۴۳۵ / ۳)

اثباتِ توحید

۳۔ اِنَّ رَبَّكُمْ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلٰی الْعَرْشِ یَدْبِرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَیْءٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ذَلِکُمْ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝

بیشک تمہارا رب تو اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا۔ پھر وہ عرش پر قائم ہوا وہ ہر کلام کی (مناسب) تدبیر کرتا ہے۔ (اس کے سامنے) اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش نہیں کر سکتا۔ وہی اللہ تمہارا (حقیقی) رب ہے۔ سو تم اس کی عبادت کرو۔ کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے۔

اِسْتَوٰی: اس نے قصد کیا۔ وہ متوجہ ہو۔ وہ قائم ہوا۔ اِسْتَوٰی سے ماضی۔

یُدَبِّرُ: وہ تدبیر کرتا ہے۔ وہ انتظام کرتا ہے۔ تَدَبَّرْ سے مضارع۔

شَفِیْع: سفارش کرنے والا۔ شَفَاعَةُ سے فاعل کے معنی میں۔

تَشْرِیْح: تمہارا رب تو وہ ہے جس نے چھ روز کے مختصر عرصے میں آسمانوں اور زمین

اور سیاروں اور تمام کائنات پر مشتمل اتنے بڑے جہان کو بنادیا اور پھر عرشِ عظیم پر ممکن ہو گیا اور عرش سب مخلوقات میں سب سے بڑی مخلوق ہے اور سرخ یا قوت سے بنا ہوا ہے۔ یقینی طور پر اللہ تعالیٰ جسم اور اس کی تمام صفات و خصوصیات سے بالا و برتر ہے۔ پس نہ اس کا جسم ہے اور نہ اس کے لئے کوئی سمت ہے اور نہ اس کا کسی مکان ہیں اس طرح کا قیام ہے جس طرح دنیا کی چیزوں کا قیام اپنی اپنی جگہ پر ہوتا ہے۔ پھر عرش پر قیام فرمانا کس طرح اور کس کیفیت میں ہے، اس کا علم بھی کسی کو نہیں۔ یہ ان مشابہات میں سے ہے جن کو عقل نہیں پاسکتی اور اللہ کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا۔

وہ ایسا قادرِ مطلق ہے کہ اس کو اپنی تخلیق کے لئے نہ تو کسی خام مال کی ضرورت ہے اور نہ عملے اور خدام کی۔ بلکہ اس کی قدرتِ کاملہ کا مقام تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو بنانا چاہتا ہے تو کسی قسم کے سامان اور کسی کی امداد کے بغیر ایک آن سے بھی پہلے بنادیتا ہے۔ اس آیت میں چھ دن کا ذکر کسی خاص مصلحت و حکمت کی بنا پر ہے، ورنہ اس کی قدرت میں تو یہ بھی ہے کہ وہ تمام آسمانوں اور زمین وغیرہ کو ایک آن سے بھی کم میں پیدا فرمادے۔ یہاں آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنانے کا ذکر کرنے میں ممکن ہے بندوں کو تعلیم دینا مقصود ہو کہ قدرت کے باوجود ہر کلام کو سوچ سمجھ کر ممانعت و سنجیدگی سے کرنا چاہئے۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۵۰۱/۴، تفسیر حقانی ۵۲۸، ۵۲۹/۲)

پس جو ذات ایسی قدرتِ کاملہ، تقدیر و تدبیر اور عظمت و حکمت جیسی صفات کے ساتھ

متصف ہے، وہی اللہ تعالیٰ ہے جو تمہارا پروردگار ہے۔ اور تم جانتے ہو کہ ان صفات میں اس کا

کوئی شریک نہیں، سو تم اسی کی عبادت کرو اور اس کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرو۔
کیا تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں کہ عبادت صرف اسی ذات کا حق ہے جو کامل قدرت اور حکمت و
عظمت جیسی صفات کے ساتھ موصوف ہو۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳/۳۳)

آخرت کی زندگی

۴۔ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا، وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا اَنَّهُ يُبَدِّؤُا الْخَلْقَ
ثُمَّ يُعِيدُهُمْ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ اَلِيمٌ بِمَا
كَانُوا يَكْفُرُوْنَ ۝

تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ بیشک وہی پہلی
بار پیدا کرتا ہے پھر (قیامت کے روز) وہی دوبارہ بھی پیدا کرے گا، تاکہ جو
لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے ان کو انصاف کے ساتھ بدلہ
دے اور جنہوں نے کفر کیا ان کے لئے پینے کا کھولتا ہوا پانی اور دردناک
عذاب ہے ان کے کفر کے بدلے میں۔

یُبَدِّؤُا: اس نے ابتدائی تخلق کی۔ وہ عدم سے وجود میں لایا۔ بَدَّءَ سے مضارع بمعنی
ماضی۔

الْقِسْطِ: انصاف۔ عدل۔ برابری۔ اسم ہے۔ جمع اُقْسَاطٌ۔

حَمِيمٍ: کھولتا ہوا پانی۔ نہایت گرم پانی۔ جمع مُہَامِمٌ۔

تَشْرِیْحُ: قیامت کے روز تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے، جس نے سب کو پیدا

کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے۔ اگر تمہارے خیال میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا محال ہے،
تو یہ تمہاری سمجھ کا بھیر ہے۔ بلاشبہ اسی نے مخلوق کو پہلی بار پیدا کیا اور وہی اپنی قدرتِ کاملہ سے
اس کو دوبارہ پیدا کرے گا تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے، اللہ تعالیٰ
انصاف کے ساتھ ان کو بدلہ دے اور جن لوگوں نے کفر کیا، قیامت کے روز ان کو ان کے کفر کے

سبب مختلف عذاب دے۔ مثلاً بادِ سموم اور آبِ حمیم وغیرہ۔ یہ لوگ دن رات اسی عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ لہذا انسان کو چاہئے کہ آخرت کی زندگی کے لئے کچھ تیاری کر لے۔ (ابن کثیر، ۴۰۷/۲)

عجائبِ قدرت

۶۵۔ هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَ لَنَا مَنَازِلَ
لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَلِكَ إِلَّا
بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ إِنَّ فِي اخْتِلَافِ
الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ
لِّقَوْمٍ يَعْتَقُونَ ۝

(اللہ) وہی تو ہے جس نے سورج کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو روشن کر دیا اور اس (اللہ) نے اس کی منزلیں مقرر کر دیں، تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب جان لو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ تدبیر سے بنایا ہے۔ وہ سمجھدار لوگوں کے لئے کھول کھول نشانیاں بیان کرتا ہے۔ بیشک رات اور دن کے بدلنے میں اور جو کچھ اس نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کر رکھا ہے ان سب میں الہیہ پرہیز گاروں کے لئے (توحید کی بڑی) نشانیاں ہیں۔

قَدَّرَ: اس نے اس کا اندازہ کیا۔ اس نے اس کو مقرر کیا۔ تَقْدِيرٌ سے ماضی۔
السِّنِينَ: سال۔ برس۔ واحد سَنَةً
يُفَصِّلُ: وہ تفصیل سے بیان کرتا ہے۔ وہ کھولتا ہے۔ تَفْصِيلٌ سے مضارع۔

تشریح: اللہ تعالیٰ تو وہی ہے جس کی الوہیت و ربوبیت کے دلائل تم سن چکے ہو۔ اسی نے سورج کو روشن اور چاند کو پر نور بنایا۔ سورج کی روشنی الگ قسم کی ہے اور چاند کی روشنی علیحدہ نوعیت کی ہے۔ دن میں سورج کی بادشاہت ہے تو رات میں چاند کی۔ پھر چاند کے لئے منزلیں مقرر کر دیں۔ پہلی تاریخ کو جب چاند افق پر نمودار ہوتا ہے تو بہت ہی چھوٹا ہوتا ہے۔ پھر اس کی روشنی اور سائز بڑھتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ایک کامل دائرہ بن جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر

گھٹنا شروع ہو جاتا ہے اور ایک مہینہ پورا ہونے پر اپنی پہلی حالت پر آ جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وَالْقَمَرَ قَدَرْنَا لَمْ نَزَلْ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ۔

(السن آیت - ۳۹)

اور ہم نے چاند کے لئے منزلیں مقرر کر دیں، یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی شاخ کی طرح (باریک، زرد اور خمدار) ہو جاتا ہے۔

نہ تو سورج چاند کو جا پکڑتا ہے اور نہ رات ہی دن سے آگے بڑھتی ہے۔ ہر ایک اپنے اپنے فاصلے اور قانون کی رو سے اپنے اپنے مدار پر گھوم رہا ہے۔ پھر سورج کے ذریعہ دن پہنچانے جاتے ہیں اور چاند کی گردش سے مہینوں اور سالوں کا حساب لگایا جاتا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ حُسْبَانًا (سورۃ النعام - آیت ۹۶)

اور سورج اور چاند کا اپنا اپنا حساب ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں فرمایا بلکہ ان کے پیدا کرنے کا مقصد اپنی قدرتِ کاملہ اور وحدانیت کے دلائل کا اظہار ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ذَٰلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ ۝ (سورۃ ص -

آیت - ۲۷)

اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے وہ سب باطل طور پر پیدا نہیں کیا۔ یہ تو کافروں کا گمان ہے (کہ یہ سب بیکار پیدا کئے گئے)

سو کافروں کے لئے دوزخ کی ہلاکت ہے۔

اہلِ علم کے لئے تو ہم دلائل و براین کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ سمجھنے والے سمجھ جائیں۔ دن رات کے اختلاف کا مطلب یہ ہے کہ جب دن چلا جاتا ہے تو رات آ جاتی ہے اور جب رات چلی جاتی ہے تو دن آ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین میں جو کچھ پیدا کیا ہے وہ سب اس کی عظمت، اس کے علم و قدرتِ کاملہ اور اس کے تمام صیوب و نقائص سے پاک ہونے کی عظیم نشانیاں ہیں۔ جن لوگوں کو آخرت کا خوف ہوتا ہے وہی اللہ کی نشانیوں میں غور و فکر کرتے ہیں۔

(ابن کثیر ۴/۲)

منکرینِ آخرت کا انجام

۸۷۔ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاعَنَا وَرَضُوا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَاطْمَآنَوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ
مَأْوٰهُمْ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝

جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے اور وہ دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے
اور اسی پر مطمئن ہو گئے اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں، ایسے
لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔ ان کے اعمال کی وجہ سے۔

يَرْجُوْنَ : وہ امید کرتے ہیں۔ رَجَاءُ سے مضارع۔

لِقَاعَنَا : ہماری ملاقات۔ ہمارا ملنا۔

اطْمَآنَوْا : وہ مطمئن ہو گئے۔ انہوں نے آرام پایا۔

مَأْوٰهُمْ : ان کے رہنے کی جگہ۔ ان کا ٹھکانا۔

يَكْسِبُوْنَ : وہ کمائی کرتے ہیں۔ كَسَبٌ سے مضارع۔

تشریح : جن بد بختوں کو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے ملنے کا ذرا بھی یقین نہیں اور وہ دنیا

کی فانی زندگی کو آخرت کی زندگی پر جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے، ترجیح دیتے ہیں اور اسی پر راضی و
مطمئن اور اسی میں مگن ہیں۔ وہی لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت و صنعت کی نشانیوں سے غافل ہیں۔
اپنے برے کرتوتوں اور کفر و معاصی پر جسے رہنے کی وجہ سے ان کا ٹھکانا دوزخ ہے جہاں پہنچ کر وہ
اپنی تمام مرغوب و محبوب چیزوں سے محروم ہو جائیں گے۔ ان کے اعمالِ بد کا یہ صحیح بدلہ ہے۔

(ابن کثیر، ۴/۲۰۷)

مومنینِ صالحین کا انعام

۱۰۹۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ
بِاَيِّمَانِهِمْ ۖ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنَّتِ النَّعِيْمِ ۝
دَعَّسُوْهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلَامٌ ۝

وَاٰخِرُ دَعْوَاهُمْ اِنَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کئے تو ان کے ایمان کی وجہ سے ان کا رب (جنت تک) ان کی رہنمائی کرے گا، جن کے نیچے نعمتوں والے باغوں میں نہریں بہتی ہوں گی۔ جہاں ان کی گفتگو سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ (اے اللہ تیری ذات پاک ہے) اور ان کی باہمی دعا سلام (السَّلَامُ عَلَیْكُمْ) ہوگی اور ان کی (اس وقت کی باتوں میں) آخری بات اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ہوگی۔

تشریح: جو لوگ ایمان لائے، نیک اعمال کئے اور انہوں نے پیغمبروں کی تصدیق کی اور اطاعت گزاریاں کیں تو ان کے ایمان و یقین کے سبب قیامت کے روز، اللہ تعالیٰ جنت میں پہنچانے والے رستے کی طرف ان کی رہنمائی کرے گا، جہاں ان کے مکانوں کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ پھر یہ لوگ نعمتوں اور عیش و آرام کے باغوں میں رہیں گے اور اس کی حمد و شکر کے طور پر کہیں گے کہ اے اللہ تو وعدہ خلافتی اور تمام نقائص سے پاک ہے۔ تو نے ہی اپنے فضل سے یہ نعمتیں عطا کیں۔ جنت میں اہل جنت کی ابتدائی دعا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ اور آخری دعا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ہوگی۔

چونکہ جنت میں اہل جنت کو ہر چیز خود بخود حاصل ہو جائے گی اور کسی کو مانگنے کی درخواست کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اس لئے ان کی دعا کا مطلب یہ ہو گا کہ دعا کے بدلے میں ان کی زبان پر صرف اللہ کی تسبیح ہوگی۔ اسی میں ان کو لذت آئے گی اور کوئی لغو اور یہودہ بات ان کی زبانوں سے نہیں نکلے گی۔

امام ابن جریر اور ابن منذر وغیرہ نے اور ابوالشیخ نے ابن جریر کی ایک روایت نقل کی ہے کہ جب اہل جنت کے پاس سے کوئی (ایسا) پرندہ اڑتا ہوا گزرے گا جس کی انہیں خواہش پیدا ہوگی تو وہ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ کہیں گے اور یہی ان کا پکارنا ہو گا۔ پس اسی وقت ایک فرشتہ ان کی خواہش کی چیز ان کے پاس لے آئے گا اور ان کو سلام کرے گا۔ پھر وہ اس فرشتے کے سلام کا جواب دیں گے۔ پھر وہ کھا چکیں گے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کہیں گے۔

(روح المعانی، ۷/۱۱)

مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ اہل جنت کوئی کھانے کی چیز منگوانا چاہیں گے تو

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ کہیں گے۔ سو اس کے پاس دس ہزار خادم سونے کے خوان لئے ہوئے حاضر ہو جائیں گے کہ ہر خوان میں ایک تازہ کھانا ہو گا۔ وہ ہر ایک میں سے کچھ نہ کچھ کھائے گا۔
(ابن کثیر ۸/۴۰۸)

اللہ تعالیٰ کا لطف و حلم

۱۱۔ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجْلُهُمْ ۖ فَنَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝

اور اگر اللہ تعالیٰ بھی سزا دینے میں ویسی ہی جلدی کیا کرتا جیسا کہ لوگ اپنے فوائد کے لئے جلدی کیا کرتے ہیں تو ان کی (عمر کی) میعاد کبھی کی پوری ہو چکی ہوتی۔ سو ہم ان لوگوں کو جو ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے، ان کے حال پر چھوڑے رکھتے ہیں کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔

يُعَجِّلُ: وہ عجلت کرتا ہے۔ وہ جلدی کرتا ہے۔ تَعْجِيلٌ سے مضارع

اسْتِعْجَالَهُمْ: ان کا عجلت کرنا۔ ان کا جلدی کرنا۔ مصدر ہے۔

لَقُضِيَ: البتہ وہ پورا کر دیا گیا۔ البتہ اس کا فیصلہ کر دیا گیا۔ قَضَاءٌ سے ماضی بھول۔

أَجْلُهُمْ: ان کا وقت۔ ان کی مہلت۔ جمع أَجَالٌ۔

فَنَذَرُ: سو ہم چھوڑ دیں گے۔ سو ہم پڑا رہنے دیں گے۔ نَذَرٌ سے مضارع۔

طُغْيَانِهِمْ: ان کی سرکشی۔ ان کی گمراہی۔

يَعْمَهُونَ: وہ سرگرداں پھرتے ہیں۔ وہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔ عَمَّہُ سے مضارع۔

تشریح: جب لوگ یہاں تک بے خوف ہو کر اپنے اوپر جلد عذاب آنے کا مطالبہ کرتے ہیں یا

حوادثِ زمانے سے تنگ آکر اپنے یا اپنی اولاد کے حق میں بددعائیں کرنے لگتے ہیں تو اس وقت اگر

اللہ تعالیٰ بھی ان کی بددعاء کو قبول کرنے میں اسی عجلت سے کلام لے جس عجلت سے وہ لوگوں کی

نیک دعاؤں کو قبول کرتا ہے تو ان کی موت کبھی کی واقع ہو چکی ہوتی اور ان کا نام و نشان بھی نہ

رہتا۔ مگر ہمارا لطف و حلم، جلد بازی کا مستقاضی نہیں، اس لئے ہم ان لوگوں کو ہلاک کرنے میں جلدی نہیں کرتے جن کو ہمارے پاس آنے کا ذرا بھی خوف نہیں بلکہ ہم ڈھیل دے کر ان کو ان کی سرکشی اور گمراہی میں چھوڑ دیتے ہیں تاکہ وہ اسی میں سرگرداں رہیں اور اللہ کی حجت پوری ہو جائے۔ (عثمانی ۵۹۶، ۵۹۷ / ۱، مواہب الرحمن ۱۰۵ / ۱۱)

السان کی احسان فراموشی

۱۲- وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا
فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّكَانَ تَمَّ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرِّ مَسَّهُ
كَذَلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو لیٹے، بیٹھے، کھڑے (ہر حال میں) ہم کو پکارنے لگتا ہے۔ پھر جب ہم اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں تو وہ ایسا ہو جاتا ہے گویا کہ اس نے کسی تکلیف کے پہنچنے پر کبھی ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔ اسی طرح حد سے بڑھنے والوں کو ان کے اعمال (بد) بھلے معلوم ہوتے ہیں۔

الضُّرُّ: ضرر - تکلیف - مصدر ہے۔

لِجَنْبِهِ: اس کا پہلو - اس کی کروٹ - جمع جُنُوبٌ۔

كَشَفْنَا: ہم نے کھول دیا - ہم نے دور کر دیا - ہم نے ٹال دیا - کُشِفَ سے ماضی۔

مَرَّكَانَ: وہ گزر گیا - وہ (پہلی حالت پر) آگیا - مَرُّوْرٌ سے ماضی۔

تشریح: جب انسان کسی مصیبت و تنگی سے دوچار ہوتا ہے تو اس کے نتیجے میں بے تاب و

بے قرار ہو کر، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے، غرض ہر وقت اور ہر حال میں، اللہ تعالیٰ سے

مصیبتوں کے بادل ہٹ جانے کی دعائیں مانگنے لگتا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اس کو پریشانیوں اور

مصیبتوں سے نجات دے دیتا ہے تو وہ ایسا غافل و بے خبر ہو جاتا ہے جیسے کبھی اس پر مصیبت آئی

ہی نہیں تھی اور نہ اس نے مصیبت و دکھ کی حالت میں کبھی اللہ سے دعا کی تھی۔ پھر وہ اپنی سابقہ

روش پر چلتے ہوئے کفر و ناشکری کرنے لگتا ہے۔ ایسے حد سے گزرنے والوں کی نظر میں ان کے

اعمال بد مستحسن و محبوب بنا دیئے جاتے ہیں اور وہ کفر، شرک اور بدعت کو اچھا سمجھنے لگتے ہیں اور

توحید و اخلاص اور دعا و عبادات سے منہ موڑ لیتے ہیں۔

(مظہری ۱۲، ۱۳ / ۵، مواہب الرحمن ۱۰۵، ۱۰۶ / ۱۱)

سابقہ مجرمین کی ہلاکت

۱۳، ۱۴۔ وَلَقَدْ أَمَلْنَا الْقُرُونُ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا كَذَلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلِيفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ۝

اور اللہ ہم نے تم سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہلاک کر دیا جبکہ انہوں نے ظلم (کفر و شرک) اختیار کیا حالانکہ ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے اور وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لے آتے۔ ہم نافرمانوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ پھر ان کے بعد ہم نے تم کو زمین پر ان کا جانشین بنایا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کس طرح کام کرتے ہو۔

الْقُرُونُ: گروہ۔ امتیں۔ زمانے۔ واحد قُرْنٌ۔

خَلِيفَ: جانشین۔ صاحب اختیار۔ واحد خَلِيفَةٌ۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نافرمانی کے جرم میں سابقہ کافروں کی ہلاکت و تباہی کا ذکر کیا ہے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے لوگ ان کے حالات سے عبرت حاصل کریں اور آپ کی تکذیب و مخالفت سے باز آجائیں اور سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہی ہے کہ جو لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کے واضح دلائل (معجزے) اور نشانیاں دیکھ کر بھی ان کی تکذیب کریں تو اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل کر کے، ان کو ہلاک کر دیتا ہے۔ اے لہل مکہ! اگر تم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب سے باز نہ آئے اور ان پر ایمان نہ لائے تو تم بھی عذاب الہی میں مبتلا ہو سکتے ہو۔ ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔

پھر ان منکرین و مکذبین کے ہلاک و برباد ہونے کے بعد ہم نے تمہیں ان کا جانشین بنایا اور ان کی جگہ تمہیں آباد کیا اور تمہارے پاس بھی رسول بھیجا ہے تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے

عمل کرتے ہو، اپنے رسول پر ایمان لاتے ہو یا اس کی تکذیب کرتے ہو۔ پھر ہم تمہارے اعمال کے مطابق معاملہ کریں گے۔

(مظہری ۱۳، ۱۴ / ۵، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۵۰، ۴۵۱ / ۳)

مشرکین مکہ کی ہرزہ سرائی

۱۴، ۱۵۔ وَإِذَا تُلِّيٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٌ ۖ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاعَنَا إِنَّتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَذَا أَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَائِي نَفْسِي ۚ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۚ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ قُلْ تَوْشَاءَ اللَّهِ مَا تَلُوتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَذْرَاكُمْ بِهِ ۚ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُونَ ۝

اور جب ان کے سامنے ہماری واضح آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کی امید نہیں تو وہ (آپ سے) کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا قرآن لائے یا اس میں کچھ تبدیلی کر دیجئے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرے لئے ممکن نہیں کہ میں اس میں اپنی طرف سے تبدیلی کر دوں بلکہ میں تو اسی کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا گیا۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں، آپ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ تو میں تمہارے سامنے اس کی تلاوت کرتا اور نہ وہ (اللہ) تمہیں اس کی خبر کرتا کیونکہ میں تو اس سے پہلے تم میں ایک عمر (طویل) گزار چکا ہوں۔ سو کیا تمہیں اتنی بھی عقل نہیں۔ پھر اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو اللہ پر بہتان باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے۔ بے شک نافرمان فلاح نہیں پائیں گے۔

تُلِّيٰ : اس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ وہ پڑھی جاتی ہے۔ تِلَاوَةٌ سے مضارع مجہول۔
تِلْقَائِي : اپنی طرف سے۔ اپنی جانب سے۔

أَذْرَكُمْ: اس نے تم کو خبر دینی۔ اس نے تم کو واقف کیا۔ اِذْرَاءُ سے ماضی۔

لَبِثْتُ: میں رہا۔ میں ٹھہرا۔ لَبِثْتُ سے ماضی۔

اِفْتَرَى: اس نے ہمت لگائی۔ اس نے بہتان تراشا۔ اِفْتَرَاءُ سے ماضی۔

تَشْرِیح: مشرکین مکہ میں سے جو لوگ نہایت سرکش اور شریر تھے اور ہر بات سے انکار اور

اعراض کرتے تھے، ان آیتوں میں انہیں کا ذکر ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اللہ

تعالیٰ کی کتاب پڑھ کر سناتے اور اللہ کی وحدانیت کے واضح دلائل پیش کرتے تو یہ لوگ کہتے کہ

اس قرآن کے سوا کوئی دوسرا قرآن لاؤ جو دوسرے انداز سے لکھا ہوا ہو۔

ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ

مجھے کوئی حق نہیں کہ میں اپنی طرف سے قرآن کو بدل دوں، میں تو صرف ایک بندہ اور اللہ کا پیغام

بہنچانے والا قصد ہوں۔ میں تو وہی کہتا ہوں جو مجھ پر وحی اترتی ہے۔ اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو

مجھے بھی قیامت کے عذاب کا سخت خوف ہے۔

یہ قرآن میری طرف سے بنایا ہوا نہیں، اگر میں بنا سکتا تو تم بھی بنا سکتے، حالانکہ تم بھی

اس کے بنانے سے عاجز ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ اللہ کے سوا کسی اور کا کلام نہیں ہو سکتا پھر یہ کہ تم تو

میری صداقت و امانت کو اس وقت سے جانتے ہو جب سے میں تمہاری قوم میں پیدا ہوا ہوں اور

میں تمہارے اندر اپنی زندگی کا ایک طویل حصہ گزار چکا ہوں۔ کیا تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں کہ تم

سچ اور غلط میں فرق کر سکو۔

ہر قل شاہِ روم نے جب ابوسفیان سے آپ کے بارے میں پوچھا کہ کیا کبھی آپ کا جھوٹ

بھی تم پر ظاہر ہوا ہے تو ابوسفیان نے کہا کہ نہیں۔ حالانکہ ابوسفیان اس وقت مشرکین مکہ کا

سردار تھا۔ اس پر ہر قل نے کہا کہ جس شخص نے کبھی انسانوں کے معاملے میں جھوٹ نہ کہا ہو وہ

خدا کے معاملے میں کیسے جھوٹ کہے گا۔

پھر فرمایا کہ اس سے بڑھ کر ظالم اور سرکش کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر بہتان باندھتا ہے۔

اس کے بارے میں جھوٹی باتیں بناتا ہے۔ اس کی آیتوں کو جھٹلاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اللہ کا

رسول ہوں اور مجھ پر وحی اترتی ہے۔ ایسے شخص سے بڑھ کر کوئی مجرم اور گنہگار نہیں ہو سکتا۔

بلاشبہ مجرم فلاح نہیں پائیں گے بلکہ عذابِ ابدی میں گرفتار ہوں گے۔

(مواہب الرحمن ۱۱۲-۱۱۵/۱۱- ابن کثیر ۴۱۰/۲)

ابطالِ شرک

۱۹، ۱۸۔ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَنْصُرُهُمْ وَيَقُولُونَ
مَوْلَاؤُنَا شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ ۚ قُلْ اتَّبِعُونِ اللَّهَ بَعَا لَا يَعْلَمُ فِي
السَّمُوتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝
وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ
سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَفُتِحَ بَيْنَهُمْ فِي مَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝

اور وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کو پوجتے ہیں جو نہ ان کو ضرر دے سکتی ہیں اور نہ
نفع اور وہ کہتے ہیں کہ یہ (بت) تو اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔ آپ کہہ
دیجئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو۔ جس کا وجود ہی نہ ہو وہ نہ آسمانوں
میں پاتا ہے اور نہ زمین میں۔ وہ (اللہ) پاک ہے اور اس سے بہت برتر ہے
جس کو اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔ اور (شروع میں) لوگ ایک ہی امت
(گروہ) تھے۔ پھر ان میں اختلاف پیدا ہو گیا اور اگر آپ کے رب کی طرف سے
ایک بات نہ ہوتی جو پہلے سے ٹھہر چکی ہے تو جس چیز میں یہ اختلاف کر رہے ہیں
اس کا قطعی فیصلہ (دنیا ہی میں) ہو چکا ہوتا۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتمؒ نے عکرمہؒ کا قول نقل کیا ہے کہ نصر بن حرث کہا کرتا تھا کہ
قیامت کے روز لات اور عزیٰ میری شفاعت کریں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

علامہ آلوسیؒ کہتے ہیں کہ ظاہر یہی ہے کہ یہ قول "لات و عزیٰ قیامت کے روز ان کی
شفاعت کریں گے" محض نصر بن حرث ہی کا نہیں تھا بلکہ اول تو تمام مشرکین یہی کہتے تھے اور یہ
بات فرضِ محال کے طور پر تھی کہ ایسا ہو گا نہیں۔ اگر بالفرض قیامت کے روز ہمیں زندہ کر کے
اٹھایا بھی گیا تو یہ بت ہماری شفاعت کریں گے۔ (روح المعانی ۱۱/۱۸۸)

تشریح: ان آیتوں میں مشرکین کی جہالت و گمراہی بیان کی گئی ہے۔ یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر
بتوں کو پوجتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بت اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیوی امور میں ان کی سفارش کریں گے
اور اگر قیامت ہوئی تو یہ وہاں بھی شفاعت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا کہ ان کا یہ
دعویٰ کہ یہ بت اللہ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے بالکل غلط اور بے دلیل ہے۔ یہ لوگ اللہ کو

چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں جو نہ تو عبادت کے صلے میں ان کو کسی قسم کا فائدہ پہنچا سکتی ہیں اور نہ عبادت ترک کرنے پر ان کو کسی قسم کا نقصان دے سکتی ہیں۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اس کے شریک کے بارے میں بتا رہے ہو، جس کو وہ نہیں جانتا۔ آسمانوں اور زمین میں اس کے شریک کا کہیں وجود نہیں۔ وہ اس چیز سے پاک اور بلند و برتر ہے جس کو یہ اس کا شریک ٹھہرا رہے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں سب لوگ ایک ہی امت اور ایک ہی گروہ تھے۔ سب توحید اور دین اسلام پر تھے اس لئے کہ حضرت آدم علیہ السلام بھی موحد تھے۔ پھر ایک زمانہ گزرنے کے بعد ان میں اختلاف پیدا ہونے لگے اور آہستہ آہستہ وہ مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ان میں سے بعض توحید پر قائم رہے اور بعض توحید کو چھوڑ کر شرک و بدعت اور گمراہی میں جا پڑے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ (البقرہ - آیت ۲۱۳)

پھر اللہ نے انبیاء مبشرین و منذرین کو بھیجا۔

اگر اللہ تعالیٰ کا یہ ازلی فیصلہ جاری نہ ہو چکا ہوتا کہ یہ دنیا دار العمل ہے، دارالجزا نہیں تو جس چیز میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں اس کا قطعی فیصلہ دنیا ہی میں کر دیا جاتا۔

(روح المعانی ۸۸، ۹۰/۱۱)

مشرکین کی ہٹ دھرمی

۲۰- وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَقُلْ إِنَّمَا الْغِيبُ لِلَّهِ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ۝

اور وہ کہتے ہیں کہ اس (رسول) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نازل نہیں ہوئی۔ سو آپ کہہ دیجئے کہ غیب کی خبر تو اللہ ہی کو ہے، پس تم انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

تشریح: مشرکین مکہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو

بھی ان کی نبوت کی دلیل کے طور پر، ایسا معجزہ کیوں نہیں دیا گیا جیسے قوم ثمود کو ناقہ ملی یا کوہ صفا سونے کا بن جاتا یا مکہ کے پہاڑوں کی جگہ باغ اور بہریں بن جاتیں وغیرہ۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اپنے افعال میں بڑا ہی قادر و حکیم ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا:

تَبَارَكَ الَّذِي اِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذَلِكَ جَنَّاتٍ
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ وَيُجْعَلُ لَكَ قُصُورًا بَلْ كَذَّبُوا
بِالسَّاعَةِ وَاعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيرًا ۝

(الفرقان - آیات ۱۰، ۱۱)

اللہ تعالیٰ کی مبارک ذات اگر چاہے تو تمہارے لئے اس سے بھی اچھے باغات پیدا کر دے جن کے نیچے بہریں بہہ رہی ہوں اور ان کے اندر محل ہوں لیکن انہوں نے تو قیامت ہی کو جھٹلادیا اور قیامت کو جھٹلانے والوں کے لئے تو ہم نے دوزخ کی آگ بھڑکار رکھی ہے۔

مخلوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ اگر وہ اپنا مطلوبہ معجزہ دیکھ کر ایمان لے آئیں تو ٹھیک ورنہ ان کو قیامت تک کی مہلت نہیں دی جاتی بلکہ ان پر عذاب نازل کر دیا جاتا ہے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں تو ہر چیز ہے۔ تمام امور کے عواقب و نتائج کو وہی جانتا ہے۔ اگر تم اپنا مطلوبہ معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھے بغیر ایمان نہیں لانا چاہتے تو میرے اور اپنے بارے میں اللہ کے حکم کا انتظار کرو۔ یہ اس لئے فرمایا کہ اللہ کو علم تھا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

(یونس آیت ۹۶)

بیشک ان پر اللہ کی دلیل متحقق ہو چکی ہے۔ خواہ کیسی ہی نشانی کیوں نہ پیش کی جائے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

وَلَوْ اَنَّا نَزَّلْنَاهُ بِاللَّيْلِ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰی وَحَشَرْنَا
عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قَبْلًا مَا كَانُوْا لَیْوۡءُ مُنۡوَا (الانعام - آیت ۱۱۱)

اگر ہم ان کے پاس فرشتے بھی لا کھڑے کر دیں اور مردے بھی ان سے بات کرنے لگیں اور ہر چیز ان کے پاس جمع کر دی جائے تب بھی یہ کبھی ایمان نہ لائیں گے۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِی قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالُوا الَّذِینَ کَفَرُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ (الانعام - آیت ۷۰)

اور اگر ان پر کوئی ایسی آسمانی کتاب نازل کی جائے جو کاغذ پر لکھی ہوئی ہو جس کو وہ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی سکتے ہوں، تب بھی وہ یہی کہیں گے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔

پس ایسے سرکش اور معاندین کے مطالبات قبول کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ جن بد بختوں کے حصہ میں ہدایت نہیں ہوتی ان کے شکوک و شبہات کبھی نہیں مٹتے۔ سو ایسے لوگوں سے ایمان کی توقع نہیں۔ (ابن کثیر ۴/۲)

توحید کا مزید اثبات

۲۱- وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْ بَعْدِ ضَرَاءٍ مَّسَّتْهُمْ إِذَا لَهُمْ مَكْرٌ فِی آيَتِنَا قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ۝

اور جب کوئی تکلیف پہنچنے کے بعد ہم لوگوں کو اپنی کسی نعمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ فوراً ہماری قدرتوں میں حیلے بنانے لگتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ اس شرارت کی سزا بہت جلد دے گا۔ بلاشبہ ہمارے فرشتے تمہاری شرارتوں کو لکھ رہے ہیں۔

مَكْرٌ: مکر کرنا۔ تدبیر کرنا۔ حیلہ کرنا مصدر ہے۔

أَسْرَعُ: بہت جلدی کرنے والا۔ بہت سرعت کرنے والا۔ مُرْعَدٌ سے اسم تفضیل۔

رُسُلَنَا: ہمارے فرشتے۔

أَحِيطَ بِهِمْ ۖ دَعَا اللَّهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ؕ لَنُنْجِيَنَّاهُمْ
مِنْ هَذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ فَلَمَّا أَنْجَاهُمْ إِذَا هُمْ
يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۖ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ
عَلَى أَنْفُسِكُمْ ۖ مَتَاعَ الدُّنْيَا ۖ ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ
فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

وہ (اللہ) وہی تو ہے جو تمہیں کشتی اور سمندر میں سفر کراتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو اور وہ کشتیاں موافق ہوا کے ذریعہ ان کو لے جا رہی ہوں اور (اس سفر سے) وہ خوش ہو رہے ہوں کہ دفعتاً ان (کشتیوں) پر تند و تیز ہوا چلنے لگے اور ان پر ہر طرف سے (پانی کی) لہریں بھی آنے لگیں اور وہ کھنسنے لگتے ہیں کہ اب وہ گھر گئے تو اس وقت وہ صرف اللہ کو پکارنے لگتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں اس مصیبت سے نجات دی تو ہم ضرور تیرے شکر گزار رہیں گے۔ پھر جب وہ ان کو نجات دیتا ہے تو وہ زمین پر اترتے ہی ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ اے لوگو! تمہاری سرکشی تمہارے لئے ہی وبال (جان) ہونے والی ہے۔ (بس) دنیاوی زندگی میں تم اس سے نفع اٹھا لو۔ پھر لوٹ کر تمہیں ہمارے پاس آنا ہے۔ پھر ہم تمہیں بتا دیں گے کہ تم (دنیا میں) کیا کرتے تھے۔

الْفُلْکِ : کشتی۔ جہاز۔ مذکر و مؤنث اور واحد و جمع سب کے لئے آتا ہے۔

جَزَيْنَ : وہ جاری ہوئیں۔ وہ بہہ نکلیں۔ جَزَيَانٌ و جَزِيٌّ سے ماضی۔

عَاصِفٌ : آندھی۔ تیز و تند ہوا۔ عَصَفٌ سے اسم فاعل۔

تَشْرِيحٌ : اللہ تعالیٰ تو وہی ہے جس نے تمہارے بری اور بحری سفر کے لئے آسانیاں پیدا کر

دی ہیں اور اس نے پانی کے اندر بھی تمہیں اپنی حفاظت میں رکھا۔ یہاں تک کہ جب تم کشتیوں اور جہازوں میں ہوتے ہو اور ہوائیں ان کو چلانے لگتی ہیں تو ان کی خوش رفتاری پر تم خوش ہوتے ہو عین اس خوشی کے وقت ان کشتیوں کو تیز و تند طوفان گھیر لیتا ہے اور ہر طرف سے موجیں ان کشتیوں پر ٹوٹ پڑتی ہیں اور تمہیں اپنی ہلاکت کا یقین ہو جاتا ہے تو اس وقت تم خالص اعتقاد اور خلوص دل کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کو پکارنے لگتے ہو۔ اس وقت تمہیں نہ کوئی صنم یاد آتا ہے اور

نہ کوئی بت۔ اور کہتے ہو کہ اگر تو نے ہمیں اس طوفان سے بچا لیا تو ہم تیرے شکر گزار بن جائیں گے۔

پھر جب اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول کر لیتا ہے اور تمہیں اس شدید طوفان سے بچا کر صحیح و سالم کنارے پر پہنچا دیتا ہے تو تم فوراً ہی زمین پر ناحق سرکشی کرنے لگتے ہو گویا تم پر کبھی مصیبت آئی ہی نہ تھی۔ اے لوگو! تمہاری بغاوت و سرکشی کا وبال تمہیں پر پڑے گا۔ آخر کار تمہیں ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے۔ اس وقت ہم تمہیں بتا دیں گے کہ یہ تمہارے فلاں فلاں اعمال کا بدلہ ہے۔ (مظہری ۱۹، ۲۰/۵، ابن کثیر ۴۱۲، ۴۱۳/۲)

حیاتِ دنیا کی مثال

۲۴۔ إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَدِرُونَ عَلَيْهَا ۖ لَا تَنْهَا أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا حَصِيدًا كَأَن لَّمْ تَغْنَبِ بِالْأَمْسِ ۖ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝

پس دنیا کی زندگی کی مثال تو اس پانی کی مانند ہے جس کو ہم نے آسمان سے نازل کیا (برسایا)۔ پھر اس (پانی) سے مل کر زمین کی جڑی بوٹیاں نکلیں جن کو انسان اور چوپائے کھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب زمین اپنی تازگی پر آگئی اور وہ مزین ہو گئی (خوب ہری بھری ہو گئی) اور زمین والوں نے خیال کیا کہ اب وہ پوری طرح اس پر دسترس رکھتے ہیں تو (ایسی حالت میں) دن میں یا رات کے وقت اس پر ہمارا حکم (کوئی حادثہ) پہنچا۔ سو ہم نے اس کو کاٹ کر ایسا ڈھیر کر دیا گویا کہ کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ جو لوگ غور و فکر کرتے ہیں، ہم ان کے سامنے اپنی (قدرت کی) نشانیاں اسی طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔

فَاخْتَلَطَ : پس وہ لپٹ گیا۔ پس وہ مل گیا۔ اِخْتِلَاطٌ سے ماضی۔

نَبَاتٌ: گھاس۔ زمین سے لگنے والی ہر چیز۔

أَنْعَامٌ: مویشی، چوپائے۔ واحد نَعْمٌ۔

زُخْرُفًا: اس کی رونق، اس کی چمک۔ اس کا ہر اہمرا ہونا۔

حَصِيدًا: کٹی ہوئی کھیتی۔ جز سے کٹا ہوا۔

أَمْسٍ: گزشتہ کل۔ ظرف زمان ہے۔

تشریح: اس آیت میں حیات دنیا کی مثال بیان کی گئی ہے کہ دنیا کی زندگی ایسی ہے جیسے

آسمان سے پانی برستا ہے پھر اس پانی سے زمین کے نباتات خوب لگتے ہیں جن کو انسان اور مویشی کھاتے ہیں، جیسے غلہ مختلف قسم کے پھل، پھول اور گھاس پھوس وغیرہ۔ کسان اسے دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ اب کھیتی تیار ہو گئی ہے۔ اب اسے کاٹ کر اس سے پھل اور غلہ وغیرہ حاصل کر کے خوب کھائیں گے۔ پھر ناگہاں دن یا رات میں اس پر آسمان سے کوئی آفت آجاتی ہے جیسے بھلی، اولے، سخت آندھی وغیرہ اور کھیتی ایسی نیست و نابود ہو جاتی ہے جیسے وہاں کبھی کچھ تھا ہی نہیں اور کسان کی امیدیں حسرت سے بدل جاتی ہیں۔ سوائے افسوس کے کچھ ہاتھ نہیں لگتا۔ ہم اپنی نشانیوں کو اسی طرح تفصیل کے ساتھ کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ غور و فکر کرنے والے ان سے عبرت حاصل کریں اور سمجھ لیں کہ دنیا فانی اور بے وفا ہے۔ جو اس کی طرف بڑھتا ہے یہ اس سے بھاگتی ہے اور جو اس سے بھاگتا ہے یہ اس کے پیروں پر آگرتی ہے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۶۱/۳، ابن کثیر ۲/۲۱۳)

دارالسلام

۲۵۔ وَاللّٰهُ يَذْعُوْا اِلٰى دَارِ السَّلَامِ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

اور اللہ تمہیں سلامتی کے گھر (جنت) کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق دیتا ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ لوگوں کو ایسے گھر (جنت) کی

طرف بلاتا رہا ہے جو ہمیشہ باقی اور ہر قسم کی تباہی اور ہلاکت سے محفوظ ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے اس

دارالسلام تک پہنچنے کے راستے پر چلا دیتا ہے اور یہ راستہ اسلام، ایمان اور تقویٰ و پرہیزگاری کا راستہ ہے۔ پس جس شخص نے حیاتِ دنیوی اور اس کی چیزوں کو فانی سمجھا اور اللہ کی توفیق سے اس کے احکام اور رسول اللہ کی اتباع پر اس دنیا کی زندگی میں مضبوطی سے قائم رہا تو بفضلِ الہی وہ دارالسلام کو پہنچ گیا۔

بیضاوی رحمۃ اللہ نے کہا کہ دعوت میں تعمیم ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر ایک کو دارالسلام کی طرف بلاتا ہے پھر ہدایت میں یہ تخصیص فرمادی کہ وہ جس کو چاہتا ہے اسی کو ہدایت فرماتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امر و دعوت اور ارادہ الہی دونوں ایک نہیں بلکہ علیحدہ علیحدہ ہیں۔ نیز یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جو بندہ مرتے دم تک برابر گمراہی پر اڑا رہا اور مر گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی ہدایت نہیں چاہی کیونکہ اگر وہ (اللہ) چاہتا تو ضرور ایمان لاتا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے تھے، کچھ فرشتے آئے اور آپس میں کہنے لگے کہ تمہارے اس ساتھی کی ایک خاص حالت ہے۔ مثال دے کر اس کی حالت بیان کرو۔ ایک فرشتے نے کہا کہ یہ سو رہا ہے، دوسرے نے کہا کہ اس کی آنکھیں سو رہی ہیں، دل بیدار ہے۔ پھر فرشتوں نے کہا کہ اس کی حالت ایسی ہے جیسے کسی شخص نے مکان بنایا اور (مہمانوں کو کھانا کھلانے کے لئے) دسترخوان پکھایا اور لوگوں کو بلانے کے لئے ایک آدمی کو بھیجا۔ جن لوگوں نے دعوت قبول کر لی تو وہ اس گھر میں آگئے اور دسترخوان سے کچھ کھالیا اور جس نے دعوت قبول نہیں کی وہ گھر کے اندر نہیں آیا اور نہ اس نے دسترخوان سے کچھ کھایا۔ فرشتوں نے کہا کہ اس مثال کی تشریح کرو تا کہ یہ شخص سمجھ جائے۔ ایک فرشتے نے کہا کہ یہ تو سو رہا ہے، دوسرے نے کہا کہ اس کی آنکھ سو رہی ہے دل بیدار ہے۔ فرشتوں نے کہا کہ (اس کی تشریح یہ ہے) مکانِ جنت ہے اور لوگوں کو بلانے والا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ جس نے محمد کا کہا مانا اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمد کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

(موہب الرحمن ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۱ - مظہری ۲۱ / ۵ - بیضاوی ۱۷۲)

اعمال کا بدلہ

۲۷، ۲۸۔ لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ وَلَا يَرْزَقُ وُجُوهَهُمْ

قَتَرُوا لِذُلَّةٍ ۖ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ
 ۝ وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْمَقُهُمْ
 ذِلَّةٌ ۖ مَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ ۖ كَانَتْهُمْ أَغْشِيَتٌ وَجُودُهُمْ
 قِطْعًا مِّنَ الْإِثْلِ مُظْلِمًا ۖ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا
 خَالِدُونَ ۝

نیکوں کے لئے نیک بدلہ ہے اور کچھ زیادہ بھی اور نہ ان کے چہروں پر سیاہی
 چڑھے گی اور نہ ذلت۔ وہی لوگ اہل جنت ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔
 اور جن لوگوں نے برے کام کئے ان کو برائی کا بدلہ اس (برائی) کے برابر ملے
 گا اور ان پر ذلت طاری ہوگی۔ ان کو اللہ (کے عذاب) سے کوئی نہ بچا سکے گا۔
 (ان کے چہرے ایسے سیاہ ہوں گے) گویا کہ ان کے چہروں پر سیاہ رات کا ایک
 ٹکڑا اوڑھا دیا گیا ہے۔ یہی لوگ اہل دوزخ میں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

يَرْمَقُ: وہ ڈھانکتا ہے۔ وہ چھپاتا ہے۔ رَمَقٌ سے مضارع۔

قَتَرُوا: سیاہی (غم کی) کدورت۔ مصدر ہے۔

عَاصِمٌ: بچانے والا۔ حفاظت کرنے والا۔ عَصَمَ سے اسم فاعل۔

أَغْشِيَتْ: وہ اوڑھا دیئے گئے۔ وہ ڈھانپ دی گئی۔ اَغْشَا سے ماضی۔

مُظْلِمًا: تاریکی میں پڑے ہوئے۔ اندھیرے میں پڑے ہوئے۔ اِظْلَامٌ سے اسم فاعل۔

تَشْرِيحٌ: جو لوگ ایمان لائے، انہوں نے اوامر کی پابندی کی اور منہاں سے اجتناب کرتے

رہے یا ایمان سے بڑھ کر مرتبہ احسان کے موافق اللہ تعالیٰ کی بندگی پر قائم رہے، ان کو آخرت میں

بھی اچھی جزا ملے گی کیونکہ نیک کا بدلہ نیک ہی ہے بلکہ کچھ اور زیادہ بھی یعنی کم سے کم دس گنا، زیادہ

سے زیادہ سات سو گنا یا اس سے بھی زیادہ۔ اس آیت میں زیادہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

اپنے فضل و کرم سے جس قدر وعدہ فرمایا ہے اس پر اور بھی زیادہ کوئی چیز اور اللہ کا وعدہ جنت ہے

سو جنت سے بڑھ کر جو کچھ ہے وہ زیادت ہے۔ پس آیت میں حسنی سے مراد جنت اور زیادہ سے

مراد دیدار الہی ہے جو سارے لطف و کرم سے بڑھ کر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا دیدار اپنے اعمال کی بنا پر

نہیں ہوگا بلکہ یہ محض اس کے فضل و کرم اور مہربانی کی بنا پر ہوگا۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ ۚ وَالِآيَاتِ تِلْكَ مَا تَدْرِكُونَ ۚ
 اور دوزخی اپنے اپنے ٹھکانوں میں چلے جائیں گے تو ایک منادی پکارے گا کہ اے اہل جنت
 تمہارے اللہ کا وعدہ ہے وہ پورا کرنا چاہتا ہے۔ اہل جنت کہیں گے کہ اب اور کون سا وعدہ؟ کیا
 ترازو میں ہمارے وزن ثقیل نہیں بنے؟ کیا ہمارے چہرے روشن نہیں کر دیئے گئے؟ کیا ہمیں
 دوزخ سے نہات نہیں دی گئی؟ پھر ان سے حجاب اٹھادیا جائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے۔
 خدا کی قسم اہل جنت کے لئے اس سے بڑی اور کوئی عطا نہ ہوگی۔ یہ آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کی
 تسکین کے لئے سب سے بڑی چیز ہوگی۔

پھر فرمایا کہ قیامت کے روز ان کے چہرے بے رونق نہ ہوں گے، نہ ان پر پھنکار ہوگی
 اور نہ سیاہی بلکہ ان کے چہرے روشن ہوں گے۔ جن لوگوں نے کفر و شرک کیا، ان کے ساتھ عدل
 کیا جائے گا کہ ان کے گناہوں کی سزا دگنی، چوگنی نہیں کی جائے گی بلکہ برابر ہوگی۔ ان کے
 چہروں پر سیاہی اور ذلت و رسوائی چھائی ہوئی ہوگی۔ کوئی بھی ایسا نہ ہو گا جو ان کو اللہ کے عذاب
 سے بچالے۔ مشرکوں کا گمان ہے کہ ان کے بت ان کو چھڑالیں گے۔ نصاریٰ کہتے ہیں کہ حضرت
 عیسیٰ علیہ السلام ان کے گناہوں کا کفارہ ہوں گے۔ یہ سب ان کے باطل خیالات ہیں جن کا کوئی
 وجود نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا کفر و شرک کبھی نہیں بخشا جائے گا، جب تک کہ وہ دنیا سے
 ایمان و توحید نہ لے جائیں۔ ان کے چہرے اس قدر کالے ہوں گے گویا کہ ایک کالی چادر ان کے
 چہروں پر ڈھانک دی گئی ہے۔ یہی لوگ اہل دوزخ ہیں۔ یہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

(روح المعانی ۱۰۳/۱۱، مواہب الرحمن ۱۳۰، ۱۳۱/۱۱)

کافروں کی ذلت و رسوائی

۳۰، ۲۸ ۚ يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ
 أَنْتُمْ وَشُرَكَاءُكُمْ ۖ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاءُهُمْ مَا كُنْتُمْ
 إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ۖ فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِنْ كُنَّا
 عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغْفِيلِينَ ۖ هُنَالِكَ تَبْلُو كُلُّ نَفْسٍ
 مَا سَلَفَتْ ۚ وَرُدُّوْا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقُّ وَضَلَّ عَنْهُمْ

مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝

اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر ہم شرک کرنے والوں سے کہیں گے کہ تم اور جن کو تم شریک ٹھہراتے تھے اپنی اپنی جگہ کھڑے رہو۔ پھر ہم ان میں جدائی کر دیں گے اور ان کے معبود کہیں گے کہ تم ہماری تو بندگی نہیں کرتے تھے۔ پس ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے کہ ہمیں تو تمہاری عبادت کی خبر بھی نہ تھی۔ وہاں ہر شخص اپنے پہلے کئے ہوئے کاموں کو آزمائے گا اور سب اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو ان کا حقیقی مالک ہے اور جو کچھ جھوٹ وہ باندھا کرتے تھے وہ سب ان کے پاس سے جاتا رہے گا۔

فَزَيَّلْنَا: پس ہم نے جدا کر دیا۔ پس ہم نے پھوٹ ڈال دی۔ پس ہم نے تفریق کر دی۔
تَرْزِيلٌ سے ماضی۔

مُنَالِك: وہاں۔ اس جگہ۔ اس وقت۔ اسم ظرف زمان و مکان۔

أَسْلَفْتُ: وہ پہلے کر چکی۔ اس نے آگے بھیجا۔ اسلاف سے ماضی۔

تَشْرِيع: قیامت کے روز جن و انس اور نیک و بد سب کو لا حاضر کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ مشرکوں سے کہے گا کہ تم اور تمہارے شرکاء اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو اور دیکھو کہ ہم تمہارے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ پھر ہم ان کے اور ان کے شرکاء کے درمیان پھوٹ ڈال دیں گے اور کافروں سے پوچھیں گے کہ تم ان کی پرستش کیوں کرتے تھے تو وہ کہیں گے کہ ان بتوں نے ہمیں اپنی عبادت کا حکم دیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ ان بتوں کو قوت گویائی عطا فرمادے گا اور ان سے ان کی عبادت کے بارے میں سوال کرے گا۔ وہ بت جن کو وہ اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے ان سے کہیں گے کہ تم دنیا میں ہمیں نہیں پوجتے تھے۔ ہمیں تو تمہارے پوجنے کی خبر بھی نہ تھی۔ سو اللہ تعالیٰ ہمارے اور تمہارے درمیان کافی گواہ ہے۔ وہاں ہر شخص اپنے کئے ہوئے اعمال کا نفع و نقصان اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔ سو جیسے اس کے اعمال ہوں گے وہ اس کو ویسے ہی مقام پر لے جائیں گے۔ اچھے اعمال جنت میں لے جائیں گے اور بد اعمال دوزخ میں لے جائیں گے۔ اس وقت کافروں کو صاف معلوم ہو جائے گا کہ دنیا میں کفر و شرک کر کے انہوں نے بڑی غلطی کی کیونکہ اللہ تو وحدہ لا شریک ہے۔ پھر سب مالک حقیقی کے فیصلے کی طرف یا اللہ کے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ حقیقت میں اللہ ہی ان کا مالک اور ان کے امور کا ذمہ دار ہے۔ وہ باطل معبود مالک نہیں

جن کو کافروں نے دنیا میں اپنے معبود بنارکھا تھا۔ اس وقت وہ سب باطل معبودان کو ان کے حال پر چھوڑ کر غائب ہو جائیں گے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۶۴ / ۳، مواہب الرحمن ۱۳۳، ۱۳۶ / ۱۱)

توحید کے دلائل

۳۳، ۳۱ قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ
وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ
مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۚ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ ۚ فَقُلْ أَفَلَا
تَتَّقُونَ ۚ فَذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا
الضَّلَالُ ۚ فَانْشُ تَصْرَفُونَ ۚ كَذَلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ
عَلَى الَّذِينَ فَسَقُوا أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۚ

آپ (ان سے) پوچھئے کہ وہ کون ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے، وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے۔ سو وہ عنقریب یہی کہیں گے کہ (ان سب کاموں کا کرنے والا) اللہ ہے۔ سو آپ (ان سے) کہئے کہ پھر تم (اللہ سے) ڈرتے کیوں نہیں۔ پس اللہ ہی تو تمہارا حقیقی پروردگار ہے۔ پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے۔ سو تم (حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف) کہاں لوٹے جا رہے ہو۔ اسی طرح ان نافرمانوں کے حق میں آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے۔

فَانْشُ: سو جب۔ سو کیوں کر۔ سو جہاں۔ اسم ظرف ہے۔ زمان و مکان دونوں کے لئے آتا ہے۔

تَصْرَفُونَ: تم بھیرے جاتے ہو۔ تم لوٹے جا رہے ہو۔ تَصْرَفٌ سے مضارع مجہول۔
فَسَقُوا: انہوں نے گناہ کیا۔ انہوں نے بدکاری کی۔ فسق سے ماضی۔

تشریح: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان مشرکوں سے پوچھئے کہ وہ کون ہے جو آسمان سے پانی برسا کر اور زمین سے سبزہ اگا کر تمہیں رزق دیتا ہے یا وہ کون ہے جس نے تمہیں سننے اور دیکھنے کی طاقت دی اور کس نے شنوائی اور بینائی تخلیق کی اور ان کو ٹھیک رکھا اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے یعنی پرندے کو انڈے سے نکالتا ہے جو زندہ ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے یعنی انڈے کو پرندے سے نکالتا ہے جو مردہ ہے۔ اسی طرح مومن زندہ ہے اور کافر مردہ اللہ تعالیٰ کافر سے مومن کو نکالتا ہے اور مومن سے کافر کو نکالتا ہے۔ اور وہ کون ہے جو آسمان و زمین کے تمام امور کی تدبیر اور سارے عالم کا انتظام کرتا ہے۔ پس مشرکین ان سوالوں کے جواب میں ہمیں کہیں گے کہ ایسی صفات اور قدرتِ کاملہ والا تو اللہ ہی ہے۔ وہ ان امور کی نسبت اپنے خود ساختہ شریکوں کی طرف نہیں کر سکیں گے۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے پوچھئے کہ جب تم یہ اقرار کرتے ہو کہ ایسی صفات والا صرف اللہ ہے تو پھر تم اس کے قہر و عذاب سے کیوں نہیں ڈرتے۔ خوب سمجھ لو کہ جس نے تمہیں پیدا کیا، رزق دیا اور تمہارے سارے امور کا انتظام کیا وہی تمہارا حقیقی پروردگار ہے۔ اس کے سوا کوئی تمہارا رب نہیں ہو سکتا۔ پھر حق کو سمجھ لینے کے بعد یہ گمراہی کیسی۔ پس حق کو ترک کرنے والا اور اللہ کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرنے والا گمراہ ہے۔ سو تم معبود حقیقی کو چھوڑ کر باطل معبودوں کی طرف کہاں بھٹکے جا رہے ہو۔

جس طرح اللہ کی ربوبیت ثابت شدہ ہے اور جس طرح حق کے بعد محض گمراہی کا ہونا طے شدہ ہے اسی طرح آپ کے رب کی یہ ازلی بات کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے، تمام سرکش لوگوں کے حق میں ثابت ہو چکی۔

(مظہری ۲۵/۵، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۶۶، ۴۶۷/۳)

توحید کی حقیقت

۳۶، ۳۴ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَبْدُوَ الْخَلْقَ ثُمَّ يَعْبُدُ ۚ قُلِ اللَّهُ يُبْدُوَ الْخَلْقَ ثُمَّ يَعْبُدُ ۚ فَانِي تَوَعَّفَكُونُ ۚ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ ۚ قُلِ اللَّهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ ۚ

أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يَتَّبِعَ أَمَّنْ لَا يَهْدِي إِلَّا أَنْ
يُهْدَىٰ ۚ فَعَمَّا لَكُمْ مِنْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝ وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ
إِلَّا ظَنًّا ۚ إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا
يَفْعَلُونَ ۝

آپ (ان سے) پوچھئے کہ تمہارے معبودوں میں سے بھی کوئی ایسا ہے جو مخلوق کو ابتداء بھی پیدا کرے، پھر دوبارہ بھی اس کو زندہ کرے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی مخلوق کو ابتداء پیدا کرتا ہے پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا کرے گا۔ سو تم کہہ رہے ہو۔ آپ (ان سے) پوچھئے کہ تمہارے معبودوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو حق کی طرف رہنمائی کر سکے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ بھلا جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے وہ اتباع کے لائق ہے یا وہ جو دوسروں کی رہنمائی تو کیا کرتا خود ہی رہنمائی کا محتاج ہو، پھر تمہیں کیا ہو گیا۔ تم کیسا انصاف کرتے ہو اور ان میں سے اکثر لوگ بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں حالانکہ بے اصل خیالات حق کے مقابلے میں ذرا کام نہیں آتے۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔

تَوَفَّكُونُ: تم پٹائے جاتے ہو۔ تم بھیرے جاتے ہو۔ اَفْکُ سے مضارع مجہول۔
تَحْكُمُونَ: تم حکم دیتے ہو۔ تم فیصلہ کرتے ہو۔ حُکْمٌ سے مضارع۔
ظَنًّا: گمان۔ خیال۔ اَنکَل۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان مکذبین سے پوچھئے کہ جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو، ان میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہو اور ان میں جو مخلوقات ہیں ان کو وجود میں لایا ہو یا وہ احرام فلکی کو اپنی جگہ سے ہٹا دے یا ان کو بدل دے یا انہیں فنا کر کے پھر از سر نو دوسری مخلوق پیدا کرنے پر قادر ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم کسی کو پیش نہیں کر سکتے جو مذکورہ بالا امور کو انجام دے سکے۔ ان امور پر تو صرف اللہ ہی قادر ہے۔ پھر تم اس خالق عز وجل سے منہ موڑ کر مخلوق کو اس کی عبادت کا مستحق کیوں ٹھہراتے ہو۔

آپ ان سے پوچھئے کہ تمہارے شرکاء میں سے کون ہے جو حق کی طرف تمہاری رہنمائی کر سکے۔ تم خوب جانتے ہو کہ تمہارے شرکاء میں سے کوئی بھی کسی گمراہ کو راہ راست پر لانے پر قادر

نہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو بھٹکے ہوئے اور گمراہ لوگوں کو ہدایت دیتا ہے۔ جو شخص دوسروں کو حق کا راستہ دکھاتا ہو وہ پیروی کے قابل ہے یا وہ شخص جو خود دوسروں سے رہنمائی لینے کا محتاج ہو وہ اتباع کے قابل ہے؟ تمہارے عقلوں کو کیا ہو گیا کہ تم نے تو اللہ اور اس کی مخلوق کو برابر بنا دیا تم اللہ کو بھی ملتے ہو اور بتوں کو بھی اس کی عبادت میں شریک کرتے ہو!

پھر فرمایا کہ ان میں سے اکثر اٹکل اور بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں۔ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں یہ بلا دلیل حق کو جھٹلاتے ہیں۔ پس جو بات حق ہے اس کے حاصل ہو جانے میں گمان ذرا بھی کارآمد نہیں۔ اس لئے ان کا یہ گمان کہ یہ بت ان کی شفاعت کریں گے، انہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکے گا۔ بلاشبہ اللہ ان کے اعمال و افعال سے خوب واقف ہے۔

(ابن کثیر ۴/۲، مواہب الرحمن ۱۳۹، ۱۴۳/۱۱)

اعجازِ قرآن

۸، ۳۷ سُو مَا كَانَ هَذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرَىٰ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ تَصْدِيقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَعْطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

اور یہ قرآن اللہ کے سوا کسی اور کا بنایا ہوا نہیں ہے بلکہ یہ تو ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے کی ہیں اور یہ احکام (ضروریہ) کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ یہ پروردگارِ عالم کی طرف سے ہے۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس (قرآن) کو آپ نے اپنی طرف سے بنالیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو اس کی مانند ایک سورت ہی بنالادو اور اللہ کے سوا جس کو چاہو (مدد کئے) بلاؤ۔

تشریح: ان آیات میں قرآن کریم کے اعجاز کا بیان ہے کہ اس کی فصاحت و بلاغت اور کم الفاظ میں بے انتہا معنی اور اس کی حلاوت وہ شیرینی اس درجہ کی ہے کہ مخلوق میں سے کوئی اس پر قادر نہیں کہ وہ اس کی ایک سورت کے مثل بنا سکے۔

بیضاوی رحمہ اللہ نے کہا کہ گذشتہ آیت میں گمان کی پیروی سے ممانعت کے بعد اب اس چیز کا بیان ہے جس کی پیروی کرنا فرض ہے۔ مشرکین قرآن کریم کو اللہ کا کلام نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کا گمان تھا کہ یہ قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے بناتے ہیں۔ اسی لئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی آپ اس کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن بنا لائیے یا اس کو بدل دیجئے۔ آپ نے ان کو جواب دیا کہ میں اس کو نہیں بدل سکتا۔ یہ میرا یا کسی اور بشر کا کلام نہیں کہ میں اس کو بدل دوں۔ یہ تو اللہ کا کلام ہے۔ وہی اس میں رد و بدل کر سکتا ہے۔ کسی بندے کی مجال نہیں کہ وہ اس میں کمی بیشی کرے یا اپنی طرف سے کوئی کلام بنا کر اس کو اللہ کی طرف منسوب کر دے۔ حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ عزوجل کی طرف سے خاص وحی ہے۔ یہ ان آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں جیسے توریت اور انجیل وغیرہ۔ اس میں ایسے احکام کی تفصیل بیان کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے فرض کئے ہیں اور یہ گزشتہ انبیاء کے واقعات کو صحیح صحیح بیان کرتا ہے۔

اگر اب بھی تمہارا یہی خیال ہے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا ہوا کلام ہے تو اپنے دعوے کی سچائی ثابت کرنے کے لئے تم بھی اس کی مثل کلام بنا لاؤ کیونکہ تم بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح انسان ہو، لہل زبان ہو، تمہیں اپنی زبان دانی اور فصاحت و بلاغت پر بڑا ناز ہے۔ تم تو مجلسوں اور میلوں میں جا کر اپنی زبان دانی کے جوہر دکھاتے ہو۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کلام بنا سکتے ہیں تو تمہیں بھی ایسا کلام پیش کرنے کی قدرت ہونی چاہئے۔ لہذا تم سب مل کر بلکہ اللہ کے سوا تمام جہاں سے اپنے معاون و مددگار بھی جمع کر لو اور اپنے ان معبودوں سے بھی اس کام میں مدد لے لو جن کو تم ہر طرح کا حاجت روا جان کر پوجتے ہو۔ اگر پھر بھی تم سے ایک سورت کے برابر کلام نہ بن سکا اور تم ہرگز نہیں بنا سکو گے تو یقین کر لو کہ یہ اس ذات واحد اور قادر مطلق کا کلام ہے جو تمام لوگوں اور تمام باطل معبودوں سے بڑھ کر ہے اور وہی اللہ تعالیٰ عزوجل ہے۔

(بیضاوی / ۲۳۰، روح المعانی ۱۱۸، ۱۱۹ / ۱۱، مواہب الرحمن ۱۳۶، ۱۳۸ / ۱۱)

مکذبین قرآن کا انجام

۳۹، ۴۰ بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ

كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَنْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الظَّالِمِيْنَ ۝ وَمِنْهُمْ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ ۖ وَمِنْهُمْ مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهِ
وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝

بلکہ جس چیز کو وہ سمجھ نہ سکے اس کو جھٹلانے لگے اور ابھی اس کی حقیقت ان پر
کھلی ہی نہیں۔ جو لوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں انہوں نے بھی اسی طرح
مکذیب کی تھی دیکھو ان ظالموں کا کیسا برا انجام ہوا اور ان میں سے بعض تو اس
قرآن کا یقین کریں گے اور بعض یقین نہ کریں گے اور آپ کا رب مفسدوں کو
خوب جانتا ہے۔

يُحِيطُوْا: انہوں نے احاطہ کیا۔ انہوں نے گھیر لیا۔ انہوں نے سمجھ لیا۔ رِاحِلَةٌ سے
مضارع بمعنی ماضی۔

تَاْوِيْلُهُ: اس کی تاویل۔ اس کی تعبیر۔

عَاقِبَةٌ: عاقبت۔ آخرت۔ انجام۔ سزا۔ مصدر ہے۔

تَشْرِيْحُ: قرآن مجید اپنے الفاظ و معانی اور اس میں بیان ہونے والی غیب کی خبروں کے اعتبار
سے معجزہ ہے۔ الفاظ کے اعتبار سے تو ظاہر ہے کہ مشرکین کو اس کے معجزہ ہونے کا اقرار تھا کیونکہ
وہ قرآن کے بار بار چیلنج کے باوجود اس کی مثال بنا کر لانے سے عاجز و بے بس تھے اور معنی سے وہ
واقف ہی نہیں ہو سکے جو اس کی بلند شان اور اعلیٰ کلام ہونے کی دلیل ہے۔ رہے امور غیب تو اس
سے مراد غیب کی وہ خبریں ہیں جو ابھی واقع نہیں ہوئیں۔ ظاہر ہے قبل از وقت ان کا بیان کھلا
معجزہ ہے۔ مشرکین اس کے الفاظ میں تدبر کرنے، اس کے معنی میں غور و فکر کرنے اور اس میں
بیان ہونے والے مستقبل کے امور کے بارے میں اس بات کا انتظار کرنے سے قبل ہی کہ آیا وہ
سچ ثابت ہوتے ہیں یا جھوٹ، ان کی مکذیب کرنے لگے۔

گزشتہ امتوں نے بھی اپنے انبیاء کو اسی طرح بلا سوچے سمجھے جھٹلایا تھا سو دیکھ لو کہ
ظالموں کا کیسا برا انجام ہوا۔ پس ان کے انجام سے عبرت پکرنی چاہئے۔ لہٰذا مکہ میں سے فی الحال بعض
تو ایسے ہیں جو دل سے اس قرآن کی تصدیق کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ حق ہے مگر عداوت کی وجہ
سے تصدیق کا اظہار نہیں کرتے۔ اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے اپنی جہالت کی بنا پر
اس میں غور نہیں کیا۔ اسی لئے وہ اس کی تصدیق نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان معاندین کو خوب

جاننا ہے جو تکذیب پر اڑے ہوئے ہیں۔

وَمِنْهُمْ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ كَادُوا سِرَاطَ الْمُنْتَهَىٰ ۚ هَٰؤُلَاءِ سِرَاطُ الَّذِينَ كَانُوا يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ اللَّهِ أَكْثَرَ النَّهَارِ لَا يَمْنَعُهُمُ الْفِتْنَةُ ۚ هَٰؤُلَاءِ سِرَاطُ الَّذِينَ كَانُوا يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ اللَّهِ أَكْثَرَ النَّهَارِ لَا يَمْنَعُهُمُ الْفِتْنَةُ ۚ هَٰؤُلَاءِ سِرَاطُ الَّذِينَ كَانُوا يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ اللَّهِ أَكْثَرَ النَّهَارِ لَا يَمْنَعُهُمُ الْفِتْنَةُ ۚ

المعانی ۱۲۰/۱۱، مواہب الرحمن ۱۳۹، ۱۵۰/۱۱

معاندین سے اعراض کا حکم

۲۴، ۲۱ وَأَنْ كَذَّبُواكَ فَقُلْ إِنِّي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ أَنْتُمْ بَرِيءُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بِرِئِي مَتَّاعٌ تَعْمَلُونَ ۝ وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ ۖ أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوا لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْظُرُ إِلَيْكَ ۖ أَفَأَنْتَ تَهْدِي الْعُمْى وَلَوْ كَانُوا لَا يَبْصُرُونَ ۝ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ ۝

اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میرا عمل میرے لئے ہے اور تمہارا عمل تمہارے لئے۔ جو کچھ میں کرتا ہوں تم اس کے ذمہ دار نہیں اور نہ میں اس کا ذمہ دار ہوں جو تم کرتے ہو۔ اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو (ظاہر میں) آپ کی طرف کان لگا کر بیٹھتے ہیں۔ کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں، گو ان کو کچھ بھی نہ ہو۔ اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو (ظاہر میں) آپ کو (معجزات و کمالات کے ساتھ) دیکھ رہے ہیں۔ کیا آپ ایسے اندھوں کو بھی راہ دکھا سکتے ہیں، جن میں ذرا بھی بصیرت نہ ہو۔ بیشک اللہ تو لوگوں پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

بَرِيءُونَ: بری۔ بے تعلق۔ واحد بَرِيءٌ۔
الصُّمُّ: بہرے۔ واحد أَصْمٌ۔

الْعَمَى: اندھے۔ واحد اعمیٰ۔

تشریح: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اگر یہ مشرکین حجت قائم ہو جانے کے بعد بھی آپ کی تکذیب پر قائم رہیں تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ جس قدر کھانا میری قدرت میں تھا وہ میں تمہیں سمجھا چکا۔ اگر تم نہیں ملتے تو نہ مانو۔ میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل۔ تم میرے عمل سے بری الذمہ ہو اور میں تمہارے عمل سے بری الذمہ ہوں۔

ان مشرکین میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو بظاہر آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور آپ کی باتوں کو توجہ سے سنتے ہیں، مگر ان کے سینے آپ کی عداوت اور بغض سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس لئے ان کا سننا اور نہ سننا برابر ہے۔ کیونکہ یہ لوگ بہروں کی مانند ہیں اور آپ بہروں کو سنانے پر قادر نہیں۔ یہ لوگ بہرے ہونے کے ساتھ ساتھ بے عقل بھی ہیں۔ اگر عقل ہو تو بہرا بھی اٹکل سے کچھ نہ کچھ سمجھ لیتا ہے۔ یہ لوگ تو قوتِ سماعت اور عقل دونوں سے محروم ہیں اس لئے ان کے راہِ راست پر آنے کی امید نہیں۔

ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو آپ کی طرف گہری نظر سے دیکھتے ہیں، آپ کے پاکیزہ اخلاق اور معجزات و کمالات کا اپنی کھلی آنکھوں مشاہدہ کرتے ہیں، مگر پھر بھی قرآنی ہدایات سے فیضیاب نہیں ہوتے جیسا کہ اہلِ علم اور اہلِ بصیرت مستفید ہوتے ہیں۔ ظاہری اعتبار سے تو ان کی آنکھیں ہیں، مگر یہ لوگ دل کے اندھے ہیں۔ ان میں بصارت موجود ہے مگر بصیرت مفقود ہے۔ اس لئے بنیاد ہونے کے باوجود یہ لوگ اندھوں کی مانند ہیں۔ کیا آپ ایسے اندھوں کو راہ دکھا سکتے ہیں۔ اب آپ کو ان کے راہِ راست پر آنے کی امید نہیں رکھنی چاہئے اور نہ ان کی گراہی پر افسوس کرنے کی ضرورت ہے۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا۔ لوگ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آنکھ بھی دی، دل بھی دیا اور حق کو قبول کرنے کی صلاحیت بھی دی۔ مگر انہوں نے ان سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔

(ابن کثیر ۲/۴۱۸، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴/۳۷۳، ۳/۳۷۳)

مکذبین کی حسرت و ندامت

۳۵۔ **وَيَوْمَ يُحْشَرُ لَهُمْ كَأَنَّهُمْ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ ۖ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِإِلْقَاءِ اللَّهِ وَكَانُوا مُهْتَدِينَ ۝**

اور جس دن اللہ ان کو (دوبارہ زندہ کر کے) جمع کرے گا (تو وہ دنیا کے بارے میں خیال کریں گے) گویا کہ وہ دنیا میں ایک گھڑی بھر دن سے زیادہ نہیں رہے اور وہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ بیشک جن لوگوں نے اللہ کے سامنے حاضر ہونے کو جھٹلایا وہ خسارے میں پڑ گئے اور وہ ہدایت پانے والے نہ تھے۔

يَلْبَثُوا: وہ ٹھہرتے ہیں۔ وہ رہتے ہیں۔ لُبث سے مضارع۔

سَاعَةً: گھڑی۔ وقت۔ قیامت

بِلِقَاءِ اللَّهِ: ملاقات کرنے سے ملنے سے۔

تشریح: یہ مشرکین و معاندین اب تو دنیا کی چند روزہ زندگی اور اس میں حاصل شدہ ناز و

نعم پر اترارہے ہیں اور اس کے نشہ میں آخرت کے عیش و آرام کو، جو ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، ٹھکرا

رہے ہیں۔ قیامت کے روز جب یہ لوگ اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کر حشر میں جمع ہو جائیں گے تو اس

وقت ان کو اپنا خسارہ نظر آئے گا، جس سے بڑھ کر کوئی خسارہ نہیں۔ قیامت کے ہولناک منظر کی

وجہ سے اس روز ان کو اپنا دنیا کا قیام ایک گھڑی بھر یا اس سے بھی کم معلوم ہو گا اور حسرت و

ندامت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ جب وہ قبروں سے اٹھیں گے تو ابتداء میں ایک دوسرے کو

پہچان لیں گے جیسے دنیا میں ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ ماں، باپ، بچوں کو اور بچے ماں، باپ کو

اور لہلہ قرابت اپنے رشتے داروں کو پہچان لیں گے، گویا تھوڑی دیر کے لئے جدا ہوئے تھے، پھر جمع

ہو گئے اور کوئی کسی کو نہیں بھولا۔ پھر اس کے بعد قیامت کی دہشت اور شدت کی وجہ سے یہ

پہچان جاتی رہے گی اور ایک دوسرے کو بھول جائیں گے۔ بلاشبہ وہ لوگ نقصان میں رہیں گے

جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا انکار کیا اور انہوں نے دنیا کی تھوڑی سی زندگی کے

بدلے آخرت کی ہمیشہ رہنے والی زندگی کی مصیبت مول لے لی۔ اس سے بڑھ کر خسارہ کیا ہو گا۔

(ابن کثیر ۲/۲۱۹، مظہری ۵/۳۱)

مکذبین کا انجام

۴۷، ۴۸ وَأَمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُّهُمْ أَوْ نَتُوفِّيَنَّكَ فَإِنَّا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَى مَا يَفْعَلُونَ ۝ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝

اور جس (عذاب) کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں اگر اس میں سے تھوڑا سا ہم آپ کو دکھا دیں یا اس (کے آنے) سے پہلے ہم آپ کو وفات دے دیں تو ان کو لوٹ کر تو ہمارے پاس ہی آنا ہے۔ پھر جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ اور ہر امت کے لئے ایک رسول ہوا ہے۔ پھر جب ان کا رسول آچکا (اور اس نے ان کو احکام پہنچائیے) اس کے بعد تو ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کیا جاتا ہے اور ان پر (ذرا بھی) ظلم نہیں کیا جاتا۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے ان کافروں سے عذاب کا جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور واقع ہو گا۔ اس عذاب کا کچھ حصہ تو آپ کی زندگی میں واقع ہو گا اور کچھ حصہ آپ کے بعد اور باقی عذاب آخرت میں واقع ہو گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی فتوحات اور غلبہ اسلام کی شکل میں ان معاندین و مکذبین پر اپنا عذاب نازل فرمایا۔ ان میں سے بعض فتوحات تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوئیں جیسے بدر، خیبر، فتح مکہ اور حنین وغیرہ میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کی ذلت و رسوائی آپ کو دکھا دی۔ بعض فتوحات آپ کے بعد آپ کے خلفاء اور صحابہ کے ہاتھ پر واقع ہوئیں۔ اس طرح بتدریج اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا۔

پھر فرمایا کہ ہر امت کے لئے ایک رسول ہوا ہے جو ان کو اللہ کے احکام پہنچاتا ہے۔ سو جب اللہ کا رسول معجزات و دلائل اور اس کے احکام لے کر ان کے پاس آچکا اور پھر بھی انہوں نے نہ مانا اور رسول کو جھوٹا قرار دیا تو اللہ نے اپنے رسول اور اس کی امت کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا۔ تکذیب کرنے والوں کو ہلاک کر دیا اور مومنوں اور رسول کو محفوظ رکھا اور اللہ کا یہ فیصلہ انصاف پر مبنی تھا۔ اس سے کسی پر ظلم و زیادتی نہیں ہوئی۔ کیونکہ حجت پوری ہونے کے بعد مواخذہ ظلم نہیں بلکہ عین عدل ہے۔ (مظہری ۳۱، ۳۲ / ۵)

عذاب کا مطالبہ

۵۲، ۴۸ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ إِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ۝ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنِ اتَّخَذْتُمْ عَذَابِي يَوْمًا نَّهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ۝ أَتُمْ إِذَا مَا وَقَعَ أَمْنْتُمْ بِهِ ۖ وَالنُّنُوقُ قَدْ كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ۝ ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ ۖ فَلْيُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ۝

اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ اگر تم بچے ہو تو وہ (عذاب کا) وعدہ کب پورا ہو گا؟ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے اپنے نفع اور نقصان کا کچھ اختیار نہیں، مگر جس قدر اند چاہے۔ ہر امت کا ایک وقت مقرر ہے۔ پھر جب ان کا مقررہ وقت آجائے گا تو نہ وہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ ایک ساعت آگے بڑھ سکیں گے آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم پر اند کا عذاب راتوں رات یا دن کو آپڑے (تو کون اس کو روک سکتا ہے) پھر گنہگار لوگ اس کے لئے کیوں جلدی کر رہے ہیں۔ کیا جب وہ (عذاب) واقع ہو ہی جائے گا تب اس پر ایمان لاؤ گے۔ (اس وقت کہا جائے گا) اب قائل ہوئے حالانکہ تم تو اس کے آنے کا تقاضا کرتے تھے۔ پھر ظالموں کو کہا جائے گا کہ اب تم دائمی عذاب کا مزہ چکھو۔ تمہیں تمہارے کئے ہی کا بدلہ ملا ہے۔

بَيَّاتًا: شب خون مارنا۔ رات کے وقت۔ تَبَيُّتٌ سے اسم مصدر۔

النُّنُوقُ: کیا اب۔ یہ ہمزہ استقہامیہ اور الآن سے مرکب ہے۔

الْخُلْدُ: ہمیشہ رہنا۔ دوام۔ بقا۔

ذُوقُوا: تم چکھو۔ ذُوقٌ سے امر۔

تشریح: یہ لوگ عذاب کی وعیدیں سن کر، عذاب آنے سے پہلے ہی تکذیب و تمسخر کے طور

پر بے خوفی کے ساتھ عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں، حالانکہ مومن اس عذاب سے ڈرتے ہیں اور

انہیں اس کے آنے کا یقین ہے، اگرچہ ان کو اس کا مقررہ وقت معلوم نہیں۔

اس کے جواب میں اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کو بتا دیجئے کہ میں تو تمہاری ہی طرح انسان ہوں۔ مجھ میں یہ قدرت نہیں کہ اپنے لئے کسی قسم کا نفع حاصل کر سکوں یا کسی نقصان سے اپنے آپ کو محفوظ کر سکوں۔ جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، اس لئے میں تم پر عذاب کیسے نازل کر سکتا ہوں۔ میں تو اس کا بندہ ہوں اور تمہارے لئے اس کا قاصد ہوں۔ میں صرف وہی کہتا ہوں جو مجھے بتایا جاتا ہے۔ لہذا میں نے تمہیں خبر دے دی ہے کہ قیامت ضرور ہوگی مگر اس کا وقت مجھے نہیں بتایا گیا۔ اللہ کے علم میں ہر امت کی ہلاکت کا ایک وقت مقرر ہے۔ تمہاری ہلاکت کا بھی ایک وقت مقرر ہے، پھر تم جلدی کیوں کرتے ہو۔ جب تمہیں عذاب دینے کا مقررہ وقت آئے گا تو اس میں ذرا سی بھی تقدیم و تاخیر نہ ہوگی۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے پوچھئے کہ تم جو جلد عذاب آنے کی تمنا کر رہے ہو، اگر وہ عذاب رات کے وقت جب کہ تم سوئے ہوئے ہو یا دن کے وقت جب تم اپنے کاروبار میں مصروف ہو، تم پر اچانک آجائے تو اس وقت تم کیا کرو گے۔ کیا تم اس وقت ایمان لے آؤ گے وہ ایمان لانے کا وقت نہیں ہو گا۔ پھر تم جلد عذاب آنے کی تمنا کیوں کرتے ہو۔ پھر جب وہ مطلوبہ عذاب آجائے گا اور تم اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے، تب تم اس پر ایمان لاؤ گے اور کہو گے کہ اب ہم خدائے واحد و یکتا کو ملتے ہیں اور باقی معبودوں سے منہ موڑتے ہیں۔ لیکن اس وقت کا ایمان لانا ذرا کلام نہ آئے گا۔ اس وقت تم سے کہا جائے گا کہ اب تم عذاب کو دیکھ کر ایمان لائے ہو۔ حالانکہ اس سے پہلے تو تم تکذیب و تمسخر کے طور پر اس کے جلد آنے کی تمنا کرتے تھے۔ سو اب تم دائمی عذاب کا مزہ چکھو جو تمہارے ہی اعمال کا بدلہ ہے۔

(مظہری ۳۲، ۳۳ / ۵، ابن کثیر ۲/۲۲۰)

عذاب و قیامت کا یقینی ہونا

۵۶، ۵۳۔ وَيَسْتَنْبِئُونَكَ أَحَقُّ مَوْثِقًا لِّأَيِّ رَبِّیْ إِنَّهُ لَحَقُّكُم مَّا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ۝ وَلَوْ أَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِی الْأَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهِ ۖ وَأَسْرُوا النَّدَامَةُ لَمَّا رَأَوْا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِیَ

يُنَنَّهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي
السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ ۚ أَلَا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا
يَعْلَمُونَ ۝ مُؤَيَّدٌ وَيُمَيِّتُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝

اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ (عذاب کا) وعدہ حق ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ
ہاں! قسم ہے میرے رب کی۔ البتہ وہ (عذاب کا واقع ہونا) سچ ہے اور تم اس کو
روک نہ سکو گے اور اگر ہر (نافرمان) شخص کے پاس وہ سب ہو جو کچھ کہ زمین
میں ہے تو عذاب سے بچنے کے لئے وہ سب اپنے فدیہ میں دینا چاہے گا۔ اور
جب وہ عذاب دیکھیں گے تو دل میں بڑے نادم ہوں گے اور ان کا فیصلہ
انصاف کے ساتھ کیا جائے گا اور ان پر (ذرا بھی) ظلم نہ ہو گا۔ یاد رکھو! جو کچھ
آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ دیکھو! بلاشبہ اللہ کا
وعدہ سچا ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ جانتے ہی نہیں، وہی زندہ کرتا ہے اور
وہی مارتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

يَسْتَنْبِئُونَكَ : وہ آپ سے خبر معلوم کرتے ہیں۔ وہ آپ سے پوچھتے ہیں۔ اِسْتَنْبَأُ سے
مضارع۔

ہاں۔ البتہ۔ حرف جواب ہے اور، ہمیشہ قسم سے پہلے آتا ہے۔
اِفْتَدَتْ : اس نے فدیہ دیا۔ اس نے اپنے چھڑانے کا بدلہ دیا۔ اِفْتَدَا سے ماضی۔
اَسْرَوْا : انہوں نے چھپا کر کیا۔ اِسْرَا سے ماضی۔

تشریح : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ جس عذاب سے آپ ان
کو ڈراتے ہیں کیا وہ واقعی آنے والا ہے یا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور قیامت کا قائم ہونا۔
کیا یہ سب امور یقینی طور پر ہونے والے ہیں یا آپ مذاق کے طور پر ایسا کہتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ
ہاں! میرے رب کی قسم یہ سب سچ اور حق ہیں اور تم ان امور کے واقع ہونے کو روک نہیں سکتے۔
تمہارا مٹی میں مل کر ریزہ ریزہ ہو جانا، اللہ تعالیٰ کو اس بات سے عاجز نہیں کر سکتا کہ وہ تمہیں
دوبارہ زندہ کر کے تمہیں کفر و شرک کے عذاب کا مزہ چکھائے۔ جس طرح اس نے تمہیں پہلی بار
پیدا کیا تھا، اسی طرح وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ جب وہ کسی چیز کو وجود میں لانا
چاہتا ہے تو وہ اس کو کہہ دیتا ہے کہ "ہو جا"، پس وہ چیز فوراً وجود میں آجاتی ہے۔

اگر بالفرض قیامت کے روز کسی ایسے شخص کو، جس نے کفر و شرک کر کے اپنے اوپر ظلم کیا ہے، زمین کے تمام دھینے مل جائیں تو وہ عذاب سے رہائی پانے کے لئے یہ سب فدیہ میں دینے کے لئے تیار ہو جائے گا، مگر اس کا یہ فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ پھر جب قیامت کے روز وہ عذاب کو دیکھیں گے تو وہ اظہارِ ندامت کریں گے کہ شاید اظہارِ ندامت ہی سے کچھ کلام چل جائے لیکن ان کے ساتھ جو بھی برتاؤ ہو گا وہ انصاف کے ساتھ ہو گا۔ اس میں ذرا بھی زیادتی نہ ہوگی۔

خوب سن لو کہ آسمانوں اور زمین کا مالک اللہ ہی ہے۔ وہ عذاب و ثواب دینے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔ کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ خوب سن لو! ثواب و عذاب کے بارے میں اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ مگر بہت سے لوگ اس کو نہیں جانتے اسی لئے وہ دنیا کی زندگی پر فریفتہ ہیں اور آخرت کو بھلائے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ اپنی ناگہی سے دنیا کو ہی حیات سمجھے ہوئے ہیں حالانکہ وہی دنیا میں زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ اسی طرح وہ قیامت میں دوبارہ پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ مرنے کے بعد قبروں سے اٹھ کر سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، جہاں اعمال کا حساب و کتاب ہو گا۔ (مواہب الرحمن / ۱۶۱، ۱۶۲ / ۱۱، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳/۴۷۸، ۴۷۹)

محاسنِ قرآن

۸، ۵۷ مَيَّا يٰهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ ۖ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝ قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا ۖ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ۝

اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ایک چیز آچکی جو (برائی سے بچنے کے لئے) نصیحت ہے اور دلوں کے امراض کے لئے شفاء اور مومنوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ لوگوں کو اللہ کے اس انعام اور مہربانی پر خوش ہونا چاہئے۔ یہ اس سے بہت بہتر ہے جو وہ جمع کر رہے ہیں۔

تشریح: اے لوگو! قرآن کریم وعظ و نصیحت کا ایک دفتر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے

ذریعہ تمہارے پاس بھیجا ہے۔ یہ دلوں کی بیماریوں کے لئے شفا بخش دوا ہے۔ یہ شک و شبہ اور دلوں کی گندگی و ناپاکی کو دور کرتا ہے۔ یہ برے کاموں سے روکتا ہے اور ان کے انجام سے خبردار کرتا ہے اور اچھے کاموں کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ قرآن مومنوں کو صحیح عقائد و افکار، جنت اور اللہ کے قرب کے درجات کا راستہ دکھاتا ہے۔ اہل ایمان ہی اس کو پڑھ کر اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

ابن مردویہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے سینے کا دکھ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ قرآن پڑھا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں وشفاء لمافی الصدور فرمایا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (قیامت کے روز) قرآن پڑھنے والے سے کہا جائے گا کہ پڑھ اور پڑھتا جا۔ جس طرح دنیا میں تو ترتیل سے پڑھا کرتا تھا اسی طرح ترتیل سے پڑھ کیونکہ تیرا درجہ وہاں ہے جہاں تک تو آخری آیت پڑھنے پر پہنچے گا۔

آپ کہہ دیجئے کہ لوگوں کو چاہئے کہ وہ اللہ کے اس فضل و رحمت پر خوش ہو جائیں کیونکہ یہ اس مال و متاع سے کہیں بہتر ہے جس کو وہ جمع کر رہے ہیں۔ دنیا اور اس کا نفع قلیل اور فانی ہے جبکہ قرآن اور اس کا نفع کثیر اور باقی رہنے والا ہے۔ (مظہری ۳۲، ۳۵ / ۵، روح المعانی ۱۳۹، ۱۴۱ / ۱۱، مسند احمد ۳۹۵ / ۲، ترمذی ابواب فضائل قرآن)

مشرکین کے قبیح اعمال

۶۰، ۵۹۔ قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَّا اتَّزَلُ اللَّهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا قُلِ اللَّهُ اِذْ نَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللَّهِ تَفْتَرُونَ ۝ وَ مَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللَّهِ الْكُذْبَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ اِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ بھلا دیکھو تو اللہ نے تمہارے لئے جو رزق نازل کیا ہے تم نے اس میں سے بعض کو حرام اور بعض کو حلال قرار دے دیا ہے۔ آپ (ان سے)

پوچھئے کہ کیا اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا تھا یا تم یو نہی اللہ پر افترا کرتے ہو اور جو اللہ پر افترا کرتے ہیں ان کا قیامت کے بارے میں کیا گمان ہے۔ بیشک اللہ تو لوگوں پر بڑا فضل کرتا ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان مشرکین سے پوچھئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے فائدے کے لئے جو رزق نازل کیا تھا انہوں نے اس کا کچھ حصہ اپنے لئے حلال قرار دے لیا اور کچھ حصے کو اپنے اوپر حرام کر لیا۔ یہاں رزق سے مراد کھیتی یا دودھ والے مویشی ہیں۔ اللہ نے یہ سب چیزیں حلال بنائی تھیں، مگر انہوں نے اپنی طرف سے کسی کو حلال بنا لیا اور کسی کو حرام۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

هُذِيَ الْأَنْعَامُ وَحُرِّثَ حَبْرٌ (الانعام آیت ۱۳۸)

یہ چوپائے ہیں اور کھیتیاں ہیں جو ممنوع ہیں۔

مَا فِیْ بُطُونِ هَذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا وَ مُحَرَّمٌ عَلٰی
أَزْوَاجِنَا۔ (الانعام آیت ۱۳۹)

ان جانوروں کے پیٹ کے اندر جو کچھ ہے وہ صرف مردوں کے لئے (حلال) ہے اور ہماری عورتوں کے لئے حرام ہے۔

اسی طرح انہوں نے بحیرہ، سائبہ، و صلیہ اور حام کو بھی حرام قرار دے رکھا تھا۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے پوچھئے کہ کیا بعض حلال اور بعض کو حرام کرنے کی اجازت تمہیں اللہ نے دی ہے یا تم اس خود ساختہ تحلیل و تحریم کی نسبت اللہ کی طرف کر کے اس پر افتراء باندھ رہے ہو جو نہایت سخت گناہ ہے اور جو لوگ اللہ پر ہمت لگاتے ہیں، قیامت کے بارے میں ان کا کیا خیال ہے۔ کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ قیامت کے روز ان کو اس افترا پر دازی کی سزا نہیں دی جائے گی۔ یہ ضرور اپنے اعمال بد کی سزا پائیں گے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تو لوگوں پر بہت فضل و مہربانی کرنے والا ہے کہ اس نے ان کو عقل کی نعمت عطا کی۔ ان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے کتابیں نازل کیں اور پیغمبر بھیجے۔ لیکن اکثر لوگ ان انعامات کا شکر ادا نہیں کرتے۔

(مواہب الرحمن ۱۴۱، ۱۴۲/۱۱، مظہری ۳۶/۵)

اللہ تعالیٰ کا احاطہ علمی

۶۱۔ وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ۚ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْفَرُ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝

اور آپ جس حال میں بھی ہوں اور قرآن میں سے کچھ بھی تلاوت کر رہے ہوں اور لوگ کسی بھی کام میں مصروف ہوں، ہم تمہیں (ہر حال میں) دیکھتے رہتے ہیں جبکہ تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو اور آپ کے رب پر ذرہ بھر بھی کوئی چیز مخفی نہیں رہتی خواہ وہ زمین میں ہو یا آسمان میں اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی ہے اور نہ بڑی مگر یہ کہ وہ کتاب مبین (لوح محفوظ) میں درج ہے۔

شَأْنٌ: حالت - مشغلہ - کام - جمع شُؤْنٌ

تُفِيضُونَ: تم شروع کرتے ہو - تم (باتوں میں) مشغول ہوتے ہو -

يَعْزُبُ: وہ غائب ہوتا ہے - وہ چھپتا ہے - عَزُوبٌ سے مضارع -

مِثْقَالٌ: برابر - ہم وزن - بھاری ہونا - ثَقُلْتُ وَثِقَاتِي سے فعل بھی اسم بھی -

تُشْرِعُ: اس آیت میں پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے کیونکہ آپ تمام

انسانوں کے سرگروہ ہیں - اس کے بعد آپ کے عظیم الشان عمل کا ذکر ہے کہ آپ قرآن کا جو حصہ

بھی پڑھتے ہیں وہ اللہ کو معلوم ہے - پھر سب لوگوں کو خطاب ہے اور ان کے ہر چھوٹے بڑے عمل

کا ذکر ہے -

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ جس شان و حال میں ہوتے ہیں اور جو کچھ قرآن آپ

پڑھتے اور تبلیغ و نصیحت فرماتے ہیں اور جو کچھ کام تم لوگ کرتے ہو وہ سب ہمیں معلوم ہیں - ہم

سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں - اللہ تعالیٰ تمام امت اور مخلوق کے تمام احوال سے ہر لمحہ اور ہر آن واقف

ہے - آسمانوں اور زمین کے اندر کوئی چھوٹی سے چھوٹی اور حقیر سے حقیر چیز ایسی نہیں جس کا علم

اللہ تعالیٰ کو نہ ہو - بحر و بر کے غیب وہی جانتا ہے - ایک پتہ بھی ٹوٹ کر کہیں گرتا ہے یا رات کی

تاریکیوں میں کہیں کوئی ذرہ بھی پڑا رہتا ہے اور کوئی چیز خشک ہو یا تر، اچھی ہو یا بری، اس کو سب

کا علم ہے۔ وہ اشجار و جمادات اور حیوانات کی ہر حرکت کو جانتا ہے۔ زمین پر جتنے جاندار ہیں، ہوا میں جتنے پرندے اڑتے ہیں، سب کے رزق کا ضامن اللہ تعالیٰ ہے۔ (ابن کثیر ۴/۲۲۲)

اولیاء اللہ کا حال

۶۳، ۶۴۔ اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝
الَّذِينَ اٰمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيْلُ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ هُوَ
الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

دیکھو! اللہ کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (یہ وہ لوگ ہیں) جو ایمان لائے اور اللہ سے ڈرتے رہے۔ انہی لوگوں کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوشخبری ہے۔ اللہ کی باتیں بدلتی نہیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

تشریح: خوب سن لو کہ اللہ کا ولی وہ ہے جو ایمان لانے کے بعد پرہیزگاری اختیار کرے۔ چنانچہ جو پرہیزگار ہے وہ اللہ کا ولی ہے۔ جب ان کو احوالِ آخرت سے سابقہ پڑے گا تو ان کو کسی قسم کا خوف دامن گیر نہ ہو گا اور نہ دنیا میں ان کو کوئی رنج و ملال ہو گا۔ انہی لوگوں کے لئے دنیا اور آخرت کی زندگیوں میں بشارتیں ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اولیاء اللہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ کہ جب دیکھو کہ اللہ کی یاد میں مصروف ہیں۔ یعنی اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جو ہر وقت اللہ کی یاد میں مشغول رہتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایسے بندے بھی ہیں کہ انبیاء و شہداء بھی ان پر رشک کرتے ہیں۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون لوگ ہیں؟ ہم بھی ان سے محبت رکھیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ انبیاء کے لئے بھی قابلِ رشک لوگ وہ ہیں کہ نہ مال کا کوئی تعلق، نہ نسب کا لگاؤ، مگر وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ ان کے چہرے نورانی ہیں۔ وہ نور کے منبروں پر

ہیں، جہاں لوگ خوف سے تھرائیں گے۔ وہاں ان پر ذرا بھی خوف کے آثار نہیں ہوں گے۔
 بیہوشی نے حضرت رزین رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم نے حضرت رزین سے فرمایا کہ میں تمہیں دین کا ایسا اصول بتاتا ہوں جس سے تم دنیا و آخرت
 کی فلاح و کامیابی حاصل کر سکتے ہو۔ وہ (اصول) یہ ہے کہ اہل ذکر کی مجلس و صحبت کو لازم پکڑو اور
 جب تنہائی میں جاؤ تو جتنا زیادہ ہو سکے اللہ کے ذکر سے اپنی زبان کو حرکت دو۔ جس سے محبت
 کرو، اللہ کے لئے کرو، جس سے نفرت کرو اللہ کے لئے کرو۔

پس انہیں لوگوں کی صحبت و مجالست مفید ہے جو خود ولی اللہ اور متبع سنت ہوں۔ جو
 لوگ سنت رسول کے تابع نہیں وہ درجہ ولایت سے محروم ہیں، خواہ ان سے کتنے ہی کشف و
 کرامات صادر ہوتے ہوں اور جو شخص مذکورہ صفات کا حامل ہے وہ اللہ کا ولی ہے خواہ اس سے
 کبھی بھی کوئی کشف و کرامت ظاہر نہ ہوتی ہو۔

ابن ماجہ میں حضرت اسماء بنت یزید کی روایت سے مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم نے اولیاء اللہ کی پہچان یہ بتائی ہے کہ اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جن کو دیکھ کر خدا یاد آئے۔
 خلاصہ یہ کہ جن لوگوں کی صحبت میں بیٹھ کر ان کو اللہ کے ذکر کی توفیق اور دنیاوی
 فکروں کی کمی محسوس ہو وہی اولیاء اللہ ہیں۔

پھر فرمایا کہ اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں۔ اس کے سب وعدے اٹل ہیں اور
 پورے ہو کر رہیں گے۔ مومنوں کے لئے دونوں جہان میں بشارت یافتہ ہونا ہی عظیم کامیابی ہے۔
 اس کے بعد کامیابی کا کوئی درجہ نہیں۔ (مظہری ۴۰ / ۵، ابن کثیر ۴۲۲، ۲ / ۲۲۳)

آپ کو تسلی و بشارت

۶۵، ۶۶ وَلَا يَخْزُكَ قَوْلُهُمْ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۖ هُوَ السَّمِيعُ
 الْعَلِيمُ ۝ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَنْ فِي السَّمُوتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَمَا
 يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا
 الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۝ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ
 لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ

يَسْمَعُونَ ۝

اور آپ کو ان کی باتوں سے غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ بلاشبہ عزت (غلبہ) تو سب اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ وہی خوب سنتا (اور) جانتا ہے۔ دیکھو! آسمانوں اور زمین والے سب اللہ کے (محکوم) ہیں اور یہ جو اللہ کو چھوڑ کر اپنے بنائے ہوئے شریکوں کو پوجتے ہیں یہ محض خیالات کی پیروی کرتے ہیں اور محض انگلیں دوڑاتے ہیں۔ (اللہ) وہی ہے جس نے تمہارے آرام کے لئے رات بنائی اور دیکھنے کے لئے دن بنایا۔ بیشک اس میں اس قوم کے لئے (اللہ کی قدرت کی) بڑی نشانیاں ہیں جو سن سکتی ہیں۔

يُخْرِصُونَ: وہ انگلی دوڑاتے ہیں۔ وہ قیاسی باتیں کرتے ہیں۔ خُرُصٌ سے مضارع۔ مُبْصِرًا: دکھانے والا۔ روشنی والا۔ اِبْصَارٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: آپ مشرکین کی باتوں سے غمگین نہ ہوں کیونکہ عزت و غلبہ تو سب اللہ تعالیٰ، اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں ہی کو حاصل ہے۔ کسی کے قبضہ میں کوئی چیز نہیں۔ اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے۔ وہی آپ کی مدد کرے گا اور آپ کو کامیابی سے ہمکنار فرمائے گا۔ وہ اپنے بندوں کی باتوں کو سنتا اور ان کے احوال کو جانتا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کے لئے ہے۔ مشرکین جن بتوں کی عبادت کرتے ہیں وہ نہ تو نقصان پہنچانے پر قادر ہیں اور نہ نفع دینے پر مشرکین کے پاس کوئی معقول دلیل نہیں وہ تو محض جھوٹ اور قیاس آرائیوں کی پیروی کر رہے ہیں۔

اللہ وہی تو ہے جس نے اپنے بندوں کے لئے رات بنائی تاکہ وہ دن بھر کی تکان سے سکون اور راحت حاصل کریں اسی نے حصول معاش کے لئے دن کو روشن بنایا۔ ایسے دلائل کو سن کر عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے ان آیتوں میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ (ابن کثیر ۲/۴۲۴)

توحید کے دلائل

۶۸، ۶۹، قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ هُوَ الْغَنِيُّ لَهُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ إِنْ عِنْدَكُمْ مِنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا أْتَقُولُونَ

عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ قُلْ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ
الْكُذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ۝ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ
ثُمَّ نُنْذِرُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝

وہ کہتے ہیں کہ اللہ - نے بیٹا بنالیا - وہ پاک ہے - وہ (اولاد سے) بے نیاز ہے - جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے (وہ سب) اسی کا ہے - ہمارے پاس اس (قول باطل) کی کوئی دلیل نہیں - کیا تم اللہ کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم ہی نہیں جو لوگ اللہ پر جھوٹ افترا کرتے ہیں - آپ ان کو بتا دیجئے کہ وہ فلاح نہیں پائیں گے - یہ دنیا میں تھوڑا سا نفع اٹھا لینا ہے پھر ان کو ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے - پھر ہم ان کے کفر کے سبب ان کو شدید عذاب کا مزہ چکھائیں گے -

تشریح: مشرکین مکہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے - نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہود حضرت عزیز علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے تھے - ان آیتوں میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے عقائد کی تردید کی گئی ہے کہ یہ سب ان نادانوں کی افترا پر دازی ہے - ایسے لوگ کبھی فلاح نہیں پاسکتے -

وہ اس سے پاک اور منزہ ہے کہ کسی کو بیٹا بنائے - بیٹے کا محتاج تو وہ ہوتا ہے جس کو بقا اور دوام نہ ہو تاکہ اس کی فنا اور زوال کے بعد بیٹا اس کا قائم مقام ہو، یا اولاد کی ضرورت ضعیف کو ہوتی ہے کہ وہ اس کے ذریعہ قوت حاصل کرے، یا ذلیل کو ہوتی ہے کہ اولاد کے ذریعہ عزت و شرف حاصل کرے، یا گنہگار کو ہوتی ہے کہ اولاد کے ذریعہ نام پیدا کرے - غرض یہ سب محتاجی کی باتیں ہیں اور اللہ احتیاج سے پاک ہے - وہ غنی مطلق ہے اور سب مخلوق محتاج مطلق ہے - وہ کسی کا محتاج نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں - جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اسی کی ملکیت ہے اور اولاد باپ کی مملوک نہیں ہوتی - لہذا مشرکین کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے، بلا دلیل ہے - کیا یہ لوگ اللہ کی طرف ایسی بات منسوب کرتے ہیں جس کا ان کو علم ہی نہیں - آپ ان سے کہہ دیجئے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ہمتاں باندھتے ہیں وہ دین و دنیا میں کہیں فلاح نہیں پائیں گے - دنیا میں خوب عیش و آرام اور صحت و سلامتی کے ساتھ رہنا ان کے لئے عذاب کا پیش خیمہ اور ڈھیل و مہلت ہے - یہ دنیا کی زندگی تو ان کے لئے چند روزہ آرام و راحت ہے - اس کے بعد

تو ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ پھر ہم انہیں سخت عذاب کا مزہ چکھا دیں گے۔ اس لئے کہ وہ دنیا میں کفر کرتے تھے اور اللہ کے لئے اولاد ٹھہرا کر اس کی شان، عزت اور بے نیازی میں طعن کرتے تھے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۸۸، ۴۸۹ / ۳، ابن کثیر ۴۲۳، ۴۲۵ / ۲)

حضرت نوح کا واقعہ

۴۱، ۴۲۔ وَأَنذِرْ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ مَّا إِذَا قَالَ لِقَوْمِهِ يٰقَوْمِ إِن كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِي وَتَذَكِيرِي بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تَنْظُرُون ۝ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ إِنِّي أَجْرِي إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَأَمَرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ فَكَذَّبُوا فَنَجَّيْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنَاهُمْ خَلِيفَ وَأَعْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذِرِينَ ۝

اور آپ ان کو (حضرت) نوح کا حال سنا دیجئے جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! اگر تمہیں میرا قیام اور اللہ کی آیتوں سے نصیحت کرنا گراں گزرتا ہے تو میرا تو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ ہے۔ پھر تم اور تمہارے معبود (مجھے نقصان پہنچانے کے لئے) اپنی پختہ تدبیر کر لو۔ پھر تمہارا وہ ارادہ تم میں سے کسی پر پوشیدہ نہ رہے۔ پھر جو کچھ تم میرے ساتھ کرنا چاہتے ہو اس کو کر گزرو اور مجھے مہلت بھی نہ دو۔ پھر بھی اگر تم نہ مانو تو میں نے تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کیا۔ میرا معاوضہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ذمہ ہے۔ اور مجھے تو حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں بردار ہو کر رہوں۔ پس وہ لوگ ان کو جھٹلاتے رہے سو ہم نے ان (حضرت نوح) کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے، ان کو تو نہات دی اور انہیں (زمین میں) خلیفہ بھی بنادیا اور جن لوگوں نے ہماری

آیتوں کو جھٹلایا، ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔ سو دیکھنا چاہئے کہ جن لوگوں کو (عذاب الہی سے) خبردار کر دیا گیا تھا ان کا کیسا (برا) انجام ہوا۔

کَبُرُ: وہ (مرتبہ میں) بڑا ہوا۔ وہ بزرگ ہوا۔ وہ گراں ہوا۔ کَبُرُ کَبُر سے ماضی۔
عُمَّةٌ: رنج و غم۔ چھپا ہوا۔ جمع غم۔
اَقْضُوا: تم فیصلہ کر لو۔ تم کر گزرو۔ قَضَاء سے امر۔

ربط: اصولِ دین، توحید و رسالت اور قیامت کے دلائل کے بیان کے بعد اب مشرکین و منکرین نبوت کی تہدید و عبرت کے لئے سابقہ امتوں کے چند واقعات کا بیان ہے تاکہ کفار و مشرکین عرب ان واقعات سے عبرت پکڑیں اور جان لیں کہ اللہ کے نبیوں کے مقابلے میں قوت و شوکت کلام نہیں آتی۔

تشریح: سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد جب کفر پھیل گیا تو حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا گیا تاکہ وہ کافروں کو دعوتِ ایمان دیں۔ جب قوم نے ان کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے سب کو طوفان کے ذریعہ غرق کر دیا۔ قومِ نوح دنیا میں پہلی قوم تھی جو عذابِ خداوندی سے ہلاک ہوئی۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کفارِ مکہ جو آپ کی مخالفت و تکذیب کرتے ہیں۔ آپ ان کو حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے واقعات سنا دیجئے تاکہ وہ قومِ نوح کے افسوسناک انجام کو دیکھ کر ہوشیار ہو جائیں اور اس سے عبرت حاصل کریں۔

جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! اگر میرا تم میں رہنا اور احکامِ خداوندی کی نصیحت کرنا تمہیں گراں گزرتا ہے اور تم میری نصیحت سے تنگ ہو تو مجھے بھی تمہاری پرواہ نہیں۔ تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ میں تو اللہ پر بھروسہ رکھتا ہوں جو تمہارے مکرو فریب کو دور کرنے پر قادر ہے۔ تمہیں اچھا لگے یا نہ لگے، میں تو تبلیغِ دین کرتا رہوں گا۔ سو تم اور تمہارے باطل معبود، جن کو تم اللہ کی عبادت میں شریک کرتے ہو، سب مل کر اپنی سی کوشش کر لو اور مجھے ذرا بھی ہمت نہ دو، تم جو کچھ کر سکتے ہو کر گزرو۔ مجھے نہ تو تمہاری پرواہ ہے اور نہ تم سے کچھ خوف۔ میرا بھروسہ تو اللہ پر ہے جو تمہارا بھی رب ہے اور میرا بھی۔ اب اگر تم نے تکذیب کی اور میری نصیحت سے منہ موڑا تو میں نے اس نصیحت اور دعوتِ ایمان پر تم سے کوئی

اجرت تو نہیں مانگی جس کے ضائع ہونے کا مجھے افسوس ہو۔ میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے جو بہر حال مجھے ملے گا۔ خواہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ۔ مجھے تو حکم دیا گیا ہے کہ میں اسلام کے احکام کی تعمیل کرتا رہوں کیونکہ تمام انبیاء کا دین اسلام ہی تھا۔

پھر فرمایا کہ ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کو اور ان کے دین پر چلنے والوں کو کشتی میں بٹھا کر نجات دے دی اور ان کو زمین پر خلیفہ مقرر کر دیا۔ جن لوگوں نے ہماری باتوں کو جھٹلایا تھا، ہم نے ان کو غرق کر دیا۔ دیکھو ان بد نصیبوں کا کیسا برا حشر ہوا اور اللہ کے نبی کے مقابلے میں، مال و دولت اور غرور و نخوت، کچھ بھی ان کے کام نہ آیا۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۹۰، ۴۹۱، ۳ / مواہب الرحمن ۱۸۹، ۱۹۰ / ۱۱)

قوم عاد و ثمود وغیرہ کے واقعات

۴۔ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ فَجَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ
فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ ۚ كَذَلِكَ نَطْبَعُ
عَلَىٰ قُلُوبِ الْمُعْتَدِينَ ۝

پھر ہم نے حضرت نوح کے بعد ان کی قوم کی طرف اور رسول بھیجے۔ پس وہ ان کے پاس کھلے معجزات لے کر آئے لیکن وہ اس پر ایمان نہ لائے۔ جس کی وہ پہلے تکذیب کر چکے تھے۔ ہم اسی طرح سرکشوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ہم نے دوسرے رسولوں کو بھی ان کی قوموں کی طرف واضح دلائل و معجزات کے ساتھ بھیجا۔ مثلاً حضرت ہود علیہ السلام کو قوم عاد کی طرف، حضرت صالح کو قوم ثمود کی طرف، حضرت ابراہیم، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا۔

وہ چونکہ انبیاء کے آنے سے پہلے ہی حق کے منکر تھے اس لئے انبیاء کے آنے کے بعد بھی وہ اپنے انکار پر قائم رہے۔ جس طرح سابقہ امتوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی تھی تو ہم نے ان کے دلوں پر مہر کر دی تھی۔ اسی طرح ہم حد سے گزرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں کہ وہ عزت کو ذلت سمجھنے لگتے ہیں اگرچہ اللہ کی مہر نظر نہیں آتی۔ مگر جن کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے وہ

دین کی باتوں کو حقیر و ذلیل سمجھنے لگتے ہیں۔

حضرت موسیٰ کا واقعہ

۸، ۷۵۔ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسَىٰ وَهَارُونَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ
بِآيَاتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ۝ فَلَمَّا جَاءَهُمْ
الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا إِنَّ هَذَا لَسِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ قَالَ مُوسَىٰ
أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَكُمْ ۚ أَسِحْرٌ هَذَا ۚ وَلَا يُفْلِحُ
السَّحَرُونَ ۝ قَالُوا أَجِئْتُنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ
أَبَاءَنَا وَتَكُونَ لَكُمُ الْكِبْرِيَاءُ فِي الْأَرْضِ ۚ وَمَا نَحْنُ لَكُمْ
بِمُؤْمِنِينَ ۝

پھر ان کے بعد ہم نے (حضرت) موسیٰ اور (حضرت) ہارون (علیہما السلام) کو
فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس اپنی نشانیاں دے کر بھیجا۔ سو انہوں
نے ٹکڑ کیا اور وہ تو تھی ہی نافرمان قوم۔ پھر جب ہماری طرف سے ان کے
پاس حق (بات) پہنچ گئی تو وہ کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ (حضرت) موسیٰ
نے کہا کہ کیا تم حق کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو جبکہ وہ تمہارے پاس پہنچ
گیا۔ کیا یہ جادو ہے حالانکہ جادو گروں کو کامیابی نہیں ہوتی۔ وہ کہنے لگے کہ کیا
تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہمیں اس طریقہ سے برگشتہ کر دے جس پر
ہم نے اپنے باپ، دادا کو پایا ہے اور تم دونوں کو اس ملک کی سرداری مل
جائے اور ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں۔

مَلَئِهِ: اس کے سرداروں کی جماعت۔

تَلَفِتْنَا: تو ہم کو ہٹاتا ہے۔ تو ہم کو پھیرتا ہے۔ لَفَتٌ سے مضارع۔

وَجَدْنَا: ہم نے پایا۔ ہم نے تلاش کیا۔ وَجَدٌ وَجُودٌ سے ماضی۔

الْكِبْرِيَاءُ: بڑائی۔ سرداری۔ بزرگی۔ عظمت۔ اللہ تعالیٰ کی خاص صفت۔

تشریح: پھر ان رسولوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام

کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا مگر وہ لوگ اطاعت و فرماں برداری کی بجائے اپنی ظاہری عزت و جاہت پر تکبر کرنے لگے کیونکہ وہ تو تھے ہی مجرم لوگ۔ پھر جب اللہ کی طرف سے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے ذریعہ ان کے پاس امر حق آگیا تو وہ بلا تامل کہنے لگے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ حضرت موسیٰ نے ان کے جواب میں کہا کہ کیا تم اس صریح اور واضح حق کو جادو کہتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ جادو گر فلاح نہیں پاتے اور جادو معجزے کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

جب فرعون اور اس کے سرداروں سے حضرت موسیٰ کی بات کا جواب نہ بن پڑا تو وہ کہنے لگے کہ اے موسیٰ! کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ تو ہمیں اس طریقہ سے ہٹا دے جس پر ہم نے اپنے باپ، دادا کو پایا ہے اور تو ہمیں اپنا مطیع و فرماں بردار بنالے اور ہماری عزت و غلبہ کو ختم کر کے مصر پر اپنا تسلط جمالے۔ خوب سن لو ہم تم پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔

فرعون کا جادو گروں کو جمع کرنا

۸۲، ۷۹ وَقَالَ فِرْعَوْنُ اَنْتُمْ اَنْتُمْ بِكُلِّ سِحْرِ عَلِيمٍ ۝ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُوسٰى اَلْقُوا مَا اَنْتُمْ مُلْقُونَ ۝ فَلَمَّا اَلْقَوْا قَالَ مُوسٰى مَا جِئْتُمْ بِهٖ اِلَّا السِّحْرُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ۙ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَيُحَقِّقُ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۝

اور فرعون نے (اپنے سرداروں سے) کہا کہ تم میرے پاس تمام ماہر جادو گروں کو لاؤ۔ پھر جب جادو گر لگے تو حضرت موسیٰ نے ان سے کہا کہ تم ڈالو کیا ڈالتے ہو۔ پھر جب انہوں نے (اپنی رسیوں اور لاثیوں کو) ڈال دیا تو (حضرت) موسیٰ نے کہا کہ جو کچھ تم لائے ہو وہ جادو ہے۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد اس کو باطل (درہم برہم) کر دے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ شریروں کے کلام نہیں سنوارتا اور اللہ اپنے حکم سے حق کو سچا کر کے رہے گا، اگرچہ مجرم براہی مانیں۔

تشریح: فرعون کا گمان تھا کہ وہ جادو گروں سے مدد لے کر اللہ تعالیٰ کے رسول پر غالب

آجائے گا مگر اس کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ چنانچہ جب فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا اور یدِ بیضاء کے معجزوں کو دیکھ کر گھبرا گیا تو اپنی عزت و ناموس کے تحفظ کے لئے اس نے اپنے درباریوں سے کہا کہ حضرت موسیٰ کے مقابلے کے لئے ملک کے ہر گوشے سے ماہر اور تجربہ کار ساحروں کو جمع کیا جائے تاکہ وہ حضرت موسیٰ کا مقابلہ کریں اور حضرت موسیٰ کا جادو گر ہونا ظاہر ہو جائے۔

پھر جب وہ جادو گر آجمع ہوئے اور مقابلہ کے لئے میدان میں پہنچ گئے تو حضرت موسیٰ نے ان سے کہا کہ جو کچھ تم ڈالنا چاہتے ہو ڈالو۔ سو جب انہوں نے لاشیوں اور رسیوں کو جن سے وہ جادو کیا کرتے تھے، زمین پر ڈالا اور وہ لاشیاں اور رسیاں سانپ بن کر زمین پر چلنے لگیں تو حضرت موسیٰ نے وحی الہی سے مطمئن ہو کر جادو گروں سے کہا کہ تم جو کچھ لائے ہو وہ جادو کا کھیل ہے اور جو میں لایا ہوں وہ جادو نہیں بلکہ معجزہ ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے جادو کو ملامت کر دے گا اور تم میرے مقابلے میں ذلیل و خوار ہو کر رہو گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مفسدوں کے عمل کو قائم نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کے مطابق حق کو ثابت کر کے رہے گا اور اس نے اپنے پیغمبر سے غلبہ و نصرت کا جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہو گا۔ خواہ مجرموں کو وہ کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔

چنانچہ جب ساحروں کی لاشیاں اور رسیاں سانپ بن کر زمین پر چلنے لگیں تو حضرت موسیٰ نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا جس نے اڑدھا بن کر سب رسیوں اور لاشیوں کو نگل لیا۔ پھر وہ مجمع کی طرف بڑھنے لگا جس سے مجمع میں بھگدڑ پڑ گئی۔ بہت سے لوگ کچلے گئے اور نیچے دب کر اور گر کر مر گئے۔ ساحرین چونکہ فنِ سحر سے خوب واقف تھے اس لئے ان کو یقین تھا کہ یہ سحر نہیں لہذا وہ ایمان لے آئے۔ (مظہری ۴۸، ۴۹ / ۵)

بیضادی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ جادو بھی افساد ہے اور جادو نظر بندی ہے حقیقت نہیں۔ لہٰذا سنت کے نزدیک جادو واقعی امر ہے، اگرچہ اس کا کرنا کفر ہے۔ (بیضادی ۱۷۸)

توکل اور کثرتِ صلوٰۃ کی تاکید

۸۶، ۸۳۔ فَمَا أَمَّنَ لِمُوسَىٰ إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهِ عَلَىٰ خَوْفٍ مِّنْ
فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِمْ أَن يَفْتِنَهُمْ ۖ وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي
الْأَرْضِ ۚ وَإِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ ۝ وَقَالَ مُوسَىٰ يُقَوْمُ إِن
كُنْتُمْ آمِنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا ۖ إِن كُنْتُمْ مُّسْلِمِينَ ۝
فَقَالُوا عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ
الظَّالِمِينَ ۝ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝

پھر (حضرت) موسیٰ کی قوم کے چند لوگوں کے سوا کوئی بھی ان پر ایمان نہ لایا
اور وہ بھی فرعون اور اس کے سرداروں سے ڈرتے ڈرتے کہ کہیں وہ ان کو
تکلیف نہ دیں اور بیشک فرعون تو اس ملک میں بڑا زور رکھتا تھا اور بیشک
وہ حد سے بڑھا ہوا تھا اور (حضرت) موسیٰ نے کہا کہ اے میری قوم! اگر تم اللہ
پر ایمان لائے اور اگر تم فرماں بردار ہو تو اسی پر بھروسہ بھی رکھو۔ سو انہوں
نے کہا کہ ہم نے تو اللہ ہی پر بھروسہ کر رکھا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں
ظالم قوم کے ہاتھوں آزمائش میں نہ ڈال اور ہمیں اپنی رحمت سے کافر قوم سے
نجات دے۔

عَال: بلند۔ غالب۔ سرکش۔ جابر۔ علو سے اسم فاعل۔

مُسْرِفِينَ: اسراف کرنے والے۔ بجا خرچ کرنے والے۔

تشریح: باوجودیکہ حضرت موسیٰ نے جادو گروں کے جادو کو ملیا میٹ کر کے اپنی صداقت کی
نشانیوں اور معجزات پیش کئے، قوم فرعون میں سے چند آدمیوں کے سوا کسی نے ان کی تصدیق نہیں
کی۔ یہ چند لوگ بھی فرعون اور اس کے اراکین سلطنت سے ڈرتے ڈرتے ایمان لائے کہ کہیں یہ
لوگ ان کو مصیبت میں نہ ڈال دیں۔ بعض مفسرین نے کہا کہ قومہ کی ضمیر حضرت موسیٰ کی
طرف راجع ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ فرعون کے خوف کے سبب بنی اسرائیل میں
سے بوڑھے لوگ ایمان نہ لائے بلکہ نوجوان ذریت، حضرت موسیٰ پر ایمان لائی۔ بلاشبہ فرعون بڑا
عیار اور سرکش تھا اور حد سے بڑھا ہوا تھا، اسی لئے اس کی قوم اس سے بہت ڈرتی تھی۔

پھر حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو اور یہ جانتے ہو کہ نفع و نقصان کا مالک وہی ہے تو تم اسی پر بھروسہ رکھو۔ وہ تمہیں دشمن کے فتنے سے ضرور بچائے گا۔ فرعون اور اس کے آدمیوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ چونکہ یہ لوگ مخلص تھے اور اللہ کے پیغمبر کے سچے پیروکار تھے، اس لئے انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم تو اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ پھر انہوں نے دعا کی کہ اے اللہ! ہم پر ان ظالموں کو مسلط نہ کر اور نہ ہمیں اپنے عذاب میں مبتلا کر، ورنہ فرعون کی قوم کہے گی کہ اگر یہ لوگ حق پر ہوتے تو عذاب میں مبتلا نہ ہوتے اور نہ ہم ان پر غالب آتے۔ اے اللہ! ہمیں اپنی رحمت و مہربانی سے اس کافر قوم سے نجات دے۔
(مواہب الرحمن ۱۹۳، ۱۹۵/۱۱)

مومنوں کو بشارت

۸۷۔ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَنْ تَبَوَّأَ لِقَوْمِكَ مَصْرَ بَيُوتًا
وَأَجْعَلُوا بَيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۖ وَبَشِّرِ
الْمُؤْمِنِينَ ۝

اور ہم نے (حضرت) موسیٰ اور ان کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ تم دونوں اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ رو بناؤ اور نماز قائم کرو اور مومنوں کو خوشخبری سنا دو۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی دعا قبول کی اور حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کو وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ تم دونوں اپنے لوگوں کی سکونت و عبادت کے لئے شہر میں کچھ مکان مقرر کر لو اور ان مکانوں کو قبلہ رخ بناؤ تاکہ تم ان میں رہ بھی سکو اور عبادت بھی کر سکو اور جب فرعون کی طرف سے کوئی مصیبت آئے تو اپنے انہیں مکانوں میں کثرت سے نماز پڑھو۔ اللہ تعالیٰ نماز کی برکت سے تمہاری مصیبت دور کر دے گا۔

فرعون کے لوگ بنی اسرائیل کو مساجد میں نماز پڑھنے سے روکتے تھے، اس لئے ان کو یہ اجازت دی گئی کہ تم اپنے گھروں کو قبلہ رخ بنا کر انہیں میں نماز پڑھ لیا کرو تاکہ فرعون والوں کو تمہاری نماز اور عبادت کی خبر نہ ہو۔

پھر فرمایا کہ اے موسیٰ تم مومنوں کو بشارت دے دو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو ہلاک کر دے گا اور تمہیں ان کا جانشین بنادے گا اور آخرت میں تمہیں جنت عطا فرمائے گا۔

حضرت موسیٰ کی دعاء

۸۹،۸۸ وَقَالَ مُوسَىٰ رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَأْتَ زِينَتَهُ وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَيَّ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَيَّ قُلُوبَهُمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوْا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۝ قَالَ قَدْ أُجِيبْتُ دَعْوَتُكُمْ فَاسْتَقِيمُوا وَلَا تَبْغُوا سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝

اور (حضرت) موسیٰ نے کہا کہ اے ہمارے رب! تو نے تو فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں سامانِ تحمل اور مال (وزر) دے رکھا ہے۔ اے ہمارے رب! (کیا یہ سب اسی لئے دیا ہے) کہ وہ لوگوں کو تیری راہ سے گمراہ کریں۔ اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو ملیا میٹ کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے۔ پس وہ ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعاء قبول کر لی گئی۔ سو تم ثابت قدم رہو اور نادانوں کی اتباع نہ کرو۔

مَلَأَ: اس کے سرداروں کو۔

اطْمَسَ: تو مٹا دے۔ تو نیست و نابود کر دے۔ طَمَسَ سے امر۔

اشْدُدْ: تو سخت کر دے۔ تو مضبوط کر۔ شَدَّ و شَدَّةٌ سے امر۔

تشریح: جب فرعون اور اس کی جماعت نے قبولِ حق سے انکار کر دیا، وہ اپنے ظلم و سرکشی اور گمراہی پر قائم رہے تو حضرت موسیٰ نے ان کے ایمان لانے سے ناامید ہو کر اللہ تعالیٰ سے ان کے حق میں یہ بددعاء کی کہ اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کی جماعت کو اس دنیا میں سامانِ آرائش اور کثیر اموال اس لئے عطا کیا تھا کہ یہ لوگ تیری نعمت کا شکر ادا کریں اور اس کو آخرت کی نجات کا ذریعہ بنائیں مگر ان لوگوں نے تیری ناشکری اور نافرمانی کی اور تیرے دیئے ہوئے مال پر

لے کر مغرور و سرکش ہوئے کہ خود تو گمراہ تھے ہی، دوسروں کو بھی تیرے راستے سے بہکانے لگے۔ اس لئے یہ لوگ اس قابل نہیں کہ ان کے اموال کو باقی رکھا جائے۔ سوائے ہمارے پروردگار! ان کے اموال کو نیست و نابود کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے کہ یہ عذاب الیم دیکھنے تک ایمان ہی نہ لائیں۔

اس آیت میں لفظ لیضلو کی "ی" کو بعض نے زبر کے ساتھ پڑھا ہے جس کے معنی ہیں خود بھٹکانا اور گمراہ ہونا اور بعض نے "ی" کو پیش کے ساتھ پڑھا ہے جس کے معنی ہیں دوسروں کو بھٹکانا اور گمراہ کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام سے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول ہو گئی۔ ہم عنقریب ان کو اور ان کے اموال کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ دعا صرف حضرت موسیٰ نے مانگی تھی اور حضرت ہارون اس پر آمین کہتے جاتے تھے، اس لئے آیت میں دعا کی نسبت دونوں کی طرف کی گئی۔

پھر فرمایا کہ تم دونوں بے فکر ہو کر دعوت و تبلیغ کے کام میں لگے رہو اور نادانوں کے طریقے کی پیروی نہ کرنا کہ نزول عذاب میں جلدی کرنے لگو یا اللہ کے وعدے پر بھروسہ نہ رکھو۔ جو کچھ تم نے مانگا وہ ضرور ہونے والا ہے، مگر وہ اپنے وقت پر ہو گا۔ (ابن کثری ۲/۴۲۹)

فرعون اور اس کے لشکر کی غرقابی

۹۲،۹۰۔ وَجُوزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ
بَغْيًا وَعَدُوًّا حَتَّىٰ إِذَا أَذْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ أُمْنْتُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا
الَّذِي أُمْنْتُ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ النَّارُ
وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۝ فَالْيَوْمَ
نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً ۖ وَأَنَّ كَثِيرًا مِنَ
النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَفُلُونَ ۝

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا اور فرعون اور اس کے لشکر نے ظلم و زیادتی کے ارادے سے ان کا پیچھا کیا یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے کو ہوا تو

کہنے لگا کہ میں ایمان لایا کہ اس خدا کے سوا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور کوئی معبود نہیں اور میں بھی فرماں برداروں میں سے ہوں۔ (فرشتوں نے کہا کہ) اب ایمان لاتا ہے، اس سے پہلے تو نافرمان اور مفسد تھا۔ سو آج ہم تیری لاش کو بچا دیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لئے نشانِ عبرت رہے اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے آدمی تو ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں۔

جُوزْنَا: ہم نے پار اتارا۔ مجاوزۃ سے ماضی۔

بُغْيَا: بغاوت۔ سرکشی۔ مصدر ہے۔

أَذْرَكُهُ: اس نے اس کو پایا۔ اذراک سے ماضی۔

تشریح: جب فرعون کی ہلاکت کا وقت قریب آگیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے جائیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے روانہ ہو گئے۔ فرعون کو پتہ چلا تو اس نے اپنے لشکر سمیت ان کا پتھا کیا۔ بنی اسرائیل جب بحرِ قلزم پر پہنچے تو فرعون بھی ان پتھا کرتا ہوا اپنے لشکر سمیت وہاں پہنچ گیا۔ اب آگے سمندر اور پیچھے دشمن، عجیب پریشانی کا عالم تھا۔ جب مایوسی کی انتہا ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو اپنا عصا سمندر پر مارنے کا حکم دیا۔ حضرت موسیٰ نے اپنا عصا سمندر پر مارا تو وہ پھٹ پڑا اور سمندر میں سات راستے بن گئے۔ اس طرح ہر قبیلے کے لئے علیحدہ راستہ بن گیا اور اللہ تعالیٰ نے سمندر کے اندر کی گیلی زمین کو خشک ہواؤں کے ذریعہ فوراً سکھا دیا اور راستہ لوگوں کے چلنے کے قابل ہو گیا۔ چنانچہ بنی اسرائیل ان راستوں کے ذریعہ سمندر سے پار ہو گئے۔

بنی اسرائیل کو سمندر سے پار ہوتے دیکھ کر فرعون بھی ان کے پیچھے پیچھے ظلم و زیادتی کے ارادے سے اپنے لشکر سمیت سمندر میں داخل ہو گیا۔ پھر جب بنی اسرائیل کے تمام لوگ سمندر پار ہو گئے اور فرعون کے لشکر کا آخری آدمی بھی سمندر میں داخل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو برابر ہو جانے کا حکم دے دیا۔ اس طرح سمندر پھر سے اپنی پہلی حالت پر رواں ہو گیا اور موجیں مارنے لگا اور کوئی فرعون بھی نہ بچ سکا، سب کے سب غرق ہو گئے۔ یہاں تک کہ جب فرعون ڈوبنے لگا اور اس کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تو بول اٹھا کہ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ سوائے اس اللہ تعالیٰ کے جس کو بنی اسرائیل ملتے ہیں، کوئی معبود نہیں۔ میں بھی اس کے فرماں برداروں میں سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تجھے اب یقین آیا ہے۔ جب ایمان لانے کا وقت تھا، اس وقت

تو نافرمانی اور سرکشی میں پڑا رہا، لوگوں کو گمراہ کرتا رہا اور فتنے مچاتا رہا۔ اب ایمان لانے سے کیا فائدہ۔ موت کو سلنے دیکھ کر ایمان لانا قابل قبول اور معتبر نہیں۔

پھر فرمایا کہ ہم تیری روح کو نہیں، تیرے جسم کو محفوظ کر دیں گے تاکہ بعد والوں کے لئے نشانِ عبرت بن جائے۔ اکثر لوگ ہماری نشانوں سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل نے فرعون کی موت کے بارے میں شک کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا کہ وہ فرعون کی لاش کو جس پر لباس بھی موجود ہے زمین کے ایک ٹیلے پر پھینک دے تاکہ (لاش کو دیکھ کر) ان کو فرعون کی موت کا یقین ہو جائے۔ (ابن کثیر ۲/۲۳۰)

الاعاناتِ خداوندی

۹۳۔ وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِي إِسْرَآئِيلَ مَبَآءَ صِدْقٍ وَرَزَقْنَهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ ۖ فَمَا اخْتَلَفُوا حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْعِلْمُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝

اور ہم نے بنی اسرائیل کو رہنے کے لئے بہت اچھا ٹھکانا دیا اور ہم نے ان کو پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں۔ پس بنی اسرائیل نے (دین میں) اختلاف کیا۔ یہاں تک کہ ان کے پاس علم پہنچ گیا۔ بیشک آپ کا رب قیامت کے روز ان امور کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے اپنے وہ انعامات یاد دلانے ہیں جو اس نے بنی اسرائیل پر کئے تھے کہ اس نے رہنے کے لئے ان کو بلادِ مصر و شام اور اردن میں عمدہ جگہ دی جو بیت المقدس کے قریب ہے اور ان کو کھانے کے لئے پاکیزہ چیزیں دیں اور ان کو قوم فرعون کے باغوں، چشموں اور غزائن کا وارث بنا دیا۔ گویا قوم بنی اسرائیل جو نہایت کمزور اور عاجز تھی اللہ تعالیٰ نے اس کی ذلت کو عزت اور فقر و تنگدستی کو مال و دولت اور فراخ دستی سے بدل دیا۔ اس طرح بنی اسرائیل کے ساتھ اللہ کا وعدہ پورا ہوا کیونکہ انہوں نے صبر کیا تھا۔ ان انعاماتِ خداوندی کے بعد چاہئے تو یہ تھا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے لیکن یہ لوگ شکر کی بجائے دین حق کے بارے میں اختلاف کرنے لگے

حالانکہ مذہب میں اختلاف کی کوئی وجہ نہیں تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام احکام صاف صاف بیان کر دیئے تھے۔ بلاشبہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ دنیا میں اختلاف کرتے تھے۔

ایک حدیث میں ہے کہ یہود نے اکہتر (۷۱) فرقے بنائے تھے اور نصاریٰ نے بہتر (۷۲) بنائے اور میری امت بہتر (۷۳) فرقے بنائے گی جن میں سے صرف ایک ناجی (نجات پانے والا) ہو گا اور باقی سب ناری (دوزخ میں جانے والے) ہوں گے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ وہ ایک کون ہے۔ آپ نے فرمایا جس (طریقے) پر میں اور میرے اصحاب چل رہے ہیں۔ (ابن کثیر ۴/۴۳۲، ۴۳۳)

قرآن کی حقانیت

۹۷، ۹۸ فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِّمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ فَسْأَلِ الَّذِينَ يُقْرَأُونَ
الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ
مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ
فَتَكُونُوا مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَةُ
رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّىٰ يَرَوْا
الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۝

پھر اگر (بالفرض) آپ اس چیز کے بارے میں جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے، شک میں ہوں تو آپ ان لوگوں سے پوچھ لیجئے جو آپ سے پہلے کی (نازل شدہ) کتاب پڑھتے ہیں۔ البتہ آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے حق آچکا ہے سو آپ شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہونا۔ اور نہ ان لوگوں میں سے ہونا جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا۔ کہیں آپ بھی خسارہ میں نہ پڑ جائیں۔ یقیناً آپ کے رب کی طرف سے (ازل میں) جن لوگوں کے (ایمان نہ لانے کا فیصلہ ہو چکا وہ کبھی) ایمان نہیں لائیں گے گو ان کے پاس ہر طرح کے معجزے بھی آجائیں۔ جب تک کہ وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

تشریح: بعض مفسرین نے یہاں کنت کا مخاطب انسان (یعنی کفار قریش) کو قرار دیا ہے،

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو کسی قسم کا شک و شبہ تھا ہی نہیں۔ آپ کے پاس تو وحی آئی تھی، آپ پر قرآن نازل ہوا، اس لئے آپ کا یقین اور ایمان ایسا پختہ اور اٹل تھا کہ اس میں کسی وہم اور شک و شبہ کی گنجائش ہی نہ تھی۔

پس اے انسان اگر تجھے اس قرآن کے منجانب اللہ ہونے کے بارے میں کسی قسم کا شک و شبہ ہے جو ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تیری طرف بھیجا ہے تو اپنے شک کو رفع کرنے کے لئے ان لوگوں سے اس کی تحقیق کر لے جو توریت و انجیل کے منصف مزاج عالم ہیں۔ وہ اس قرآن کے کلام الہی ہونے کی تصدیق کر دیں گے اور شہادت دیں گے کہ جس کتاب اور رسول کا وعدہ توریت و انجیل میں کیا تھا وہ یہی قرآن ہے۔ اس میں بیان کئے ہوئے واقعات کسی کے اپنے بنائے ہوئے قصے کہانیاں نہیں ہیں بلکہ یہ توریت و انجیل سے ثابت ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ مجاہد اور ضحاہک رحمہما اللہ نے فرمایا کہ یہاں اہل کتاب سے وہ اہل کتاب مراد ہیں جو ایمان لے آئے تھے، جیسے عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھی وغیرہ۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک کنت سے خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے کہ اگر بالفرض آپ کو ان واقعات کے بارے میں کسی قسم کا شک و شبہ ہے جو ہم نے آپ پر نازل فرمائے ہیں تو آپ ان کے بارے میں اہل کتاب سے تصدیق کر لیں یہ واقعات ان کی کتابوں سے ثابت ہیں اور ان کے نزدیک محقق ہیں۔

اس آیت میں اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ اگر کسی کو دین کی صداقت میں کوئی شک و شبہ پیدا ہو جائے تو اس کو علماء حق کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

پھر فرمایا کہ بلاشبہ آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس دین حق آچکا ہے جو سابقہ کتب کے مطابق ہے اور اس کا منجانب اللہ ہونا قطعی دلائل سے ثابت ہے۔ لہذا آپ کو شک کرنے اور اللہ کی آیتوں کو جھٹلانے کی ضرورت نہیں۔ بالفرض اگر آپ نے اللہ کی آیتوں کی تمکذیب کی تو آپ بھی خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

بلاشبہ جن لوگوں کی تقدیر میں شقاوت لکھی جا چکی ہے اور علم الہی میں دوزخی ٹھہر چکے ہیں وہ کسی صورت ایمان نہیں لائیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دوزخ ہی کے لئے پیدا کیا ہے اگر ان کے پاس ایسی تمام نشانیاں بھی آجائیں جو آپ کی صداقت پر دلالت کر رہی ہوں اور ایمان کی مقتضی ہوں، تب بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے، یہاں تک کہ اپنی آنکھوں سے دردناک

عذاب نہ دیکھ لیں، لیکن اس وقت ان کا ایمان لانا مفید نہیں ہو گا۔

(ابن کثیر ۲/۳۳۲، مظہری ۵۳، ۵۵/۵)

قوم یونس کا واقعہ

۹۸۔ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةً أَمِنَتْ فَتَنْفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمُ يُونُسَ ۖ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَنَتَّعْنَهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ۝

پھر (حضرت) یونس کی قوم کے سوا کوئی بستی بھی ایمان نہ لائی کہ اس کا ایمان لانا اس کو نفع دیتا۔ جب (حضرت یونس کی قوم) ایمان لائی تو دنیا کی زندگی میں، ہم نے ان سے رسوائی کا عذاب ہٹالیا اور ایک مدت تک، ہم نے ان کو فائدہ دیا۔

تشریح: سابقہ امتوں میں جن کی طرف سے، ہم نے پیغمبر بھیجے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی امت ساری کی ساری ایمان نہیں لائی، سوائے حضرت یونس کی قوم کے۔ صرف حضرت یونس کی قوم ہی ایسی تھی جو عذابِ دنیوی کو دیکھ کر اس کے ڈر سے ایمان لائی اور اس کو اس کے ایمان نے فائدہ پہنچایا۔ فائدہ پہنچانے سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور ان پر آئے ہوئے عذاب کو ٹال دیا۔

حضرت یونس علیہ السلام سرزمینِ موصل میں ہلِ نینوی کی طرف مبعوث ہوئے تھے، جو کفر و شرک میں مبتلا تھے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے ان کو کفر و شرک ترک کرنے اور اللہ وحدہ لا شریک لہ پر ایمان لانے کی دعوت دی تو انہوں نے اس کا انکار کر دیا اور ان کی تکذیب کی۔ جب ان کا کفر و سرکشی حد سے بڑھ گیا اور حضرت یونس ان کے ایمان سے ناامید ہو گئے تو انہوں نے ان کو خبردار کر دیا کہ اگر تم باز نہ آئے تو تین دن کے اندر تم پر عذابِ الہی نازل ہو گا۔ تیسری شب کو حضرت یونس بستی سے نکل کر چلے گئے۔ صبح ہوتے ہی عذابِ الہی کے آثار نمودار ہونے لگے آسمان پر سیاہ بادل چھا گئے۔ پھر وہ شدید کالے اور دھوئیں کی مانند ہو گئے پھر ان دھواں دھار بادلوں نے ان کی بستی کو ڈھانپ لیا۔

عذاب کے آثار دیکھ کر ان کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا۔ حضرت یونس کو تلاش کیا تو ان کا

کہیں سچ نہ چلا۔ آخر اللہ نے ان کے دلوں میں توبہ کا خیال ڈال دیا۔ سب لوگ پھٹے پرانے کپڑے پہن کر عورتوں، بچوں اور مویشیوں کو اپنے ساتھ لے کر باہر میدان میں جمع ہو گئے۔ پھر سب نے صدق دل سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ سے عذاب دور فرمانے کی درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا، ان کی توبہ قبول فرمائی اور عذاب جو سامنے آچکا تھا وہ ہٹ گیا۔ اس دن عاشورہ اور جمعہ کا دن تھا۔

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا صرف دنیوی عذاب ہٹا یا عذابِ آخرت بھی ہٹ گیا بعض کہتے ہیں کہ ابھی عذابِ الہی نازل نہیں ہوا تھا بلکہ صرف اس کے ابتدائی آثار نمودار ہوئے تھے جن کو دیکھ کر قوم یونس نے صدق دل سے توبہ کی اور ایمان لے آئی۔ ایسے وقت کا ایمان شرعاً معتبر اور نافع ہے۔ بعض کا خیال یہ ہے کہ قوم یونس عذابِ الہی کو دیکھ کر ایمان لائی، جیسے فرعون غرق ہونے کے وقت ایمان لایا۔ عام قاعدے کے مطابق ایسے وقت کا ایمان معتبر نہیں ہوتا مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے قوم یونس کو اس عام قاعدے سے مستثنیٰ کر دیا اور ان کے ایمان کو معتبر قرار دیا۔ یہ قوم یونس کی خصوصیت تھی۔ مگر محققین کے نزدیک ہذا قول راجح ہے۔

(روح المعانی ۱۹۱، ۱۹۳ / ۱۱، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۰۸، ۵۰۹ / ۳)

مشیتِ الہی

۱۰۰، ۹۹ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَأَمَنَّ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلَّهُمْ جَمِيعًا ۖ أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۝ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَوْعَدَ مِنْ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَيَجْعَلُ الرَّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ۝

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو روئے زمین کے سب لوگ ایمان لے آتے۔ کیا آپ لوگوں پر زبردستی کریں گے کہ وہ ایمان لے آئیں۔ حالانکہ کسی کو قدرت نہیں کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لے آئے اور اللہ بے عقل لوگوں پر (کفر و ذلت کی) نہایت ڈالتا ہے۔

تُكْرِهُ: تو نہ کرتا ہے۔ تو زبردستی کرتا ہے۔ اِكْرَاهُ سے مضارع۔

الرَّجَسُ : گندگی - ناپاکی - پھٹکار - جمع ارجاس۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ سب لوگ ایمان لے آئیں اور لوگوں کے ایمان نہ لانے پر آپ غمگین ہوتے تھے۔ اس لئے آپ کی تسلی اور اطمینان خاطر کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو روئے زمین کے تمام لوگ مومن ہو جاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت و حکمت یہ ہے کہ کچھ لوگ ایمان لائیں اور کچھ لوگ اپنے کفر و الحاد پر قائم رہیں۔ آپ کا کام تو صرف تبلیغ دین کر دینا ہے۔ اگر یہ ایمان نہیں لائیں گے تو ان کو لوٹ کر ہمارے ہی پاس آنا ہے۔ آپ جبراً کسی کے دل میں ایمان نہیں اتار سکتے بلکہ وہی شخص ایمان لانے کا جس کے نصیب میں یہ سعادت ہوگی اور جو شخص شقی ہے وہ ایمان نہیں لائے گا۔ لہذا آپ اس کی کچھ پرواہ نہ کیجئے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔

اللہ تعالیٰ اپنی توفیق سے ان لوگوں کو نوازتا ہے جو عقل و شعور سے کام لیتے اور اس کی نشانیوں میں غور و فکر کرتے ہیں جو لوگ حق و باطل میں تمیز نہیں کرتے بلکہ ہوائے نفسانی کی پیروی کرتے ہیں، اللہ ان کو کفر و شرک کی گندگی میں پزارہنے دیتا ہے۔

قدرت کی نشانیوں میں غور کا حکم

۱۰۱، ۱۰۳ اِقْلُ اَنْظُرُوا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَمَا تُغْنِي الْاٰیٰتُ
وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ
الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ قُلْ فَانْتَظِرُوا اِلٰیَّ مَعَكُمْ مِّنَ
الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ
حَقًّا عَلَيْنَا نُنَجِّي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ تم غور تو کرو کہ آسمان و زمین میں کیا کیا چیزیں ہیں اور جو لوگ نہیں ملتے ان کو معجزے اور ڈراوے کچھ فائدہ نہیں دیتے۔ پھر کیا یہ لوگ ان لوگوں کے واقعات کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اچھا تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ پھر ہم اپنے رسولوں اور ایمان والوں کو (عذاب سے) بچا لیتے تھے۔ اسی طرح اہل

ایمان کو بچالینا بھی ہمارے ذمہ ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ معاندین سے کہہ دیجئے کہ کائنات ہماری نشانیوں سے بھری پڑی ہے۔ جیسے شمس و قمر اور ستارے، ان کی بناوٹ اور مربوط و منظم رفتار پہاڑ اور ان کی استقامت، بحر و بر اور ان کی وسعتیں، لیل و نہار، ان کا کم و بیش ہونا اور ایک کے بعد دوسرے کا آنا۔ آسمان سے پانی برسنا، سوکھی اور مردہ زمین کا پھر سے زندہ اور سرسبز ہو جانا، درختوں میں پھلوں اور پھولوں کا پیدا ہونا وغیرہ۔ یہ سب اس خدا کی عظمت و قدرت کی نشانیاں ہیں جس کے سوا دوسرا خدا نہیں۔ مگر یہ معاندین ان میں ذرا بھی غور نہیں کرتے۔ حالانکہ غور و فکر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو عقل عطا کی اور اعمالِ خیر بجا لانے کے لئے قدرت و اختیار عطا کیا۔ ایسے لوگوں کو جو ایمان نہیں لاتے قدرت کی نشانیاں اور انبیاء و رسل کی ہدایات کچھ نفع نہیں دیتیں۔ یہ لوگ تو ویسے ہی عذاب کے منتظر ہیں جیسے عذاب سے قوم نوح، قوم عاد اور قوم صالح وغیرہ کو سابقہ پڑا اور اپنے کفر و شرک کا جو مزہ ان سابقہ اقوام نے چکھا، یہ بھی چاہتے ہیں کہ اپنے کفر کا ویسا ہی مزہ چکھیں۔

پس آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم وقت کا انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں پھر جب انتظار کا وقت ختم ہونے پر عذاب الہی آئے گا تو اس سے صرف منکرین ہلاک ہوں گے اور ہم اپنے پیغمبروں اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچالیں گے، جیسا کہ ہم نے گزشتہ زمانے میں سابقہ امتوں کے ساتھ کیا تھا تا کہ دنیا دیکھ لے کہ انبیاء کی پیروی اور ایمان کی برکت سے لوگوں کو نجات ملی۔ (ابن کثیر ۴/۴۳۳، ۴/۴۳۴، مواہب الرحمن ۲/۲۱۶، ۲/۲۱۷)

دین اسلام کی حقانیت

۱۰۴، ۱۰۵۔ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِّنْ دِينِي فَلَا أَعْبُدُ
الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ وَلَكِن أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي
يَتَوَفَّكُم مِّمَّا وَأَمَرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَأَنْ أَقِمَّ
وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۖ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝
وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِنْ فَعَلْتَ

فَإِنَّكَ إِذَا مِّنَ الظَّالِمِينَ ۝ وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا
كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۚ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ ۚ يُصِيبُ
بِمَنْ يَشَاءُ مَنَ عِبَادِهِ ۚ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! اگر تمہیں میرے دین کے بارے میں شک ہے تو
خدا کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے ہو، میں ان کی عبادت نہیں کرتا، بلکہ میں
اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جان قبض کرتا ہے اور مجھے حکم دیا گیا
ہے کہ میں مومن ہو کر رہوں اور یہ کہ اپنے آپ کو یکسو ہو کر دین کی طرف
متوجہ رکھنا اور مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہونا اور اللہ کے سوا ان چیزوں کو ہرگز
نہ پکارنا جو نہ تجھے نفع دے سکتی ہوں اور نہ نقصان۔ پھر اگر (بالفرض) آپ نے
ایسا کیا تو بیشک آپ بھی اس وقت ظالموں میں سے ہو جائیں گے اور اگر اللہ
آپ کو کوئی تکلیف پہنچادے تو اس کے سوا کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں اور
اگر وہ آپ کے لئے کوئی بھلائی چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں۔
وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل فرما دیتا ہے اور وہی بہت
مغفرت کرنے والا مہربان ہے۔

وَجَحَّكَ : تیرا چہرہ۔ تیرا رخ۔

حَنِيفًا : ایک طرف ہونے والا۔ یک سو ہونے والا۔ حُفَّ سے صفت مشبہ۔

يَمْسَسْكَ : وہ تجھ کو مس کرے گا۔ وہ تجھ کو چھوئے گا۔ وہ تجھ کو پہنچائے گا۔ مَسَّ سے

مضارع۔

كَاشَفَ : کھولنے والا۔ دور کرنے والا۔ کُشِفَ سے اسم فاعل۔

رَادَّ : رد کرنے والا۔ ہٹانے والا۔ رُدَّ سے اسم فاعل۔

رابط : سورت کی ابتداء سے یہاں تک اصول دین، توحید و رسالت، حشر و نشر، قیامت اور

دین اسلام کی حقانیت کو روشن دلائل سے واضح اور ثابت کیا گیا۔ اہل مکہ کی نظر میں نبوت بہت ہی

بعید از فہم چیز تھی۔ اگرچہ وہ لوگ آیات بنیات کو دیکھ کر ماننے پر مجبور تھے، مگر فطری شقاوت و

بد بختی کی وجہ سے شک و تردد میں پڑے ہوئے تھے۔

تشریح : یہاں آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان مشرکین مکہ سے علی الاعلان فرمادیجئے کہ

اگر تمہیں میرے اس روشن دین کی صحت کے بارے میں اب بھی شک اور تردد ہے تو تم اس میں غور و فکر کر کے اپنا شک و تردد دور کر لو، مگر تم اس خیالی خام میں نہ رہنا کہ میں تمہارے باطل اور مہمل دین کو قبول کر لوں گا۔ میں تو تمہارے دین اور ان فرضی معبودوں سے سخت ہزار ہوں جو کسی نفع اور ضرر کے مالک نہیں۔ میں تو اس خدائے واحد اور قادر مطلق کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری موت و حیات کا مالک ہے۔ مجھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ:

۱۔ میں اس خدا کے ماننے والوں میں شامل رہوں جو نفع و نقصان اور موت و حیات کا مالک ہے۔

۲۔ میں دین اسلام اور توحید خالص پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہوں۔

۳۔ میں شرک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ بنوں۔

۴۔ میں اللہ کے سوا کسی ایسی چیز کو نہ پکاروں جو نہ مجھے نفع دے سکے اور نہ نقصان اگر میں نے ایسا کیا تو بلاشبہ میں بھی ظالموں یعنی اللہ کی حق تلفی کرنے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

پھر فرمایا کہ خوب جان لو کہ نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر وہ کسی کو تکلیف یا بیماری یا محتاجی میں مبتلا کر دے تو اس کے سوا کوئی اس تکلیف یا بیماری کو دور کرنے والا نہیں۔ اگر وہ کسی کو فائدہ پہنچانا چاہے تو کوئی اس کے فضل کو روکنے والا نہیں۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل فرماتا ہے۔ وہی خطاؤں کو بخشنے والا مہربان ہے۔ وہ بندوں کی کوتاہیوں کی وجہ سے فضل کو نہیں روکتا۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۱۳ / ۳)

اتمامِ حجت

۹، ۱۰۸ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ فَمَنِ اهْتَدَىٰ
فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۖ وَمَا
أَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ۝ وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتَّىٰ
يُحْكُمَ اللَّهُ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحَكِمِينَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آچکا ہے۔ پس جو کوئی ہدایت قبول کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ کے لئے کرتا ہے اور جو شخص گمراہ رہے گا تو اس کا گمراہ رہنا (گمراہی کا وبال) اسی پر پڑے گا اور میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں اور جو کچھ آپ پر وحی کیا گیا ہے آپ اسی کی اتباع کیجئے اور صبر کیجئے یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کافروں کو بتا دیجئے کہ اللہ کے نبی کے ذریعہ دین حق ان کے پاس پہنچ چکا ہے اور اللہ کی حجت ان پر پوری ہو چکی ہے۔ اب وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی گمراہی کا کوئی عذر اور حیلہ بہانہ پیش نہیں کر سکتے۔ اگر وہ اس دین حق کی اتباع کریں اور اس پر عمل کریں تو اس میں انہیں کافاندہ ہے اور اگر وہ اپنے کفر پر اڑے رہیں، اللہ اور اس کے رسول کی اتباع نہ کریں تو اس گمراہی کا خمیازہ بھی وہی بھگتیں گے۔ رسول کا کام تو خبردار کر دینا ہے وہ کوئی خدائی فوجدار نہیں کہ ان کو زبردستی مومن بنادے، ہدایت دینا تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

پھر آپ کی تسلی اور اطمینان خاطر کے لئے فرمایا کہ آپ تو اس کی پیروی کرتے رہئے جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے رہئے، خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔ اگر یہ معاندین آپ کی دعوت کو قبول نہ کریں اور آپ کی عداوت اور ایذا رسانی پر قائم رہیں تو آپ اس پر صبر کیجئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمادے کہ حق کو غالب کر دے اور کفر کو ذلیل و خوار کر دے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے کیونکہ وہ ظاہر و باطن، ماضی و حال اور استقبال سب سے پوری طرح باخبر ہے۔ اس کے فیصلے میں بھول چوک یا کمی بیشی اور غلطی کا امکان نہیں۔ (معارف القرآن از مولانا دریس کاند حلوی ۵۱۳، ۵۱۵ / ۳)

بسم الله الرحمن الرحيم

سورۃ ہود

وجہ تسمیہ: اس سورت میں دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات و واقعات کے ساتھ ساتھ، حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کا واقعہ نہایت عبرت انگیز ہے، اسی لئے یہ ان کے نام سے موسوم ہوئی۔

تعارف: اس میں دس رکوع، ایک سو تینیس آیتیں، ۱۹۳۶ کلمات اور ۹۲۴ حروف ہیں

یہ سورت مکہ معظمہ میں اس زمانے میں نازل ہوئی جب جہالت و بت پرستی کا بازار گرم تھا۔ اللہ کی عبادت کرنے والوں پر نہ صرف انگلیاں اٹھتی تھیں بلکہ ان کو تشدد کا سامنا بھی کرنا پڑتا تھا۔ بعض دوسری سورتوں کی طرح اس میں بھی گزشتہ قوموں پر نازل ہونے والے قہر الہی، مختلف قسم کے عذابوں، قیامت کے ہولناک واقعات اور جزا و سزا کا ذکر خاص انداز میں آیا ہے۔

ترمذی، ابن المنذر، حاکم اور بیہقی رحمہم اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک میں کچھ بال سفید ہو گئے تو (حضرت) ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے (اظہار رنج کے طور پر) عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ بوڑھے ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ ہاں! مجھے سورۃ ہود واقعہ، والمرسلات و عم یتسائلون اور اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر بڑھاپا جلد آگیا۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں مجھے سورۃ ہود اور اس کی پہنوں الواقعہ، القارعة، الحاقہ، اذا الشمس کورت، سال سائل۔ بوڑھا کر دیا۔ (روح المعانی ۲۰۲ / ۱۱)

مضامین کا خلاصہ

- رکوع ۱: اس رکوع میں پہلے قرآن کی حقانیت اور عظمت و شرف بیان کیا گیا ہے۔ پھر یہ بتایا گیا کہ اللہ کا علم کامل اور ہمہ گیر ہے۔ وہ تمام مخلوق کے رزق کا ذمہ دار ہے، خواہ وہ مخلوق چھوٹی ہو یا بڑی، خشکی میں رہتی ہو یا تری میں، وہ سب کے ٹھکانوں سے واقف ہے۔ آخر میں اس کی قدرتِ کاملہ کا بیان ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا۔
- رکوع ۲: پہلے انسانی فطرت، کفار کی ناشائستہ باتوں اور ان کے باطل زعم کا بیان ہے۔ اس کے بعد اہل دنیا اور اہل آخرت کا موازنہ اور مفتریوں کی فصیحت و رسوائی کا بیان ہے۔ آخر میں اہل ایمان کا حال و مال بتایا گیا ہے۔
- رکوع ۳: حضرت نوحؑ کے واقعہ میں متکبرین کی جہالت آمیز گفتگو اور حضرت نوحؑ کا جواب، آخر میں قومِ نوحؑ کی ہٹ دھرمی کا بیان ہے۔
- رکوع ۴: اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت نوحؑ کو کشتی بنانے کا حکم اور قوم کی طرف سے ان کا تمسخر اڑانے کا بیان ہے۔ پھر عذابِ الہی کی آمد اور حضرت نوحؑ کی طرف سے اپنے ساتھیوں کو کشتی میں سوار ہونے کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد حضرت نوحؑ کا اپنے بیٹے کو بکھانا اور اللہ کی طرف سے زمین کا پانی نکلنے کا حکم مذکور ہے۔ آخر میں حضرت نوحؑ کی دعا اور ان کو کشتی سے اترنے کا حکم ہے۔
- رکوع ۵: حضرت ہودؑ کے واقعہ میں، قوم کو حضرت ہودؑ کی نصیحت اور قوم کا جواب۔ قوم عاد پر عذاب کا آنا اور آخر میں اہل عرب کو قوم عاد کے حال سے عبرت پکڑنے کی نصیحت مذکور ہے۔
- رکوع ۶: حضرت صالحؑ کے واقعہ میں حضرت صالحؑ اور قوم کے درمیان گفتگو۔ پھر حضرت صالحؑ کی دعا سے معجزے کے طور پر پتھر سے اونٹنی کا پیدا ہونا۔ پھر قوم کی نافرمانی اور ان پر عذاب کا ذکر ہے۔
- رکوع ۷: حضرت ابراہیمؑ کے مہمان فرشتوں کا کھانے سے انکار، پھر قوم لوط کا واقعہ اور قوم کو حضرت لوطؑ کی دھمکی۔ آخر میں حضرت لوطؑ کو فرشتوں کی تسلی اور قوم پر عذاب کا آنا

بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۸: حضرت شعیب کا واقعہ۔ حضرت شعیب کو قوم کا جواب۔ آخر میں قوم کی ہٹ دھرمی

اور ان پر عذاب الہی کا بیان ہے۔

رکوع ۹: فرعون کا انجام اور انبیاء کے واقعات بیان کرنے کی حکمت بیان کی گئی ہے۔ آخر میں

کفر و تکذیب کا انجام اور اہل محشر کی قسمیں مذکور ہیں۔

رکوع ۱۰: شروع میں احکام شریعت میں اختلاف بیان کیا گیا ہے۔ پھر احکام الہی پر استقامت

اور اقامت صلوٰۃ کی تاکید ہے۔ آخر میں سابقہ ام کی ہلاکت کے ظاہری اور باطنی

اسباب کا بیان ہے۔

قرآن کی حقانیت

۴۱۔ الرِّقْعُ كُتِبَ أُحْكِمَتْ آيَتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ
 ۰ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي لَكُمْ مِّنْ نَّذِيرٍ وَبَشِيرٍ ۝ وَأَن
 اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَتَاعًا حَسَنًا إِلَىٰ
 أَجَلٍ مُّسَمًّى وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ ۖ وَإِن تَوَلَّوْا فَإِنِّي
 أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ ۝ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ ۖ
 وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

الر۔ یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں ایک حکیم (اور) باخبر کی طرف سے
 مستحکم کی گئی ہیں اور پھر مفصل بیان کی گئی ہیں۔ یہ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی
 عبادت نہ کرو۔ میں اس اللہ کی طرف سے تمہیں خبردار کرنے والا اور خوشخبری
 سنانے والا ہوں اور یہ کہ تم اپنے رب سے معافی مانگو، پھر اسی کی طرف متوجہ
 رہو تاکہ وہ تمہیں ایک مقررہ مدت تک ایک اچھا فائدہ پہنچائے اور ہر زیادہ
 عمل کرنے والے کو زیادہ ثواب دے اور اگر تم نہ مانو گے تو مجھے تمہارے
 بارے میں ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ تم سب کو اللہ ہی کی
 طرف لوٹ کر جانا ہے اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

أَحْكَمْتُ: مضبوط کی گئی۔ ثابت کی گئی۔ احکام سے ماضی مجہول۔ یہاں یہ معنی میں کہ کلام کو ایسا درست کرنا جس میں کسی لفظی اور معنوی غلطی یا فساد کا احتمال نہ رہے

لَدُنَّ: نزدیک۔ طرف۔ پاس۔ ظرف مکان ہے۔

نَذِيرٌ: یہ لفظ ڈرانے والے دشمن یا درندے یا دوسرے نقصان پہنچانے والوں کے لئے نہیں بولا جاتا بلکہ یہ اس شخص کے لئے بولا جاتا ہے جو اپنے کسی عزیز کو شفقت و محبت کی بنا پر ایسی چیزوں سے ڈرائے اور بچائے جو اس کے لئے دنیا یا آخرت یا دونوں میں نقصان پہنچانے والی ہوں۔ (معارف القرآن ۵۸۵ /

(۴)

يُعْتَقُكُمْ: وہ تمہیں فائدہ پہنچائے گا۔ تَمْتَعٌ سے مضارع۔

مُسَقًّى: معین۔ مقرر کیا ہوا۔ نام رکھا ہوا۔ تَسْمِيَةً سے اسم مفعول۔

الَّذِي: اس طرح کے حروف قرآن مجید کی بعض سورتوں کے شروع میں آئے ہیں۔ جیسے اَلَمْ، حَم، ص، عَسَق وغیرہ۔ ان کو حروف مقطعات کہتے ہیں۔ یہ خاص رموز ہیں۔ ان کے معنی و مراد اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں۔ ہمارے لئے اتنا کافی ہے کہ ہم ان الفاظ کو کلام خداوندی سمجھیں اور ان کے معنی اور تاویل میں نہ پڑیں۔

یہ قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیات کو ایسا محکم و مضبوط بنایا گیا ہے کہ ان میں کسی لفظی اور معنوی نقص، غلطی یا فساد کا احتمال نہیں۔ اس کے امور ایسے ہیں کہ ہر عقل سلیم اور فہم مستقیم ان کو تسلیم کرتی ہے۔ مجموعی حالت کے اعتبار سے تو یہ کتاب مستحکم تھی ہی، تفصیلی اعتبار سے بھی اس کے احکام کو اچھی طرح سمجھا کر واضح اور صاف بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ایک ایسی ہستی کی طرف سے آئی ہے جو حکیم بھی ہے اور باخبر بھی۔ وہ ذات ایسی ہے جس کے ہر فعل میں اتنی حکمتیں ہیں کہ انسان کے لئے ان کا احاطہ کرنا محال ہے۔ وہ کائنات کے ذرہ ذرہ کے موجودہ اور آئندہ پیش آنے والے حالات سے پوری طرح باخبر ہے۔ وہ ان سب پر نظر کر کے احکام نازل فرماتا ہے۔

قرآن حکیم میں جو مضامین بیان کئے گئے ہیں ان میں سب سے اہم اور مقدم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت و پرستش نہ کی جائے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب

کر کے فرمایا کہ آپ سارے جہان کے لوگوں کو کہہ دیجئے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں ڈرانے والا بشارت دینے والا ہوں۔ میں نافرمانی اور اپنی ناجائز خواہشات کا اتباع کرنے والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراتا ہوں اور اس کی اطاعت و فرماں برداری کرنے والوں کو آخرت کی نعمتوں اور دونوں عالم کی راحتوں کی خوشخبری دیتا ہوں۔

اس کتاب محکم کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ تم اپنے پروردگار سے مغفرت اور معافی مانگو اور توبہ کرو۔ مغفرت کا تعلق گزشتہ گناہوں سے ہے اور توبہ کا تعلق آئندہ ان کے پاس نہ جانے کے عہد سے ہے۔ حقیقت میں توبہ یہی ہے کہ گزشتہ گناہوں پر نادام ہو کر اللہ تعالیٰ سے ان کی معافی مانگے اور آئندہ ان کے نہ کرنے کا پختہ عزم و ارادہ کرے اور ہمہ تن اس کی اطاعت اور اعمالِ صالحہ کی طرف متوجہ ہو جائے۔

ایمان اور عملِ صالح کی برکت سے اللہ تعالیٰ ایک مقررہ وقت تک تمہیں سکون و اطمینان بھی عطا فرمائے گا اور تمہارے رزق میں برکت بھی عطا فرمائے گا۔ بعض علماء نے فرمایا **يُمَتِّعُكُمْ مَتَاعًا حَسَنًا** کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نعمت پر شکر کی اور بلا پر صبر کی توفیق عطا فرمائے گا، جس سے تم ہر حال میں خوش رہو گے اور دنیا والوں کی طرح دنیا کے دیوانے نہیں بنو گے۔ یہ مرتبہ ایمان اور عملِ صالح کی برکت سے ہی میسر آتا ہے۔ پھر فرمایا کہ وہ ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ اجر عطا کرے گا اور ہر حال میں اس کا فضل اور انعام بندے کے عمل سے زیادہ رہے گا۔

اور اگر تم نے اس نصیحت و خیر خواہی سے منہ موڑا اور پچھلے گناہوں سے استغفار اور آئندہ ان سے بچنے کا اہتمام نہ کیا تو اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ تم ایک بڑے دن کے عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ دنیا میں تم کچھ بھی کرو اور کسی طرح بھی زندگی بسر کرو مگر آخر کار مرنے کے بعد تمہیں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرنے اور ثواب و عتاب دینے پر قادر ہے۔ اس کے لئے کچھ مشکل نہیں کہ مرنے اور خاک ہو جانے کے بعد وہ تمہارے ذرات کو جمع کر کے تمہیں از سر نو انسان بنا کر کھڑا کر دے۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۵۸۴، ۵۸۵ / ۴، روح المعانی ۲۰۸، ۲۰۳ / ۱۱)

اللہ تعالیٰ کا علم محیط

۵۔ **أَلَا إِنَّهُمْ يَشْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ ۚ أَلَا حِينَ يَسْتَفْشُونَ ثِيَابَهُمْ لَا يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝**

دیکھو وہ اپنے سینوں کو دہرا کرتے ہیں تاکہ (اپنی باتیں) اس سے چھپائیں۔
یاد رکھو! جب وہ اپنے کپڑے اوڑھتے ہیں (اس وقت بھی) وہ سب جانتا ہے جو
کچھ وہ چھپا کر کرتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کر کے کرتے ہیں۔ بیشک وہ دلوں کے
بھیدوں سے بھی خوب واقف ہے۔

يَشْنُونَ: وہ لپیٹتے ہیں۔ وہ دہرا کرتے ہیں۔ شنی سے مضارع۔
يَسْتَخْفُوا: وہ چھپ جاتے ہیں۔ وہ آڑ کرتے ہیں۔ اِسْتَخْفَا سے مضارع۔
يَسْتَفْشُونَ: وہ لپیٹتے ہیں۔ وہ ڈھانپتے ہیں۔ اِسْتَفْشَا سے مضارع۔
تشریح: کوئی پوشیدہ سے پوشیدہ چیز بھی اللہ تعالیٰ پر مخفی نہیں۔ وہ کائنات کے ذرہ ذرہ اور
اس کے گزشتہ، موجودہ اور آئندہ حالات و کیفیات سے باخبر ہے۔

مشرکین اور بعض منافقین یہ کہتے تھے کہ ہم اپنے گھر کے دروازے بند کر کے ان پر
پردے ڈال لیں اور اپنے کپڑوں میں اپنے آپ کو چھپالیں اور اپنے سینے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کی عداوت رکھیں تو ہمارے اس راز کو کون جان سکتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ آگاہ
ہو جاؤ اور خوب سن لو! تحقیق یہ کافر اپنے سینوں کو دہرا کرتے ہیں، یعنی حق سے اعتراف کرتے
ہیں، تاکہ اپنے دلوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت کو چھپالیں اور پھر اوپر سے کپڑا لپیٹ
لیتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ سے چھپ جائیں۔ آگاہ ہو جاؤ! جب وہ تاریک رات میں اپنے آپ کو کپڑوں
میں لپیٹ لیتے ہیں تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اس کو جو کچھ وہ سینوں میں چھپاتے ہیں
اور جو کچھ وہ زبانوں سے ظاہر کرتے ہیں۔ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ اس کے علم میں ظاہر و باطن
یکساں ہے۔ بلاشبہ وہ سینوں میں پوشیدہ بھیدوں کو خوب جانتا ہے۔ پس جس خدا پر تمہارے سینے
کی بات مخفی نہیں اس پر تمہاری زبانوں کی باتیں کیسے مخفی رہ سکتی ہیں۔ وہ تو تمہیں پیدا کرنے
اور لہاد کرنے سے پہلے ہی تم سے خوب آگاہ تھا۔ پس کفار و مشرکین کو چاہئے کہ وہ اپنے خالق و

مالک کو پہچانیں اور اس کے احکام پر عمل کریں اور اپنے کفر پر اصرار نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ہمہ گیر علم

۶۔ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّمَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝

اور زمین پر چلنے والا کوئی بھی جاندار ایسا نہیں جس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو اور وہ ان کے رہنے اور سوئے جانے کی جگہ (بھی) جانتا ہے۔ سب کچھ کتاب مبین میں ہے۔

دَابَّةٌ: چلنے والا۔ چوپایہ۔ دَبٌّ وَدَوَابٌّ سے اسم فاعل۔ یہ ہر اس جانور کے لئے بولا جاتا ہے جو زمین پر چلے۔ پرندے جانور بھی اس میں داخل ہیں کیونکہ ان کا آشیانہ بھی کہیں زمین پر ہی ہوتا ہے۔ دریائی جانوروں کا تعلق زمین سے ہونا کچھ مخفی نہیں۔

مُسْتَقَرَّمَا: اس کے ٹھہرنے کی جگہ۔ اِسْتَقْرَارٌ سے اسم ظرف مکان۔
مُسْتَوْدَعَهَا: اس کی پناہ کی جگہ۔ اس کے سوئے جانے کی جگہ۔ اِسْتِدْعَاً سے اسم ظرف مکان۔
رِزْقُهَا: اس کا رزق۔ اس کی روزی۔ لغت میں اس چیز کو رزق کہا جاتا ہے جس سے جاندار اپنی غذا حاصل کرے اور جس کے ذریعہ اس کی روح کی بقا اور جسم میں فریبی اور بڑھوتری ہوتی ہے۔ (معارف القرآن ۵۹۰ / ۴)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے جتنی مخلوق پیدا کی ہے وہ سب کے رزق کا ذمہ دار ہے۔ خواہ وہ مخلوق چھوٹی ہو یا بڑی، خشکی میں رہتی ہو یا تری میں، وہ سب کو رزق پہنچاتا ہے اور سب کے چلنے پھرنے، آنے جانے اور ٹھہرنے، رہنے بھنے اور مرنے کے وقت اور مقام کو جانتا ہے۔ جو کچھ دریاؤں کی تہوں اور زمین کی تاریکیوں میں ہے ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو اس کے علم میں نہ ہو۔ اگر کوئی پتہ کہیں جھڑتا ہے تو وہ بھی اس کے علم میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مستقر سے مراد وہ جگہ ہے جہاں دن رات جاندار رہتا ہے اور ادھر ادھر گھوم پھر کر اسی جگہ آکر ٹھہرتا ہے اور مستودع سے مراد دفن

ہونے کی جگہ ہے۔ (مظہری ۶/۵)

حاکم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی موت کسی زمین میں مقدر ہوگی تو کوئی ضرورت اس کو وہاں جانے پر مجبور کر دے گی یہاں تک کہ جب وہ انتہائے مقام پر پہنچ جائے گا تو اس کی روح وہاں قبض کر لی جائے گی۔ پس قیامت کے روز زمین عرض کرے گی کہ یہ ہے وہ جو تو نے مجھے سونپا تھا۔ (مواہب الرحمن ۱/۲، ۱۲)

ہر جاندار کا حال اور اس کا رزق کتاب مبین یعنی لوح محفوظ یا اعمال لکھنے والے فرشتوں کے کتہچوں میں لکھا ہوا ہے۔ حضرت ابودرداء کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ ہر بندے کی پانچ باتیں لکھ چکا ہے۔ ۱۔ مدتِ زندگی، ۲۔ اعمال، ۳۔ آئثار، ۴۔ رزق۔ (مظہری ۶/۵، ۵)

قدرتِ کاملہ

۸۷۔ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۚ وَلَئِنْ قُلْتُمْ إِنَّكُمْ مَبْعُوثُونَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ۚ وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمْ الْعَذَابَ إِلَى أُمَّةٍ مَعْدُودَةٍ لَيَقُولُنَّ مَا يَحْبِسُهُ ۚ أَلَا يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۚ

اور اللہ وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنا دیا اور (اس وقت) اس کا عرش پانی پر تھا۔ تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھا عمل کرنے والا کون ہے۔ اور اگر آپ ان سے کہیں کہ یقیناً تم لوگ مرنے کے بعد زندہ کئے جاؤ گے تو البتہ کافر کہنے لگیں گے کہ یہ تو صریح جادو ہے اور ایک مقررہ مدت تک ہم ان سے عذاب روکے رکھیں تو وہ کہنے لگیں گے کہ اس کو کس نے روک رکھا ہے۔ دیکھو جس دن وہ (عذاب) ان پر آپڑے گا تو پھر کسی

امّة:

کے ٹالے نہ ٹالے گا اور وہی چیز ان کو گھیر لے گی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔
قرآن و حدیث میں امت کا لفظ کئی معنوں میں مستعمل ہے۔

۱۔ یہاں اس سے مراد مدت ہے۔ سورۃ یوسف کی آیت ۴۵ وَأَذْكُرْ بُعْدَ أُمَّةٍ (اور یاد کیا مدت کے بعد) میں بھی امت کے معنی مدت کے ہیں۔

۲۔ یہ لفظ امام اور مقتدار کے معنی میں بھی آیا ہے، جیسے حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں آیا ہے:

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا بِيْشَكَ اِبْرَاهِيمَ يَكُوْهُوَ كَرِهُمُ اللّٰهُ
فرماں برداری کرنے والا پیشوا تھا۔ (سورۃ نحل، آیت ۱۲۰)۔

یہ لفظ دین کے معنی میں بھی آتا ہے۔ جیسے:

۳۔ اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَاءَنَا عَلٰى اُمَّةٍ وَّاَنَا عَلٰى اَثَارِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ۝

(سورۃ زحرف، آیت ۲۳)

بیشک، ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم انہیں کے نقوش قدم پر چل رہے ہیں۔

یہ ملت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے:

۴۔ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ ہر امت کا ایک رسول ہے (سورۃ یونس، آیت ۴) وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا ۚ اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجے ہیں۔ (سورۃ نحل، آیت ۳۶)

۵۔ یہ لفظ فرقے اور گروہ کے لئے بھی آتا ہے۔ جیسے:

وَمِنْ قَوْمِ مُّوْسٰى اُمَّةٌ يُّٰهْدُوْنَ بِالْحَقِّ (سورۃ اعراف، آیت ۱۵۹)

اور موسیٰ کی قوم میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حق کی راہ بتاتے ہیں۔

مِنْ اٰهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قٰنِمْۢ يَتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰهِ اَنۡۡۤاَۤاَ الَّیْلِ۔

(سورۃ ال عمران، آیت ۱۱۳)

اہل کتاب میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو راتوں کو کھڑے ہوئے اللہ کی آیتیں پڑھتے رہتے ہیں۔

یُحْبِسُ: وہ اس کو محبوس کرتا ہے۔ وہ اس کو روکتا ہے۔ جُبُسَ سے مضارع۔

مَصْرُوفًا: لوٹایا ہوا۔ پھیرا ہوا۔ صُرِفَ سے اسم مفعول۔

حَاق: اس نے گھیر لیا۔ وہ نازل ہوا۔ حَقَّ وُجُوتٌ سے ماضی۔

تشریح: اللہ تعالیٰ وہی تو ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ تم اس کے رزاق ہونے کا کیسے انکار کر

سکتے ہو، اسی نے تو آسمانوں اور زمین کو ان کی تمام موجودات کے ساتھ چھ روز میں پیدا کیا۔ وہی آسمان سے پانی برساتا اور اس کے ذریعہ مخلوق کے لئے زمین سے روزی پیدا کرتا ہے۔ پھر آفتاب کی گرمی سے کھیتیاں پکتی ہیں۔ آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے اس کا عرش عظیم پانی پر تھا۔

ابو رزین عقیلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارا پروردگار آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے قبل کہاں تھا؟ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ اس وقت ابر میں تھا جس کے نیچے بھی ہوا تھی اور اوپر بھی ہوا تھی۔ پھر اس نے اپنا عرش پانی پر بنایا۔ (مسند احمد ۵۸۳ / ۴)

اس روایت کو ابن ماجہ، ابن جریر، ابن منذر، بیہقی اور ابوداؤد طیالسی نے بھی روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔ (روح المعانی ۵ / ۱۲)

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل یمن نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں اس بارے میں بتائیے کہ اس دنیا کی تخلیق کیسے ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی تخلیق سے قبل بھی موجود تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا اور لوح محفوظ میں ہر چیز کا ذکر موجود ہے۔ (مسند احمد ۵۹۶ / ۵)

اس روایت کو بخاری، ترمذی اور نسائی وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔

(روح المعانی ۹ / ۱۲)

آسمان و زمین اور عرش و پانی پیدا کرنے کے بعد اس نے تمہیں پیدا کیا تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے اعمال والا ہے۔ عمل احسن وہ ہوتا ہے جس میں خلوص اور شریعت محمدیہ کی تابعداری ہو۔ ان دونوں باتوں میں سے اگر ایک بھی نہ ہو تو وہ عمل بے کار اور غارت ہے۔

پھر فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ ان کافروں سے کہیں کہ مرنے کے بعد قیامت کے روز تم دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے تو یہ جواب دیں گے کہ دوبارہ زندہ کیا جانا تو جادو کی مانند دھوکہ اور فریب ہے، جس کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔ حالانکہ جس نے ان کو پہلی بار

پیدا کیا وہی ان کو دوبارہ بھی پیدا کرے گا، کیونکہ پہلی دفعہ پیدا کرنے کے مقابلے میں دوبارہ پیدا کرنا بہت آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ۔

(سورۃ الروم - آیت ۲۷)

اسی نے شروع میں پہلی بار پیدا کیا، وہی دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ تو اس پر نہایت ہی آسان ہے۔

اگر ہم ان منکروں سے اس عذاب و مواخذہ میں کچھ دیر نگاہیں جس نے ان سے وعدہ کیا ہے اور اس عذاب موعود کو کسی حکمت و مصلحت کی بنا پر ایک مقررہ مدت کے لئے ملتوی رکھیں تو یہ لوگ تمسخر کے طور پر کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال میں جس عذاب کے ہم مستحق ہیں اس کو نازل ہونے سے کس چیز نے روک رکھا ہے۔ آگاہ ہو جاؤ! جب وہ عذاب موعود ان پر آجائے گا تو پھر وہ کسی طرح بھی ان سے ہٹایا نہیں جائے گا۔ جس عذاب کا یہ لوگ تمسخر کرتے ہیں وہ لامحالہ ان پر واقع ہو کر رہے گا، کیونکہ یہ لوگ اس کے مستحق ہیں۔

(ابن کثیر ۴/۲۳۷)

انسانی فطرت

۱۱،۹۔ وَلَئِنْ أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ إِنَّهُ لَيُؤْسِكُفُورٌ ۝ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَاءٍ مَّسْتَةٍ لِّيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتِ عَنِّي ۖ إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ ۝ إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝

اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھا کر پھر اس سے محروم کر دیتے ہیں تو وہ ناامید اور ناشکر ہو جاتا ہے۔ اور اگر ان مصیبتوں کے بعد جو اس پر واقع ہوتی ہیں، ہم اس کو نعمتوں کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ کہنے لگتا ہے کہ میری سختیاں جاتی رہیں۔ بیشک وہ اترانے والا شیخی خورہ ہے۔ مگر جن لوگوں نے صبر کیا اور وہ اچھے کام کرتے رہے، انہیں کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

نَزَعْنَهَا: ہم نے اس کو باہر نکالا۔ نَزَعٌ سے ماضی۔
 لُيُوسُ: اللبتہ نامیہ۔ اللبتہ مایوس۔ یأس سے صفت شبہ۔
 نَعْمَاء: نعمتیں۔ انعام۔ مراد راحت و آسائش۔
 صَبَرُوا: انہوں نے صبر کیا۔ صبر کے معنی ہیں باندھنا۔ روکنا۔ قرآن و سنت کی اصطلاح
 میں نفس کو اس کی ناجائز خواہشات سے روکنے کا نام صبر ہے۔ (معارف
 القرآن ۵۹۸ / ۴)۔

تشریح: انسان فطرتاً جلد باز اور موجودہ حالت کو سب کچھ سمجھنے کا عادی ہے۔ وہ سابقہ
 حالت میں غور و فکر نہیں کرتا اور نہ ان کو یاد رکھنے کا عادی ہے۔ اسی لئے اگر نعمت کے بعد تکلیف
 آجائے تو وہ رحمت سے ناامید ہو کر ناشکری کرنے لگتا ہے اور یہ نہیں سوچتا کہ جس ذات نے پہلے
 نعمت دی تھی وہ پھر بھی دے سکتی ہے۔ اسی طرح اگر اس کو مصیبت و تکلیف کے بعد کوئی راحت
 و نعمت مل جائے تو اس پر اللہ کی طرف رجوع ہونے اور اس کا شکر کرنے کی بجائے اور زیادہ
 اکرانے اور اترانے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ نعمت تو اس کا حق ہے جو اسے ملنا ہی چاہئے اور یہ نہیں
 سوچتا کہ جس طرح پہلی حالت یعنی تکلیف و مصیبت کی حالت باقی نہیں رہی اسی طرح یہ بھی ممکن
 ہے کہ یہ نعمت و راحت کی حالت بھی باقی نہ رہے۔

انسان کے ماضی و مستقبل کو بھول جانے کا عالم یہ ہے کہ ایک صاحب اقتدار کے خاک و
 خون پر دوسرا شخص اپنے اقتدار کی بنیاد استوار کرتا ہے اور کبھی اس پر غور نہیں کرتا کہ اس سے
 پہلے والا صاحب اقتدار بھی اسی طرح رہا کرتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی اسی حالت کی اصلاح کے لئے کتابیں نازل فرمائیں اور اپنے پیغمبر
 بھیجے جو انسان کو ماضی کے عبرت ناک واقعات کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ عقل مند کا کام یہ ہے کہ
 فانی اور ناپائیدار مادی اسباب پر فریفتہ نہ ہو بلکہ اسباب سے زیادہ مسبب الاسباب کی طرف نظر
 کرے اور اسی سے اپنا رشتہ مضبوط کرے۔

اس کے بعد فرمایا کہ اکثر لوگ مصیبت میں بے صبرے اور نعمت میں ناشکرے ہو جاتے
 ہیں۔ اس عام کمزوری سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو مصیبت اور زوال نعمت کے وقت صبر سے کام
 لیتے ہیں اور عطائے نعمت کے وقت شکر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان اور روز قیامت کے خوف
 سے ہر اس چیز سے پرہیز کرتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کو ناپسند ہو اور ایسے عمل کی طرف

دوڑتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی کا باعث ہو۔ ایسے ہی لوگوں سے اللہ تعالیٰ نے ان کی خطائیں بخش دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ قیامت کے روز ان کو اپنے نیک اعمال کا بہت بڑا بدلہ ملے گا۔ (معارف القرآن از مولانا مفتی محمد شفیع ۵۹۷، ۵۹۸ / ۴)

کفار کی ناشائستہ باتیں

۱۲، ۱۳۔ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضُ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَضَائِقٌ بِهِ صَدْرُكَ أَنْ يَقُولُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ أَوْ جَاءَ مَعَهُ مَلَكٌ ۚ إِنَّمَا أَنْتَ نَذِيرٌ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ۝ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۚ قُلْ فَاتَّبِعُوا عَشْرَ سُورٍ مِّثْلَهُ مُفْتَرِيَّتٍ وَأَدْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ فَإِنَّمَا يَسْتَجِيبُوْا لَكُمْ فَاَعْلَمُوا إِنَّمَا أُنْزِلَ بِعِلْمِ اللَّهِ وَأَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ ۝

پھر کیا جو کچھ آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے۔ آپ اس میں سے کچھ ترک کر دیں گے اور کیا ان کے یہ کہنے سے کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نہ اترایا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہ آیا، آپ کا دل تنگ ہو گا۔ آپ تو محض خبردار کرنے والے ہیں اور ہر شے پر پورا اختیار تو اللہ ہی کا ہے۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے اس (قرآن) کو خود بنا لیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم بھی ایسی دس سورتیں بنا کر لے آؤ اور (اس کلام میں) اللہ کے سوا جس سے چاہو مدد بھی لے لو اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو۔ پھر اگر (یہ کفار) تم لوگوں کا کہنا پورا نہ کر سکیں تو جان لو کہ (یہ قرآن) اللہ ہی کے علم سے نازل ہوا ہے اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ تو پھر اب بھی تم مسلمان ہوتے ہو یا نہیں۔

لَعَلَّكَ: شاید تو۔

ضَائِقٌ: تنگ ہونے والا۔ فُضِّقْتُ وَفُضِّقْتُ سے اسم فاعل۔

صَدْرُكَ: تیرا سینہ۔ جمع صُدُورٌ

کَنْزُ: خزانہ۔ جمع کرنا۔ ذخیرہ کرنا۔ مصدر بھی ہے اسم بھی۔
مَلَكٌ: فرشتہ۔ اسم جنس۔ جمع ملائکہ۔

شانِ نزول: بغوی نے لکھا ہے کہ مشرکوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ آپ کوئی ایسا قرآن پیش کریں جس میں ہمارے معبودوں کو برا نہ کہا گیا ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۵/۹)

تشریح: مشرکین مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن و تشنیع کرتے رہتے تھے۔ کبھی کہتے کہ اگر یہ رسول ہے تو کھانے پینے کا محتاج کیوں ہے؟ کبھی کہتے کہ یہ بازاروں میں کیوں آتا جاتا ہے؟ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں اترتا جو اس کے نبی ہونے کی تصدیق کرتا؟ اسے کوئی خزانہ کیوں نہیں دیا گیا؟ اس کے کھانے کے لئے کوئی خاص باغ کیوں نہیں بنایا گیا؟ یہ منکرین مسلمانوں سے کہتے کہ تم ایسے شخص کے پیچھے ہوئے جس پر جادو کر دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کی ناشائستہ باتوں سے ملول خاطر اور آزرده دل نہ ہوں بلکہ آپ اپنے کام سے کام رکھئے۔ ان کو دعوتِ حق دیتے رہئے، آپ کے ذمہ تو صرف خبردار کرنا اور احکامِ خداوندی پہنچانا ہے۔ آپ سے پہلے رسول بھی اسی طرح جھٹلائے گئے اور سٹائے گئے پھر بھی وہ ثابت قدم رہے یہاں تک کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد آگئی۔ آپ بھی ان کی بدذبانی اور ناشائستہ باتوں کی پرواہ نہ کیجئے اور اپنا کام اللہ کے سپرد کر دیجئے۔ وہی کار ساز اور ہر کام بنانے والا ہے۔

مشرکین مکہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی وحی نہیں بلکہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا ہوا کلام ہے۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم بھی تو اہل زبان ہو، فصاحت و بلاغت میں کوئی تمہاری برابری نہیں کر سکتا۔ تمہیں بھی ایسا کلام بنانے پر قدرت حاصل ہونی چاہئے۔ سو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو تم اس قرآن جیسی دس سورتیں بنالاء اور اللہ کے سوا جس کو چاہو اس کلام میں مدد کے لئے اپنے ساتھ شامل کر لو۔ مگر تم تو کیا ساری دنیا مل کر بھی ایسا نہیں کر سکتی اس لئے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ جس طرح اس کی ذات مثال سے پاک ہے، اسی طرح اس کی صفیں بھی بے مثال ہیں۔ لہذا مخلوق کے کلام کا اس کے کلام کی مانند ہونا محال ہے۔ سو تم یقین کر لو کہ یہ حقیقت میں اللہ ہی کا کلام ہے اور اسی کی طرف سے نازل ہوا ہے اور یہ کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ پس کیا تم مسلمان ہوتے ہو یا اب بھی اپنی سرکشی پر قائم رہو گے۔ (ابن کثیر ۲/۲۳۹)

اہل دنیا کا زعم باطل

۱۶، ۱۵۔ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزَيَّنَتْهَا نُفُوفٌ إِلَيْهِمْ
أَعْمَالُهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ
لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا
وَبُطِلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

جو کوئی دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتا ہے تو ہم ان کے اعمال کا بدلہ دنیا
ہی میں پورا کر دیتے ہیں اور ان کو اس میں کچھ نقصان نہیں دیا جاتا۔ یہی وہ
لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں اور جو کچھ انہوں نے دنیا
میں کیا تھا وہ سب برباد ہوا اور (حقیقت میں) جو کچھ وہ کر رہے ہیں (اب بھی)
وہ بے اثر ہے۔

نُفُوفٌ: ہم پورا پورا دیں گے۔ توفیق سے مضارع۔

يُبْخَسُونَ: وہ کم کئے جائیں گے۔ بخس سے مضارع۔

حَبِطَ: وہ کھو گیا۔ وہ غارت ہوا۔ وہ ضائع ہوا۔ حبط سے ماضی۔

صَنَعُوا: انہوں نے بنایا۔ انہوں نے کیا۔ صنع سے ماضی۔

تشریح: جب منکرین اسلام کو عذاب کی وعیدیں سنائی جاتیں تو وہ جواب میں کہتے کہ ہم تو

بڑے بڑے کام کرتے ہیں مثلاً خیرات و صدقات، خدمتِ خلق و رفاہِ عام، غریب پروری، صلہ
رحمی اور مہمان نوازی وغیرہ اس لئے قیامت کے روز ہمیں کوئی عذاب نہیں ہو گا بلکہ ان نیک
کاموں کا ثواب ملے گا۔

ان کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ جو شخص صرف دنیا کی زندگی اور اس کی رونق کا مستحق
ہو اور آخرت پر نظر نہ کرے تو ہم اس کو دنیا ہی میں اس کے نیک اعمال کا پورا پورا بدلہ دے دیتے
ہیں، جو مال و دولت، عزت و شرف اور کثرتِ اولاد کی شکل میں ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کو آخرت
میں دوزخ کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ انہوں نے دنیا میں جو اعمال کئے تھے وہ چونکہ حصولِ دنیا اور
نام و نمود کے لئے کئے تھے اس لئے آخرت کے اعتبار سے وہ سب برباد اور اکارت ہو گئے۔ اس کے
برعکس مومن چونکہ آخرت کا طلب گار ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کو اس کے اعمال

کا بہترین بدلہ عطا فرماتا ہے اور دنیا میں بھی اس کی نیکیاں اس کے کام آتی ہیں۔ قرآن کرم میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ لَا يُزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ ۖ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ
(سورۃ شوریٰ - آیت ۱۲۰)

جو کوئی آخرت کی کھیتی کا ارادہ رکھتا ہو تو ہم اس کے لئے اس کی کھیتی میں برکت عطا فرما دیتے ہیں اور جس کا ارادہ دنیا کی کھیتی کا ہو تو اگرچہ ہم اس کو دنیا میں کچھ حصہ دے دیں گے، لیکن اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں ہو۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا ۝ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ۝ كَلَّا نَبْغِذُ فُلُوكَ ۖ وَفُلُوكَ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ ۖ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا ۝ أَنْظِرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۖ وَلَِّلْآخِرَةِ الْكِبَرُ دَرَجَاتٍ وَأَكْبَرُ تَفْضِيلًا ۝ (بنی اسرائیل - آیت ۱۸-۲۱)

جو شخص دنیا کا طالب ہو، ہم اس کو اسی میں جلد دے دیتے ہیں، جتنا چاہیں اور جسے چاہیں۔ پھر اس کا ٹھکانا دوزخ ہوتا ہے جہاں وہ ذلیل و خوار ہو کر داخل ہوتا ہے اور جو آخرت کا طالب ہوتا ہے اور وہ اس کے لئے پوری کوشش کرتا ہے اور وہ ایماندار بھی ہو تو ایسے لوگوں کی کوشش بارگاہ الہی میں مقبول ہوتی ہے۔ ہم تیرے رب کی بخشش سے ہر ایک کی مدد کرتے ہیں (طالب دنیا کی بھی اور طالب آخرت کی بھی)۔ تیرے پروردگار کا انعام کسی سے رکا ہوا نہیں۔ دیکھو! ہم نے کس طرح بعض کو بعض پر (دنیا میں) فضیلت دے رکھی ہے (اسی پر آخرت کی فضیلتوں کو قیاس کرو)۔ آخرت تو درجات میں بہت بڑی

اور فضل میں بہت اعلیٰ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ریاکاروں کی نیکیوں کا بدلہ اسی دنیا میں دے دیا جاتا ہے۔ اس میں ذرا سی بھی کمی نہیں کی جاتی۔ پس جو شخص دکھاوے کے لئے نماز پڑھے یا روزے رکھے یا تہجد پڑھے تو اس کا اجر اسے دنیا میں ہی مل جاتا ہے۔ آخرت میں وہ خالی ہاتھ اور محض بے عمل اٹھتا ہے۔ (ابن کثیر ۳/۲۳۹ روح المعانی ۲۵/۱۲)

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ مومن جو نیک کام کرتا ہے اس کو دنیا میں بھی (اس نیک کام کا) کچھ بدلہ ملتا ہے اور آخرت میں ثواب ملتا ہے اور کافر (چونکہ آخرت کی فکر ہی نہیں رکھتا اس لئے اس) کا حساب دنیا ہی میں بھگتا دیا جاتا ہے۔ اس کے نیک اعمال کے بدلے میں دنیا کی دولت و عزت اور صحت و راحت اس کو دے دی جاتی ہے یہاں تک کہ جب وہ آخرت میں پہنچتا ہے تو اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا جس کا معاوضہ وہاں پائے۔

جامع ترمذی اور مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کی نیت اپنے اعمال میں طلب آخرت کی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ دنیا میں اس کے دل کو غنی کر دیتا ہے۔ اور اس کی ضروریات کو پورا فرما دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے اور جس شخص کی نیت طلب دنیا کی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ محتاجی اس کے سامنے کر دیتا ہے کہ اس کی حاجت کبھی پوری نہیں ہوتی، کیونکہ دنیا کی ہوس اس کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔ ایک حاجت پوری ہونے سے پہلے دوسری حاجت سامنے آجاتی ہے اور بے شمار فکریں اس کو لگ جاتی ہیں اور ملتا صرف وہی ہے جو اللہ نے اس کے لئے لکھ دیا ہے۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۶۰۳/۴)

اہل دنیا و اہل آخرت کا موازنہ

۱۷۔ اَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهِ
كِتَابٌ مُّوسَىٰ اِمَامًا وَرَحْمَةً ۚ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهِ ۚ وَمَنْ
يَكْفُرْ بِهِ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهُ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ

مِنْهُ قَرَأَهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

کیا جو شخص اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہو اور وہ اس کی طرف سے آئے ہوئے شاہد (قرآن) کی تلاوت بھی کرتا ہو اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب بھی (شاہد) ہو جو امام (رستہ بتانے والی) و رحمت (بخشوانے والی) تھی (کیا وہ منکر ہو سکتا ہے)۔ یہی لوگ قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور دوسرے فرقوں میں سے جو کوئی اس کا انکار کرے گا تو اس کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے۔ سو آپ اس (قرآن) کی طرف سے شک میں نہ رہیں۔ بیشک یہ آپ کے رب کی طرف سے برحق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

بُيِّنَتْ: ایسی دلیل جو حق اور صحیح بات کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ جس کی روشنی میں وہ بت پرستی چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کرتا ہے اور دنیا کی فانی لذتوں کو ترک کر کے آخرت کی دوائی راحت کو پسند کرتا ہے۔

مَنْ كَانَ: اس سے مخلص مومن مراد ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ یعنی آپ کی ذات مع قبعین۔

شَاهِدٌ: اس سے مراد قرآن یا حضرت جبرائیل یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ابن جریر، ابن المنذر اور ابن حاتم وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ یہاں شاہد سے مراد حضرت جبرائیلؑ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کردہ کتاب کی تلاوت کرتے تھے۔ جس طرح انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن تلاوت کیا اسی طرح وہ اس سے پہلے حضرت موسیٰؑ پر توریت تلاوت کرتے تھے۔

حسن اور قتادہ کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک ہے۔ یعنی اللہ کی طرف سے ایک شہادت دینے والا، جو محمد رسول اللہ تھے، قرآن کی تلاوت کرے گا اور قرآن کی صداقت کی شہادت حضرت موسیٰؑ کی کتاب توریت بھی دے رہی ہے جو قرآن سے پہلے نازل ہو چکی ہے۔

ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے مجاہد کا قول نقل

کیا ہے کہ من کاں علی بینۃ رسول اللہ تھے اور شاہد ایک فرشتہ تھا جو

آپ کی حفاظت پر مامور تھا۔ (مظہری ۱۲-۱۳ / ۵)

أَحْزَابٌ : گروہ۔ جماعتیں۔ واحد حِزْبٌ۔

مُزَيِّقٌ : شک۔ تردد۔

تشریح : جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ منور اور روشن دین پر قائم ہو اور اس کا روشن

ہونا وحی، آسمانی سے ثابت ہو تو وہ اس شخص کی مانند نہیں ہو سکتا جو محض دنیا کا طلب گار ہو اور اسے کوئی صحیح راستہ نظر نہ آتا ہو۔

جو لوگ اللہ کے نازل کردہ دین پر عمل پیرا ہیں اور توریت و انجیل کے عالم و فاضل ہیں وہی مخلص مومن ہیں۔ و منین مخلصین کے علاوہ دوسرے گروہوں میں سے جو شخص اس دین حق کا انکار کرتا ہے تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ سو قرآن کے بارے میں کسی کو شک و شبہ میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ بلاشبہ وہ اللہ کی سچی کتاب ہے۔ اگرچہ بہت سے لوگ واضح دلائل کے باوجود اس پر یقین نہیں رکھتے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے۔ اس امت میں سے جو کوئی کافر و مشرک اور یہودی و عیسائی ایسی حالت میں مرے گا کہ جو (ہدایت) مجھے دے کر بھیجا گیا ہے وہ اس پر ایمان نہ لایا ہو، تو وہ ضرور دوزخیوں میں سے ہو گا۔

(مظہری ۱۳-۱۵ / ۵)

مکذبین کے عیوب

۲۲، ۱۸۔ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أُولَٰئِكَ يُعْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۚ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ۝ الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ۝ أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ

دُونَ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ يُضَعِفُ لَهُمُ الْعَذَابُ مَا كَانُوا
يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ۝ أُولَئِكَ الَّذِينَ
خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ لَا جَزَمَ
أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ لَهُمُ الْآخَسِرُونَ ۝

اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔ یہ لوگ اپنے رب
کے روبرو پیش ہوں گے اور گواہ کہیں گے کہ یہی تو ہیں وہ جہنوں نے اپنے
رب پر جھوٹ بولا تھا۔ دیکھو ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ اور جو لوگ
دوسروں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں، وہی
آخرت کے بھی منکر ہیں۔ یہ لوگ زمین پر بھی اللہ کے قابو سے باہر نہ تھے اور نہ
اللہ کے سوا ان کا کوئی حمایتی تھا۔ ان کو دو گنا عذاب دیا جائے گا۔ وہ نہ (حق
بات) سن سکتے تھے اور نہ دیکھ سکتے تھے۔ یہی وہ لوگ، میں جہنوں نے اپنے آپ
کو خسارے میں ڈالا اور جو کچھ وہ جھوٹ باندھتے تھے وہ کھو یا گیا۔ بے شک یہی
لوگ آخرت میں سب سے زیادہ خسارے میں ہوں گے۔

يَصُدُّونَ : وہ روکتے ہیں۔ وہ منع کرتے ہیں۔ صَدَّ سے مضارع۔
عَوَّجًا : کجی۔ ٹیڑھا پن۔ مصدر ہے۔
يُضَعِفُ : وہ دو گنا کیا جائے گا۔ مُضَاعَفَةٌ سے مضارع مجہول۔
جَزَمَ : شک۔ شبہ۔

تشریح : ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مکذبین کے چند عیوب بیان فرمائے ہیں۔

۱- وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا۔ اس شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم
نہیں جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں افتراء اور دروغ گوئی کرے۔ مکذبین کا افتراء یہ ہے کہ
وہ بتوں کو اپنا شفیع بتاتے اور فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ حضرت عزیر اور
حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کا انکار
کرتے تھے۔ کسی چیز کی تحریم کو اللہ کی طرف منسوب کرتے حالانکہ اللہ کی طرف سے اس
چیز کی تحریم نہیں کی گئی۔ اسی طرح کسی چیز کی تحلیل کو اللہ کی طرف منسوب کرتے حالانکہ
اللہ نے اس کو حرام قرار دیا۔

۲- **أُولَٰئِكَ يُعْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ**۔ قیامت کے روز یہ لوگ اللہ کے سامنے ذلت و

رسوائی کے ساتھ پیش ہوں گے۔ پھر وہ ان سے ان کے اعمال کی باز پرس کرے گا۔

۳- **وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ**۔ قیامت کے روز

شہادت دینے والے یعنی پیغمبر، اعمال لکھنے والے فرشتے اور جسمانی اعضاء، کافروں اور

منافقوں کو ذلیل و رسوا کرنے کے لئے پکار کر کہیں گے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے

اپنے پروردگار پر جھوٹ باندھا۔ منجملہ دوسرے شاہدوں کے زمانہ اور مقام بھی شہادت

دے گا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت

پڑھی اور فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ زمین کی خبریں کیا ہوں گی۔ صحابہ نے عرض کیا

کہ اللہ اور اس کا رسول ہی خوب واقف ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ زمین کی خبریں یہ ہوں گی

کہ جس بندے اور بندی نے زمین کے اوپر جو کچھ کیا ہو گا زمین اس پر شہادت دے گی

اور کہے گی کہ فلاں شخص نے ایسا ایسا کیا تھا۔ یہی زمین کی خبریں ہوں گی۔

امام بخاریؒ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ

مؤذن کی آواز جتنی مسافت پر پہنچے گی اور جہاں تک جن و انس اس کو سنیں گے، قیامت

کے دن اس کی شہادت دیں گے۔

ابن خنبلہؒ کی روایت میں ہے کہ مؤذن کی آواز جو پتھر، ڈھیلہ، جن و انس سنے

گا، مؤذن کے لئے شہادت دے گا۔

۴- **أَلَا لَعْنَتُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ**۔ آگاہ ہو جاؤ کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔

۵- **الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ**۔ یہ ایسے ملعون ہیں کہ لوگوں کو اللہ کے دین پر

چلنے سے روکتے ہیں۔

۶- **وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا**۔ یہ لوگ اللہ کے دین پر عمل کرنے کی بجائے اس کو اپنی نفسانی

خواہشات کے مطابق بنانا چاہتے ہیں۔ ان کی یہ خواہش سراسر ظلم اور برائی کا راستہ ہے۔

۷- **وَهُم بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ**۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ لوگ آخرت کا بھی

انکار کرتے ہیں۔

۸- **أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُفْجِرِينَ فِي الْأَرْضِ**۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں عذاب

دینا چاہتا تو تمام زمین پر کہیں بھی یہ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے تھے کہ کہیں بھاگ کر عذاب سے بچ جاتے۔ کیونکہ بندے کے لئے عذاب الہی سے چھٹکارا پانا محال ہے۔

۹۔ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ۔ اور دنیا میں ان کو عذاب الہی سے بھانے والا کوئی ان کا حمایتی نہیں۔ اللہ ہی نے ان کے عذاب کو آخرت پر ٹال رکھا ہے تاکہ ان کو سخت اور کبھی ختم نہ ہونے والے عذاب میں مبتلا کرے۔

صحیحین میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے یہاں تک کہ جب پکڑ لیتا ہے تو پھر اس کو چھٹکارا نہیں ملتا۔

۱۰۔ يُضَعِفُ لَهُمُ الْعَذَابُ۔ دوسرے لوگوں کے مقابلے میں ان کو دو گنی سزا ملے گی۔ بعض مفسرین کے نزدیک دو گنا عذاب کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور انہوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ بعض نے کہا کہ دو گنا عذاب کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کفر کیا اور اس پر افتراء باندھا۔

۱۱۔ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں حق کو سننے کی استعداد ہی پیدا نہیں کی، اس لئے وہ حق کو نہیں سنتے۔ قنادۃ نے کہا کہ یہ لوگ حق کو سننے سے ہرے تھے اس لئے بھلائی کو سن کر اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے تھے۔

۱۲۔ وَمَا كَانُوا يَبْصُرُونَ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں بصیرت پیدا ہی نہیں کی۔ اس لئے وہ آیات خداوندی کو دیکھنے سے بھی بے ہرہ ہیں۔

۱۳۔ أُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے خود اپنا نقصان کیا کیونکہ انہوں نے اللہ کی عبادت چھوڑ کر پتھروں کی پوجا اختیار کی اور جنت دے کر دوزخ خرید لی۔

۱۴۔ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ۔ جن کو یہ اللہ کا شریک بتاتے تھے اور کہتے تھے کہ اللہ کے ہاں یہ ان کی سفارش کریں گے اور حضرت مسیح ان کے گناہوں کا کفارہ ہو گئے ہیں۔ یہ اور ایسے تمام باطل دعوے گم ہو جائیں گے۔

۱۵۔ لَا جَزَاءَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا خَسْرَتُهُمْ۔ لامحالہ آخرت کے اعتبار سے یہی لوگ سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ (مظہری ۱۵-۱۴/۵)

اہل ایمان کا حال و مال

۲۳، ۲۴ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْا اِلٰی رَبِّهِمْ
اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ مَثَلُ
الْفَرِیْقَیْنِ کَالْاَعْمٰی وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِیْرِ وَالْسَّمِیْعِ ۗ هَلْ
یَسْتَوِیْنَ مَثَلًا ۚ اَفَلَا تَذٰکُرُوْنَ ۝

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اور وہ اپنے رب کے
سامنے عاجزی کرتے رہے وہی لوگ اہل جنت ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے
ان دونوں فریقوں کی مثال ایسی ہے جسے (ایک) اندھا اور ایک بہرہ ہو (کافر)
اور (دوسرا) دیکھنے والا اور سننے والا ہو (مومن)۔ کیا دونوں کا حال برابر ہے
پھر تم کیوں نہیں سمجھتے۔

اَخْبَتُوْا: انہوں نے عاجزی کی۔ وہ جھکے۔ اِخْبَاتٌ سے ماضی۔
اَصَمٌّ: بہرا۔ صَمٌّ سے صفت شبہ۔

تشریح: بلاشبہ جو لوگ ایمان والے ہیں اور اپنے قول و فعل سے اپنے رب کے احکام پوری
طرح بجالاتے ہیں اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہتے ہیں وہی لوگ جنت کے وارث ہیں۔ جہاں بلند
بالا خانے، نکمے پچھائے اور بچے سمائے تخت ہیں، پھلے ہوئے خوشوں اور میوؤں کے درخت ہیں۔
قسم قسم کے خوش ذائقہ پھل، پسندیدہ اور لذیذ کھانے ہیں اور سب سے بڑھ کر دیدارِ خداوندی کی
نعمت ملے گی۔ اہل جنت کو یہ نعمتیں ہمیشہ حاصل رہیں گی۔ نہ کبھی انہیں موت آئے گی اور نہ
بڑھاپا، نہ بیماری، نہ غفلت۔

جن شقی القلب کافروں کا پہلے ذکر ہو چکا ہے ان کو مومن و متقی اہل ایمان سے بالکل وہی
نسبت ہے جو اندھے اور بہرے کو بینا اور سننے والے سے ہے۔ کافر دنیا میں نہ تو راہِ حق کو دیکھتے
تھے اور نہ حق بات کو سنتے تھے، اس لئے وہ اندھے اور بہرے کی مانند ہیں۔ سو قیامت کے روز بھی
وہ خیر کی طرف راہ نہیں پائیں گے۔ ان کے برخلاف مومن عاقل و عالم تھے، نگہدار تھے، پیامِ حق
سننے اور اس کو قبول کرتے تھے، حق و باطل میں تمیز کرتے تھے، بھلائی کو اختیار کرتے اور برائی کو
چھوڑتے تھے۔ یہ دونوں گروہ کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ کیا تم ایسی مثالوں کو سننے اور ان پر غور و فکر

کرنے کے بعد بھی نصیحت قبول نہیں کرو گے۔ (ابن کثیر ۲/۴۴۲)

حضرت نوح کا واقعہ

۲۶،۲۵ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ ذَاتِ النَّفْسِ الْكَافِرَةِ لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيمٍ ۝

اور بیشک، ہم نے (حضرت) نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ (ان سے کہو) میں تمہیں صاف صاف خبردار کرتا ہوں (اور) یہ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ مجھے تمہارے حق میں ایک بڑے دردناک دن کے عذاب کا

اندیشہ ہے۔

تشریح: منکرین کو بت پرستی سے روکنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو رسول بنا کر دنیا میں بھیجا۔ انہوں نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے صاف صاف خبردار کرتا ہوں۔ سو تم بت پرستی چھوڑ کر، مہر تن اس معبودِ حقیقی کی عبادت میں لگ جاؤ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اگر تم نے میری بات پر توجہ نہ دی تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں تمہارے اوپر ایک دردناک دن کا عذاب نہ آجائے۔

متکبرین کی جہالت آمیز گفتگو

۲۷ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِثْلَنَا وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَادُوا أَنْ يَنْفَكُوا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ نَرَىٰ لَكُمْ عُذُنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَحْنُكُمْ كَذِبِينَ ۝

پس (حضرت) نوح کی قوم کے سردار کہنے لگے کہ ہم تو آپ کو اپنے ہی جیسا آدمی دیکھتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمہاری اتباع ان لوگوں نے بلاتامل کی ہے جو ہم میں بالکل رذیل ہیں اور ہم تمہارے لئے اپنے اوپر کوئی فضیلت نہیں دیکھتے بلکہ ہم تو تمہیں (بالکل) جھوٹا سمجھتے ہیں۔

الْمَلَأُ: سرداروں کی جماعت۔

يَادِي: ظاہری۔ کھلا ہوا۔ بَدُو وَبَدَاوَةٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام کی بات سن کر ان کی قوم کے کافر سردار اور رؤسا و امراء کہنے لگے کہ آپ کوئی فرشتے تو ہیں نہیں بلکہ آپ تو ہماری ہی طرح کے آدمی ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ صرف آپ ہی کے پاس اللہ کی وحی آئے اور ہمارے پاس نہ آئے۔ ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ جن لوگوں نے آپ کی اتباع اختیار کی ہے وہ ہم میں بہت کم درجے کے لوگ ہیں۔ کسی رئیس اور سردار نے آپ کی فرماں برداری اختیار نہیں کی۔ یہ لوگ تو سوچے گئے بغیری اپنی سادہ لوحی کی بنا پر آپ کے ساتھ لگ گئے ہیں۔ ہم جیسے معززین کے لئے تو ایسے رذیل، جلال اور بے عقل لوگوں کے ساتھ بیٹھنا بھی باعثِ ننگ و عار ہے۔ اگر یہ لوگ ذرا بھی غور و فکر کرتے تو کبھی آپ کی پیروی نہ کرتے۔ ایسے حقیر و فقیر اور بے عقل لوگوں کا آپ کی اتباع کرنا آپ کی صداقت کی دلیل کیسے ہو سکتا ہے۔ پھر آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو مال و دولت یا عزت و شرف کے اعتبار سے بھی ہم پر کوئی فضیلت و برتری حاصل نہیں۔ ایسی صورت میں ہم آپ کی اتباع کیوں کریں بلکہ ہمارا گمان تو یہ ہے کہ آپ سب جھوٹے ہیں۔

حضرت نوح کا جواب

۳۱،۲۸ قَالَ يَقَوْمِ اَرَايْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّىْ وَاتَّبَعْتُمْ رَاىَ مِنْ عِنْدِىْ فَعَمِيَّتْ عَلَيْكُمْ ۙ اَنْزِلُكُمْ مَّوْمًا وَاَنْتُمْ لَهَا كَرِهُونَ ۝ وَيَقَوْمِ لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۙ اِنْ اَجْرِىْ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَا اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ اِنَّهُمْ مُّسْلِقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّىْ اَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝ وَيَقَوْمِ مَنْ يَنْصُرُنِىْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۙ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَلَا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ خَزَايِنُ اللّٰهِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبِ وَلَا اَقُوْلُ اِنِّىْ مَلِكٌ ۙ وَلَا اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تُزْدِرِىْ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ۙ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِىْ اَنْفُسِهِمْ ۙ اِنِّىْ اِذَا لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

(حضرت) نوح نے کہا: اے میری قوم! بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہوں اور اس نے اپنے پاس سے مجھے رحمت (نبوت) عطا فرمائی ہے پھر وہ تمہیں دکھائی نہ دیتی ہو تو کیا ہم اس (رحمت) کو تمہارے سر منڈھ دیں جبکہ تم اس سے نفرت کرتے ہو اور اے میری قوم! میں اس پر تم سے کوئی مال تو نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو اللہ تعالیٰ ہی کے ذمہ ہے اور میں تو ان ایمان والوں کو دھتکار نہیں سکتا کیونکہ وہ تو اپنے رب سے ملنے والے ہیں لیکن میں تو دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت کر رہے ہو اور اے میری قوم! اگر میں انہیں دھتکار دوں تو مجھے اللہ تعالیٰ سے کون چھڑا سکتا ہے۔ کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ جو لوگ تمہاری نگاہوں میں حقیر ہیں اللہ ان کو کوئی بھلائی نہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے دل کا حال خوب جانتا ہے۔ بے شک ایسا کروں تو میں بھی نا انصافی کرنے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

نُزِّلْهُمْ مَوْءَا: ہم اس کو تم سے لازم کریں گے۔ ہم اس کو تم پر مسلط کریں گے۔ اِلْزَامٌ سے مضارع۔

بَطَّارِدٌ: دور کرنے والا۔ نکلنے والا۔ طَرَدَ سے اسم فاعل۔

طَرَدْتَهُمْ: میں نے ان کو دور کر دیا۔ میں نے ان کو نکال دیا۔ طَرَدَ سے ماضی۔

تَزْدَرِي: وہ کمتر جانتی ہے۔ وہ حقیر دیکھتی ہے۔ اِزْدَرَاءٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ اے میری قوم! بیشک انسان ہونے

میں ہم سب برابر ہیں مگر انسان اور بشر ہونا، نبوت و رسالت کے منافی نہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی نبوت و رسالت کے روشن دلائل لے کر آیا ہوں۔ اگرچہ صورت بشریہ کے اعتبار سے میں تمہارے ہی جیسا انسان ہوں مگر باطنی فضائل و کمالات اور آیاتِ بنیات کے اعتبار سے میں تم سے ممتاز ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی استحقاق کے بغیر محض اپنے فضل سے مجھے اپنی نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا ہے۔ پھر یہ روشن حقیقت تم پر پوشیدہ اور مخفی کر دی گئی۔ کیونکہ تکبر و غرور نے تمہیں اندھا کر رکھا ہے اس لئے میری نبوت تمہیں نظر نہیں آتی۔ اللہ نے میرے ذریعہ

جو رحمت تمہیں دی ہے تم نے اس کی قدر نہیں کی بلکہ تم اس کو جھٹلانے لگے، تمہاری اس کراہت و نفرت کے باوجود کیا میں اللہ کی ہدایت و رحمت کو تمہارے گلے باندھ دوں۔

اے میری قوم! میں جو تمہیں وعظ و نصیحت اور تبلیغ دین کر رہا ہوں، میں تم سے اس کا کوئی معاوضہ نہیں مانگتا جس کا دینا تم پر شاق ہو اور نہ دینا مجھے ناگوار ہو۔ میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے جس نے مجھے نبوت و رسالت دے کر بھیجا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ میں تمہارے کہنے پر ان ضعیف مومنوں کو اپنی مجلس سے نہیں ہٹا سکتا۔ ان کا مرتبہ تو یہ ہے کہ قیامت کے روز یہ درویشانِ اسلام، عرت و کرامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے ایمان اور نیکیوں کا اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔ تم واقعی ایک جلیل قوم ہو کہ اپنے مال و دولت کو عرت و ناسوری کا ذریعہ سمجھتے ہو اور اہل ایمان جو اللہ کے نزدیک معزز و مقرب ہیں، ان کو حقیر و ذلیل کہتے ہو۔ تمہاری جہالت کی انتہا یہ ہے کہ تمہیں عرت و ذلت کے معنی بھی معلوم نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق (ایمان) کا نام عرت اور اس سے بغاوت اور قطع تعلق (کفر) کا نام ذلت ہے۔

اے میری قوم! اگر بالفرض میں تمہارے کہنے پر ان غریب اور خدا کے مخلص بندوں کو اپنے پاس سے ہٹا دوں تو بتاؤ اللہ کے مقابلے میں میری کون مدد کرے گا اور میرے اوپر سے اس کے عذاب کو کون دفع کرے گا۔ ایسے مخلص بندوں کو اپنی مجلس سے نکالنا سراسر بے انصافی اور ظلم ہے۔ لہذا تمہارے کہنے پر میں ان کے ساتھ بے انصافی نہیں کر سکتا۔ کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے کہ بندہ ایمان و اطاعت کے ذریعہ اللہ کے نزدیک مقبول ہو جاتا ہے ایسے لوگوں کو رد کرنے کی کسی کو مجال نہیں۔

میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میرے پاس مال و دولت کے خزانے ہیں جن کو تم عرت و شرف کا ذریعہ سمجھتے ہو۔ تمہیں دعوتِ حق سے میری غرض مال سمیٹنا نہیں۔ میرے نزدیک مال و دولت کا ہونا یا نہ ہونا سب برابر ہے کیونکہ یہ سب فانی ہیں اور ان کے ہونے سے کسی کی عرت و شرف میں اضافہ نہیں ہوتا اور ان کے نہ ہونے سے کوئی حقیر و کم تر نہیں ہو جاتا۔ عرت و شرف کا دار و مدار تو اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی اطاعت پر ہے اسی لئے میں تم سب کو اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت اور توحید کی طرف بلاتا ہوں۔ میری دعوت ہر چھوٹے بڑے کے لئے عام ہے جو اسے قبول کرے گا وہ نہات پائے گا۔

میں یہ بھی نہیں کہتا کہ میں غیب کی باتوں سے واقف ہوں۔ مجھے تو صرف وہی کچھ معلوم

ہے جو تجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتا دیا جاتا ہے اور میں فرشتہ ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کرتا بلکہ میں تو ایک انسان اور اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔ جن لوگوں کو تم ان کی مفلسی کی وجہ سے ذلیل و حقیر سمجھتے ہو میں ان کے بارے میں یہ نہیں کہتا کہ اللہ کے ہاں ان کو کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا ان کے باطن کا حال بھی اللہ ہی کو معلوم ہے۔ اگر وہ ظاہر کی طرح باطن میں بھی ایماندار ہیں تو ان کو اللہ کے ہاں ضرور اجر و ثواب ملے گا۔ میں تو ان کے ظاہر کو دیکھ کر ان سے معاملہ کرتا ہوں۔ لہذا اگر میں محض شبہ اور گمان کی بنا پر ان کو لپٹنے پاس سے نکال دوں تو بلاشبہ میں ظالموں میں سے ہوں گا۔ (ابن کثیر ۲/۲۴۳، مواہب الرحمن ۲۶-۲۸/۱۲)

قوم نوح کی ہٹ دھرمی

۳۵، ۳۲ قَالُوا يَنْوُحُ قَدْ جَدَلْتَنَا فَاكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاتِنَا بِمَاعِدُنَا
اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّمَا يَأْتِيَكُمْ بِهٖ اللّٰهُ اِنْ شَاءَ
وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نَصْحِي اِنْ اَرَدْتُ اَنْ
اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُغْوِيَكُمْ ۖ هُوَ رَبُّكُمْ ۖ وَالِيْهِ
تُرْجَعُوْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰهُ ۖ قُلْ اِنْ افْتَرَيْتُهُ فَعَلٰى
اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ۝

وہ کہنے لگے کہ اے نوح! تو نے ہم سے جھگڑا کیا۔ پس تو ہم سے بہت جھگڑا کر چکا سو جس چیز سے تو ہمیں دھمکا رہا ہے اس کو لے آ، اگر تو سچا ہے۔ (حضرت نوح نے کہا کہ اس کو تو اللہ ہی لائے گا اگر وہ چاہے گا اور تم اس کو روک نہ سکو گے اور میری خیر خواہی تمہارے کام نہیں آسکتی گو میں تمہاری کیسی ہی خیر خواہی کرنا چاہوں اگر اللہ کو تمہارا گمراہ رکھنا ہی منظور ہے۔ وہی تمہارا رب ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے۔ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس نے (قرآن) خود بنالیا۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں نے خود بنالیا ہے تو اس کا گناہ مجھ پر ہے اور میں تمہارے گناہوں سے بری ہوں۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام کی گفتگو سن کر ان کی قوم نے کج فہمی اور ہٹ دھرمی کا

مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا کہ آپ ہمارے ساتھ خوب بحث و مباحثہ کر چکے، اگر آپ اپنے نبوت کے دعوے اور عذاب کی وحید میں بچے ہیں تو وہ عذاب لے لے کر آئے جس سے آپ ہمیں ڈراتے رہتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ میرے اختیار میں تو دعوت و نصیحت تھی جو میں نے کر دی۔ رہا عذاب کا لانا تو وہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ جب اس کو منظور ہو گا عذاب آجائے گا۔ اس وقت تم اس عذاب سے نہیں بچ سکو گے اور نہ اس کو ٹال سکو گے۔ اگر اللہ نے ازل میں تمہاری گمراہی کا ارادہ فرمایا ہے تو میں اس کو نہیں بدل سکتا۔ اس صورت میں میری نصیحت و خیر خواہی تمہارے لئے فائدہ مند نہ ہوگی اور تم ہلاکت سے نہ بچ سکو گے۔ اللہ ہی تمہارا رب اور پروردگار ہے، تمہیں اس کے احکام پر عمل کرنا چاہئے تھا مگر تم تو اپنے عناد کی بنا پر ان کو جھٹلاتے رہے۔ ایک دن تمہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے جہاں تم اپنے اعمال کا بدلہ پاؤ گے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نوح! کیا کافریہ کہتے ہیں کہ یہ سب باتیں آپ نے اپنی طرف سے گھڑ لی ہیں۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر یہ پیغام میں نے خود گھڑ لیا ہے تو میرے اس جرم کا وبال بھی مجھ پر ہی ہو گا اور جن جرائم کا ارتکاب تم کرتے ہو میں ان سے بری ہوں۔

(مواہب الرحمن ۲۸، ۲۹، ۱۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۴۴ / ۳)

حضرت نوح کو کشتی بنانے کا حکم

۳۹، ۳۶ وَأَوْحَىٰ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَن يُؤَيِّدُ مِن مِّن قَوْمِكَ إِلَّا مَن قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا ۖ وَوَحِينَا وَلَا تَخَاطِبُنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ إِنَّهُمْ مُّغْرَقُونَ ۝ وَيُصْنَعِ الْفُلْكَ ۖ وَكَلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأَ مِنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ۖ قَالَ إِن تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ۝ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۖ مِّن يَّاتِيهِ عَذَابٌ يُّخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۝

اور (حضرت) نوح کی طرف وحی بھیجی گئی کہ تمہاری قوم میں سے اب کوئی ایمان

نہ لائے گا مگر جو لاپکا۔ سو جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں آپ اس پر غمگین نہ ہوں اور (اے نوح) تم ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی بناؤ اور ظالموں کے حق میں مجھ سے بات نہ کرنا کیونکہ وہ غرق کئے جائیں گے اور (حضرت) نوح تو کشتی بنانے لگے اور جب ان کی قوم کا کوئی سردار ان کے پاس سے گزرتا تو وہ ان (حضرت نوح) کا مذاق اڑاتا۔ (حضرت) نوح کہتے کہ اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو ہم بھی اسی طرح تم پر ہنسیں گے۔ بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون ہے وہ جس پر عذاب آئے گا اور اس کو رسوا کر دے گا اور کس پر دائمی عذاب اترتا ہے۔

تَبْتَنَسْ : تو غمگین ہوتا ہے۔ تو ناامید ہوتا ہے۔ اَبْتَنَسْ سے مضارع۔
 الْفُلُّکَ : کشتی۔ جہاز۔ مذکر و مؤنث، واحد و جمع سب کے لئے آتا ہے۔
 کُلَّمَا : جب کبھی۔ جس وقت۔ اکثر
 یَجِلُّ : وہ نازل ہو گا۔ وہ واقع ہو گا۔ حُلُولٌ سے مضارع۔

تشریح : حضرت نوح علیہ السلام ایک زمانے تک اپنی قوم کو وعظ و نصیحت کرتے رہے مگر ان پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر جب قوم نوح نے حضرت نوح علیہ السلام سے اس عذاب کے جلد آنے کا مطالبہ کیا جس کی وہ ان کو وعید سناتے رہتے تھے تو حضرت نوح نے عاجز آکر اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حضرت نوح کو آگاہ کیا کہ اب اس قوم میں سے ان لوگوں کے سوا جو اب تک ایمان لاچکے ہیں مزید کوئی شخص ایمان نہیں لائے گا۔ آپ کو ان پر افسوس کرنے کی ضرورت نہیں۔ جس عذاب کا یہ لوگ مذاق اڑا رہے ہیں اس کا وقت نزدیک آگیا ہے۔ اب یہ اس سے نہیں بچ سکتے۔

اے نوح! اب آپ ہماری تعلیم کے مطابق ہماری نگرانی میں ایک کشتی تعمیر کیجئے اور ان کافروں میں سے کسی کو بچانے کے لئے مجھ سے عذاب دور کرنے کی درخواست نہ کرنا۔ بلاشبہ یہ لوگ غرق کئے جائیں گے۔ ان کی غرقابی کا حکم قطعی ہے۔

پھر حضرت نوح علیہ السلام اللہ کے حکم کے مطابق کشتی بنانے میں مشغول ہو گئے۔ جب ان کی قوم کے سرداروں میں سے کچھ لوگ ان کے پاس سے گزرتے تو اذراہ تمسخر کہتے کہ اے نوح! پہلے تو تم پیغمبر تھے اب بڑھئی ہو گئے ہو۔ دریا سے دور خشکی میں اتنی بڑی کشتی چلے گی۔ کیا تم

دیوانے ہو گئے ہو۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو جواب دیا کہ جس طرح جلیل و نادان قرار دے کر آج تم ہمارا مذاق اڑا رہے ہو آئندہ ہم بھی تمہیں طوفان میں ڈوبتے دیکھ کر تمہارا مذاق اڑائیں گے اور تمہیں جلیل قرار دیں گے۔ بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ دنیا میں کس پر رسوا کن عذاب آتا ہے اور کس پر آخرت میں ہمیشہ قائم رہنے والا عذاب نازل ہو گا۔ چنانچہ جب قوم نوح پر طوفان کی شکل میں اللہ کا عذاب آیا تو سب غرق ہو گئے اور عالم برزخ میں پہنچ گئے، جہاں قیامت تک ان پر عذاب ہوتا رہے گا۔ پھر قیامت کے روز ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ (مواہب الرحمن ۳۰، ۳۳ / ۱۲)

عذاب الہی کی آمد

۳۰۔ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَمْلِكْ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ أَمِنَ ۖ وَمَا أَمِنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ ۝

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم پہنچا اور تنور (غضب الہی) جوش میں آ گیا تو ہم نے کہا کہ (اے نوح) اس کشتی میں ہر قسم کے جانوروں کا ایک ایک جوڑا رکھ لو اور اپنے گھروالوں کو بھی (اس میں سوار کر لو) سوائے ان کے جن کے بارے میں ہمارا فیصلہ ہو چکا اور جو لوگ ایمان لے آئے (ان کو بھی سوار کر لو) اور اس کے ساتھ تو بہت تھوڑے سے لوگ ایمان لائے تھے۔

فَارَ: اس (پانی) نے جوش مارا۔ وہ لہنے لگا۔ فُورٌ وَفُورٌ سے ماضی۔

التَّنُّورُ: تنور۔ نان پکانے کا چولہا۔

تشریح: پھر جب عذاب کے متعلق اللہ کا حکم پہنچا تو آسمان سے موسلا دھار بارش برسنے لگی، زمین بھی پانی لگنے لگی اور روٹی پکانے کا تنور جوش مارنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ جب اس تنور سے پانی لہنے لگے تو اہل ایمان کو لے کر کشتی میں سوار ہو جانا۔ ابن عباسؓ کے مطابق تنور کے لہنے کا مطلب یہ ہے کہ روئے زمین سے چٹھے پھوٹ پڑے یہاں تک کہ آگ کی جگہ تنور میں سے پانی ابل پڑا۔ جمہور سلف و خلف کا بھی یہی قول ہے۔

جب عذاب کی علامت ظاہر ہو گئی اور تنور سے پانی بہنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کو حکم دیا کہ ہر قسم کے جانوروں میں سے جو انسان کے لئے کارآمد ہیں اور پانی میں زندہ نہیں رہ سکتے، ایک ایک جوڑا (ایک نر اور ایک مادہ) کشتی میں اپنے ساتھ لے لو۔ اپنے لیل و عیال اور مومنوں کو بھی اس کشتی میں سوار کر لو، سوائے ان لوگوں کے جن کو غرق کرنے کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی و اہلہ اور حضرت نوح کا بیٹا کنعان، دونوں کافر تھے۔ من سبق علیہ القول سے بھی دونوں مراد ہیں۔ (ابن کثیر ۵/۲۴۲)

کشتی پر سوار ہونے کا حکم

۳۳، ۳۱ وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَجْرِبَهَا وَمُزْسِمُهَا إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ مَدًى وَنَادَى نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يَبْنَىٰ أَرْكَبٌ مَعَنَا وَلَا تَكُنْ مَعَ الْكَافِرِينَ ۝ قَالَ سَاوِي إِلَىٰ جَبَلٍ يَعْصِمُنِي مِنَ الْمَاءِ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِينَ ۝

اور (حضرت) نوح نے کہا کہ اس کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ اس کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ ہی کے نام سے ہے۔ بیشک میرا رب معاف کرنے والا مہربان ہے اور وہ کشتی ان لوگوں کو لے کر بہاؤ جیسی موجوں میں چلنے لگی اور (حضرت) نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا جبکہ وہ کنارے پر (کھڑا) تھا کہ اے میرے بیٹے تو ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ نہ رہ۔ اس نے کہا کہ میں ابھی کسی بہاؤ کی پناہ لے لیتا ہوں، جو مجھے پانی سے بچالے گا۔ (حضرت) نوح نے کہا کہ آج اللہ کے حکم (عذاب) سے کوئی بچانے والا نہیں مگر جس پر اللہ ہی مہربانی فرمادے (تو بچ جائے گا) اور دونوں کے درمیان ایک موج حائل ہو گئی۔ سو وہ بھی غرق ہو گیا۔

اَرْكَبُوا: تم سوار ہو جاؤ۔ رُكِبَ سے امر۔

مَجْرِمًا: اس کو جاری کرنا۔ اس کا چلنا۔ جَرَّيَانٌ سے اسم ظرف۔

مُزْسَعًا: اس کا رکنا۔ اس کا ٹھہرنا۔ اِزْسَاءٌ سے مصدر میسی۔

مَغْزِلٌ: کنارہ۔ الگ جگہ۔ غَزْلٌ سے اسم ظرف و مصدر میسی۔

يُعْصِمُنِي: وہ میری حفاظت کرے گا۔ وہ مجھے بچائے گا۔ عَصَمَةٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ کے حکم کے مطابق اپنے ساتھیوں کو کشتی میں سوار

ہونے کا حکم دیا اور کہا کہ تم اس کے غرق ہونے کا اندیشہ مت کرو کیونکہ اس کا چلنا اور ٹھہرنا سب

اللہ ہی کے نام کی برکت سے ہے۔ بلاشبہ میرا پروردگار بخشنے والا اور مہربان ہے۔ نہات کا

دار و مدار اسی کی رحمت پر ہے۔ یہ کشتی تو نہات کا ظاہری سبب ہے۔ لہذا تم اللہ پر بھروسہ رکھو۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھتے ہوئے کشتی میں سوار ہو جاؤ۔

چنانچہ وہ لوگ اس کشتی میں سوار ہو گئے اور کشتی ان کو لے کر پہاڑ جیسی بلند موجوں میں چل رہی

تھی۔

کشتی روانہ ہونے سے پہلے حضرت نوح نے اپنے بیٹے کنعان کو جو کشتی سے علیحدہ تھا، آواز

دے کر کہا کہ اے میرے بیٹے اللہ پر ایمان لے آ اور ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا اور کافروں

کا ساتھ چھوڑ دے تاکہ اس مصیبتِ عظمیٰ سے نہات پاسکے۔ بیٹے نے جواب دیا کہ مجھے کشتی کی

ضرورت نہیں میں تو کسی بلند پہاڑ پر ٹھکانا بنا لوں گا، جو مجھے پانی میں غرق ہونے سے بچالے گا۔

اس وقت تک پانی پہاڑوں پر نہیں پہنچا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بیٹے کو جواب دیا کہ یہ

کوئی معمولی سیلاب نہیں، یہ تو اللہ کا قہر ہے۔ آج اللہ کے قہر سے بچانے والا کوئی نہیں، سوائے اس

کے جس پر اللہ رحم فرمادے۔ پہاڑ بھی اسی کے حکم کے تابع ہے وہ اس کے حکم کے بغیر کسی کو پناہ

نہیں دے سکتا۔ ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ پانی کی ایک بڑی موج ان دونوں کے درمیان

حائل ہو گئی اور کافروں کے ساتھ حضرت نوح کا بیٹا بھی غرق ہو گیا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاند حلوی ۵۵۱، ۵۵۰ / ۳)

زمین کو پانی نکلنے کا حکم

۴۴۔ وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَسْمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيَضَ الْمَاءُ

وَقَضَى الْأَمْرَ وَأَسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدَ الظَّالِمِينَ ۝

اور حکم ہوا اے زمین اپنا پانی نکل لے اور اے آسمان تھم جا اور پانی سکھا دیا گیا اور کام تمام ہو گیا اور کشتی جودی (پہاڑ) پر آٹھری اور کہہ دیا گیا کہ ظالموں پر پھٹکار ہے۔

اِبْلَعِي: تو نکل جا۔ نُلْعْ سے امر۔
اَقْلَعِي: تو تھم جا۔ تو بند ہو جا۔ اَقْلَاعْ سے امر۔
غِيْضُ: وہ زمین میں جذب کر دیا گیا۔ وہ خشک کر دیا گیا۔ غِيْضُ سے ماضی مجہول۔
اَسْتَوَتْ: وہ ٹھہر گئی۔ وہ (کشتی) لگ گئی۔
الْجُودِي: ایک پہاڑ کا نام ہے جس پر حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان کے بعد ٹھہری تھی۔

تشریح: جب سب کافر طوفان کے سبب غرق آب ہو گئے اور مسلمان صحیح و سلامت رہے تو اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ وہ اپنا اگلا ہوا اور آسمان کا برسیا ہوا تمام پانی نکل لے اور آسمان کو حکم دیا کہ وہ پانی برسانا بند کر دے۔ اس طرح پانی کم ہونے لگا اور اللہ کے حکم سے کشتی جودی پہاڑ پر آکر رک گئی۔ لوگ زمین پر اتر گئے اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ہلاک و برباد کرنے اور مومنوں کو بچانے کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی کر دی گئی کہ اللہ نے ظالم قوم کو نیست و نابود اور اپنی رحمت سے دور کر دیا کیونکہ انہوں نے لیلِ حق کے ساتھ نا انصافی کی تھی۔

حضرت نوحؑ کی دعاء

۴۵، ۴۶ وَنَادَىٰ نُوحٌ رَبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنِّي أَفْلَحٌ ۖ وَإِنِّي وَاعِدُكَ الْحَقَّ وَأَنْتَ أَحْكَمُ الْحَكَمِيِّينَ ۝ قَالَ يَنُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنِّي أَفْلَحٌ ۖ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْأَلْنِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۖ إِنِّي أَعِظُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝ قَالَ رَبِّ إِنِّي

أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ ، وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَ
تَرْحَمْنِي أَكُنْ مِنَ الْخَسِرِينَ ۝

اور (حضرت) نوح نے اپنے رب کو پکار کر کہا کہ اے میرے رب! میرا بیٹا تو میرے گھر والوں میں سے تھا اور تیرا وعدہ برحق ہے اور تو سب سے بڑا حاکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نوح! بیشک وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے کیونکہ اس کے عمل اچھے نہ تھے۔ سو تو مجھ سے ایسی بات کی درخواست نہ کر جس کا تجھے علم ہی نہیں۔ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ (آئندہ) تو جاہلوں میں سے نہ ہونا۔ حضرت نوح نے کہا کہ اے میرے رب! میں ایسی بات کا سوال کرنے سے جس کا مجھے علم نہیں میں تیری پناہ مانگتا ہوں اور اگر تو مجھے معاف نہ فرمائے گا اور مجھ پر مہربانی نہ فرمائے گا تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے بیٹے کے کفر کا حال صحیح طور پر معلوم نہ تھا۔ انہوں نے ظاہری اور نسبی قرابت کی بنا پر یہ خیال کیا کہ ان کا بیٹا بھی ان کے لہل میں سے ہے۔ اس لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی کہ اے میرے پروردگار یہ میرا لڑکا تو میرے لہل میں سے ہے اور تو نے میرے لہل کو بچانے کا وعدہ کیا ہے۔ بلاشبہ تیرا وعدہ حق ہے اس لئے تو میرے بیٹے کو ڈوبنے سے بچالے۔

آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے بیٹے کے ڈوبنے کے بعد دعاء کی ہو کہ میرا بیٹا تو میرے لہل میں سے تھا اور تو نے میرے لہل کو بچانے کا وعدہ کیا تھا اور تو سب سے زیادہ علم والا اور سب سے زیادہ انصاف کرنے والا ہے۔ تیرے حکم کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ پھر میرا بیٹا کیوں ہلاک ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے نوح! تیرا بیٹا ان لوگوں میں سے نہیں تھا جن کی نجات کا میں نے وعدہ کیا تھا۔ اگرچہ قرابت کے اعتبار سے یہ تیرا بیٹا ہے، مگر اس کے اعمال صالح نہیں تھے، اس لئے وہ تیرے لہل میں سے نہیں بلکہ کافر ہے۔ لہل ہونے کا دار و مدار نسبی قرابت پر نہیں بلکہ دین کی قرابت پر ہے جو کفر کی وجہ سے منقطع ہو گئی۔ مسلم و کافر کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہوتا اسی لئے وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے۔ پس نبی کے اصل لہل تو وہی لوگ ہوتے ہیں جو نبی

پر ایمان لائیں اور اس کی کامل اتباع کریں۔ سو تو مجھ سے ایسی بات کا سوال نہ کر جس کے صحیح یا غلط ہونے کا تجھے علم نہیں۔ تحقیق میں تمہیں نصیحت کرنا ہوں کہ آئندہ ایسا سوال کر کے تم ان نادانوں میں سے نہ ہو جانا جو جہالت و نا کجی کی بنا پر ایسی چیز کا سوال کرتے ہیں جس کا ان کو علم نہیں۔

جب حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے سوال کا رضائے الہی کے خلاف ہونا معلوم ہو گیا تو فوراً تضرع و عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مغفرت و رحمت کی درخواست کی کہ اے میرے پروردگار! جس چیز کا تجھے علم نہ ہو آئندہ اس کے بارے میں سوال کرنے سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں اور شفقتِ پدری کی بنا پر اپنے کافر لڑکے کی نہات کی درخواست کی شکل میں مجھ سے جو خطا و لغزش سرزد ہوئی اگر تو میری اس خطا کو معاف نہ کرے اور مجھ پر رحم نہ فرمائے تو میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔ (مواہب الرحمن ۳۲، ۳۵ / ۱۲، روح المعانی ۶۸، ۷۲ / ۱۲)

حضرت نوحؑ کو کشتی سے اترنے کا حکم

۳۸۔ قِيلَ يٰنُوحُ اٰمِطْ بِسَلِمٍ مِّنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰى اٰمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۚ وَاٰمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمْسِكُهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيمٌ ۝

حکم ہوا، اے نوح! (کشتی سے) اترو۔ ہماری طرف سے سلامتی اور برکتیں ہیں، تم پر اور تمہارے ساتھ والوں پر اور (بعد میں) بہت سی جماعتیں ایسی بھی ہوں گی جن کو ہم (دنیا میں) کچھ دن تک فائدہ دیں گے پھر (آخرت میں) ان کو ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔

اٰمِطْ: تواتر۔ ہبوط سے امر۔

اٰمَمٌ: امتیں۔ گروہ۔ یہاں اٰمَمٌ سے وہ لوگ مراد ہیں جو حضرت نوحؑ کے ساتھ کشتی میں سوار تھے۔ وہ خود بھی جماعتوں کی شکل میں تھے اور تمام اقوام انہیں کی نسل سے پیدا ہونے والی تھیں اس لئے ان کو اٰمَمٌ فرمایا۔

تشریح: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی تو حضرت نوح اور ان کے ساتھی کچھ دنوں تک جب تک اللہ نے چاہا کشتی میں ہی ٹھہرے رہے۔ پھر

اللہ تعالیٰ نے ان کو کشتی سے اترنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اب تم ہماری طرف سے سلامتی اور برکتیں لے کر اتر دو جو تم پر اور ان جماعتوں پر نازل ہوں گی جو تمہارے ساتھ ہیں۔ آپ کے ساتھیوں کی مسلمان نسل کو بھی اس سلامتی اور برکت سے حصہ ملے گا۔

پھر فرمایا کہ تمہارے ساتھیوں کی نسل سے کچھ ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے جو ایمان نہیں لائیں گے۔ ہم ان کو دنیا میں کچھ روز تک عیش و آرام دیں گے۔ پھر اپنے کفر و شرک کی وجہ سے آخرت میں یہ لوگ دردناک عذاب سے دوچار ہوں گے۔ کافر دنیا میں جو فلاحی کام کرتے ہیں ان کا بدلہ ان کو دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے۔ آخرت میں ان کے لئے عذاب کے سوا کچھ نہیں۔

غیب کی خبریں

۴۹۔ تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا ۚ فَاصْبِرْ ۚ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ۝

یہ (باتیں) غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں، اس سے پہلے نہ تو ان (باتوں) کو آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم۔ سو آپ صبر کیجئے۔ اچھا انہام تو پرہیزگاروں ہی کے لئے ہے۔

تشریح: اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ طوفان نوح کے یہ واقعات غیب کی خبریں ہیں جو ہم نے وحی کے ذریعہ آپ پر القاء کی ہیں۔ آپ ان کو پہلے سے نہیں جانتے تھے۔ اور نہ آپ کی قوم کو ان کی خبر تھی۔ آپ ہی کے ذریعہ ان کو ان واقعات کا علم ہوا۔ آپ ان کو ٹھیک اسی طرح بیان کرتے ہیں جس طرح یہ واقعات سابقہ آسمانی کتب میں موجود ہیں۔ اگر آپ کی قوم کے لوگ پڑھے لکھے اور تاریخِ عالم سے واقف ہوتے تو پھر یہ کہا جاسکتا تھا کہ آپ نے یہ واقعات ان لوگوں سے سن کر بیان کر دیئے۔ لیکن جب پوری قوم ہی ان سے بے خبر ہو اور آپ بھی حصولِ علم کے لئے کسی دوسرے ملک نہ گئے ہوں تو پھر ایسی خبر کا ذریعہ وحی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ یہی آپ کے پیغمبر برحق ہونے کی واضح دلیل ہے۔

اگر ایسے روشن دلائل کے بعد بھی یہ بد بخت آپ کی نبوت و رسالت کو نہ مانیں تو آپ

بھی ان کی ایذا اور تکلیف دہ باتوں پر اسی طرح صبر سے کلام لیں جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے صبر کیا تھا۔ آخر کار پرہیزگار ہی کامیاب ہوتے ہیں۔

حضرت ہودؑ کا واقعہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت ہودؑ کو قوم عاد میں مبعوث فرمایا جو اپنے ڈیل ڈول اور قوت و شجاعت کے اعتبار سے پوری دنیا میں ممتاز تھی۔ ان کے شہر نہایت سرسبز و شاداب تھے۔ کھیتی، باغوں اور مویشی کی کثرت تھی۔ پھر جب انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کی دعوت کو ٹھکرایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو قحط میں مبتلا کر دیا اور تین سال تک ان پر بارش نہ ہوئی۔ حضرت ہود علیہ السلام اسی قوم کے فرد تھے۔ یہ لوگ شرک و بت پرستی میں مبتلا اور دولت و ثروت کی کثرت کے سبب نہایت مغرور اور خود سر تھے اور انبیاء اور ان کی اتباع کرنے والوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے۔

حضرت ہودؑ کی نصیحت

۵۲،۵۰ وَالْإِلٰهَ غَيْرُهُمْ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝ يٰقَوْمِ لَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۖ اِنْ اَجْرِيْ اِلَّا عَلٰی الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۚ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَيُقُوْمِ اسْتَغْفِرْ وَاَرْبُكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلٰیكُمْ مِدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰی قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ۝

اور ہم نے (قوم) عاد کی طرف ان کے بھائی حود کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تم تو محض افتراء کرنے والے ہو۔ اے میری قوم! میں اس پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو اسی کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔ پھر کیا تم (یہ) نہیں سمجھتے۔ اے میری قوم! تم اپنے رب سے معافی مانگو۔ پھر اسی کی طرف رجوع کرو۔ وہ

تم پر خوب بارشیں برسائے گا اور (ایمان و عمل کی برکت سے) تمہیں قوت دے کر تمہاری موجودہ قوت کو بڑھادے گا اور تم نافرمان ہو کر روگردانی نہ کرو۔

فَطْرَنِي: اس نے مجھے پیدا کیا۔ فطر سے ماضی۔

مَذْرَارًا: بہت برسنے والا۔ دُرّ سے مبالغہ۔

تَشْرِيح: حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تم نے محض اپنے گناہ سے بتوں کو اپنا معبود اور اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے۔ میں تم سے اس نصیحت کا کوئی بدلہ اور معاوضہ نہیں چاہتا۔ میرا اجر و ثواب تو اس اللہ کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ وہی مجھے دنیا میں روزی دیتا ہے اور وہی مجھے آخرت میں ثواب دے گا۔ کیا تمہیں اتنی بھی عقل نہیں کہ تم جھوٹ و سچ اور حق و باطل میں فرق کر سکو۔

اے میری قوم! میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم کفر و معصیت کو ترک کر کے توبہ و استغفار میں لگ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے سابقہ گناہوں کی معافی طلب کرو اور آئندہ کے لئے گناہوں سے رک جاؤ۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ تم پر بارش نازل کرے گا، تمہارے کھیتوں کو پھر سے سرسبز و شاداب کر دے گا اور تمہاری موجودہ قوت میں اضافہ کر دے گا۔ سو تم مجرم و ہٹ دھرم بن کر اللہ کے پیغام سے انحراف نہ کرو۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص استغفار کو لازم پکڑ لے، اللہ تعالیٰ اسے ہر مشکل سے نہات دیتا ہے، ہر تنگی سے کشادگی عطا فرماتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے روزی پہنچاتا ہے جو خود اس کے بھی خواب و خیال میں نہیں ہوتی۔

(ابن کثیر ۲/۲۴۹، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۶۰/۳)

قوم کا جواب

۵۳۔ **قَالُوا يَهُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ۝ اِنْ نَقُولُ اِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ**

وہ کہنے لگے اے ہود! تو نے ہمارے سامنے کوئی دلیل (معجزہ) پیش نہیں کی
(لہذا) ہم تمہارے کہنے سے اپنے معبودوں (کی عبادت) کو ترک کرنے والے
نہیں اور نہ ہم تجھ پر ایمان لائیں گے۔ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے معبودوں
میں سے کسی نے تمہیں کسی خرابی میں مبتلا کر دیا ہے۔

تشریح: حضرت ہود علیہ السلام کی قوم ان کی نصیحت کے جواب میں کہنے لگی کہ آپ جس چیز
کی طرف ہمیں بلارہے ہیں اس کی کوئی روشن دلیل تو ہمارے پاس لائے نہیں۔ اس لئے نہ تو ہم
آپ کو سہما لیتے ہیں اور نہ آپ کے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑیں گے اور نہ آپ پر ایمان لائیں
گے بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ چونکہ آپ ہمارے معبودوں کو عیب لگاتے ہیں اور ہمیں ان کی
عبادت سے روکتے ہیں، اس لئے آپ پر ان میں سے کسی کی مار پڑی ہے اور اس نے آپ کو کسی
دماغی خرابی میں مبتلا کر دیا ہے جس کی وجہ سے آپ بہکی بہکی باتیں کرنے لگے ہیں اور آپ کا یہ بہکی
بہکی باتیں کرنا ہمارے بتوں کو عیب لگانے کی سزا ہے۔

حضرت ہود کی پیغمبرانہ حرات

۵۷، ۵۴۔ قَالَ اِنِّیْ اَشْهَدُ اللّٰہَ وَاَشْهَدُ وَاِنِّیْ بِرَبِّیْٓ ؕ مِمَّا تُشْرِکُوْنَ
مِنْ دُوْنِہٖ فَاَکِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنَ ۝ اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ
عَلٰی اللّٰہِ رَبِّیْ وَرَبِّکُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا ہُوَ اَخْذُبْنَا صَبْتَهَا
اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ مَا
اُرْسِلْتُ بِہٖ اِلَیْکُمْ ؕ وَیَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ۚ وَلَا
تُضْرُوْۤنَہٗ شَیْنًا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ۝

(حضرت ہود نے) کہا کہ میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہنا کہ میں ان
چیزوں سے بیزار ہوں جن کو تم اس کے سوا شریک ٹھہراتے ہو۔ سو تم سب مل
کر میرے ساتھ (ہر طرح کی) تدبیر کر لو اور مجھے ذرا مہلت نہ دو۔ میں نے تو اللہ
پر بھروسہ کر لیا ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ کوئی بھی زمین پر چلنے
والا ایسا نہیں جس کی چوٹی اس نے نہ پکڑ رکھی ہو۔ بے شک میرا رب ہی

سیدھی راہ پر ہے۔ پھر اگر تم نے نہ مانا تو جو پیغام دے کر مجھے بھیجا گیا ہے وہ تو میں نے پہنچا دیا اور میرا رب دوسری قوم کو تمہارا قائم مقام کر دے گا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ بیشک میرا رب ہر چیز کا نگہبان ہے۔

دَابَّةٌ: چلنے والا۔ چوپایہ۔ دُبٌّ وَدَوَابٌّ سے اسم فاعل۔

أَخَذَ: اخذ کرنے والا۔ پکڑنے والا۔ أَخَذَ سے اسم فاعل۔

نَاصِيَتَهَا: اس کی پیشانی کے بال۔ اس کی چوٹی۔ جمع نَوَاصِيْ۔

تَشْرِيح: قوم کی گفتگو سن کر حضرت ہوڈ نے کہا کہ اگر تم میری بات نہیں ملتے تو سنو! میں نہ

صرف تمہیں بلکہ اللہ کو بھی گواہ بنا کر اعلان کرتا ہوں کہ میں اللہ کے سوا تمہارے سب معبودوں سے بیزار ہوں۔ اب تم اور تمہارے سب معبود مل کر میرے خلاف جو کچھ کر سکتے ہو کر گزرو اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو۔ میں یہ بات اس لئے کہہ رہا ہوں کہ میں نے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر رکھا ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ اس کی منشا کے بغیر کوئی بھی مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتا دنیا بھر کے جاندار اس کے قبضہ، قدرت اور اس کی ملکیت میں ہیں۔ کوئی نہیں جو اس کے حکم سے باہر اور اس کی بادشاہت سے الگ ہو۔ بندوں کی چوٹیاں اس کے ہاتھ میں ہیں۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے حکم اور مشیت کے بغیر کسی کو ذرہ برابر نقصان یا تکلیف پہنچا سکے۔ ماں، باپ اپنی اولاد پر جس قدر مہربان ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ وہ کرم ہے۔ اس کے کرم کی کوئی حد نہیں اسی لئے بعض لوگ بہک جاتے ہیں اور غافل ہو جاتے ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اسی کو ملتا ہے اور اسی کی مدد کرتا ہے جو صراطِ مستقیم پر چلتا ہے۔

پھر فرمایا کہ اگر تم اسی طرح حق سے برگشتہ رہے تو کچھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے جو پیغام دے کر مجھے تمہارے پاس بھیجا تھا وہ تو میں تمہیں پہنچا چکا ہوں۔ اگر تم اب بھی منہ موڑتے ہو تو اس کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہو گا کہ تم پر اللہ کا قہر اور غضب آجائے اور تم نیست و نابود ہو جاؤ اور میرا رب تمہاری جگہ کسی اور قوم کو اس زمین پر آباد کر دے۔ اس معاملے میں تم اپنا ہی نقصان کر رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان نہیں۔ یقیناً میرا رب ہر چیز کا نگہبان ہے۔ وہ تمہارے ہر کام اور ہر خیال سے باخبر ہے۔ (ابن کثیر ۴/۳۵۰، ۳۴۹)

قوم عاد پر عذاب کا آنا

۵۸۔ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا ۖ وَنَجَّيْنَاهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ۝

اور جب ہمارا حکم (عذاب) آگیا تو ہم نے (حضرت) ہود اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے بچالیا اور ان کو ایک بھاری عذاب سے نہات دی۔

تشریح: قوم عاد کے لوگ جب کسی طرح بھی اپنی کج روی اور ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب نے ان کو آلیا۔ خیر و برکت سے خالی اور عذاب و سزا سے بھری ہوئی آندھیاں ان پر چلنے لگیں۔ عذاب کی یہ آندھی متواتر آٹھ دن اور سات رات تک چلتی رہی، جس سے قوم عاد کے لوگوں کے اعضائے جسمانی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام اور ان لوگوں کو جو حضرت ہود پر ایمان لائے تھے، محض اپنے لطف و کرم اور فضل و رحمت سے اس خوفناک آندھی کے عذاب سے محفوظ رکھا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ عذاب دنیوی ہو یا عذاب اخروی، ایمان کے بغیر اس سے نہات نہیں ملتی۔ (تفسیر عثمانی ۶۴۴ / ۱)

اہل عرب کو خطاب

۶۰، ۵۹۔ وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ۝ وَاتَّبَعُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ أَلَا إِنَّ عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۖ أَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُودٍ ۝

اور یہ تھی (قوم) عاد جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر ایک سرکش و ظالم کے کہنے پر چلتے رہے۔ دنیا میں لعنت ان کے ساتھ رہی اور آخرت میں بھی۔ سن لو! (قوم) عاد نے اپنے رب کا انکار کیا۔ خوب سن لو! (دونوں جہان میں) رحمت سے دور ہو گئی (قوم) عاد جو (حضرت) ہود کی قوم تھی۔

جَحَدُوا: انہوں نے انکار کیا۔ تَجَوَّدَ سے ماضی۔

عَنِيد: عناد رکھنے والا۔ مخالف۔ تَجَوَّدَ سے صفت شبہ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کا واقعہ بیان کرنے کے بعد اہل عرب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

یہ تھی قوم عاد جس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا، اس کے رسولوں کو جھٹلایا اور ہر سرکش و عناد رکھنے والے سردار کے حکم کی پیروی کی۔ ان کے اجڑے ہوئے مکانات اور ان کی بربادی کے نشانات و کھنڈرات تمہارے سامنے ہیں۔ ہر پیغمبر توحید کی دعوت دیتا ہے اور اپنے سے پہلے گزرے ہوئے پیغمبروں کی تصدیق کرتا ہے، اس لئے ایک پیغمبر کا انکار تمام پیغمبروں کا انکار ہے اور ایک کی نافرمانی سب کی نافرمانی ہے۔ قوم عاد نے حضرت ہود علیہ السلام کی رسالت کا انکار کیا تو گویا انہوں نے تمام پیغمبروں کا انکار کیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر و شرک اور ضد و عناد کی بنا پر ان کو دنیا میں بھی ملعون کر دیا اور قیامت کے روز بھی میدانِ حشر میں سب کے سامنے ان پر اللہ کی لعنت ہوگی اور پکار کر کہا جائے گا کہ آگاہ ہو جاؤ! بلاشبہ قوم عاد کے لوگ اپنے رب کے منکر ہیں۔ خوب سن لو! قوم عاد پر اللہ کی طرف سے ہلاکت و بربادی ہے جو حضرت ہود کی قوم تھی۔ سوائے اہل عرب تم قوم عاد کے حال سے عبرت پکڑو۔ (ابن کثیر ۲/۴۵، مظہری ۵/۹۶، ۹۵)

حضرت صالحؑ کا واقعہ

۶۱۔ وَالْاِیُّ ثَمُوْدَ اٰخَاهُمْ صٰلِحًا مَّقَالَ یَقُوْمُ اَعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِہٖ ۙ هُوَ اَنْشَاَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَغْمَرَکُمْ فِیْہَا فَاسْتَغْفِرُوْا لَہُمْ تَوْبُوْا اِلَیْہِ ۚ اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ ۝

اور ہم نے (قوم) ثمود کی طرف ان کے بھائی (حضرت) صالحؑ کو بھیجا۔ انہوں نے کہا کہ اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اسی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور تمہیں اس میں آباد کیا سو تم اسی سے مغفرت طلب کرو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ بیشک میرا رب قریب ہے اور (دعا) قبول کرنے والا ہے۔

اَنشَاکُمْ: اس نے تمہیں پیدا کیا۔ اس نے تمہاری پرورش کی۔ اِنشَاء سے ماضی۔
اَسْتَعْمَرَکُمْ: اس نے تمہیں آباد کیا۔ اس نے تمہیں بسایا اِسْتَعْمَار سے ماضی۔
نُفِثَ: حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کے درمیان سو برس کا فاصلہ ہے۔
 حضرت ہود کی امت کو عادِ اولیٰ کہتے ہیں اور حضرت صالح کی امت کو جس کا نام مِثُود ہے عادِ ثانیہ کہتے ہیں۔ قومِ مِثُود کے لوگ حجر میں رہا کرتے تھے جو شام اور مدینہ کے درمیان ہے۔
 حضرت صالح قومِ مِثُود کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ انہوں نے بھی اپنی قوم کو سب سے پہلے توحید کی دعوت دی۔ قوم نے حسبِ عادت ان کو جھٹلایا اور کہا کہ ہم تو آپ کو اس وقت نبی مانیں گے جب ہمارے سامنے اس پہاڑی چٹان سے ایک ایسی اونٹنی نکل آئے جس میں فلاں فلاں صفات ہوں۔ حضرت صالح نے اپنی قوم کو اس بات سے ڈرایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارا مطلوبہ معجزہ ظاہر فرما دیا اور تم پھر بھی ایمان نہ لائے تو تم پر اللہ کا عذاب آجائے گا اور تم سب ہلاک و برباد ہو جاؤ گے۔ مگر وہ لوگ اپنی ضد سے باز نہ آئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ان کا مطلوبہ معجزہ ظاہر فرما دیا اور پہاڑی چٹان میں سے ان کے بتائے ہوئے اوصاف کی اونٹنی برآمد ہو گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اس اونٹنی کو کوئی تکلیف نہ پہنچائیں، ورنہ ان پر عذاب آجائے گا۔ مگر انہوں نے اللہ کے حکم کو پس پشت ڈالتے ہوئے اونٹنی کو ہلاک کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب بھیج کر ان کو ہلاک کر دیا۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۶۴۳/۳)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے قومِ مِثُود کی طرف ان کے بھائی حضرت صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ حضرت صالح نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم صرف ایک اللہ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی خالق و مالک اور منعم و معبود نہیں۔ اسی نے تمہیں حضرت آدم کی نسل سے پیدا کیا اور حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور تمہیں زمین میں آباد کیا۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے تمہاری عمریں دراز کیں۔ قومِ مِثُود کی عمریں ۳۰۰ سے ۱۰۰۰ برس تک ہوتی تھیں۔

پھر فرمایا کہ تم اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرو اور ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ کیونکہ تم نے جہالت کی بنا پر خالق کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کی۔ بلاشبہ میرا رب توبہ و استغفار کرنے والوں کے قریب ہے اور ان کی توبہ و استغفار کو جلد قبول کرتا ہے۔

(مواہب الرحمن ۵۲، ۵۳/۱۲)

حضرت صالحؑ اور قوم کے درمیان گفتگو

۶۳، ۶۲ قَالُوا يَصْلِحْ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَذَا أَتَنْهَانَا أَنْ نَعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ۝ قَالَ يَقَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّي وَآتَنِي مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَنْصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ عَصَيْتُهُ - فَمَا تَزِيدُونَنِي غَيْرَ تَخْسِيرٍ ۝

وہ کہنے لگے اے صالح! اس سے پہلے تو ہمیں تجھ سے بڑی امیدیں تھیں۔ کیا تم ہمیں ان معبودوں کے پوجنے سے منع کرتے ہو جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے اور جس (دین) کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس کی طرف سے تو ہم بڑے شبہ میں ہیں۔ (حضرت) صالح نے کہا۔ اے میری قوم! بھلا دیکھو تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے کھلی دلیل رکھتا ہوں اور اس نے مجھے اپنی رحمت (نبوت) بھی عطا فرمادی ہو، پھر بھی اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو مجھے اس (کے عذاب) سے کون بچائے گا۔ تم مجھے نقصان کے سوا اور کیا دے سکو گے۔

مَرْجُوًّا: امید کیا ہوا۔ رَجَاءٌ سے اسم مفعول۔

مُرِيبٌ: شک میں ڈالنے والا۔ اِرَابَةٌ سے اسم فاعل۔

تَشْرِيحٌ: حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا کہ جب تک آپ نے نبوت کا دعویٰ

نہیں کیا تھا اور ہمیں توحید کی دعوت اور بت پرستی سے منع نہیں کیا تھا اس وقت تک ہمیں آپ کی نیکی اور سچائی کی وجہ سے آپ سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔ ہمارا خیال تھا کہ دنیا حاصل کرنے میں آپ ہمارے لئے بڑے مددگار اور رہنما ثابت ہوں گے، کیونکہ اعلانِ نبوت سے پہلے حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم کے ضعیفوں کی خبر گیری کرتے تھے اور ضرورت مندوں کی حاجتیں پوری کرتے تھے۔ مگر آپ کی ان باتوں نے ہماری سب امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ آپ ہمیں باپ، دادا کے طریقہ عبادت سے روکتے ہیں، ہمارے بتوں کی مذمت کرتے ہیں اور صرف اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کا حکم دیتے ہیں۔ ہم تو آپ کے اعلانِ توحید سے اس دین کے بارے میں شک و شبہ میں پڑ گئے جس کی طرف آپ ہمیں بلارہے ہیں۔

حضرت صالحؑ نے جواب دیا کہ اے میری قوم! میرے پاس میرے رب کی واضح دلیل اور نشانی ہے اور اس نے مجھے اپنی نبوت سے سرفراز فرمایا ہے۔ مجھے اپنی سچائی پر دلی اطمینان ہے۔ اگر میں اللہ کا پیغام اس کی مخلوق کو نہ پہنچاؤں، ان کو شرک سے منع نہ کروں اور تمہارے کہنے پر اس کی نافرمانی میں تمہارا ساتھ دوں تو مجھے عذاب الہی سے کون بچائے گا۔ میرا ایمان و یقین ہے کہ مخلوق میرے ذرا بھی کلم نہیں آسکتی۔ تم مجھے نافرمانی کا مشورہ دے کر محض میرا نقصان اور خسارہ ہی بڑھا سکتے ہو۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تمہاری تکذیب سے مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ تم بہت نقصان اٹھاؤ گے اور بڑے خسارے میں رہو گے۔

(مواہب الرحمن ۵۲، ۵۳ / ۱۲، روح المعانی ۸۹، ۹۰ / ۱۲)

اونٹنی کا معجزہ

۶۵، ۶۴ وَيَقَوْمِ هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةٌ فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أََرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمْسُوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ ۝ فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مَا ذَلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ ۝

اور اے میری قوم! یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے ایک نشانی ہے۔ سو تم اس کو چھوڑ دو کہ یہ اللہ کی زمین پر کھاتی پھرے اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ بھی نہ لگانا ورنہ تم فوراً عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ پھر انہوں نے اس کی کونچیں (پاؤں) کاٹ ڈالیں۔ تب (حضرت) صالحؑ نے کہا کہ (اچھا) اپنے گھروں میں تین دن اور فائدہ اٹھا لو۔ یہ (ایسا) وعدہ ہے جو جھوٹا نہ ہو گا۔

نَاقَةُ: اونٹنی۔ جمع نَوَاقٍ

فَذَرُوهَا: سو تم اس کو چھوڑ دو۔ وَزَّرُوهَا: امر۔

فَعَقَرُوهَا: سو انہوں نے اس (اونٹنی) کے پاؤں کاٹ دیئے۔ عَقَرْتُ ماضی۔

تشریح: مذکورہ بالا بحث و مباحثہ کے بعد حضرت صالحؑ کی قوم نے ان سے نبوت و رسالت

کے ثبوت میں معجزہ طلب کیا کہ اگر آپ اپنے نبوت کے دعوے میں سچے ہیں تو اس پتھر سے اونٹنی

نکال کر دکھائیں۔ حضرت صالح نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ پھر اللہ کے حکم سے پتھر سے اوٹنی پیدا ہو گئی۔ اس واقعہ کی تفصیل سورہ اعراف میں گزر چکی ہے۔

پتھر سے صحیح و سالم اوٹنی نکلنے کے بعد حضرت صالح نے نصیحت کے طور پر قوم سے فرمایا کہ یہ اللہ کی اوٹنی ہے جو دفعاً پتھر سے نمودار ہوئی ہے اور بے حساب دودھ دیتی ہے۔ یہ اللہ کی قدرت اور میری نبوت و رسالت کی نشانی ہے کہ تمہاری فرمائش کے مطابق میری صداقت ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کسی ظاہری سبب کے بغیر ایک دم پتھر سے نکلی ہے۔ یہی اوٹنی آگے چل کر تمہاری ہلاکت اور عذاب کا پیش خیمہ بنے گی۔

پس تم اس کو کھلا چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں جہاں چاہے چرتی پھرے۔ اسی طرح پانی کے بارے میں اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو کہ جتنا چاہے پئے۔ تم اس میں رکاوٹ نہ بنو کیونکہ اللہ کی اوٹنی کا حق سب پر مقدم ہے۔ یہ اوٹنی اس قدر فریہ اور دراز تھی کہ دوسرے جانور اس کو دیکھ کر بھاگ جاتے تھے۔ اے میری قوم کے لوگو! تم اس کو بری نیت سے ہاتھ بھی نہ لگانا ورنہ تم عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے اور تمہیں مہلت بھی نہ ملے گی۔

حضرت صالح کی قوم نے ان کی نصیحت کے باوجود اوٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے۔ یہ دیکھ کر حضرت صالح نے اپنی قوم سے کہا کہ اچھا اب تم لوگ تین دن اپنے گھروں میں اور گزار لو، اس کے بعد تم پر اللہ کا عذاب آجائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا وعدہ ہے کہ اس میں جھوٹ کا شائبہ تک نہیں۔ تین دن کے بعد تم غارت ہو جاؤ گے۔ چنانچہ بدھ کے روز جو تین روزہ مہلت میں سے پہلا دن تھا، ان کے چہرے زرد ہو گئے، پھر جمعرات کے روز سرخ اور جمعہ کو سیاہ ہو گئے اور ہفتہ کے دن ان پر عذاب نازل ہوا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۶۵، ۵۶۶ / ۳)

قوم صالح پر عذاب

۶۸، ۶۹ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا ضَلِحًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ
مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ۝
وَأَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّخَّةَ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ

جُتِمِینَ ۝ کَانَ لَمْ یَغْنُوا فِیْهَا ۚ اِلَّا اِنَّ تَعْمُوْدًا کَفَرُوْا رَبُّهُمْ ۚ
اَلْاَبْعَدُ اِلِ تَعْمُوْدَہٗ

پھر جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے (حضرت) صالح اور ان کے ساتھیوں کو تو اپنی رحمت سے بچا لیا اور ان کو اس دن کی رسوائی سے نہات دی۔ بیشک آپ کا رب ہی قوت (اور) غلبہ والا ہے اور ان ظالموں کو ایک ہولناک آواز نے آیا سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ گویا کہ وہ کبھی وہاں آباد ہی نہ ہوئے تھے، دیکھو! (قوم) تمود نے اپنے رب کا انکار کیا۔ دیکھو! (قوم) تمود پر پھٹکار ہوئی۔

تشریح: پھر جب مہلت کا وقت گزرنے کے بعد ہمارے عذاب نے ان کو آیا تو اس وقت ہم نے حضرت صالح علیہ السلام اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے، محض اپنے فضل و مہربانی سے اس عذاب سے بچا لیا اور اس دن کی رسوائی اور ہلاکت سے محفوظ رکھا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نہایت قوت اور غلبہ والا ہے۔ وہ جسے چاہے ہلاک و برباد کر دے اور جسے چاہے محفوظ و مامون کر دے۔ یہ ظالم لوگ سب کے سب ایک چنگھاڑ سے ہی اپنے گھروں میں ایسے اوندھے پڑے رہ گئے گویا کہ وہ ان گھروں میں رہتے ہی نہ تھے۔ خوب سن لو! یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ انہوں نے اپنے پروردگار کا کفر کیا۔ خوب سن لو! ان کے کفر کے سبب ان کو اللہ کی رحمت سے دور بھینک دیا گیا اور وہ ایسے ہلاک و برباد ہوئے کہ ان کا نام و نشان بھی نہ رہا۔

یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت صالح کی قوم ایک سخت آواز کے ذریعہ ہلاک کی گئی۔ لیکن سورہ اعراف میں یہ آیا ہے کہ ان کو زلزلے نے آپکڑا۔ قرطبی نے اس بارے میں فرمایا کہ اس میں کوئی تضاد نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ پہلے زلزلہ آیا ہو، پھر سخت آواز سے سب ہلاک کر دیئے گئے ہوں۔ علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ شاید نیچے سے زلزلہ اور اوپر سے ہولناک آواز آئی ہو۔

(روح المعانی ۹۰، ۹۳ / ۱۲، عثمانی ۱ / ۴)

حضرت ابراہیمؑ کے مہمان

۶۹۔ ۷۰۔ وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا اِبْرٰہِیْمَ بِالْبُشْرٰی قَالُوْا سَلٰمًا قَالٰ

سَلَّمَ فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ ۝ فَلَمَّا رَأَوْهُمُ
لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۖ قَالُوا لَا تَخَفْ
إِنَّا نُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ ۝

اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے (حضرت) ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے۔
انہوں نے سلام کیا۔ (حضرت) ابراہیم نے بھی سلام کیا۔ پھر دیر نہ کی کہ
(حضرت) ابراہیم (کھانے کے لئے) ایک بھنا ہوا بکھڑا لے آئے۔ پھر جب
(حضرت) ابراہیم نے دیکھا کہ ان (فرشتوں) کے ہاتھ کھانے پر نہیں پہنچتے تو
وہ ان کو اجنبی سمجھے اور ان سے ڈرے۔ وہ کہنے لگے کہ ڈرو نہیں، ہم قوم لوط کی
طرف بھیجے گئے ہیں۔

عِجْلٍ: بکھڑا۔ گائے کا بچہ۔ جمع عجول۔

حَنِيذٍ: بھنا ہوا۔ تلا ہوا۔ تَنَذُّ سے صفت شبہ بمعنی مفعول۔

لَبِثَ: وہ رہا۔ وہ ٹھہرا۔ لَبِثَ سے ماضی۔

نَكِرَ: وہ انجان ہوا۔ اس نے ان کو نہیں پہچانا۔ نَكَرَ سے ماضی۔

أَوْجَسَ: اس نے دل میں محسوس کیا۔ وہ جی میں گھبرایا۔ اَوْجَسَ سے ماضی۔

تَشْرِيحَ: یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چند فرشتوں کو

اولاد کی بشارت دینے کے لئے حضرت ابراہیم کے پاس بھیجا، جو انسانی شکل میں تھے۔ حضرت
ابراہیم نے انہیں انسان سمجھ کر ان کی مہمان نوازی شروع کر دی اور نہایت فریبہ بکھڑے کا بھونا
ہوا گوشت لا کر ان کے سامنے رکھا۔ مگر وہ چونکہ فرشتے تھے اور کھانے پینے سے پاک اس لئے انہوں
نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔ اس زمانے کے دستور کے موافق جو مہمان کھانے سے انکار
کرتا اس کے بارے میں خیال کیا جاتا تھا کہ وہ کسی اچھے خیال سے نہیں آیا۔ جب انہوں نے کھانے
کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ یہ مہمان نہیں معلوم
ہوتے، ممکن ہے کسی فساد کی نیت سے آئے ہوں۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ ڈرنے کی کوئی بات
نہیں، ہم تو فرشتے ہیں جو قوم لوط کو تباہ کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔

طبری نے نقل کیا ہے کہ فرشتوں نے یہ کہہ کر کھانے سے انکار کیا تھا کہ ہم مفت کا کھانا
نہیں کھاتے۔ اگر آپ قیمت لے لیں تو ہم کھانا کھالیں گے۔ حضرت ابراہیم نے جواب میں فرمایا

کہ ہاں اس کھانے کی ایک قیمت ہے وہ ادا کر دو۔ وہ قیمت یہ ہے کہ شروع میں اللہ کا نام لو اور آخر میں اس کی حمد کرو۔ حضرت جبرائیل نے یہ سن کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو خلیل بنایا ہے یہ اسی کے مستحق ہیں۔

(عثمانی ۶۳۶، ۶۳۷، ۱ / ۶۳۷، معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۶۳۶ / ۳)

حضرت سارہ کو بشارت

۳۷، ۴۱۔ وَامْرَأَتُهُ قَانِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَقَ وَمِنْ وَرَاءِ
إِسْحَقَ يَعْقُوبُ ۝ قَالَتْ يُوْثِلَتِي عَالِدٌ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَذَا
بِعَلِي شَيْخًا إِنْ هَذَا الشَّيْءُ عَجِيبٌ ۝ قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ
أَمْرِ اللَّهِ رَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلُ الْبَيْتِ إِنَّهُ
حَمِيدٌ مَّجِيدٌ ۝

اور (حضرت) ابراہیم کی بیوی (حضرت سارہ کہیں) کھڑی ہوئی (یہ گفتگو سن رہی تھیں) تب وہ (خوشی میں آکر) ہنس پڑیں۔ پھر ہم نے ان کو (حضرت) اسحاق اور ان کے بعد (حضرت) یعقوب کے (پیدا ہونے کی) بشارت دی۔ (حضرت) سارہ کہنے لگیں کہ ہائے خرابی ہو۔ کیا میں بڑھیا ہو کر بچہ جنوں گی اور یہ میرا خاندان بھی بوڑھا ہے۔ یہ تو ایک عجیب بات ہے۔ فرشتوں نے (حضرت سارہ سے) کہا کہ کیا تم اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہو۔ اے ابراہیم کے گھر والو! تم پر اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہیں۔ بیشک وہ حمد کے قابل (اور) بڑی شان والا ہے۔

ضَحِكَتْ: وہ ہنسی۔ ضَحِكٌ سے ماضی۔

وَرَاءِ: پس پشت۔ پیٹھ پیچھے۔

يُوْثِلَتِي: ہائے میری شامت۔ ہائے خرابی ہو۔

عَجُوزٌ: بوڑھی عورت۔ جمع عجائز۔

بِعَلِي: میرا خاندان۔ میرا شوہر۔

تشریح: حضرت سارہ وہاں کھڑی ہوئی فرشتوں کی گفتگو سن رہی تھیں۔ بڑھاپے میں اولاد کی خوش خبری سن کر ہنس پڑیں اور کہنے لگیں کہ کیا میں اس بڑھاپے میں اولاد جنوں گی اور میرے یہ شوہر بھی بوڑھے ہیں۔ یہ تو بہت ہی اچھے کی بات ہے۔ حضرت سارہ کی عمر بقول ابن اسحاق ۹۰ سال اور بقول مجاہد ۹۹ سال تھی جبکہ حضرت ابراہیم کی عمر بقول ابن اسحاق ۱۲۰ سال اور بقول مجاہد ۱۰۰ سال تھی اور بشارت کے ایک سال بعد لڑکا پیدا ہوا۔ یہ بشارت حضرت سارہ کو شاید اسی لئے سنائی گئی کہ حضرت ابراہیم کی پہلی بیوی حضرت ہاجرہ کے بطن سے ایک بیٹا حضرت اسمعیل علیہ السلام پہلے ہی موجود تھا۔ حضرت سارہ کو بھی بیٹے کی تمنا تھی مگر وہ بوڑھی ہو کر مایوس ہو چکی تھیں۔ فرشتوں نے کہا کہ جس گھرانے پر اللہ کی اس قدر رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی رہی ہوں اور جنہیں ہمیشہ معجزات و خوارق دیکھنے کا اتفاق ہوتا رہا ہو انہیں اللہ کی قدرت پر تعجب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ جب کسی چیز کا ارادہ کر لیتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا۔ پس وہ چیز ہو جاتی ہے بلاشبہ وہ نہایت قابل ستائش اور بڑی شان والا ہے۔

(عثمانی، ۶۴، ۱، معارف القرآن از مفتی محمد شفیع، ۶۴۶، ۶۴۸، ۴)

حضرت ابراہیمؑ کا فرشتوں سے مکالمہ

۶۴، ۶۵، فَلَمَّا ذَمَّ عَنْ ابْنِ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعَ وَجَاءَهُ الْبُشْرَى يُجَادِلُنَا
فِي قَوْمِ لُوطٍ ۝ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُنِيبٌ ۝ يَا إِبْرَاهِيمُ
أَعْرِضْ عَنْ هَذَا ۖ إِنَّهُ قَدْ جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ ۖ وَإِنَّهُمْ لَأَبْنَاءُ
عَذَابٍ غَيْرِ مُرْدُوذٍ ۝

پھر جب (حضرت) ابراہیم کے دل سے خوف دور ہو گیا اور ان کے پاس (بیٹا ہونے کی) بشارت آچکی تو وہ ہم سے قوم لوط کے معاملے میں جھگڑنے لگے۔ بیشک (حضرت) ابراہیم بڑے حلیم، رحم دل اور ہر حال میں ہماری طرف رجوع کرنے والے تھے۔ (فرشتوں نے کہا) اے ابراہیم اس بات کو چھوڑو (کیونکہ) آپ کے رب کا حکم آچکا ہے اور اب تو ان پر عذاب آکر ہی رہے گا۔ اب وہ ٹلنے والا نہیں۔

الرُّوعُ: ڈر - خوف - مصدر ہے۔
 يُجَادِلُنَا: وہ ہم سے جھگڑا کرتا ہے۔ مُجَادِلَةٌ سے مضارع۔
 أَوَّاهٌ: بہت آہ کرنے والا۔ درد مند۔ رحم دل۔ اَوَّاهٌ سے مبالغہ۔
 مُنِيبٌ: رجوع کرنے والا۔ گزرا نے والا۔ اِنَابَةٌ سے اسم فاعل۔
 تَشْرِيحٌ: جب حضرت ابراہیمؑ کے دل سے وہ خوف جاتا رہا جو مہمانوں کے کسانانہ کھانے سے طاری تھا اور ان کو مہمانوں کے بارے میں معلوم ہو گیا کہ وہ فرشتے ہیں اور خوف کی جگہ حضرت اسحاق و یعقوب کی پیدائش کی بشارت نے لے لی تو حضرت ابراہیمؑ ہمارے قاصدوں سے قوم لوط کے بارے میں بحث مباحثہ کرنے لگے۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرشتوں سے کہا کہ اگر (حضرت) لوط کی بستیوں میں پچاس مومن ہوں گے تو کیا تم ان کو ہلاک کر دو گے؟ فرشتوں نے جواب دیا کہ نہیں پھر فرمایا کہ اگر چالیس مومن ہوں؟ فرشتوں نے کہا کہ نہیں۔ اگر تیس ہوں، فرشتوں نے کہا نہیں۔ اسی طرح آپ پانچ تک پہنچے اور فرشتے نہیں کہتے رہے۔ آخر آپ نے فرمایا کہ اگر وہاں ایک مسلمان ہو گا تو کیا تم اس کو ہلاک کر دو گے۔ فرشتوں نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا وہاں (حضرت) لوط موجود ہیں (اس لئے ان بستیوں کو ہلاک نہ کرو)۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ وہاں کون کون (مومن) موجود ہے۔ (حضرت) لوط کو اور ان کی بیوی کے سوا ان کے دیگر گھر والوں کو بچالیں گے۔ ان کی بیوی پیچھے رہ جانے والوں (اور ہلاک ہو جانے والوں میں) شامل ہوگی۔

حضرت ابراہیمؑ نے قوم لوط کو ہلاک نہ کرنے کے متعلق فرشتوں سے جو بحث و مباحثہ کیا تھا۔ اس کی وجہ آپ کی فطری شفقت، نرم خوئی اور رحم دلی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ اس قوم پر ترس کھا کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں کچھ سفارش کرنا چاہتے تھے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ اس خیال کو چھوڑ دیجئے۔ آپ کے رب کی طرف سے قضاءِ ازیلی کے موافق قوم لوط پر عذاب نازل ہونے کا حکم ہو چکا ہے۔ اب عذاب آکر رہے گا جو کسی سفارش یا دعا وغیرہ سے نہیں ٹل سکتا۔ (عثمانی ۶۳۸/۱، مظہری ۳۹، ۴۰/۵)

قومِ لوط کی بے حیائی

۸،۷۷، وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سَيِّئًا بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا
وَقَالَ هَذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ۝ وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهَرَّعُونَ إِلَيْهِ
وَمِنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ ۚ قَالَ يَتَقَوْمٌ مُّؤَلَّاءُ بَنَاتِي
مَنْ أَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزَوْنِ فِي ضَيْفِي ۚ أَلَيْسَ
مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيدٌ ۝

اور جب ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے حضرت) لوط کے پاس آئے تو وہ ان کے
آنے سے رنجیدہ اور تنگدل ہوئے اور کہنے لگے کہ آج تو بڑی مصیبت کا دن ہے
اور ان کی قوم ان کے پاس دوڑی ہوئی آئی اور یہ لوگ پہلے ہی سے برے کام کیا
کرتے تھے۔ (حضرت) لوط نے کہا اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں (موجود) ہیں
وہ تمہارے لئے پاکیزہ ہیں (ان سے نکاح کر لو) پس اللہ سے ڈرو اور میرے
مہمانوں کے معاملے میں مجھے رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھی بھلا آدمی نہیں۔

سَيِّئًا: وہ ننگین ہوا۔ وہ ناخوش ہوا۔ سُود سے ماضی بھول۔

ضَاق: وہ تنگ دل ہوا۔ ضِيقٌ وَضِيقٌ سے ماضی۔

ذَرْعًا: دل۔ طاقت۔ مصدر ہے۔

عَصِيبٌ: کشن۔ سخت۔ بھاری۔ عَصَبٌ سے صفت شبہ بمعنی مفعول۔

يُهَرَّعُونَ: وہ بے تحاشا دوڑائے جاتے ہیں۔ اِهْرَاعٌ سے مضارع بھول۔

تشریح: یہ فرشتے حضرت ابراہیم سے گفتگو کرنے کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کے پاس

پہنچے۔ یہ نہایت حسین و جمیل، بے ریش، لڑکوں کی شکل میں تھے تاکہ قومِ لوط کی پوری طرح

آزمائش ہو جائے۔ حضرت لوط ان کو نہ پہچان سکے۔ وہ ان کو عام مہمان سمجھ کر اپنی قوم کی بے حیائی

و بد خوئی سے فکر مند ہو گئے۔ انہیں اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ لوگ اس نامعقول قوم کے ہاتھ نہ پڑ

جائیں اور زبان سے بھی نکل گیا کہ آج کا دن بڑا سخت ہے۔ پھر جب بد بخت قوم کو ان خوبصورت

لڑکوں کے بارے میں پتہ چلا تو وہ حضرت لوط کے مکان پر چڑھ دوڑے اور ان سے مہمانوں کو ان

کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا کیونکہ وہ پہلے بھی بری حرکتیں کرتے رہتے تھے۔

اس وقت حضرت لوط علیہ السلام ان کو نصیحت کرنے لگے کہ تم اللہ سے ڈرو اور اس بد خصلت کو چھوڑ دو، اپنی خیمہ، ماش عورتوں سے نکاح کر کے حلال طریقے پر پوری کیا کرو۔ یہ میری لڑکیاں ہیں تم ان سے نکاح کر لو۔ یہی شائستہ اور پاکیزہ طریقہ ہے۔ یہ میرے بہمان ہیں۔ تم کم از کم میری عزت کا ہی خیال کر لو اور مجھے بہمانوں کے بارے میں رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں ایک بھی مجھ دار آدمی نہیں۔ (عثمانی ۶۳۸، ۶۳۹، ۱/ ابن کثیر ۲/ ۲۵۳)

اس وقت کافر کا نکاح مسلمان عورت سے جائز تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی کافر و مومن کے درمیان ازدواجی رشتہ جائز تھا۔ بعد میں شریعت اسلامیہ میں کافروں سے نکاح کو حرام قرار دے دیا گیا۔

قوم لوط کا جواب

۸۰، ۷۹ قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِي بَنِيكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ ۝ قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً أَوْ آوِيُّ إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ ۝
 وہ کہنے لگے کہ تجھے معلوم ہے ہمیں تیری بیٹیوں سے کوئی غرض نہیں اور تم ہمارے ارادے سے خوب واقف ہو۔ (حضرت) لوط نے کہا۔ کاش مجھ میں تمہارے مقابلے کی قوت ہوتی یا میں کسی مستحکم پناہ میں جایں بٹھتا۔

تشریح: حضرت لوط کی قوم کے لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ تو جانتے ہیں کہ آپ کی لڑکیوں پر ہمارا کوئی حق نہیں، ان سے ہمارا نکاح نہیں ہوا، اس لئے ہمیں ان کی ضرورت نہیں۔ آپ یقیناً ہمارے ارادے سے واقف ہیں۔ لہذا اب جھگڑے اور نصیحت کا کوئی فائدہ نہیں۔

جب حضرت لوط علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کی نصیحت کا قوم پر کوئی اثر نہیں تو انہوں نے ان کو دھمکایا کہ اگر مجھ میں تمہارے مقابلے کی قوت ہوتی یا کوئی میرا مضبوط اور زور دار کنبہ قبیلہ ہوتا تو میں تمہیں تمہاری اس شرارت کا مزہ چکھا دیتا۔

حضرت لوطؑ کو فرشتوں کی تسلی

۸۱- قَالُوا يَلُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَصْلُوَا إِلَيْكَ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا أَمْرَانِكَ إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ۝

(فرشتوں نے) کہا کہ اے لوط! ہم تمہارے رب کے بھیجے ہوئے (فرشتے) ہیں۔ یہ لوگ تم تک ہرگز نہیں پہنچ سکیں گے۔ سو جب رات کا کچھ حصہ باقی رہ جائے تو تم اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جاؤ اور تم میں سے کوئی پلٹ کر نہ دیکھے، مگر تمہاری بیوی (ساتھ نہ جائے گی) بیشک اس پر بھی وہی مصیبت آنے والی ہے جو ان لوگوں پر آئے گی۔ بیشک ان کی تباہی کے لئے صبح کا وقت مقرر ہے۔ کیا صبح قریب نہیں۔

تشریح: حضرت لوطؑ نے اندر سے دروازہ بند کر رکھا تھا اور اندر ہی سے قوم کے بد بختوں سے گفتگو کر رہے تھے۔ جب لوگوں نے دروازہ توڑ کر اندر گھسنا چاہا تو حضرت لوطؑ کا اضطراب و قلق انتہا کو پہنچ گیا۔ اس وقت فرشتوں نے اپنے آپ کو ظاہر کر دیا اور کہا کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور اس قوم پر عذاب نازل کرنے کے لئے آئے ہیں۔ یہ خبیث ہمارا تو کیا بگاڑیں گے یہ تو آپ تک بھی ہرگز نہیں پہنچ سکیں گے۔ اس لئے آپ بالکل پریشان اور فکر مند نہ ہوں۔ آپ رات کے آخری حصہ میں اپنے اہل و عیال کو لے کر یہاں سے نکل جائیے اور سیدھے اپنے رستے پر چلتے جائیے۔ قوم کے لوگوں کی آہ و بکا اور ان کے چہنچہ چلانے پر کسی کو پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھنا چاہئے۔ پھر حضرت لوطؑ کی بیوی کا پیچھے مڑ کر نہ دیکھنے سے استننا کر دیا کہ وہ اس حکم کی پابندی نہیں کر سکے گی اور وہ عذاب کے وقت قوم کی ہائے دہائی سن کر پیچھے مڑ کر دیکھے گی، کیونکہ اللہ کے ہاں اس کا بھی اس کی قوم کے ساتھ ہلاک ہونا طے ہو چکا ہے۔ چنانچہ عذاب نازل ہونے پر وہ قوم کا شور سن کر صبر نہ کر سکی۔ اس نے مڑ کر قوم کی طرف دیکھا اور زبان سے نکل گیا کہ ہائے میری قوم۔ اسی وقت آسمان سے ایک پتھر اس پر آگرا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گئی۔ پھر فرشتوں نے حضرت لوطؑ علیہ السلام کی تسلی کے لئے ان کو بتایا کہ اس خبیث قوم کی ہلاکت صبح ہوتے ہی ہو جائے گی اور صبح اب

بالکل قریب ہے۔ (ابن کثیر ۴/۲، عثمانی ۱/۶۵۰)

قوم لوط پر عذاب

۸۲، ۸۳ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا
حِجَارًا مِّنْ سِجِّيلٍ مُّنْضُودٍ ۝ مُّسَوِّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ۚ وَمَا
هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ۝

پھر جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے اس بستی کو اوپر نیچے کر دیا اور ہم نے ان پر
کھنکر کے پتھر برسائے جو تہ بہ تہ تھے۔ جن پر آپ کے رب کی طرف سے نشان
لگے ہوئے تھے اور یہ بستی ان ظالموں سے کچھ دور نہیں ہے۔

سِجِّيلٍ : کھنکر۔ کھنکر۔ سنگ گل۔ سخت چیز۔

مَنْضُودٍ : تہ بہ تہ۔ جمایا ہوا۔ گھنا۔ نَفْذ سے اسم فاعل۔

تشریح : صبح ہوتے ہی اللہ کا عذاب آگیا۔ حضرت جبرائیلؑ نے ان کی بستیوں کو آسمان کی
طرف اٹھا کر نیچے پھینچ دیا۔ اس طرح سب بستیاں تہ و بالا ہو گئیں۔ پھر ان کی ذلت و رسوائی کی تکمیل
کے لئے آسمان سے پکی مٹی کے پتھر اور جھانوں سے برسنے لگے، جو پے در پے اور ایک کے بعد ایک
برس رہے تھے۔ ان پتھروں پر قدرتی طور پر ان لوگوں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ جس پتھر پر جس
کا نام لکھا ہوا تھا وہ اسی پر گرتا تھا۔ جو لوگ شہر کی آبادی سے الگ دوسرے مقامات پر تھے وہ
انہیں مقامات پر ہلاک کر دیئے گئے جہاں وہ تھے۔ اگر کوئی شخص کسی جگہ کھڑا ہوا کسی سے باتیں کر
رہا تھا تو وہیں آسمان سے پتھر آیا اور اس کو ہلاک کر گیا۔ غرض جو جہاں تھا، وہیں پتھر سے ہلاک کر دیا
گیا اور ان میں سے ایک بھی نہ بچا۔ پھر فرمایا کہ اس طرح کا عذاب ایسے ظالموں سے اب بھی کچھ دور
نہیں اس لئے ہمیشہ اللہ کے غضب سے ڈرتے رہنا چاہیئے۔ (روح المعانی ۱۱۲، ۱۱۳ / ۱۱۲)

تفسیر نسفی میں ہے کہ آیت کے آخری حصہ میں اہل مکہ کے لئے وعید ہے اور بیضاوی میں
ہے کہ ہر ظالم کے لئے وعید ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے پر حضرت
جبرائیلؑ نے کہا کہ یہاں آپ کی امت کے ظالم مراد ہیں۔ ان میں سے کوئی ظالم ایسا نہیں کہ وہ پتھر
کے نشانے پر نہ ہو جو کسی وقت بھی اس پر گر سکتا ہے۔ بعض کے نزدیک ضمیر "ہی" بستیوں کے

لئے ہے۔ یعنی یہ بستیوں کے ظالموں سے بہت قریب ہیں۔ اہل مکہ اپنے شام کے سفروں میں ان بستیوں کے پاس سے گزرتے ہیں۔ (بیضاوی ۱۹۰، تفسیر نسفی ۲/۲۰۰)

اہل مدین کا واقعہ

۸۶، ۸۴ وَالْإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يُقَوْمُ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَهِ غَيْرُهُ ۚ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ ۚ إِنِّي أَرُكُمْ بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُحِيطٍ ۝ وَيَقَوْمُ أَوفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ وَلَا تَبْخُسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ بَقِيَّتُ اللَّهَ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۚ وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ۝

اور ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی (حضرت) شعیب کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو کیونکہ میں تمہیں آسودہ حال دیکھتا ہوں اور مجھے تمہارے متعلق ایسے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے جو سب کو گھیر لے گا اور اے میری قوم! ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کر کے دیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں کمی کر کے نہ دیا کرو اور نہ زمین میں فساد مچاتے پھرو۔ اللہ کا دیا ہوا جو کچھ (حلال مال) بچ جائے وہ تمہارے لئے (حرام کمائی سے) بہتر ہے اگر تم مومن ہو۔ اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں۔

الْمِكْيَالُ: غلہ ناپنے کا پیمانہ۔ کُئِلٌ سے اسم آلہ۔

تَبْخُسُوا: تم کم دینے لگو۔ تم گھٹانے لگو۔ بَخْسٌ سے مضارع۔

تَعْتُوا: تم فساد مچاؤ۔ تم پھرو۔ عَتَى سے مضارع۔

تشریح: عرب کے شمال مغربی حصہ کے بیابانوں میں ایک بستی کا نام مدین ہے جہاں حضرت

موسیٰ علیہ السلام بحرِ قلزم عبور کر کے کوہِ سینا اور اس کے اطراف میں بنی اسرائیل کو لئے پھرتے

تھے۔ مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام ہے جو عرب میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ ان

کی نسل کے لوگ یہاں رہتے تھے۔ اس لئے اس بستی یا قبیلے کو مدین کہا جاتا ہے۔ مدین کا اطلاق قبیلہ اور شہر دونوں پر ہوتا ہے۔ اہل مدین میں سے ایک شخص (حضرت شعیب) کا لقب خطیب الانبیاء ہے کیونکہ آپ نہایت فصیح و بلیغ گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو نبی بنا کر اہل مدین کی طرف بھیجا جو نہایت شریر اور بت پرست تھے۔ ناپ تول میں کمی کرتے تھے، رہزن تھے اور کھوٹے سکے چلاتے تھے اور بڑے سرمایہ دار تھے۔ آج کل کے سرمایہ داروں کی طرح یہ لوگ بھی اپنے اموال کے بارے میں یہی کہتے تھے کہ ہم ان کے تصرف میں آزاد و خود مختار ہیں۔ جس طرح چلائیں ان میں تصرف کریں۔

حضرت شعیب شریف النسب اور اعلیٰ خاندان کے تھے اور اسی قوم میں سے تھے۔ اسی لئے قرآن کریم نے ان کے لئے "اخا حرم" (ان کا بھائی) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ آپ نے بھی انبیاء علیہم السلام کے طریقے کے مطابق اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کا حکم دیا جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ یہی دعوت توحید تمام عقائد اور اعمال کی روح ہے۔ اس کے ساتھ ہی حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو ناپ تول میں کمی کرنے سے منع کیا کہ کسی کا حق نہ مارو اور اللہ کا یہ احسان یاد رکھو کہ اس نے تمہیں فارغ البال اور آسودہ حال کیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری مشرکانہ روش اور ظالمانہ حرکتوں کی وجہ سے تمہاری خوشحالی بد حالی سے بدل جائے۔ لہذا تم اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ۔ ناپ تول میں کمی نہ کرو، لین دین میں پورا پورا عدل و انصاف کرو اور زمین میں فساد اور تباہی نہ پھیلاؤ۔ اگر تم مومن ہو تو یقین رکھو کہ صحیح صحیح ناپ تول کر دینے کے بعد جو کچھ اللہ کا دیا ہو ا حلال مال تمہارے پاس نہ بچ جائے وہ تمہارے لئے اس حرام مال سے بہتر ہے جو تم ناپ تول میں کمی کر کے حاصل کرتے ہو۔ میں کوئی تمہارا نگہبان نہیں کہ زبردستی تمہیں برائیوں سے بچاؤں اور نیک راہ پر چلا دوں۔ میں تو صرف نصیحت کرنے اور اللہ کا حکم پہنچانے والا ہوں۔ تم مانو یا نہ مانو، میرا کلام تو حکم پہنچانے کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔

(روح المعانی ۱۱۳، ۱۱۶، ۱۱۷، مظہری ۴۶، ۴۸ / ۵)

قومِ مردود کا جواب

۸۷۔ قَالُوا يَشْعِبُ أَصْلُوكُمْ تَأْمُرُكَ أَنْ تَتْرُكَ مَا يَعْْبُدُ آبَاؤُكُمْ

اَنْ تَفْعَلَ فِىْ اَمْوَالِنَا مَا نَشَآءُ اِنَّكَ لَآَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ۝

وہ کہنے لگے۔ اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان چیزوں کو چھوڑ دیں جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے یا ہم اپنے مالوں میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف نہ کریں۔ بس تو ہی تو بڑا بادقار اور نیک چلن رہ گیا ہے۔

تشریح: حضرت شعیب علیہ السلام کثرت سے نماز پڑھتے تھے۔ ان کی قوم ان کو نماز پڑھتا دیکھتی تو تمسخر کے طور پر ان سے یہ کہتی کہ اے شعیب! ہم نے آپ کا وعظ و نصیحت سن لی۔ کیا آپ کی نماز اور عبادت آپ کو یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان بتوں کو چھوڑ دیں جن کو ہمارے آباء واجداد پوجتے تھے اور کیا ہم آپ کے کہنے سے سب بتوں کو چھوڑ کر صرف ایک معبود کے ہو جائیں یا ہم اپنے مالوں میں سے حسب منشا تصرف کرنا چھوڑ دیں۔ ہم تو اپنے مالوں کے مالک و مختار ہیں۔ جس طرح چاہیں ان میں تصرف کریں۔ ہمارے خیال میں تو آپ بڑے سنجیدہ اور ہدایت یافتہ ہیں، ہم تو گمان بھی نہیں کرتے تھے کہ آپ ایسی بات کہیں گے۔

آج کل کے سرمایہ دار بھی یہی کہتے ہیں کہ ہم اپنے سرمایہ کے مالک اور مختار ہیں اور اس کے کمانے اور خرچ کرنے میں آزاد ہیں۔ ان کے نزدیک حلال و حرام اور جائز و ناجائز کے کوئی معنی نہیں۔ شریعت یہ کہتی ہے کہ تم اپنے اموال کے مالک تو ہو مگر مطلق اور حقیقی مالک نہیں۔ تمہارے وجود اور تمہارے اموال کا حقیقی اور مطلق مالک تو اللہ تعالیٰ ہے۔ تم سب اس کے بندے اور غلام ہو۔ تم اپنے تمام امور میں اس کے نازل کردہ قوانین و احکام کے پابند ہو۔ تم نے یہ مال و دولت اس کے عطا کردہ اعضاء اور قدرت سے کمائی ہے۔ اس لئے تمہیں اس کے احکام کے سامنے دم مارنے کی مجال نہیں۔ اگرچہ اس نے اپنے فضل و رحمت سے تمہیں ان اموال کی عارضی ملکیت عطا فرمادی ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم قانون شریعت کی حدود و قیود اور اس کے اوامر و نواہی سے آزاد ہو کر جو چاہو تصرف کرو۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۷۹ / ۳)

قوم کو حضرت شعیبؑ کا جواب

۹۰،۸۸ قَالَ يَقَوْمِ اَرَاۤءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰیٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّیْ وَرَزَقْنِیْ مِنْهُ

رَزَقًا حَسَنًا وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْهَكُم عَنْهُ ۚ إِنِّي
أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۚ
عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝ وَيَقُومُ لَا يُجِرُ مِنْكُمْ شِقَاقِي
أَنْ يُصِيبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَ قَوْمَ نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ أَوْ قَوْمَ
صَالِحٍ ۚ وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِنْكُمْ بِبَعِيدٍ ۝ وَاسْتَغْفِرْ لِزَنْبِكَ ثُمَّ
تَوَبَّ إِلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ رُحِيمٌ وَدُودٌ ۝

(حضرت) شعیب نے کہا کہ اے میری قوم! اگر میں اپنے رب کی طرف سے
کھلی دلیل رکھتا ہوں اور اس نے مجھے اچھا رزق عطا فرمایا (تو پھر میں تمہاری
بات کیسے مان لوں) اور میں نہیں چاہتا کہ جن کاموں سے میں تمہیں منع
کروں، میں خود ان کو کرنے لگوں۔ جہاں تک میری استطاعت میں ہے میں تو
اصلاح چاہتا ہوں اور مجھے جو توفیق ہوتی ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے، میں
اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں اور اے میری قوم!
میرے ساتھ تمہاری ضد اس کا سبب نہ بن جائے کہ تم پر بھی وہی مصیبت
آپڑے جو قوم نوح، قوم ہود اور قوم صالح پر پڑ چکی ہے اور لوط کی قوم تو تم سے
کچھ زیادہ دور بھی نہیں۔ اور تم اپنے رب سے استغفار کرو۔ پھر اسی کی طرف
رجوع کرو۔ بیشک میرا رب بہت مہربان (اور) محبت والا ہے۔

اُنِيبُ : میں رجوع کرتا ہوں۔ اِنَابَةٌ سے مضارع۔

يُجِرُ مِنْكُمْ : وہ ضرور تمہیں آمادہ کرتا ہے۔ وہ ضرور تمہارا باعث بنے گا۔ جُرْمٌ سے مضارع
بانوں تاکید۔

شِقَاقِي : میری مخالفت۔ میری عداوت۔

تشریح : حضرت شعیب نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے مجھے فہم و
بصیرت دے کر وہ صاف اور سیدھا راستہ دکھادیا جو تمہیں نظر نہیں آتا، میں تمہیں اسی کی طرف بلا
رہا ہوں۔ اس نے مجھے اپنی مہربانی سے بہترین روزی دے رکھی ہے۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں ان
انعامات کے باوجود حق کی طرف سے آنکھیں بند کر لوں اور اللہ کے احکام سے روگردانی کرنے لگوں
یا تمہارے استہزاء اور تمسخر سے گھبرا کر تمہیں نصیحت کرنا چھوڑ دوں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ

تمہاری خام خیالی ہے کہ میں ایسا کروں گا۔

میں یہ نہیں چاہتا کہ جن بری باتوں سے تمہیں روکتا ہوں، تم لوگوں سے علیحدہ ہو کر میں خود ان کو کرنے لگوں۔ میں تمہارے لئے وہی بات پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں اور تمہارے لئے وہی بات ناپسند کرتا ہوں جو اپنے لئے ناپسند کرتا ہوں۔ میرا مقصد تو محض اپنی طاقت کے مطابق اصلاح کرنا ہے۔ اللہ میرے ارادے کی کامیابی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے اور میں تمام مصائب و حوادث میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

پھر فرمایا کہ میری عداوت اور بغض میں اگر ایسی حرکتیں نہ کرو جو تمہیں گزشتہ اقوام کی طرح سخت عذاب کا مستحق بنادیں۔ مثلاً حضرت نوح، حضرت ہود اور حضرت صالح علیہم السلام کی امتوں پر تکذیب و عداوت کی بدولت جو عذاب آئے وہ تم سے پوشیدہ نہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا واقعہ تو ان سب کے بعد ماضی قریب میں ہوا ہے۔ اس کی یاد تو تمہارے حافظہ میں تازہ ہوگی۔ ان سب واقعات کو فراموش نہ کرو۔

پس تم اپنے رب سے گزشتہ شرک و معاصی کی معافی مانگو، اسی کی طرف رجوع کرو، آئندہ اس کے احکام کی تعمیل کرو اور ممنوعات سے پرہیز کرو۔ بلاشبہ میرا رب توبہ کرنے والے مومنوں پر بڑا مہربان اور ان سے بڑی محبت کرنے والا ہے۔ (عثمانی ۶۵۲/۱، ابن کثیر ۴۵۶، ۴۵۷/۲)

قوم کی ہٹ دھرمی

۹۱۔ قَالُوا يُشْعِبُ مَا نَفَقَهُ كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرِيكَ فِينَا ضَعِيفًا ۚ وَلَوْلَا رَحْمَتُكَ لَرَجَمْنَاكَ زُومًا ۖ وَأَنْتَ عَلَيْنَا بَعِزٌّ ۝
انہوں نے کہا اے شعیب! تیری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔
اور اپنے درمیان ہم تو تجھے کمزور دیکھ رہے ہیں اور اگر تیرے بھائی بند نہ ہوتے تو ہم تجھے سنگسار کر ڈالتے اور ہماری نگاہ میں تیری کچھ عزت نہیں۔

نَفَقَهُ: ہم سمجھتے ہیں۔ فِقْہُ سے مضارع۔

رَحْمَتُكَ: تیری برادری۔ تیرا قبیلہ۔ دس افراد سے کم کی جماعت۔

رَجَمْنَاكَ: ہم نے تجھ پر پتھر اڑا دیا۔ ہم نے تجھ کو سنگسار کیا۔

تشریح: حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے لوگ ان کی وعظ و نصیحت کے بعد ہٹ دھرمی اور عناد کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگے کہ آپ کی بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں حالانکہ وہ سب سمجھتے تھے۔ آپ کا یہ کہنا کہ ایک اللہ کی عبادت کرو، شرک و بت پرستی چھوڑ دو اور ناپ تول میں کمی نہ کرو، یہ سب آپ کے خیالاتِ فاسدہ ہیں۔ یہ قابلِ توجہ نہیں۔ یوں بھی ہم تو آپ کو اپنے درمیان کمزور و ناتواں اور بے حقیقت آدمی دیکھتے ہیں۔ اگر ہم آپ کو کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو آپ کے اندر اپنے دفاع کی بھی طاقت نہیں۔ ہمیں تو آپ کے قبیلے کے ان لوگوں کا خیال آتا ہے جو ہمارے ساتھ ہیں ورنہ اب تک تو ہم آپ کو سنگسار کر چکے ہوتے کیونکہ ہماری نظر میں آپ کی کوئی عزت و توقیر نہیں جو ہمیں سنگساری سے روکتی۔

قوم کو عذاب کی خبر

۹۲، ۹۳ قَالَ يَقَوْمِ اَرْمَطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَاتَّخَذْتُمْ وُءَاۡرَآءَ كُمْ ظَهْرِيۡۤ اِنَّ رَبِّيۡۤ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيۡطٌ ۝۱ وَبِقَوْمِۭكُمْ اَعْمَلُوْا عَلٰۤى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىۡۤ اَعَمِلُ ۚ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۚ لَا مَنۢ يَّاتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَ مِّنۡهُۥ كَاذِبٌ ۚ وَاَرْتَقِبُوْٓا اِنِّىۡۤ مَعَكُمْ رَقِيۡبٌ ۝۲ (حضرت) شعیب نے کہا کہ اے میری قوم! کیا میرے خدا کا دباؤ تم پر اللہ سے بھی زیادہ ہے۔ اس کو تو تم نے پس پشت ڈال رکھا ہے۔ بیشک میرا رب تمہارے سب اعمال کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور اے قوم! تم اپنی جگہ کام کرتے رہو، میں بھی کام کرتا ہوں۔ بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس پر رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کون جھوٹا ہے۔ تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

يُخْزِيْهِ: وہ اس کو ذلیل کرے گا۔ وہ اس کو رسوا کرے گا۔ **اَرْتَقِبُوْٓا:** تم انتظار کرو۔ **رَقِيۡبٌ:** تم انتظار کرو۔

تشریح: قوم کی ہٹ دھرمی کے جواب میں حضرت شعیب نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! تعجب اور افسوس ہے تمہاری حالت پر کہ میری نبوت و رسالت تو تمہیں میری سنگساری سے

نہیں روکتی بلکہ میرے قبیلے اور خاندان کی قوت تمہیں میری سنگساری سے روکتی ہے۔ کیا میرا کنبہ اور برادری تمہارے نزدیک اللہ سے زیادہ عزت والا ہے کہ تم نے اس کا لحاظ کیا اور جس اللہ نے مجھے واضح دلائل کے ساتھ رسول بنا کر بھیجا ہے اس کا لحاظ نہیں کرتے اور نہ اس کے احکام کی پرواہ کرتے ہو۔ یاد رکھو! بہت جلد تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا کیونکہ تمہارا کوئی عمل میرے رب سے پوشیدہ نہیں۔ وہ تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزا دے گا۔

پھر اپنی قوم کی طرف سے مایوس و ناامید ہو کر قوم سے کہا کہ اچھا تم اپنا کام کئے جاؤ میں اپنا کام کرتا ہوں۔ بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ذلت و خواری کا عذاب کس پر آتا ہے اور جھوٹا کون ہے۔ اب تم بھی اللہ کے فیصلے کا انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۸۲/۳)

قومِ شعیب پر عذاب

۹۵، ۹۴ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا ۖ وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جُثَمَيْنِ ۚ ۚ كَانُوا يَفْنَوْنَ فِيهَا ۖ أَلَا بَعْدَ الْمَدِينِ كَمَا بَعْدَتْ ثَمُودُ

اور جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے (حضرت) شعیب اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ تھے اپنی رحمت سے بچالیا اور ان ظالموں کو ایک سخت کڑک نے آپکرا، سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ گویا کہ وہ وہاں کبھی آباد ہی نہ تھے۔ دیکھو! مدین پر پھٹکار پڑی۔ جیسی پھٹکار ثمود پر پڑی تھی۔

الصَّيْحَةُ: چیخ۔ کڑک۔ ہولناک آواز۔

أَصْبَحُوا: وہ ہو گئے۔ اِصْبَاحٌ سے ماضی۔ فعل ناقص ہے۔

جُثَمَيْنِ: زانو کے بل گرے ہوئے۔ اوندھے پڑے ہوئے۔ جُثْمٌ سے اسم فاعل۔

يَفْنَوْنَ: وہ قیام کرتے ہیں۔ وہ پستے ہیں۔ وہ رہتے ہیں۔ غنی سے مضارع۔

تشریح: پھر جب عذاب کے لئے ہمارا حکم پہنچا تو ہم نے دونوں فریقوں میں سے حضرت شعیب علیہ السلام اور ان لوگوں کو جو ان کے لئے ایمان لائے تھے اپنی خاص رحمت سے آسمانی

عذاب سے بچا لیا اور ان ظالموں کو جہنم میں لے کر رکھا تھا ایک سخت آواز نے آپکڑا، جس سے ایک دم سب کے دل پھٹ گئے اور سب ایک ساتھ ہلاک ہو گئے اور یہ لوگ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل پڑے رہ گئے گویا کہ وہ کبھی ان گھروں میں آباد ہی نہ تھے خوب سن لو کہ قوم مدین کی ہلاکت اسی طرح ذلت و رسوائی کے ساتھ ہوئی، جس طرح قوم نوح ہلاک ہوئی تھی۔ (مواہب الرحمن ۸۳، ۸۴ / ۱۲)

فرعون کا انجام

۹۹، ۹۶۔ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ۝ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَائِهٖ فَاتَّبَعُوْا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَا اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ۝ يُقَدِّمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَأُوْرَدُهُمُ النَّارَ ۚ وَبِئْسَ الْوَرْدُ الْمُوْرُوْدُ ۝ وَاتَّبَعُوْا فِىْ هٰذِهِ لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ۝

اور ہم نے (حضرت) موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور روشن دلیل دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا۔ سو وہ لوگ تو فرعون ہی کی اتباع کرتے رہے اور فرعون کا حکم درست نہ تھا۔ قیامت کے روز وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہو گا پھر وہ ان کو آگ (دوزخ) میں پہنچائے گا۔ اور وہ (دوزخ) بہت ہی بری جگہ ہے جس میں وہ اتارے جائیں گے۔ اور اس دنیا میں بھی لعنت ان کے ساتھ رہی اور قیامت کے دن بھی۔ برا انعام ہے جو ان کو دیا گیا۔

اَوْرَدَ: اس نے داخل کیا۔ اس نے پہنچایا۔ اِیْرَادُ سے ماضی۔

وَرَدَ: گھاٹ۔ اترنے کی جگہ۔ اسم ہے۔ جمع اَوْرَادُ۔

رِفْدٌ: انعام۔ عطا۔ بخشش۔

تشریح: ہم نے حضرت موسیٰ کو بہت سے واضح معجزے دے کر فرعون اور اس کے

سرداروں کے پاس بھیجا۔ تب بھی انہوں نے ان کا حکم نہ مانا۔ یہاں آیات سے تورات کی آیات مراد نہیں کیونکہ تورات کا نزول تو فرعون کے ڈوبنے کے بعد ہوا تھا بلکہ ان سے معجزات مراد ہیں

سلطن مبین سے مراد یا تو صرف عصاء کا معجزہ ہے جو سب سے زیادہ واضح اور غالب تھا یا آیات و سلطن، دونوں سے ایک ہی چیز مراد ہے یعنی معجزہ۔

پس وہ لوگ فرعون کے طریقہ پر ہی چلتے رہے جو کفر و سرکشی اور حد سے بڑھی ہوئی گمراہی پر مبنی تھا۔ قیامت کے روز فرعون اپنی قوم کا پیشوا ہو گا اور سب کو جہنم میں لے جائے گا۔ اگرچہ دنیا میں اس کی پیروی کرنے سے ان کو مال و متاع اور پسند کی چیزیں ملتی تھیں مگر آخرت میں اس کی پیشوائی میں چلتے ہوئے دوزخ میں جا کریں گے جو بہت ہی بری جگہ ہے۔ دنیا میں لعنت ان کے ساتھ رہی اور قیامت کے روز بھی وہ ملعون ہوں گے جہاں اہل محشر، حتیٰ کہ کافر بھی ان پر لعنت کریں گے۔ یہ بہت برا انعام ہے جو ان کو دیا جائے گا۔ (مظہری ۵۲، ۵۳ / ۵)

انبیاء کے واقعات بیان کرنے کی حکمت

۱۰۱، ۱۰۰۔ ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْهَا قَائِمٌ وَحَصِيْدٌ
 وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسُهُمْ فَمَا اَغْنَتْ عَنْهُمْ
 اِلٰهُهُمْ النَّارُ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَاءَ اَمْرُ
 رَبِّكَ مَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتٰبٍ ۚ وَكَذٰلِكَ خُذُكَ
 رَدًّا ۚ خَذُّ سُرِّيْ وَهْنِيْ فَرَسَةً ۚ اِذَا خَذَلَا الْيَمَّ تَتٰبِيْدُ

یہ چند بستیوں کے حالات ہیں جو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض بستیاں تو اب تک قائم ہیں اور بعض بالکل ختم ہو گئیں اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن انہوں نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا۔ پھر جب آپ کے رب کا حکم پہنچا تو ان کے وہ معبود جنہیں وہ اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے، کچھ بھی کام نہ آئے اور ان معبودوں نے ہلاکت کے سوا ان کو کچھ فائدہ نہ دیا۔ اور آپ کے رب کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے، جب وہ ظالم بستیوں کو پکڑتا ہے۔ بیشک اس کی گرفت سخت تکلیف دینے والی ہے۔

اَنْبَاءٌ: خبریں۔ واحد نَبَأٌ۔
 حَصِيْدٌ: کٹی ہوئی کھیتی۔ جز سے کٹا ہوا۔

تَنْبِيْہ : نقصان پہنچانا۔ ہلاک کرنا۔ تباہ و برباد کرنا۔ مصدر ہے۔

تشریح : گزشتہ انبیاء اور ان کی امتوں کے واقعات کے بیان کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ ان بستیوں کے رہنے والوں کے چند واقعات ہیں جو ہم نے آپ کے سامنے بیان فرمائے ہیں۔ ان میں سے بعض بستیاں تو اب تک قائم ہیں اور بعض مٹ چکی ہیں۔ آپ یہ واقعات لوگوں کو سنا دیجئے تاکہ لوگ ان کو سن کر عبرت پکڑیں۔ ایک ای کے لئے جس نے کہیں تعلیم حاصل نہ کی ہو ایسے عجیب و غریب واقعات کا بیان کرنا اس کی نبوت و رسالت کی کافی و شافی دلیل ہے کیونکہ ایسا علم وحی کے بغیر ناممکن اور محال ہے۔

پھر فرمایا کہ ہم نے ان لوگوں کو ہلاک و برباد کر کے ان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا بلکہ پہلے ان کو نصیحت کی، پھر نافرمانی میں مہلت دی، پھر بھی کفر و معصیت پر قائم رہ کر انہوں نے جواب دہی اپنے اوپر ظلم کیا۔ پھر جب تیرے رب کا حکم آگیا تو ان کے وہ معبود جن کو وہ اللہ کے سوا پکار کرتے تھے، ان کے ذرا کام نہ آئے۔ یہی نہیں کہ یہ معبود ان کو ہمارے عذاب سے نہیں بچا سکے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ معبود ہی ان کی ہلاکت و تباہی کا باعث بنے۔

آپ کے رب کی پکڑ ایسی دردناک اور سخت ہوتی ہے کہ جب وہ کسی بستی والوں کو ان کے گناہوں اور بد اعمالیوں کے سبب پکڑ لیتا ہے تو ان کو رہائی دلانے کی کسی میں مجال نہیں ہوتی۔ صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے۔ پھر جب اس کو پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ **وَكَذٰلِكَ اخْذُ رَبِّكَ -----**

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۸۵ / ۳، مواہب الرحمن ۹۰، ۹۱ / ۱۲)

کفر و تکذیب کا انجام

۱۰۵، ۱۰۳۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیۃٌ لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۚ ذٰلِکَ یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لِّہٖ النَّاسُ وَذٰلِکَ یَوْمٌ مَّشْہُوْدٌ ۝ وَّمَا نُوْخِرُہٗ اِلَّا لَاجِلٍ مَّعْدُوْدٍ ۝ یَوْمَ یَاۡتِ لَا تَکَلِّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ۚ فَمِنْہُمْ سَقِیٌّ وَسَعِیْدٌ ۝

بیشک ان واقعات میں اس شخص کے لئے بڑی نشانی (عبرت) ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے۔ یہ (آخرت کا دن) ایک ایسا دن ہو گا جس میں سب لوگ جمع کئے جائیں گے اور وہ سب کے پیش ہوئے گا دن ہے اور ہم نے اس کو ایک مقررہ مدت کے لئے ملتوی کیا ہوا ہے۔ جب وہ دن آجائے گا تو کوئی شخص اللہ کی اجازت کے بغیر بات بھی نہ کر سکے گا۔ پھر ان میں سے کچھ بد بخت اور کچھ نیک ہوں گے۔

تشریح: جو لوگ آخرت کے عذاب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے اللہ کی پکڑ میں یا گزشتہ اقوام کے واقعات میں بڑی عبرت ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ جب اس دنیا میں اس کی پکڑ اور عذاب ایسا شدید ہے تو آخرت میں تو اس کی پکڑ اور بھی زیادہ سخت ہوگی۔ قیامت کے روز تمام لوگوں کو حساب و کتاب اور جزا و سزا کے لئے جمع کیا جائے گا۔ اس دن اس کی گھبراہٹ دیکھنے کے لئے سب حاضر ہوں گے، کسی کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ حاضر نہ ہو۔ قیامت کا دن مقرر ہو چکا ہے۔ جب وہ مقررہ دن آجائے گا تو قیامت قائم ہو جائے گی۔ اگرچہ بظاہر دنیا کی مدت طویل ہے۔ مگر آخرت کے مقابلے میں بہت قلیل ہے۔ قیامت کے روز اللہ کی اجازت کے بغیر کسی کو بولنے کی مجال نہ ہوگی۔ اس روز کچھ لوگ تو نیک بخت ہوں گے اور کچھ لوگ بد بخت، نیک بخت وہ لوگ ہیں جو ازلی برگزیدہ و محبوب بندے ہیں، اور بد بخت اور بد اعمال وہ ہیں جن کے حق میں ازلی شقاوت مقدر ہو چکی ہے۔ (موہب الرحمن ۹۱، ۹۲ / ۱۲)

اہل محشر کی قسمیں

۱۰۹، ۱۰۶۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُّوا فِى النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَشٰهِيْقٌ ۝
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۚ
اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سَعِدُوْا فِى الْجَنَّةِ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۚ
عَطَآءٌ غَيْرٌ مَّجْدُوْهِ ۝ فَلَا تَكُ فِىْ مَرِيَّةٍ مِّمَّا يَعْبُدُوْنَ ۚ هٰؤُلَاءِ
يُعْبَدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْْبُدُ اٰبَاؤُهُمْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَاِنَّا لَمُفَوِّسُوْهُمُ

نَصِيبُهُمْ غَيْرُ مُنْقُوصٍ ۝

پھر جو بد بخت ہوں گے وہ تو دوزخ میں چھٹتے چلا تے رہیں گے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان و زمین قائم ہیں۔ مگر یہ کہ آپ کا رب ہی (ان کو نکالنا) چاہے۔ بیشک آپ کا رب جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے اور جو لوگ نیک بخت ہیں سو وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے جب تک کہ آسمان و زمین قائم ہیں مگر یہ کہ آپ کا رب (نکالنا) چاہے (یہ) بے انتہا عنایت ہے۔ سو یہ لوگ جن چیزوں کی پرستش کرتے ہیں، ان کے بارے میں ذرا بھی شک نہ کرنا۔ یہ لوگ بھی اسی طرح (بلا دلیل غیر اللہ کی) پرستش کرتے ہیں جس طرح ان سے پہلے ان کے باپ دادا کرتے تھے اور ہم یقیناً ان کو عذاب کا پورا پورا حصہ دیں گے۔

زَفِيرٌ: چیخ و پکار کرنا۔ مصدر ہے۔

شَهِيقٌ: چیخنا۔ چلانا۔ مصدر ہے۔

مَجْذُوذٌ: کاٹا ہوا۔ منقطع کیا ہوا۔ جُذِئَ سے اسم مفعول۔

مَرِيَّةٌ: شک۔ تردد

لَمُوقُوهُمْ: اللہ ان کو پورا پورا دینے والے۔ تَوْفِيٌّ سے اسم فاعل۔

نَصِيبُهُمْ: ان کا حصہ۔ جمع نَصَبٌ۔

تشریح: اہل محشر دو قسم کے ہوں گے۔ ایک شقی اور دوسرے نیک بخت۔ پس جو لوگ

بد بخت ہیں وہ دوزخ میں جائیں گے، جہاں وہ تکلیف اور غم و الم کی شدت سے چیخیں چلائیں گے۔ وہ ہمیشہ اسی حالت میں رہیں گے، جب تک کہ آسمان و زمین قائم رہیں۔ یہاں آسمان و زمین سے دنیاوی آسمان و زمین مراد نہیں بلکہ آخرت کے آسمان و زمین مراد ہیں۔ سو کفار کا عذاب ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ وہ جہنم سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے اور نہ ان کو وہاں موت آئے گی۔ وہ اس وقت تک اس عذاب میں مبتلا رہیں گے جب تک آسمان و زمین باقی ہیں یا اس سے بھی زیادہ جب تک اللہ چاہے۔ بلاشبہ آپ کا رب جو چاہے اس کے کرنے پر خوب قادر ہے۔

جو لوگ نیک بخت ہیں یعنی ابتداء میں اگر کوئی آدمی کافر ہو یا کسی گناہ میں مبتلا ہو، پھر اس کے بعد وہ توبہ کر کے ایمان لے آئے اور پھر ایمان ہی کی حالت میں اسے موت آجائے تو وہ نیک بخت اور سعید ہے۔ ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جب تک

کہ احروری آسمان و زمین باقی رہیں گے یا اس قدر زائد جو مشیت الہی میں ہے۔ یعنی ان بندوں کو ایسی نعمت دی گئی جو کبھی ختم نہ ہوگی۔

آپ کو ان معبودوں کے باطل ہونے میں، جن کو یہ لوگ پوجتے ہیں، شک کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان لوگوں کے پاس اپنے معبودوں کی عبادت کے لئے جہالت کے سوا کوئی قطعی دلیل نہیں کہ ہم تو وہی کریں گے جو ہمارے باپ دادا پہلے سے بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل کرتے چلے آئے ہیں۔ ہم ان کو ان کے جرم کے مطابق پوری پوری سزا دیں گے اور اس میں ذرا بھی کمی نہیں کریں گے۔ اگر کوئی نیکی ہوگی تو اس کا بدلہ ان کو دنیا ہی میں دے دیں گے۔ (مواہب الرحمن ۹۵، ۱۱۰ / ۱۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۸۸، ۵۹۳ / ۳)

احکام شریعت میں اختلاف کرنا

۱۱۰، ۱۱۱۔ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ ۖ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۖ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مُرِيبٍ ۝ وَإِنْ كُلًّا تَمَّالِيُوفِيْنَهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ ۖ إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝

اور ہم نے (حضرت) موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی سو اس میں بھی اختلاف کیا گیا اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات مقرر نہ ہو چکی ہوتی (کہ یہ فیصلہ قیامت میں ہوگا) تو ان میں فیصلہ ہو چکا ہوتا اور یہ لوگ اس (قرآن) کی طرف سے ایسے شک میں پڑے ہوتے ہیں جو ان کو مطمئن نہیں ہونے دیتا۔ اور بے شک آپ کا رب سب کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ بلاشبہ اس کو خوب معلوم ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔

سَبَقَتْ: وہ سبق کر چکی۔ وہ پہلے ہو چکی۔ سُبُّ سے ماضی۔

مُرِيبٌ: شک میں ڈالنے والا۔ اَرَابَ سے اسم فاعل۔

تشریح: اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے فرمایا کہ جو لوگ آپ کی نبوت و رسالت اور قرآن کریم کے بارے اختلاف کرتے ہیں اور کوئی ایمان لاتا ہے اور کوئی انکار

کرتا ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ یہ تو سابقہ انبیاء کے ساتھ بھی ہوتا چلا آیا ہے۔ بلاشبہ جب ہم نے اپنے فضل و رحمت سے حضرت موسیٰ کو اس زمانے کے لوگوں کی ہدایت کے لئے توریت دی تو انہوں نے اس میں اختلاف کیا۔ بعض نے اس کو مانا اور اس کی تصدیق کی اور بعض نے اس کا انکار اور تکذیب کی۔ اگر ہم ازل میں بندوں کے درمیان فیصلے کے لئے ایک وقت مقرر نہ کر چکے ہوتے تو حق پرستوں اور باطل پرستوں کا فیصلہ ہم اسی دنیا میں کر دیتے کہ حق پرستوں کو بھالیتے اور باطل پرستوں کو عذاب دے دیتے۔ مشرکین مکہ قرآن یا عذاب کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا ہیں۔ یقیناً قیامت کے روز سب لوگ اللہ کے سامنے جمع کئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کے مطابق پورا پورا بدلہ دے گا کیونکہ لوگ جو کچھ اعمال کرتے ہیں وہ اچھے ہوں یا برے وہ سب اللہ کو معلوم ہیں۔ ان کا کوئی عمل بھی اس سے پوشیدہ نہیں۔ (مظہری ۵۹، ۶۰ / ۵)

احکام الہی پر استقامت کا حکم

۱۱۲، ۱۱۳ ۥ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۚ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ وَلَا تَرْكُنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ لَا وَمَالَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ۝

پھر آپ بھی اس پر قائم رہئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اور جو لوگ آپ کے ساتھ کفر چھوڑ کر اللہ کی طرف رجوع ہوئے ہیں (وہ بھی)۔ اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ بلاشبہ جو کچھ تم کر رہے ہو وہ سب دیکھ رہا ہے اور ان ظالموں کی طرف ذرا بھی نہ جھکنا ورنہ تمہیں بھی دوزخ کی آگ چھولے گی اور اللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی حمایتی ہو گا اور نہ تمہاری مدد کی جائے گی۔

اِسْتَقِمْ: تو قائم رہ۔ تو ثابت قدم رہ۔ اِسْتَقَامَةُ سے امر۔

تَطْغَوْا: تم سرکشی کرو۔ تم زیادتی کرو۔ تم حد سے بڑھو۔ طُغْيَان سے مضارع۔

تَرْكُنُوا: تم جھک جاؤ۔ تم مائل ہو جاؤ۔ تَرْك سے ماضی۔

تشریح: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بھی دین کے راستہ پر اسی طرح مستقیم رہئے جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اور جو لوگ کفر سے توبہ کر کے آپ پر ایمان لے آئے ہیں وہ بھی اس پر

مستقیم رہیں اور اللہ تعالیٰ کی مقررہ کردہ حدود سے تجاوز نہ کرو کیونکہ وہ تمہارے سب اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں کو اپنے ہر کام اور ہر حال میں استقامت پر رہنے کا حکم فرمایا ہے۔ استقامت لفظ تو چھوٹا سا ہے مگر اس کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت، کسب معاش اور اس کی آمد و صرف کے تمام ابواب میں اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود کے اندر اس کے بتائے ہوئے راستہ پر سیدھا چلتا رہے۔ اگر ان میں سے کسی عمل اور کسی حال میں کسی ایک طرف جھکاؤ یا کمی یا زیادتی ہو جائے تو استقامت باقی نہیں رہتی۔

دنیا میں جتنی گمراہیاں اور خرابیاں آتی ہیں وہ سب اسی استقامت سے ہٹ جانے کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ مثلاً عقائد میں استقامت نہ رہے تو بدعات سے شروع ہو کر کفر و شرک تک نہایت پہنچتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ذات و صفات کے متعلق جو معتدل اور صحیح اصول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے، ان میں افراط و تفریط یا کمی بیشی کرنے والے خواہ نیک نیتی ہی سے اس میں مبتلا ہوں وہ گمراہ کہلائیں گے۔ جس طرح انبیاء علیہم السلام کی عظمت و محبت کی مقررہ حدود میں کمی کرنے والے گمراہ اور گستاخ ہیں اسی طرح ان میں زیادتی اور غلو کر کے رسول کو خدائی صفات و اختیارات کا مالک بنا دینا بھی گمراہی ہے۔ یہود و نصاریٰ اسی گمراہی میں کھوئے ہوئے تھے۔ جس طرح عبادات اور تقرب الی اللہ کے لئے جو طریقے قرآن کریم اور اللہ کے رسول نے متعین فرما دیئے، ان میں ذرا سی کمی یا کوتاہی انسان کو استقامت سے گرا دیتی ہے۔ اسی طرح ان میں اپنی طرف سے کوئی زیادتی بھی استقامت کو برباد کر کے ان کو بدعات میں مبتلا کر دیتی ہے۔

اسی طرح معاملات و اخلاق و معاشرت کے تمام ابواب میں قرآن کریم کے بتائے ہوئے اصولوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عملی تعلیم کے ذریعہ ایک معتدل اور صحیح راستہ قائم کر دیا ہے، جس میں دوستی، دشمنی، نرمی، گرمی، غصہ اور بردباری، کنجوسی اور سخاوت، کسب معاش اور ترک دنیا، اللہ پر توکل اور امکانی تدبیر، اسباب ضروریہ کی فراہمی اور مسبب الاسباب پر نظر۔ ان سب چیزوں میں مسلمانوں کو ایک ایسا معتدل سراط مستقیم دیا ہے کہ عالم میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ ان کو اختیار کرنے سے ہی انسان، انسان کامل بنتا ہے اور استقامت سے ذرا گرنے ہی کے نتیجہ میں معاشرہ کے اندر خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۲۷، ۲۸/۳)

پھر فرمایا کہ ظالموں کی طرف ادنیٰ میلان بھی نہ رکھو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے ساتھ

تمہیں بھی جہنم کی آگ چھو جائے، اس وقت اللہ کے مقابلے میں تمہارا کوئی مددگار نہ ہو گا اور نہ اللہ کی طرف سے تمہیں کچھ مدد ملے گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ادنیٰ میلان سے مراد محبت اور دل کا جھکاؤ ہے۔ بیضاوی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ جب ظالموں کی طرف ادنیٰ جھکاؤ کا نتیجہ دوزخ ہے تو کچھ لو کہ خود ظلم کرنے اور ظلم میں مہمک رہنے کا نتیجہ کیا ہو گا۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مغبوض وہ عالم ہے جو ظالم کی ملاقات کو جاتا ہے۔

حضرت اوس کا بیان ہے کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص ظالم کو ظالم جلستے ہوئے قوت پہنچانے کے لئے اس کے ساتھ جاتا ہے وہ اسلام سے نکل جاتا ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے ساتھ مومنوں کو اس آیت میں خطاب کی غرض یہ ہے کہ وہ استقامت یعنی عدل پر ثابت قدم رہیں۔ افراط و تفریط کی طرف جھکاؤ سے اپنے اوپر ظلم ہو یا دوسرے پر وہ فی نفسہ ظلم ہی ہے۔

(مظہری ۶۰-۶۲/۵ - بیضاوی ۱۹۲)

اقامتِ صلوٰۃ کی تاکید

۱۱۳، ۵۱۱۵ «وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفَا مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَلِكَ ذِكْرَى لِلذَّكِرِينَ ۝ وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝»

اور دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصہ میں نماز قائم کیجئے۔ بلاشبہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔ یہ یاد رکھنے والوں کے لئے ایک نصیحت ہے اور صبر کرو کیونکہ اللہ نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

طَرَفِي: دونوں طرف۔ دونوں کنارے۔

زُلْفَا: گھڑیاں۔ ساعتیں۔ حصے۔ واحد زُلْفَةٌ

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے آپ کی

پوری امت کو اقامتِ صلوٰۃ کا حکم دیا ہے۔ علماء تفسیر، صحابہ و تابعین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں

"صلوٰۃ" سے مراد فرض نمازیں ہیں اور صلوٰۃ کی اقامت سے مراد ان کی پوری پابندی اور مداومت ہے۔ بعض کے نزدیک نماز کو اس کے تمام آداب کے ساتھ ادا کرنا مراد ہے اور بعض نے کہا کہ نماز کو اس کے افضل وقت میں ادا کرنا مراد ہے۔ اقم الصلوٰۃ کی تفسیر میں یہی تین قول منقول ہیں۔ ان میں باہم کوئی اختلاف نہیں۔ اقامت صلوٰۃ کے مفہوم میں یہ سب چیزیں آجاتی ہیں۔

اقامت صلوٰۃ کے حکم کے بعد، نماز کے اوقات کا احتمالی بیان ہے کہ دن کے دونوں سروں یعنی شروع اور آخر میں اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کرو۔ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ پہلے سرے کی نماز، نماز فجر ہے۔ البتہ آخری سرے کی نماز کے بارے میں کچھ اختلاف ہے۔ بعض نے مغرب کی نماز کو آخری سرے کی نماز قرار دیا ہے کیونکہ وہ دن کے بالکل ختم پر ہے۔ اور بعض نے عصر کی نماز کو دن کے آخری سرے کی نماز قرار دیا ہے کیونکہ دن کی آخری نماز وہی ہے اور مغرب کا وقت دن گزرنے کے بعد آتا ہے۔ جمہور مفسرین نے رات کے حصوں کی نماز مغرب و عشاء کی نماز کو قرار دیا ہے۔ اس طرح اس آیت میں چار نمازوں کے اوقات کا بیان ہے۔ یعنی فجر، عصر، مغرب اور عشاء۔ البتہ یہاں ظہر کی نماز کا وقت بیان نہیں کیا گیا جو قرآن کریم کی دوسری آیت اَقِمِ الصَّلٰوٰۃَ لِذٰلِکَ الْوُکُبِ الشَّمْسِ میں آیا ہے۔

اس آیت میں مقررہ اوقات میں اقامت صلوٰۃ کے حکم کا ایک عظیم فائدہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ نیک کام برے کاموں کو مٹا دیتے ہیں۔ نیک کام سے تمام نیک کام مراد ہیں جن میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، صدقات، حسن خلق، حسن معاملہ وغیرہ سب داخل ہیں، مگر نماز کو ان سب میں اولیت حاصل ہے۔ اسی طرح برے کام سے تمام برے کام یعنی صغیرہ گناہ مراد ہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنْ تَجْتَنِبُوا کِبٰرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نَکْفِرْ عَنْکُمْ سَیِّئَاتِکُمْ ۚ

(النساء۔ آیت ۳۱)

اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہے تو ہم تمہارے جھوٹے گناہوں کو خود کفارہ کر دیں گے۔

پھر فرمایا کہ یہ قرآن یا اس کے مذکورہ احکام امر و نہی، ان لوگوں کے لئے ہدایت و نصیحت ہیں جو نصیحت سنتے اور ملتے ہیں۔ اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ہٹ دھرم اور ضدی آدمی جو کسی چیز پر غور ہی نہ کرے وہ ہر ہدایت سے محروم رہتا ہے۔ آپ صبر و ثابت قدمی کے ساتھ

اقامتِ صلوٰۃ وغیرہ پر قائم رہئے۔ یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ آپ مخالفین کی مخالفت اور ایذاؤں پر صابر و ثابت قدم رہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نیک عمل کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۲۷۶، ۶۷۸/۴، روح المعانی ۱۵۶، ۱۵۷/۱۲)

مسند احمد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام حارث سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت عثمانؓ آکر بیٹھے اور ہم بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ پھر مؤذن آیا تو حضرت عثمانؓ نے ایک برتن میں پانی منگوایا۔ راوی کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ اس برتن میں ایک مد کی مقدار پانی ہو گا پھر انہوں نے وضو کیا، پھر فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس وضو کی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میرے اس وضو جیسا وضو کرے اور کھڑے ہو کر ظہر کی نماز ادا کرے تو اس کے فجر کی نماز سے لے کر اس وقت تک کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ پھر عصر کی نماز پڑھے تو ظہر سے عصر تک کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ پھر مغرب کی نماز ادا کرے تو عصر سے لے کر مغرب تک کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں، پھر عشاء کی نماز سے مغرب سے عشاء تک کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ سوتا ہے لوٹ پوٹ ہوتا ہے۔ پھر صبح کو اٹھ کر فجر کی نماز پڑھ لینے سے عشاء سے لے کر صبح کی نماز تک کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ یہی ہیں وہ بھلائیاں جو برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ (مسند احمد ۱۱۳/۱)

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر ہی ہنر جاری ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو تمہارا کیا خیال ہے کہ کیا اس کے جسم پر ذرا سا بھی میل باقی رہے گا۔ لوگوں نے کہا ہرگز نہیں۔ آپ نے فرمایا بس یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے کہ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ خطائیں اور گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ (بخاری ۷۴/۱)

سابقہ امتوں کی ہلاکت کا ظاہری سبب

۱۱۶، ۱۱۷ ۱۱۸ ۱۱۹ ۱۲۰ ۱۲۱ ۱۲۲ ۱۲۳ ۱۲۴ ۱۲۵ ۱۲۶ ۱۲۷ ۱۲۸ ۱۲۹ ۱۳۰ ۱۳۱ ۱۳۲ ۱۳۳ ۱۳۴ ۱۳۵ ۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱ ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵ ۱۴۶ ۱۴۷ ۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰ ۱۵۱ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۵۴ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰

رَبُّكَ لِيُهِلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ ۝

پھر تم سے پہلے زمانوں میں ایسے کچھ دار لوگ کیوں نہ ہوئے جو (دوسروں کو) ملک میں فساد پھیلانے (کفر و شرک) سے منع کرتے، تھوڑے سے لوگوں کے سوا ان میں سے جن کو ہم نے (عذاب) سے بچالیا تھا۔ اور جنہوں نے نافرمانی کی تھی وہ جس ناز و نعمت میں تھے، وہ اسی میں پڑے رہے اور وہ تو تھے ہی بد کردار، اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو ناحق ہلاک کر دے جبکہ وہاں کے باشندے (اپنی اور دوسروں) کی اصلاح میں لگے ہوئے ہوں۔

اُولُوْا: والے۔ جمع ہے اس کا واحد نہیں آتا۔

اَتْرَفُوْا: ان کو عیش و آرام دیا گیا۔ اَتْرَفٌ سے ماضی بھول۔

تشریح: سابقہ امتوں کے احوال بیان کرنے کا مقصد امت محمدیہ کو اس کی ترغیب دینا ہے

کہ ان میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے کثرت سے موجود رہنے چاہئیں۔ سابقہ قومیں اسی لئے تباہ و ہلاک ہوئیں کہ ان میں سے چند لوگوں کے سوا ان کی پوری قوم دنیا کی لذتوں میں پھنس کر جہنم پیشہ بن گئی اور ان کے بڑے اور بااثر لوگ جن میں کچھ تھوڑا بہت خیر کا اثر باقی تھا، انہوں نے قوم کو برائی سے روکنا ترک کر دیا۔ اس طرح کفر و عصیان اور ظلم و طغیان عام ہوتا چلا گیا اور اس کی اصلاح کرنے والا کوئی نہ رہا۔ محدود چند آدمیوں نے اصلاح احوال کی کوشش بھی کی تو نقار خانے میں طوطی کی آواز کے مصداق بے اثر رہی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ منع کرنے والے چند آدمی تو محفوظ رہے باقی تمام قوم تباہ و ہلاک ہو گئی۔ اگر نیک لوگ غالب ہوتے تو قوم ہلاک نہ ہوتی۔

اگر کسی بستی کے لوگ اپنی حالت درست کرنے کی طرف متوجہ ہوں، نیکی کو رواج دیں، ظلم و فساد کو روکیں تو اللہ تعالیٰ خواہ مخواہ کسی کو ہلاک نہیں کرتا۔ اللہ کا عذاب اسی وقت آتا ہے جب لوگ کفر و عصیان اور ظلم و طغیان میں حد سے نکل جائیں۔ (عثمانی ۶۵۹/۱)

سابقہ امتوں کی ہلاکت کا باطنی سبب

۱۱۹، ۱۱۸ ۝ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ

مُخْتَلِفِينَ ۝ اِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذَلِكَ خَلَقَهُمْ ۚ
وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا اَمْلَنُ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ
اَجْمَعِينَ ۝

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو سب کو ایک ہی امت بنا دیتا اور وہ ہمیشہ مختلف
طریقوں پر رہیں گے۔ مگر یہ کہ جس پر تیرے رب کی رحمت ہو اور اس نے ان
کو اسی لئے پیدا بھی کیا ہے اور آپ کے رب کی (یہ) بات پوری ہو گئی کہ وہ
جہنم کو جنوں اور انسانوں سے بھر دے گا۔

تشریح: سابقہ امتوں کی ہلاکت کا باطنی سبب اس کی مشیت و ارادہ تھا۔ اگر وہ چاہتا تو سب
لوگوں کو ایک ہی امت و ملت بنا دیتا مگر بتقاضائے حکمت اس نے دنیا میں انسان کو ایک قسم کا
اختیار دے دیا ہے کہ وہ اچھا یا برا جو عمل چاہے کر سکتا ہے۔ چونکہ انسانوں کی طبائع مختلف ہیں،
اس لئے ان کی راہیں بھی مختلف ہوتی ہیں اور اعمال بھی مختلف ہوتے ہیں۔ اسی لئے کچھ لوگ دین
حق کو قبول کرتے ہیں اور کچھ اس کا انکار کرتے ہیں۔ پس جس پر اللہ کی مہربانی ہوگی وہ دین حق اور
صراطِ مستقیم پر قائم رہے گا اور باقی لوگ گمراہ اور اس کے منکر رہیں گے کیونکہ اللہ نے ان میں
سے بعض کو دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے اور بعض کو جنت کے لئے۔ اور اللہ کی بات پوری ہو گئی
کہ وہ جہنم کو نافرمان جنوں اور انسانوں سے ضرور بھر دے گا۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۶۸۰/۴، مواہب الرحمن ۱۳۵-۱۳۸/۱۲)

مذکورہ واقعات کے بیان کی حکمت

۱۲۰- وَكَلَّا نَقْصُ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نَشِئْتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ
وَجَانِكَ فِىْ هٰذَا الْحَقِّ وَوَعِيْظُهُ وَذِكْرٰى لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اور پیغمبروں کے یہ قصے ہم اس لئے آپ سے بیان کرتے ہیں تاکہ ہم ان سے
آپ کے دل کو مضبوط کر دیں اور ان واقعات کے ساتھ ساتھ آپ کے پاس حق
بات بھی پہنچ جائے گی اور ایمانداروں کے لئے نصیحت و یاد دہانی بھی ہو جائے
گی۔

تَثْبُتُ : ہم تقویت دیں گے۔ ہم مطمئن کریں گے۔ تَثْبُتُ سے مضارع۔
 فَوَادُ : دل۔ قلب۔ جمع اُفْدَةُ۔
 ذِکْرُی : ذکر کرنا۔ نصیحت کرنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سابقہ امتوں کا اپنے بندوں کو جھٹلانا، انبیاء کا ان کی ایذاؤں پر صبر کرنا، پھر اللہ کے عذاب کا آنا، کافروں کا برباد ہونا، انبیاء، رسولوں اور مومنوں کا نجات پانا، یہ سب واقعات ہم آپ کو اس لئے سنارہے ہیں تاکہ ہم آپ کے دل کو مضبوط کر دیں اور ان واقعات کو سن کر آپ کو کامل سکون و اطمینان ہو جائے کہ دعوت و تبلیغ دین میں انبیاء کرام علیہم السلام کو ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ دوسری بات یہ کہ ان واقعات کے ضمن میں آپ کو پتہ چل گیا کہ ابتداء میں حق ضعیف و ناتواں ہوتا ہے اور آخر میں ایسا قوی ہوتا ہے کہ بڑے بڑے منکر اور سرکش اس کے سامنے بے بس ہو جاتے ہیں۔ نیز ان واقعات میں لہلہ ایمان کے لئے نصیحت و عبرت ہے۔ نصیحت تو یہ ہے کہ آئندہ ایسا نہ کریں اور عبرت یہ ہے کہ ان واقعات کو سن کر اللہ سے ڈریں اور اس سے پناہ مانگیں۔ (ابن کثیر ۲/۴۶۵)

کافروں کو تنبیہ

۱۲۱، ۱۲۳ - وَقُلْ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اَعْمَلُوا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عَمِلُوْنَ ۝ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

اور جو لوگ ایمان نہیں لائے ان سے کہہ دیجئے کہ تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو، ہم بھی عمل کر رہے ہیں اور تم بھی انتظار کرو، ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔ اور آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ بات اللہ ہی جانتا ہے اور سب امور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ سو تم اسی کی عبادت کرو اور اسی پر توکل کرتے رہو اور آپ کا رب ان باتوں سے غافل نہیں جو تم کر رہے ہو۔

تشریح: یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ جب حق آگیا اور حجت پوری ہو گئی تو اگر کوئی اس پر بھی نہ

مانے اور اپنے عناد و ضد پر قائم رہے تو آپ کہہ دیجئے کہ اچھا تم اپنی حالت پر رہو اور نتیجہ کا انتظار کرو، ہم بھی نتیجہ کا انتظار کرتے ہیں۔ بہت جلد تمہیں اپنی ہٹ دھرمی کا انجام معلوم ہو جائے گا۔ الحمد للہ۔ ثم الحمد للہ۔ دنیا نے ان کافروں کا انجام دیکھ لیا اور ان مسلمانوں کا بھی جو اللہ کے فضل و کرم سے دنیا پر چھا گئے اور مخالفین پر کامیابی کے ساتھ غلبہ حاصل کر لیا۔

پھر فرمایا کہ آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی باتیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اس کو ذرہ ذرہ کا علم ہے۔ زمین و آسمان کی کوئی بات اس سے چھپی ہوئی نہیں۔ دنیا اور آخرت کے تمام امور اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ لہذا آپ، ہمہ تن اس کی عبادت میں لگے رہئے، اسی پر بھروسہ رکھئے اور آپ ان کافروں اور منافقوں کی عداوت سے دلگیر نہ ہوں۔ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر کے نتیجہ کا انتظار کیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ مخلوق میں سے کسی کے کسی عمل سے بے خبر نہیں۔

(ابن کثیر ۴/۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۶۰۳، ۶۰۴ / ۳)

کامل ایمان

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! بندے کا اللہ پر ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک اس میں پانچ خصلتیں پیدا نہ ہو جائیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا۔ (۲) ہر معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا۔ (۳) اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی آزمائشوں پر صبر کرنا۔ (۴) اللہ تعالیٰ کا حکم قبول کرنا۔ (۵) اور اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلے پر راضی رہنا۔ جو شخص اللہ کی رضا کے لئے محبت کرے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بغض رکھے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے دے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے منع کرے تو اس کا ایمان مکمل ہو گیا۔ (خطب الرسول - مطبوعہ قاہرہ)

بسم الله الرحمن الرحيم

سورة يوسف

وجہ تسمیہ: اس سورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کا تفصیلی بیان ہے، اس لئے یہ سورت سورة يوسف کے نام سے موسوم ہو گئی۔

تعارف: اس میں بارہ رکوع، ایک سو گیارہ آیتیں، ۸۰۸ کلمات اور ۴۱۱ حروف ہیں۔
ارح اور اصح یہ ہے کہ یہ پوری سورت مکیدہ ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا پورا واقعہ تسلسل اور ترتیب کے ساتھ اسی سورت میں بیان ہوا ہے۔ قرآن کریم میں دوبارہ اس کا کہیں ذکر نہیں، جبکہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے قصص و واقعات خاص حکمت کے تحت پورے قرآن میں اجزاجزا کر کے بار بار بیان کئے گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ واقعہ لوگوں کی فرمائش پر نازل ہوا اس لئے یکجا اور مسلسل بیان کیا گیا۔ اسی طرح اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے واقعے بھی لوگوں کی فرمائش پر نازل ہوئے۔ اس لئے وہ بھی یکجا بیان ہوئے اور مکرر نہیں لائے گئے۔

حضرت یوسف کا واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حال سے بہت مشابہت رکھتا ہے حضرت یوسف کی طرح آپ کی نبوت کا آغاز بھی رویائے صالحہ سے ہوا۔ جس طرح حضرت یوسف کے بھائیوں نے ان پر حسد کیا اور ان کو طرح طرح سے تکلیفیں پہنچائیں، اسی طرح آپ کو بھی قریش سے بہت سی تکلیفیں پہنچیں۔ جس طرح حضرت یوسف کو ایذاؤں اور تکلیفوں پر صبر و استقامت کی برکت سے عزت و غلبہ نصیب ہوا اور انہوں نے بھائیوں سے کوئی انتقام نہ لیا بلکہ لَا تَتْرِبْ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کہہ کر سب کو معاف کر دیا، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قریش کی طرف سے پہنچنے والی ایذاؤں اور تکلیفوں پر صبر و استقامت سے کام لیا۔ بالآخر جب مکہ فتح ہوا تو اس وقت آپ نے بھی قریش پر کوئی ملامت نہیں کی بلکہ حضرت یوسف کی طرح لَا تَتْرِبْ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کہہ کر سب کو معاف فرما دیا۔ جس طرح حضرت یوسف نے بھائیوں کو معاف فرمانے کے بعد ان کو انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قریش کو حنین کے مال غنیمت میں سے تالیفِ قلب کے طور پر سو سو اونٹ عطا

فرمائے تاکہ اسلام کی کراہت و نفرت، الفت سے بدل جائے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱/ ۴۳)

ابن عباس اور جابر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ پہلے سورہ یونس نازل ہوئی۔ پھر

سورہ ہود اور اس کے بعد سورہ یوسف نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۱۴۰/ ۱۲)

سورہ یوسف کا سبب نزول

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قرآن نازل ہونا شروع ہوا تو آپؐ (اس کو) صحابہ کے سامنے تلاوت فرماتے۔ پس صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے سامنے کوئی قصہ بیان فرماتے (جس میں سابقہ امتوں کے مفید حالات بیان ہوتے)۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔

یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ آپ حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہما السلام کا قصہ بیان کریں۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ ایک قول یہ ہے کہ یہود نے کفار مکہ سے کہا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بنی اسرائیل کے مصر میں آباد ہونے کی وجہ دریافت کریں۔ اس پر اس سورت کا نزول ہوا۔

(روح المعانی ۱۴۰/ ۱۲)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قرآن کی حقیقت اور حضرت یوسفؑ کے خواب کا ذکر ہے۔ آخر میں حضرت یوسفؑ کے لئے اللہ تعالیٰ کے انعامات کا بیان ہے۔

رکوع ۲: حضرت یوسفؑ کے عبرت انگیز واقعہ کا آغاز۔ حضرت یوسفؑ کو ساتھ لیجانے کے لئے ان کے بھائیوں کی اپنے باپ حضرت یعقوبؑ سے درخواست۔ حضرت یعقوبؑ کا اندیشہ اور بھائیوں کا حضرت یوسفؑ کو لیجا کر کنوئیں میں ڈالنا۔ آخر میں حضرت یوسفؑ کا اہل قافلہ کے ہاتھوں فروخت ہونا مذکور ہے۔

رکوع ۳: عزیز مصر کا حضرت یوسف کو خریدنا۔ پھر عزیز مصر کی بیوی کے مکر و فریب سے بچنے کے لئے حضرت یوسف کا دروازے کی طرف بھاگنا۔ آخر میں عزیز مصر کی صاف گوئی کا بیان ہے۔

رکوع ۴: شہر کی عورتوں میں حضرت یوسف کا چرچا اور ان کو قید میں ڈالنے کا ذکر ہے۔

رکوع ۵: حضرت یوسف کا اعلان توحید، پھر حضرت یوسف کا اپنے دونوں قیدی ساتھیوں کے خوابوں کی تعبیر دینا۔

رکوع ۶: بادشاہ کے خواب اور اس کی تعبیر کا بیان ہے۔

رکوع ۷: حضرت یوسف کی رہائی اور زلیخا کا اقبالِ حرم، پھر حضرت یوسف کا اعلان برأت مذکور ہے۔ آخر میں مالیات کے سربراہ کی حیثیت سے حضرت یوسف کی تقرری بیان کی گئی ہے۔

رکوع ۸: حضرت یوسف کے بھائیوں کا غلہ کے لئے حضرت یوسف کے پاس آنا اور غلہ لے کر واپس جانا۔ بھائیوں کی طرف سے اپنے چھوٹے بھائی بنیامین کو ساتھ لے جانے کے لئے اصرار پر حضرت یعقوب کا اپنے بیٹوں سے عہد و پیمان لینا اور ان کو نصیحت کرنا مذکور ہے۔

رکوع ۹: حضرت یوسف کا بنیامین سے خصوصی معاملہ اور چوری کے الزام میں بھائیوں کے سامان کی تلاشی۔ چوری برآمد ہونے پر حضرت یوسف کا بنیامین کو اپنے پاس روکنا اور بھائیوں کا حضرت یوسف سے اس کی رہائی کے لئے درخواست کرنا بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۱۰: رکوع کے شروع میں بنیامین کے بارے میں بھائیوں کا آپس میں مشورہ کرنا اور اس معاملے میں حضرت یعقوب کے صبر و استقامت کا بیان ہے۔ پھر حضرت یعقوب کی طرف سے بیٹوں کو حضرت یوسف کی تلاش کا حکم مذکور ہے۔ آخر میں حضرت یوسف کا اپنے آپ کو ظاہر کرنا اور ان کے عفو و درگزر کا بیان ہے۔

رکوع ۱۱: کنعان میں حضرت یعقوب کو حضرت یوسف کی خوشبو محسوس ہونا اور پھر ان کی بیٹائی بحال ہونے کا بیان ہے۔ اس کے بعد باپ بیٹوں کا سجدہ تعظیمی اور حضرت یوسف کی دعا مذکور ہے۔ آخر میں بتایا گیا کہ یہ واقعات غیب کی خبریں ہیں جو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی گئیں تاکہ لوگوں پر حجت قائم ہو جائے اور وہ ان سے نصیحت حاصل کریں۔

رکوع ۱۲: شروع میں وحدانیت کی نشانیوں کا ذکر ہے۔ پھر تمام انبیاء کا انسان ہونا بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں بتایا گیا ہے کہ یہ واقعات کچھ بوجھ اور عقل و دانش والوں کے لئے بڑی عبرت و نصیحت کے حامل ہیں۔

قرآن کریم کی حقانیت

۳۱۔ اَلْزُّ - تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ۝ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا لِّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْآنُ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝

الر۔ یہ ایک واضح کتاب کی آیتیں ہیں۔ ہم نے اس کو تمہارے سمجھنے کے لئے عربی زبان میں نازل کیا۔ (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اس قرآن کے ذریعہ جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے، ہم آپ سے ایک نہایت عمدہ قصہ بیان کرتے ہیں اور (ہمارے) اس (بیان کرنے) سے پہلے آپ کو اس کی بالکل خبر نہ تھی۔

تشریح: الر۔ یہ مشابہات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اس کی مراد معلوم نہیں۔ جمہور کے نزدیک بھی قول راجح اور مختار ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ مشابہات اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان راز ہیں۔ رسول کے سوا کسی کا مرتبہ ایسا نہیں کہ وہ ان اسرار کو سمجھ سکے۔

یہ ایک ایسی کتاب کی آیات ہیں جو بالکل واضح اور روشن ہے، حق و باطل کو خوب واضح کرتی ہے۔ احکامِ حلال و حرام اور ہر کام کی حدود و قیود بیان کر کے انسان کو ہر شعبہ زندگی میں ایک معتدل اور سیدھا سادہ نظامِ حیات بخشتی ہے۔ یہ قرآن عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے تاکہ اہل عرب اس کے مطالب و معانی کو خوب اچھی طرح سمجھ سکیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کو تسلیم کریں۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اس قرآن کے ذریعہ، جو ہم نے آپ پر وحی کیا ہے، آپ کے سامنے ایک بہترین قصہ بیان کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سورت کے نازل ہونے سے پہلے آپ اس قصے کے بارے میں بالکل بے خبر تھے۔ اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی بڑی نشانیاں اور تحقیق کرنے والوں کے لئے بڑی ہدایتیں اور احکام و مسائل موجود ہیں۔ اس میں بہت سی عبرتیں، نصیحتیں اور حکمتیں ہیں، عجائباتِ قدرت اور دقائق و فوائد ہیں کہ جس بچے کو بھائیوں نے ہلاکت کے غار میں ڈال دیا تھا، اللہ نے اس کی کس طرح حفاظت فرمائی اور اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا اور کس طرح مخالفین کو اس کے قدموں میں لاکر ڈال دیا۔ اس میں بادشاہوں اور رعایا کی سیرتیں ہیں، عورتوں کے مکرو فریب اور دشمنوں کی ایذا پر صبر کرنے کا بیان ہے۔ غلبہ پانے کے باوجود دشمنوں سے درگزر کی تعلیم ہے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳، ۴ / ۴، مظہری ۱۳۵ / ۵)

حضرت یوسفؑ کا خواب

۵،۴۔ اِذَا قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كُوكَبًا
وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ ۝ قَالَ يُنَبِّئُ
لَا تُقْصِرْ رُءُيَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا ۖ إِنَّ
الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝

(یہ اس وقت کا ذکر ہے) جب (حضرت) یوسف نے اپنے باپ (حضرت یعقوب) سے کہا کہ اے میرے باپ! میں نے (خواب میں) گیارہ ستارے اور سورج اور چاند دیکھے ہیں۔ میں نے ان کو دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ (حضرت) یعقوب نے کہا۔ اے میرے بیٹے! تم اپنا (یہ) خواب اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا (ورنہ) وہ تمہارے (ایذا رسانی کے) لئے کوئی خاص تدبیر کر لیں گے۔ بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

کُوكَبًا: ستارہ۔ جمع کُوكَبَاتٍ

كَيْدًا: خفیہ تدبیر۔ مکر۔ فریب

تشریح: حضرت یوسف نے اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ گیارہ ستاروں سے مراد یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائی اور سورج اور چاند سے مراد (ان کے) ماں باپ ہیں۔

قرطبی میں ہے کہ حضرت یوسف کی والدہ اس واقعہ سے پہلے وفات پا چکی تھیں۔ مگر ان کی خالہ ان کے والد ماجد کے نکاح میں آگئی تھیں۔ ویسے بھی خالہ ماں کے قائم مقام سمجھی جاتی ہے۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۵/۶)

حضرت یوسفؑ کا خواب سن کر ان کے والد حضرت یعقوبؑ نے ان سے کہا کہ یہ سچا خواب ہے، یہ پورا ہو کر رہے گا۔ تم اس کو اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا۔ بہت ممکن ہے کہ وہ اس خواب کو سن کر اور شیطان کے بہکاوے میں آکر ابھی سے تمہاری دشمنی میں لگ جائیں اور حسد کی وجہ سے کوئی نامعقول فریب کاری اور حیلہ سازی کر کے تجھے پست کرنے کی فکر میں لگ جائیں۔ (ابن کثیر ۴/۳۶۶، ۳۶۷)

اللہ کی طرف سے العامات کا وعدہ

۶۔ وَكَذَلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ كَمَا أَتَمَّهَا عَلَىٰ أَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

اور اسی (خواب کی) طرح (بڑے ہونے پر) تمہارا رب تمہیں برگزیدہ کرے گا اور تمہیں خوابوں کی تعبیر دینا سکھائے گا اور تمہیں اور آل یعقوب کو اپنی نعمتوں سے نواز کر اپنا انعام اسی طرح کامل کرے گا جس طرح اس سے پہلے وہ تمہارے دادا ابراہیم و اسحاق پر کامل کر چکا ہے۔ بیشک تمہارا پروردگار بڑے علم والا (اور) بڑی حکمت والا ہے۔

يَجْتَبِيكَ: وہ تجھ کو منتخب کرتا ہے۔ اجتبا سے مضارع۔
تَأْوِيل: تعبیر بتانا۔ حقیقت بیان کرنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے چند انعامات عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے

- ۱۔ اللہ تعالیٰ اپنے انعامات و احسانات کے لئے آپ کو منتخب فرمائے گا۔ اس کا ظہور مصر میں حکومت اور عزت و دولت ملنے سے ہوا۔
- ۲۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خواب کی تعبیر کا علم سکھا دے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تعبیر خواب ایک مستقل فن ہے جو اللہ تعالیٰ کسی کسی کو عطا فرماتا ہے۔ ہر شخص اس کا اہل نہیں۔
- ۳۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بھرپور نعمت یعنی نبوت عطا فرمائے گا، جیسا کہ اس سے پہلے اس نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور حضرت اسحق علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی تھی۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بڑے علم و حکمت والا ہے اور خوب جانتا ہے کہ نبوت کے لائق کون ہے۔ (معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۵/۱۲)

عبرت انگیز واقعات

۴۔ لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِّلسَّائِلِينَ ۝

البتہ (حضرت) یوسف اور ان کے بھائیوں کے قصے میں سوال کرنے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

تشریح: حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے اس قصے میں ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اس کے بارے میں سوال کیا ہے۔ بہت سی عبرتیں اور نصیحتیں ہیں اور جن لوگوں نے اس واقعے کے بارے میں سوال نہیں کیا ان کے لئے بھی اس میں اللہ کی قدرت کاملہ کی بہت سی نشانیاں ہیں۔

لیا بنت لیان کے بطن سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے چھ لڑکے اور دینیہ نام کی ایک لڑکی تھی۔ لڑکوں میں سب سے بڑے لڑکے کا نام روداہیل تھا۔ ان کے علاوہ چار لڑکے دو باندیوں کے بطن سے تھے۔ ان باندیوں کے نام زلفہ اور یلیمہ تھے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ لیائے مرنے کے بعد حضرت یعقوب نے اس کی بہن را حیل سے نکاح کر لیا تھا، جس کے بطن سے دو بیٹے یوسف اور بنیامین پیدا ہوئے۔ اس طرح کل بارہ لڑکے ہو

گئے۔ ہر لڑکا صاحبِ اولاد ہوا اور سب کے خاندان پھیلے۔ حضرت یعقوب کا لقب اسرائیل تھا اس لئے ان بارہ لڑکوں کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی اور ہر لڑکے کی اولاد ایک خاندان تھی۔
 بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ شریعتِ اسرائیل میں ایک وقت میں دو بہنوں سے نکاح درست تھا۔ حضرت یعقوب کے نکاح میں ایک ہی زمانے میں دو بہنیں لیا اور راحیل تھیں۔
 (مظہری ۱۳۲، ۱۳۳، ۵ / بیضاوی ۱۹۳)

قصہ کا آغاز

۱۰، ۸۔ اِذْ قَالُوا لِيُوسُفُ وَاخُوهُ اَحَبُّ اِلَىٰ اٰبِنَا مِمَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ۚ
 اِنَّ اَبَانَا لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۖ اَقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوْ اَطْرَحُوْهُ
 اَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا
 ضٰلِحِيْنَ ۝ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَالْقَوْلُ فِى
 غِيْبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطُهٗ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝

(وہ وقت قابلِ ذکر ہے) جب (حضرت یوسف کے سوتیلے بھائیوں نے آپس میں) کہا کہ یوسف اور ان کا (حقیقی) بھائی ہمارے باپ کو بہت پیارے ہیں حالانکہ ہم ایک جماعت ہیں۔ بیشک ہمارا باپ کھلی غلطی پر ہے۔ (اب ایک ہی صورت ہے کہ) یا تو یوسف کو قتل کر ڈالو یا اس کو کہیں (دور دراز ملک میں) پھینک دو، تاکہ باپ کی توجہ خاص تمہاری ہی طرف ہو جائے اور اس کے بعد پھر نیک جماعت بن کر رہنا (یعنی توبہ کر لینا)۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ اگر تم کو یہی کرنا ہے تو یوسف کو قتل نہ کرو بلکہ اس کو ایک اندھے کنوئیں میں ڈال دو تاکہ کوئی راہ گیر (قافلے والا) اس کو نکال کر لے جائے۔

عُصْبَةٌ: عصبہ اور اور عصاۃ دونوں اسم جمع ہیں۔ ان کا واحد نہیں آتا اور یہ دس سے

چالیس تک کی جماعت پر بولے جاتے ہیں۔ (لسان العرب ۶۰۵ / ۱)

اِطْرَحُوْهُ: تم اس کو ڈال دو۔ تم اس کو پھینک دو۔ طَرَحَ سے امر۔

غِيْبَتِ: کنوئیں کی گہرائی۔ ہر اس چیز کو غیباً کہتے ہیں جو کسی چیز کو چھپالے اور غائب کر

دے۔ اسی لئے قبر کو بھی غیباً کہا جاتا ہے۔ (معارف القرآن ۱۹ / ۵)

الْجَبِّ:

گہرا کنواں۔ ایسا کنواں جس کی من بنی ہوئی نہ ہو۔

يَلْتَقِطُهُ:

وہ اس کو نکال لے جائے گا۔ وہ اس کو اٹھالے گا۔ یہ لقطہ سے بنا ہے۔ لقطہ اس

گری پڑی چیز کو کہتے ہیں جو کسی کو طلب کے بغیر مل جائے

سَيَّارَةٌ:

کاروان۔ قافلہ۔ سیر سے صفت شبہ۔

تَشْرِيح:

حضرت یوسف کے بھائی آپس میں کہنے لگے کہ ہمارے والد، ہم لوگوں کے مقابلے

میں یوسف اور بنیامین سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں حالانکہ ہم تعداد میں دس ہیں اور ان سے بڑے ہیں، گھر کے کام کاج سنبھالنے کی طاقت و قدرت رکھتے ہیں، جبکہ یہ دونوں تو ابھی بچے اور نا بچھ ہیں اور کوئی کام بھی نہیں کر سکتے۔ اس لئے ان کے مقابلے میں والد صاحب کو ہم سے زیادہ محبت کرنی چاہئے تھی۔ مگر وہ تو صریح غلطی اور نا انصافی کر رہے ہیں۔ بس اب ایک کام کرنا چاہئے کہ نہ رہے بانس اور نہ بچے بانسری، حضرت یوسف کا قصہ ہی تمام کر دو، نہ یہ ہو گا اور نہ ہماری راہ کا نشان بنے گا۔ پھر باپ کی پوری محبت و توجہ ہماری طرف ہو جائے گی۔

یوسف کو راستے سے ہٹانے کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو اسے قتل کر ڈالو یا کہیں دور دراز جگہ پھینک دو، جہاں سے واپس نہ آسکے۔ یہ کام کر کے تو بہ کے ذریعہ نیک و صالح بن جانا۔ اللہ معاف کرنے والا ہے۔ یہ سن کر ان میں سے ایک (غالباً سب سے بڑے بھائی) نے مشورہ دیا کہ یہ تو سراسر نا انصافی ہے۔ کسی وجہ اور قصور کے بغیر صرف عداوت کی بنا پر خونِ ناحق گردن پر لینا کسی طرح بھی درست نہیں۔

اللہ کی مرضی اور حکمت یہ تھی کہ حضرت یوسف قتل نہ ہوں، ان کو نبوت و بادشاہت عطا کی جائے اور ان کے بھائیوں کو حضرت یوسف کے سامنے عاجز و بے بس کر کے لائے۔ چنانچہ بھائی کی گفتگو سن کر ان کے دل نرم ہو گئے اور طے یہ ہوا کہ ان کو قتل کرنے کے بجائے کسی غیر آباد کنوئیں کی ہتھ میں ایسی جگہ ڈال دیا جائے جہاں وہ زندہ رہے تاکہ کوئی گزرنے والا قافلہ جب وہاں آئے تو اسے نکال کر اپنے ساتھ لے جائے۔ اس طرح اس کا باپ ہی کٹ جائے گا اور تمہارا مقصد پورا ہو جائے گا۔ (ابن کثیر ۴۶۹، ۴۷۰، ۲)

حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کی درخواست

۱۲، ۱۱ - قَالُوا يَا أَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَى يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ لَنَصْحُونَ ۝
أَرْسَلَهُ مُعْتَنَا غَدًا يَرْتَعُ وَيَلْعَبُ وَإِنَّا لَهُ لَحَفِظُونَ ۝

انہوں نے کہا کہ اے ہمارے باپ! کیا وجہ ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہم پر اعتبار نہیں کرتے، حالانکہ ہم (دل و جان سے) اس کے خیر خواہ ہیں۔ کل آپ اس کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ وہ خوب کھائے اور کھیلے اور اللہ ہم اس کے محافظ ہیں۔

تَأْمَنَّا: تو ہمیں امین بناتا ہے۔ تو ہمارا اعتبار کرتا ہے۔ اُمْنٌ وَاُتْمَانَةٌ سے مضارع۔

يَرْتَعُ: وہ خوب کھاتا ہے۔ وہ مرے اڑاتا ہے۔ رَتَعَ وَرْتَعٌ سے مضارع۔

تشریح: بھائی کے مشورہ کو قبول کرتے ہوئے سب نے اس پر اتفاق کر لیا کہ حضرت یوسف کو لجا کر کسی غیر آباد کنوئیں میں ڈال آئیں۔ چنانچہ وہ اپنی سازش کو عملی جامہ پہنانے کے لئے باپ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آخر کیا بات ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہمیں امین نہیں جانتے؟ ہم تو اس کے بھائی ہیں۔ ہم سے زیادہ اس کا خیر خواہ کون ہو سکتا ہے۔ کل اس کو ہمارے ساتھ سیر و تفریح کے لئے بھیج دیجئے تاکہ وہ بھی ہمارے ساتھ خوب کھائے پئے، دو گھڑی کھیل کود لے اور ہنس بول لے۔ آپ اطمینان رکھئے، ہم اس کی پوری حفاظت کریں گے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جائز حدود کے اندر رہتے ہوئے کھیل کود اور سیر و تفریح جائز و مباح ہے۔ صحیح احادیث سے بھی اس کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ اس کھیل کود میں شرعی حدود سے تجاوز نہ کیا جائے اور نہ کسی ناجائز فعل کو اس کے ساتھ ملا یا جائے۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۵/۲۱)

حضرت یعقوبؑ کا اندیشہ

۱۳، ۱۳ - قَالَ إِنِّي لَيَحْزَنُنِي أَنَّ تَذْمُبُوا بِهِ وَأَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنْتُمْ عَنْهُ غَافِلُونَ ۝ قَالُوا لَيْسَ أَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ

اَنَا اِذَا الْخُسْرٰوْنَ ۝

حضرت یعقوب نے کہا کہ مجھے یہ بات (ہی) غم میں ڈالتی ہے کہ تم اسے لے جاؤ اور مجھے (یہ بھی) خوف ہے کہ کہیں تم اس کی طرف سے غافل ہو جاؤ اور اس کو بھڑیا کھا جائے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں، اگر پھر بھی اس کو بھڑیا کھا جائے تو ہم تو بالکل ہی گئے گزرے ہوئے۔

تشریح: حضرت یعقوب نے بیٹوں کو جواب میں دو باتیں کہیں۔ ایک بات تو یہ کہی کہ اگر تم یوسف کو لے جاؤ گے تو مجھے اس کی اتنی دیر کی جدائی بھی شاق گزرے گی اور مجھے صبر و قرار نہ آئے گا۔ یہاں حزن سے وہ قلبی دکھ مراد ہے جو محب کو محبوب کے فراق سے ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ کہی کہ مجھے اس بات کا بھی اندیشہ ہے کہ تم تو کھانے پینے، کھیل کود اور سیر و تفریح میں مشغول ہو کر اس کی طرف سے غافل ہو جاؤ گے۔ اس کی حفاظت نہ کر سکو گے اور بھڑیا آکر اس کو کھا جائے گا۔ انہوں نے حضرت یعقوب کی اس بات کو لے لیا اور دماغ میں بسا لیا کہ یہی ٹھیک عذر ہے۔

حضرت یعقوب کو بھڑیے کا اندیشہ یا تو اس وجہ سے ہوا کہ کنعان میں بھڑیوں کی کثرت تھی یا اس وجہ سے کہ انہوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ وہ کسی پہاڑی کے اوپر ہیں اور یوسف علیہ السلام نیچے اس کے دامن میں ہیں۔ اچانک دس بھڑیوں نے ان کو گھیر لیا اور ان پر حملہ کرنا چاہا مگر ایک بھڑیے نے مدافعت کر کے چھڑا دیا۔ پھر حضرت یوسف زمین کے اندر چھپ گئے۔ اس خواب کی تعبیر بعد میں اس طرح ظاہر ہوئی کہ دس بھڑیے تو ان کے دس بھائی تھے جنہوں نے سازش کی تھی۔ جس بھڑیے نے ان کو ہلاکت سے بچایا وہ ان کا بڑا بھائی تھا اور زمین میں چھپ جانے سے مراد کنوئیں کی گہرائی تھی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت یعقوب کو اس خواب کی بنا پر خود ان کے بھائیوں سے خطرہ تھا، انہی کو بھڑیا کہا تھا مگر مصلحت کی بنا پر پوری بات ظاہر نہیں فرمائی۔

بیٹوں نے حضرت یعقوب کے اندیشے کے جواب میں کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم دس کے دس یوسف سے غافل ہو جائیں۔ اگر ہم دس آدمی بھی یوسف کی حفاظت نہ کر سکیں اور ہمارے ہوتے ہوئے بھڑیا ان کو کھا جائے تو ہم تو بالکل ہی بد نصیب اور نامراد و ناکارہ ہوئے۔

(مظہری ۱۴۶/۵، معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۲۱، ۲۲/۵)

حضرت یوسفؑ کو کنوئیں میں ڈالنا

۱۵۔ فَلَمَّا ذَمُّوْا بِهِ وَاَجْمَعُوْا اَنْ يَّجْعَلُوْا فِيْ غِيْبَتِ الْجُبِّ ۚ
وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِ رَّبِّهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝

پھر جب وہ اس (حضرت یوسف) کو اپنے ساتھ لے گئے اور انہوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ وہ اس کو ایک اندھے کنوئیں میں ڈال دیں تو ہم نے (یوسف کی تسلی کئے) اس کی طرف وحی کی کہ اللہ ایک دن تو ضرور ان کو ان کے اس کام (بد سلوکی) کی خبر دے گا۔ اور ان کو (اس بات کا) شعور بھی نہ ہو گا۔

تشریح: آخر انہوں نے باپ کو راضی کر لیا اور وہ حضرت یوسف کو لے کر چلے گئے۔ جنگل میں جا کر انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ وہ حضرت یوسف کو کسی غیر آباد کنوئیں میں ڈال دیں حالانکہ وہ حضرت یوسف کو باپ سے یہ کہہ کر لائے تھے کہ وہ اس کا دل بہلائیں گے، اس کو خوش رکھیں گے اور اس کی پوری طرح حفاظت کریں گے۔ پھر خود ہی ان کے حق میں بھڑیے بن گئے۔ پھر انہوں نے حضرت یوسف کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ان کو کنوئیں میں لٹکا دیا۔ وہ بھائیوں سے فریاد کرتے رہے مگر کسی نے ان کی فریاد پر کان نہیں دھرا۔ جب وہ کنوئیں کے درمیان میں آدھے فاصلے پر پہنچے تو انہوں نے رسی کاٹ دی تاکہ حضرت یوسف گر کر ہلاک ہو جائیں۔ حضرت یوسف پانی میں گرے اور پھر ایک پتھر پر آکر کھڑے ہو گئے جو کنوئیں کے درمیان میں پڑا ہوا تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کے اطمینانِ قلب کے لئے ان کو وحی کے ذریعہ اطلاع دی کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ آپ اپنے بھائیوں پر غالب آجائیں گے اور ان کو ان کے اس کر توت پر توبہ کریں گے اور ان کو کچھ بھی خبر نہ ہوگی۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا جب حضرت یوسف کے بھائی ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے بھائیوں کو پہچان لیا مگر بھائی حضرت یوسف کو نہ پہچان سکے۔ حضرت یوسف نے ایک پیالہ منگوایا اور اس کو اپنے ہاتھ پر رکھ کر اسے انگلی سے ٹھونکا۔ پھر کہا کہ یہ پیالہ تمہارے بارے میں کچھ بتا رہا ہے کہ تمہارا ایک سوتیلا بھائی تھا جس کا نام یوسف تھا۔ تمہارے مقابلے میں وہ باپ کے زیادہ قریب تھا۔ تم اسے

باپ کے پاس سے لے گئے اور اسے کنوئیں میں پھینک دیا۔ پھر تم اس کے کرتے پر جھوٹا خون لگا کر اپنے باپ کے پاس گئے اور اس کو کہا کہ تیرے لڑکے کو بھڑیئے نے کھالیا ہے۔ پھر وہ آپس میں کہنے لگے کہ اس پیالے نے تو ہماری تمام باتیں بادشاہ کو بتا دیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہی ہے وہ وحی جو آپ کو کنوئیں میں ہوئی تھی کہ تو ان کے اس کرتوت سے انہیں ان کی بے شعوری میں بتائے گا۔ (روح المعانی، ۱۹۶، ۱۹۸/۱۲)

حضرت یعقوبؑ کے سامنے بھائیوں کا رونا

۱۸، ۱۶۔ وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ ۝ قَالُوا يَا أَبَانَا انا ذُهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ۝ وَجَاءُوا عَلَى قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ ۚ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا ۚ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۚ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ ۝

اور وہ سب عشاء کے وقت روتے ہوئے اپنے باپ کے پاس آئے۔ وہ کہنے لگے، اے ہمارے باپ! بیشک، ہم سب تو ایک دوسرے پر بہت لے جانے کے لئے دوڑنے لگے اور ہم نے یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا سو اس کو ایک بھڑیئے نے (اگر) کھالیا۔ اور آپ ہماری بات کا یقین کبھی نہیں کریں گے خواہ، ہم کیسے ہی بچے (کیوں نہ) ہوں اور وہ اس کے کرتے پر جھوٹا موٹ کا خون لگا کر لائے تھے۔ (حضرت یعقوب نے) کہا بلکہ تم نے اپنے دل سے یہ بات بنائی ہے۔ سو (اب) صبری بہتر ہے اور جو باتیں تم بنا رہے ہو ان پر اللہ ہی سے مدد کا طالب ہوں۔

يَبْكُونَ: وہ روتے ہیں۔ وہ آہ و زاری کرتے ہیں۔ بَكَاءُ سے مضارع۔
الذِّئْبُ: بھڑیا۔ جمع ذِئَابٌ۔
دَمٍ: بہو۔ خون جمع دِمَاءٌ۔
سَوَّلَتْ: اس نے چمکھ دیا۔ اس نے فریب دیا۔ تَوَلَّى سے ماضی۔

تَصِفُونُ: تم بیان کرتے ہو۔ تم بتاتے ہو۔ وُصِفَ سے مضارع۔

صَبْرٌ جَمِيلٌ: ایسا صبر جو خالص اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہونے کے لئے ہو۔

تشریح: عشاء کے وقت حضرت یوسفؑ کے بھائی روتے ہوئے اپنے باپ کے پاس آئے۔

عشاء کے وقت اندھیرے میں اس لئے آئے تاکہ حضرت یعقوبؑ پر ان کا مکرو فریب ان کے چہروں سے ظاہر نہ ہو سکے۔ ان کی چیخ و پکار سن کر حضرت یعقوبؑ نے باہر نکل کر ان سے پوچھا کہ کیا بکریوں پر کوئی افتادہ پڑ گئی ہے۔ پھر پوچھا کہ یوسفؑ کا کیا حال ہے۔ وہ کہنے لگے کہ اے ہمارے باپ! ہم تو آپس میں دوڑ لگانے لگ گئے تھے اور یوسفؑ کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے تھے۔ سو ہماری غفلت کی وجہ سے اس کو بھڑیئے نے آکر کھالیا اور آپ کو چونکہ حضرت یوسفؑ سے انتہائی محبت ہے اور ہم لوگوں سے بدگمانی ہے، اس لئے اگر ہم اپنی بات میں سچے بھی ہوں تب بھی یوسفؑ کی محبت آپ کو یقین نہیں ہونے دے گی۔ یوں بھی آپ نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ شاید تم غافل ہو جاؤ اور اس کو بھڑیا کھا جائے اور اتفاق سے ایسا ہی ہو گیا۔

وہ لوگ اپنی بات کو سچ ثابت کرنے کے لئے ایک بکری کے بچے کو ذبح کر کے حضرت یوسفؑ کی قمیض کو اس کے خون میں رنگ کر لائے تھے۔ حضرت یعقوبؑ نے اس قمیض کو دیکھ کر فرمایا کہ وہ بھڑیا بڑا ہی دانا اور حکیم تھا کہ یوسفؑ کو تو کھا گیا اور اس کے کرتے کو صحیح و سالم چھوڑ دیا۔ پھر فرمایا کہ بھڑیئے نے تو یوسفؑ کو نہیں کھایا بلکہ تم نے اپنی طرف سے یہ بات بنائی ہے۔ حقیقت میں یوسفؑ ابھی زندہ ہے سو میرا کام تو اب صبر جمیل ہے۔ میں اپنے خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس صبر کرنے میں میری مدد فرمائے۔ (مواہب الرحمن ۱۸۶، ۱۸۹/۱۲)

حضرت یوسفؑ کو فروخت کرنا

۲۰، ۱۹۔ وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَى دَلْوًا ۖ قَالَ
يَبْشُرِي هَذَا غُلْمًا ۖ وَأَسْرُوهُ بَضَاعَةً ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا
يَعْمَلُونَ ۝ وَشَرُّوهُ بِثَمَنٍ بَخِيسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ ۖ وَكَانُوا
فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ۝

اور ایک قافلہ (کنوئیں کی طرف) نکلا سو انہوں نے پانی لانے کے لئے اپنا آدمی

(کنوئیں پر) بھیجا اور اس نے اپنا ڈول (کنوئیں میں) ڈالا۔ وہ (حضرت یوسف کو دیکھ کر) کہنے لگا کہ کیا خوشی کی بات ہے۔ یہ تو ایک لڑکا (نکل آیا) ہے اور اس نے (حضرت) یوسف کو تمہارت کامل سمجھ کر چھپالیا اور اللہ خوب جانتا تھا جو کچھ وہ کر رہے تھے اور ان کو ان کے بھائیوں نے بہت ہی کم قیمت (یعنی) چند درہم کے بدلے بیچ دیا کیونکہ وہ سب ان (بھائی) سے بیزار تھے۔

وَارِدٌ : وارد ہونے والا۔ آنے والا۔ دُرُودٌ سے اسم فاعل۔

اَذْلٰی : اس نے ڈالا۔ اس نے لٹکایا۔ اِذْلَی سے ماضی۔

دَلُوْا : اس کا ڈول۔ جمع دَلَا۔

بِضَاعَةٌ : سرمایہ۔ پونجی۔ تجارت کامل۔

ثَمِنْ : دام۔ قیمت۔ مول۔

بِخَسٍ : بہت کم۔ ناقص۔

تَشْرِیْحٌ

حضرت یوسف کے بھائی ان کو ایک گہرے کنوئیں میں ڈال کر چلے گئے، کہتے ہیں کہ حضرت یوسف تین روز تک کنوئیں میں پڑے رہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی۔ ان کا بڑا بھائی روزانہ ان کو کنوئیں میں کھانا پہنچاتا تھا۔ آخر ایک روز مدین سے مصر کو جانے والا ایک قافلہ ادھر سے گزرا۔ انہوں نے کنواں دیکھ کر اپنے ایک آدمی کو پانی بھرنے کے لئے بھیجا۔ اس آدمی نے کنوئیں میں ڈول ڈالا تو حضرت یوسف ڈول میں بیٹھ گئے اور ہاتھ سے اسے پکڑ لیا۔ ڈول کھینچنے والا ان کو دیکھ کر خوشی سے پکار اٹھا کہ یہ تو نہایت حسین لڑکا ہے۔ اچھی قیمت میں بکے گا۔ پھر اس نے مالِ تجارت کے طور پر حضرت یوسف کو دوسرے قافلے والوں سے چھپالیا کہ کہیں وہ اس میں شرکت کے دعویدار نہ بن جائیں۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں نے حضرت یوسف کے معاملے کو چھپالیا اور دوسرے لوگوں سے کہا کہ کنوئیں پر رہنے والوں نے ہمیں یہ لڑکا دیا ہے تاکہ مصر لجا کر ہم ان کی طرف سے اسے فروخت کر دیں۔ یہ لوگ جو کچھ کر رہے تھے، اللہ اس سے خوب واقف تھا۔ ان کی کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں تھی۔

پھر جب بھائیوں کو معلوم ہوا کہ قافلے والے حضرت یوسف کو نکال کر لے گئے تو انہوں نے قافلے والوں کے پاس پہنچ کر ان پر ظاہر کیا کہ وہ ان کا غلام ہے جو بھاگ کر آگیا ہے۔ اس کو بھاگنے کی عادت ہے۔ اس لئے ہم اسے رکھنا نہیں چاہتے۔ تم چاہو تو اسے خرید سکتے ہو۔ لیکن اس

کی سخت نگرانی رکھنا، کہیں بھاگ نہ جائے۔ پھر بھائیوں نے بہت تھوڑے سے داموں کے عوض ان کو فروخت کر دیا کیونکہ وہ ان سے اس قدر بیزار تھے کہ ان کو مفت بھی دے ڈالتے تو ان سے بعید نہ تھا۔ جو کچھ مل گیا اسی کو غنیمت جانا۔ (عثمانی ۶۶۷/۱، مواہب الرحمن ۱۹۱، ۱۹۲/۱۲)

عزیز مصر کا حضرت یوسف کو خریدنا

۲۲، ۲۱۔ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۖ وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ زَ وَنُعَلِّمُهُ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۖ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ ۖ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۖ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝

اور جس شخص نے ان کو مصر میں (اہل قافلہ) سے خرید لیا تھا، اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس کو عزت سے رکھنا شاید (آگے چل کر) ہمارے کام آئے یا ہم اس کو بیٹا بنالیں اور اسی طرح ہم نے یوسف کو اس سرزمین (مصر) میں جگہ دی اور تاکہ ہم اس کو خوابوں کی تعبیر دینا سکھا دیں اور اللہ تعالیٰ اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ (یہ بات) نہیں جانتے اور جب وہ (حضرت یوسف) اپنی بھرپور جوانی کو پہنچ گیا تو ہم نے اس کو علم و حکمت عطا کیا اور ہم نیک لوگوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔

تشریح: حضرت یوسف کے بھائی ان کو اہل قافلہ کے ہاتھوں فروخت کر کے مطمئن ہو گئے اور یہ سمجھنے لگے کہ اب باپ کی تمام تر توجہ انہی کی طرف ہوگی۔ لیکن حضرت یعقوب، حضرت یوسف کے فراق میں روتے رہتے تھے۔ اس لئے ان کا مقصد پورا نہ ہوا۔ ادھر حضرت یوسف جب اہل قافلہ کے ساتھ مصر پہنچے تو ان کو عزیز مصر نے خرید لیا۔ اللہ نے اس کے دل میں حضرت یوسف کی عزت وقعت ڈال دی۔ چنانچہ اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس کو غلاموں کی طرح نہ رکھنا بلکہ اچھی طرح عزت و احترام اور آرام و سکون سے رکھنا۔ یہ ہو نہا رہا ہے شاید ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اس کو حقیقت میں بیٹا بنالیں۔

پھر فرمایا کہ جس طرح ہم نے حضرت یوسف کو بھائیوں کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچالیا اور کنوئیں سے صحیح و سالم نکلوایا اور عزیز مصر کو اس پر بہر بان بنایا، اسی طرح ہم نے ملک مصر کی زمین پر ان کا قدم جما دیا اور مصر کی ساری پیداوار پر ان کو حاکم مقرر کر دیا تاکہ وہ وہاں عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرے اور اللہ کے احکام جاری کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کام پر غالب ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کے حکم کو کوئی نہیں روک سکتا۔ لیکن بہت سے لوگ اس کی حکمت کی باریکیوں کو نہیں جانتے۔

پھر جب آپ کی عقل کامل ہو گئی اور جسمانی نشو و نما تمام ہو گئی اور آپ شباب کی انتہا اور قوت و شدت پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ یہ کوئی عجیب بات نہیں، ہم نیک اور ہدایت یافتہ لوگوں کو اسی طرح اچھا بدلہ دیتے ہیں جیسے حضرت یوسف کو ایذا پر صبر و ثبات کے عوض دیا۔ (مظہری ۱۵۱، ۱۵۲ / ۵)

حضرت یوسفؑ کا امتحان

۲۳، ۲۴- وَرَأَوْنَهُ الَّتِي مَوْفَىٰ بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْت لَكَ ۖ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ۝ وَلَقَدْ مَكَّمْتِ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنَّ رَأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ ۖ كَذَلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ ۚ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ۝

اور جس عورت کے گھر میں (حضرت) یوسف رہتے تھے اس نے ان کو اپنے نفس کے بارے میں پھسلایا اور دروازہ بند کر کے کہنے لگی کہ بس آجاؤ۔ انہوں نے کہا کہ اللہ کی پناہ۔ بیشک وہ (تیرا شوہر) تو میرا آقا ہے جس نے مجھے اچھی طرح رکھا۔ بے شک بے انصاف لوگ فلاح نہیں پاتے اور اللہ اس عورت نے اس حضرت یوسف سے ارادہ (بد) کر لیا تھا اور وہ (یوسف) بھی اس (عورت) سے ارادہ کر ہی لیتا اگر اس نے اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لی ہوتی۔ اسی طرح ہوا (ہم نے ان کو بچالیا) تاکہ ہم ان سے برائی اور بے حیائی کو دور

رکھیں۔ بیشک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھا۔
رَاوَدَتْهُ: اس (عورت) نے اس کو برائی کی ترغیب دی۔ اس نے اس کو پھسلایا۔ **مُرَاوَدَتْ**
 سے ماضی۔

عَلَّقَتْ: اس (عورت) نے بند کر دیا۔ **تَغْلِيقٌ** سے ماضی۔
هَيْئَتُ لَكُ: تو آجا۔ تو جلدی کر۔

هَمَّتْ: اس (عورت) نے ارادہ کیا۔ **هَمٌّ** سے ماضی۔

نَصْرَفَ: ہم دور کر دیں۔ ہم بھیر دیں۔ **صُرْفٌ** سے مضارع۔

تشریح: عزیزِ مصر نے آپ کو اپنی اولاد کی مانند رکھا تھا۔ اس نے اپنی بیوی کو بھی کہہ دیا تھا کہ ان کو نہایت عزت و اکرام سے رکھنا۔ لیکن اس عورت کی نیت میں فتور آگیا، وہ حضرت یوسف کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گئی۔ اس نے اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے بناؤ سنگھار کر کے ان کو پھسلایا اور دروازہ بند کر کے حضرت یوسف کو اپنے قریب بلایا۔ حضرت یوسف نے جواب دیا کہ اس بری حرکت سے میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ بلاشبہ تیرا خاوند میرا سردار ہے۔ اس نے مجھ پر مہربانی کی ہے، مجھے اچھی طرح رکھا ہے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اس کی خیانت کروں۔ بلاشبہ ظالم و بے انصاف لوگ فلاح نہیں پاتے۔

حقیقت یہ ہے کہ عورت نے تو حضرت یوسف کو پھانسنے کی کوشش کی مگر انہوں نے عورت کا داؤ نہیں چلنے دیا، اگر حضرت یوسف نے اپنے رب کی روشن دلیل کو نہ دیکھا ہوتا تو ثابت قدم رہنا مشکل تھا۔ بعض مفسرین نے ”وَهُمْ بِهَا“ کو ”وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ“ سے علیحدہ کر کے ”لَوْلَا أَنْ رَأَى بُرْهَانَ رَبِّهِ“ سے متعلق کیا۔ اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ عورت نے تو حضرت یوسف کا ارادہ کیا اور حضرت یوسف بھی عورت کا ارادہ کر لیتے، اگر وہ اپنے پروردگار کی قدرت و حجت کو نہ دیکھ لیتے۔ بعض نے لفظ ”وَهُمْ“ کو میلان و رغبت کے معنی میں لیا ہے، یعنی حضرت یوسف کے دل میں کچھ فطری رغبت و میلان بے اختیار پیدا ہو گیا تھا لیکن انہوں نے اس کو اپنے عزم سے روکا۔

پھر فرمایا کہ جس طرح ہم نے اس وقت اسے ایک دلیل دکھا کر برائی سے بچالیا، اسی طرح اس کے دوسرے کاموں میں بھی اس کی مدد کرتے رہے اور اسے برائیوں اور بے حیائیوں سے

بچاتے رہے کیونکہ وہ ہمارا برگزیدہ اور مخلص بندہ تھا۔

(ابن کثیر ۳/۴۷۵، عثمانی ۱/۶۶۹)

حضرت یوسفؑ کا دروازے کی طرف بھاگنا

۲۴،۲۵۔ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصُهُ مِنْ دُبُرٍ وَالْفَيَّا سَيِّدَهَا لَدَا
الْبَابِ ۖ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَمْلِكٍ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ
أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ قَالَ هِيَ رَأَوْدَتْنِي عَنْ نَفْسِي وَشَهِدُ
شَاهِدٌ مِّنْ أُمَّلِهَاءِ إِنَّ كَانَ قَمِيصُهُ قَدْ مِّنْ قَبْلِ فُصِّدَتْ وَهُوَ
مِنَ الْكَذِبِينَ ۝ وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قَدْ مِّنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ
مِنَ الصَّادِقِينَ ۝

اور (جب یوسف بھاگ کر جانے لگے) وہ دونوں دروازے تک دوڑتے گئے
اور عورت نے پیچھے سے اس کا کرتہ پھاڑ ڈالا اور دونوں نے (اتفاقاً) اس
عورت کے شوہر کو دروازے کے پاس (کھڑا) پایا۔ (پیش بندی کے طور پر)
وہ عورت کہنے لگی کہ جو شخص تیرے اہل کے ساتھ برا ارادہ کرے، اس کی تو
یہی سزا ہے کہ اس کو قید کر دیا جائے یا دردناک عذاب دیا جائے۔ (حضرت)
یوسف نے کہا کہ یہ خود ہی مجھے پھسلا رہی تھی اور (اس موقع پر) اس عورت
کے خاندان میں سے ایک دیکھنے والے نے یہ شہادت دی کہ اگر اس کا کرتا
آگے سے پھٹا ہو تو وہ سچی اور یہ (یوسف) جھوٹا۔ اور اگر اس کا کرتہ پیچھے سے پھٹا
ہو تو عورت جھوٹی اور وہ (یوسف) سچا۔

قَدَّتْ: اس (عورت) نے پھاڑ دیا۔ قَدْ سے ماضی۔

الْفَيَّا: ان دونوں نے پایا۔ الْفَاء سے ماضی۔

لَدَا: پاس۔ نزدیک۔ طرف۔ اسم ظرف ہے۔

تشریح: پھر حضرت یوسف اپنے آپ کو بچانے کے لئے دروازے کی طرف دوڑے اور وہ

عورت ان کو پکڑنے کے ارادے سے ان کے پیچھے پیچھے بھاگی۔ حضرت یوسف کے کرتے کا پھٹا حصہ

اس کے ہاتھ میں آگیا۔ اس نے زور سے اپنی طرف کھنچا۔ جس سے حضرت یوسف کا توازن خراب ہو گیا لیکن انہوں نے بھی آگے کی طرف زور لگا کر دوڑ جاری رکھی، جس کے نتیجہ میں کرتہ پیچھے سے پھٹ گیا۔ اس دوران دونوں دروازے پر پہنچ گئے جہاں عورت کا خاندان موجود تھا۔ جس کو دیکھتے ہی عورت نے سارا الزام حضرت یوسف کے سر تھوپ دیا اور اپنی پاکیزگی بیان کرنے لگی۔ اپنے شوہر کو حضرت یوسف کے خلاف بھڑکانے کے لئے اس نے کہا کہ جس شخص نے آپ کی بیوی سے برے کلام کا ارادہ کیا ہو اس کی سزا اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ یا تو اس کو قید کر دیا جائے یا اس کو کوئی دردناک سزا دی جائے۔

حضرت یوسف نے اپنی آبرو خطرے میں دیکھ کر خیانت کی بدترین جہمت سے بچنے کے لئے صاف صاف کہہ دیا کہ حقیقت یہ ہے کہ یہی میرے پیچھے پڑی تھی۔ میرے بھاگنے پر بھی مجھے پکڑ رہی تھی یہاں تک کہ میرا کرتہ بھی بھاڑ دیا۔ پھر عورت کے گھردالوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی اور ثبوت اور دلیل کے ساتھ ان سے کہا کہ پھٹے ہوئے پیر من کو دیکھ لو کہ اگر وہ سامنے کی طرف سے پھٹا ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ عورت سچی ہے اور یہ جھوٹا ہے۔ کرتے کا آگے سے پھٹنا اس بات کی دلیل ہے کہ (معاذ اللہ) یوسف نے دست درازی کی تھی اور زلیخانے اس کو دفع کرنے کی کوشش کی۔ اسی کشمکش میں کرتہ سامنے سے پھٹ گیا اور اگر یوسف کا کہنا صحیح ہے کہ عورت اس کو اپنی طرف بلاتی تھی اور وہ دروازے کی طرف بھاگا اور زلیخانے اس کا تعاقب کیا تو ظاہر ہے وہ کرتہ پیچھے سے پکڑ کر کھینچے گی جس کے نتیجہ میں کرتہ پیچھے ہی سے پھٹے گا۔

(ابن کثیر ۴/۲۷۵، عثمانی ۱/۶۷۱)

عزیز مصر کی صاف گوئی

۲۹، ۲۸۔ فَلَمَّا رَأَوْهُ قُمِيصَهُ قَدْ مِّنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِّنْ كَيِّدِ كُنَّ إِنَّا كَيْدُ كُنَّ عَظِيمٌ ۝ يُّوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا ۖ وَاسْتَغْفِرِي لِذَنبِكِ ۖ إِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ ۝

پھر جب (عزیز مصر نے) اس کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا تو (عورت سے) کہنے لگا کہ بیشک یہ تم عورتوں کا مکر ہے۔ بیشک تمہارا مکر بہت عظیم ہے۔ اے

یوسف! اس معاملے کو جانے دو اور اے عورت تو اپنے گناہ کی معافی مانگ۔
بے شک تو ہی خطا کار ہے۔

تشریح: مذکورہ بالا تجویز کے مطابق جب زلیخا کے شوہر نے حضرت یوسف کے کرتے کو دیکھا تو وہ پیچھے سے پھٹا ہوا تھا۔ وہ فوراً سمجھ گیا کہ یوسف سچا ہے اور اس کی بیوی جھوٹی ہے اور وہ یوسف پر تہمت لگا رہی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی بیوی کو مخاطب کر کے صاف صاف کہہ دیا کہ یہ تو تیرا مکرو فریب ہے۔ عموماً عورتیں ایسا ہی کیا کرتی ہیں۔ تم اس نوجوان پر تہمت باندھ رہی ہو اور اس پر جھوٹا الزام رکھ رہی ہو۔ پھر اس نے حضرت یوسف سے کہا کہ جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب اس واقعہ کو بھول جائیے۔ آئندہ کبھی اس کا ذکر نہ کرنا کہ یہ سخت رسوائی اور بدنامی کا موجب ہے۔ پھر اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو اللہ سے اپنے گناہ کی معافی مانگ، یقیناً تو ہی قصور وار ہے۔

(ابن کثیر ۶/۳۷۱)

شہر کی عورتوں کی حلیہ جوئی

۳۲،۳۰۔ وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۚ اَنَا لَنُرِيهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِ مِنْ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لِهِنَّ مَتَكًا ۚ وَانْتِ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سَكِينًا وَّقَالَتِ اخْرِجْ عَلِيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاِيْنَهُنَّ اَكْبَرْنَهُ ۚ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۚ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هَذَا بَشَرًا ۙ اِنْ هَذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝ قَالَتْ فَذَلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَّنِي فِيهِ ۚ وَلَقَدْ رَاَوْدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ ۚ فَاسْتَعْصَمَ ۚ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَا امْرَاَةٌ لِّیُفْسِدُنَّ وَلِیَكُوْنَنَّ مِنَ الصَّغِرِیْنَ ۝

اور شہر میں عورتیں کہنے لگیں کہ عزیز مصر کی بیوی اپنے غلام (یوسف) کو اپنی خواہش نفس کی طرف مائل کرنا چاہتی ہے، اس کا دل اس کی محبت میں فریفتہ ہو گیا ہے۔ بیشک ہم تو اس کو صریح غلطی پر دیکھتے ہیں۔ پھر جب عزیز کی بیوی نے ان عورتوں کی مکاری کی باتیں سنیں تو ان کو بلا بھیجا اور ان کے واسطے

مسند میں تیار کیں اور (بھل ترانے کئے) ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک چھری دے دی اور (یوسف کو) کہا کہ (ذرا) نکل کر ان کے سامنے آجاؤ۔ پھر جب عورتوں نے اس (یوسف) کو دیکھا تو (اس کے جمال سے) حیران رہ گئیں اور انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور کہا کہ اللہ کی پناہ! یہ بشر نہیں ہے یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔ وہ عورت کہنے لگی کہ یہی تو (یوسف) ہے جس کے لئے تم نے مجھے ملامت کی تھی اور بیشک میں نے اس کو اس کے نفس کے بارے میں پھسایا لیکن وہ بچا رہا اور اگر وہ میرا کہنا نہ مانے گا تو ضرور اس کو قید کر دیا جائے گا اور یہ ضرور بے عزت ہو گا۔

تُرَاوِدُ: وہ پھسلاتی ہے۔ وہ ہسلاتی ہے۔ وہ اکساتی ہے۔ مُرَاوِدَةٌ سے مضارع۔

فَتَّحَا: اس (عورت) کا خادم۔ اس کا غلام۔ جمع فِتْيَانٌ۔

حَاشَ لِلَّهِ: اللہ کی پاکی، اللہ کی پناہ۔ تو بہ تو بہ، سبحن اللہ، کلمہ۔ تعجب ہے۔ تنزیہ و براہت کے لئے آتا ہے (نفسی ۱/۲۲۰)

شَفَّفَهَا: اس نے اس کے دل میں جگہ کر لی۔ وہ اس کے دل میں اتر گیا۔ شَفَّفٌ سے ماضی۔

مَتَّكَ: نکیہ لگانے کی جگہ۔ سہارا لگانے کی جگہ۔ اِتَّكَ سے اسم ظرف۔

سَكَيْنَا: چھری۔ چاقو۔ جمع سَكَائِنٌ۔

اَكْبَرْنَاهُ: ان (عورتوں) نے اس کو بہت بڑا سمجھا۔ وہ حیران رہ گئیں۔ اَكْبَارٌ سے ماضی۔

لَمُتَنَنْبِي: تم (عورتوں) نے مجھے ملامت کی۔ لَوْمٌ سے ماضی۔

اِسْتَعَصَمَ: اس نے تمہارے رکھا۔ اس نے بچائے رکھا۔ اِسْتِعْصَامٌ سے ماضی۔

يُسْجَنَنَّ: وہ ضرور قید کیا جائے گا۔ سَجْنٌ سے مضارع مجہول۔

تَشْرِيح: جب زلیخا کے مکرو فریب کی خبر شہر میں پھیلی تو کچھ عورتوں نے کہنا شروع کر دیا کہ

دیکھو عزیز مصر کی بیوی ہوتے ہوئے ایک غلام پر جان دے رہی ہے اور یوسف کی محبت اس کے دل میں گھر کر گئی ہے۔ بلاشبہ زلیخا صریح غلطی میں پڑی ہوئی ہے۔ وہ سیدھے راستے سے بھٹک گئی ہے اور اس نے پاک دامنی کو چھوڑ دیا ہے۔

پھر زلیخا کو ان کی پرفریب باتوں کا پتہ چل گیا۔ یہاں عورتوں کی گفتگو کو مکر اس لئے کہا

گیا کہ وہ مکاروں کی طرح چھپ چھپ کر باتیں کرتی تھیں اور زیلخا پر طعن کرنے سے ان کا مقصد اپنی پار سائی جتاننا تھا حالانکہ حضرت یوسف کے دیدار کا شوق ان کے دل میں چٹکیاں لے رہا تھا۔ اس مکر و فریب اور حلیہ جوئی سے ان کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح زیلخا ان کو بلوا کر حضرت یوسف کا دیدار کرا دے۔ چنانچہ اس نے اپنی مجبوری اور مصلحت کے پیش نظر اور ان کے حیلے اور چال کو سمجھتے ہوئے اسی وقت ان کو بلاوا بھیجا کہ فلاں وقت میرے ہاں دعوت ہے۔

پھر اس نے ان کے لئے کھانے پینے کی ایک مجلس مرتب کی جس میں بعض چیزیں چاقو سے تراش کر کھانے کی تھیں۔ جب وہ عورتیں اس کے پاس آئیں تو زیلخا نے ہر ایک کو ایک ایک تیز چھری دے دی تاکہ کھانے کی چیزوں کو کلٹنے میں کسی کو انتظار نہ کرنا پڑے۔ پھر زیلخا نے حضرت یوسف کو آواز دے کر وہاں بلایا جو اس وقت دوسرے کمرے میں تھے۔ حضرت یوسف کا نکلنا تھا کہ بھلی سی کوند گئی اور تمام عورتیں حضرت یوسف کے حسن و جمال کو دیکھتے ہی ہوش و حواس کھو بیٹھیں اور مدہوشی کے عالم میں چھریوں سے بھلوں کی جگہ لپٹے ہاتھ کاٹ لئے اور ان کو تکلیف کا بھی احساس نہیں ہوا۔ اس پر زیلخا نے کہا کہ دیکھا حضرت یوسف کی ایک ہی جھلک نے تمہیں ایسا از خود رفتہ کر دیا تو بتاؤ میرا کیا حال ہو گا۔ عورتوں نے جواب دیا کہ واللہ یہ انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہے اور وہ بھی بڑے رتبے والا۔ آج کے بعد ہم تمہیں کبھی ملامت نہیں کریں گے۔

ابن جریر، حاکم اور ابن مردویہ رحمہم اللہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس رات مجھے آسمان کی طرف لیجا یا گیا (شب معراج میں) میں نے دیکھا کہ یوسف چودھویں کے چاند کی طرح تھے۔ عکرمہ کا قول ہے کہ حسن میں یوسف کی دوسرے لوگوں پر برتری ایسی تھی جیسے ستاروں پر چودھویں رات کے چاند کی۔

پھر زیلخا نے ان عورتوں سے کہا کہ یہی وہ کنعانی غلام ہے جس کی محبت کے بارے میں تم نے مجھے برا بھلا کہا تھا ہر چند میں نے اسے اپنی طرف مائل کرنا چاہا لیکن یہ میرے قبضے میں نہیں آیا۔ جہاں ۱۳۱ میں بے مثال ظاہری حسن و جمال ہے وہیں اس میں عصمت و عفت کی باطنی خوبی بھی ہے نظیر ہے۔ اگر یہ میری بات نہ مانے گا تو یقیناً اسے قید کر دیا جائے گا۔ اور یہ ضرور ذلیل و خوار ہو گا

حضرت یوسف کی دعاء

۳۳، ۳۴ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ ۖ وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُنْ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۖ فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

(حضرت) یوسف نے دعاء کی، اے میرے رب! مجھے تو اس (واہیات) کام سے قید بہتر ہے جس کی طرف یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں اور اگر تو ان کا فریب مجھ سے دور نہ کرے گا تو (مجھے خوف ہے) کہیں میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں اور میں نادانوں میں سے ہو جاؤں۔ سو اللہ نے اس کی دعاء قبول کر لی اور اس سے ان کا فریب دور کر دیا۔ بیشک وہ (دعاؤں کا) بڑا سننے والا (اور ان کے احوال کا) خوب جاننے والا ہے۔

تَصْرِفُ: تو بھیرے گا۔ تو دفع کرے گا۔ صَرَفَ سے مضارع۔
أَصْبُ: میں جھک جاؤں گا۔ میں مائل ہو جاؤں گا۔ صَبَّوْا صُبُوْةً سے مضارع
تَشْرِيح: پھر حضرت یوسف نے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی کہ اے اللہ! جس بات کی طرف یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں اس سے تو مجھے جیل جانا پسند ہے۔ اگر تو نے مجھے ان کے بد ارادوں اور مکر و فریب سے محفوظ نہ رکھا تو ایسا نہ ہو کہ میں کسی برائی میں پھنس جاؤں۔ اے اللہ! مجھے اپنے کسی نفع و نقصان کا کوئی اختیار نہیں۔ تیری مدد اور تیرے رحم و کرم کے بغیر نہ تو میں کسی گناہ سے رک سکتا ہوں اور نہ کوئی نیک عمل کر سکتا ہوں۔ اے اللہ تو مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کرنا کہ میرا ان عورتوں کی طرف مائل ہو جاؤں اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاء قبول فرمائی اور ان کو عورتوں کے مکر و فریب سے محفوظ رکھا۔ بلاشبہ وہ دعاؤں کو سننے والا اور لوگوں کے احوال و مصالح کو خوب جاننے والا ہے۔ (ابن کثیر ۴/۲)

حضرت یوسفؑ کو قید کرنا

۳۶،۳۵۔ ثُمَّ بَدَأَ الْعُمَمَ مِنْ بَعْدِ مَا رَأَوْا الْآيَاتِ لَيْسَ جُنُنًا حَتَّىٰ جِئِن ۝
وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتْنَيْن ۖ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي أَرَانِي أَعْصِرُ
خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْآخَرُ إِنِّي أَرَانِي أُحْمَلُ فَوْقَ رَأْسِي خُبْرًا
تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۖ نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ ۚ إِنَّا نَنظُرُكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ۝

پھر (یوسف کی پاکی کی) نشانیاں دیکھنے کے باوجود ان کو بھی بہتر معلوم ہوا کہ
ان کو ایک مدت تک قید میں رکھیں اور ان کے ساتھ دو جوان (بھی) قید خانہ
میں داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک کہنے لگا کہ میں (خواب میں) دیکھتا ہوں کہ
میں (انگور سے) شربتِ نچوڑ رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ
میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں جس میں سے پرندے کھا رہے ہیں
(اے یوسف) تو ہمیں اس کی تعبیر بتا۔ بیشک، ہم تمہیں نیک سمجھتے ہیں۔

بَدَأَ الْعُمَمَ: وہ ان پر ظاہر ہو گیا۔ وہ ان پر کھل گیا۔ بدؤ سے ماضی۔

جِئِن: وقت۔ زمانہ۔ مدت۔

أَعْصِرُ: میں نچوڑتا ہوں۔ عَصْر سے مضارع۔

خُبْرًا: روٹی۔ نان۔

تشریح: پھر جب حضرت یوسفؑ کی پاک دامن کا راز سب پر کھل گیا تو ان لوگوں نے
حضرت یوسفؑ کی برأت کی تمام نشانیاں دیکھنے کے باوجود بھی طے کیا کہ ان کو کچھ دن کے لئے قید
کر دیا جائے تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ حضرت یوسفؑ ہی قصور وار تھے، عورت کی اس میں
کوئی خطائے تھی۔ اس طرح ذلیلانے حضرت یوسفؑ کو قید کرنے کی جود مہم کی دی تھی اسے پورا کر کے
چھوڑا۔

حضرت یوسفؑ کے ساتھ قید خانے میں دو نوجوان اور بھی داخل ہوئے تھے۔ ان میں سے
ایک بادشاہ کا باورچی اور دوسرا ساقی تھا۔ ان پر الزام تھا کہ انہوں نے بادشاہ کو کھانے پینے میں
زہر دینے کی سازش کی تھی۔ قید خانے میں حضرت یوسفؑ کی راست گوئی، حسنِ خلق، کثرتِ

عبادت، سخاوت و حسن سلوک اور خواب کی صحیح تعبیر دینے کا چرچا تھا۔ یہ دونوں شاہی ملازم بھی حضرت یوسف سے بہت مانوس ہو گئے اور اظہارِ محبت کرنے لگے۔ ایک دن دونوں نے حضرت یوسف سے اپنا اپنا خواب بیان کیا۔ ان میں سے ایک نے جو بادشاہ کو پانی پلاتا تھا کہا کہ میں نے دیکھا کہ میں نے انگور نچوڑ کر پیالہ بھرا اور بادشاہ کو پلا دیا۔ دوسرے نے جو باورچی تھا کہا کہ میں نے دیکھا کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے ان میں سے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں۔ آپ، ہم میں سے ہر ایک کے خواب کی تعبیر بتائیے کیونکہ ہمارے خیال میں آپ صحیح تعبیر دینے والے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں، ہم پر بھی احسان کیجئے اور ہمیں صحیح تعبیر بتادیجئے۔

(عثمانی ۶۷۳، ۶۷۴، ۱ / مظہری ۱۶۰، ۱۶۲ / ۵)

حضرت یوسف کا اعلانِ توحید

۳۸،۳۷ قَالَ لَا يَأْتِيَكُمَا طَعَامٌ لَّرَزُقْنَاهُ إِلَّا نَبَاتُكُمَا بَتَّاءِوِيلِهِ قَبْلُ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ۚ ذَلِكُمَا مَعَا عَلَّمَنِي رَبِّي ۚ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ كَافِرُونَ ۝ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي ۖ ابْرَاهِيمَ وَاسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نَشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ ذَلِكَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنْ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ۝

(حضرت یوسف نے) کہا کہ جو کھانا تمہیں دیا جاتا ہے وہ آنے نہ پائے گا کہ میں اس کے آنے سے پہلے ہی تمہیں اس کی تعبیر بتا دوں گا۔ یہ تعبیر دینا بھی اس علم کی بدولت ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے۔ بیشک میں نے اس قوم کا مذہب ترک کر دیا جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں اور میں نے تو اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے دین کو اختیار کر رکھا ہے۔ ہمیں زیب نہیں دیتا کہ ہم کسی چیز کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائیں یہ ہم پر اور عام لوگوں پر اللہ کا ایک فضل ہے لیکن اکثر لوگ (اس نعمت کا)

فکر (ادا) نہیں کرتے۔

تشریح: حضرت یوسف علیہ السلام نے دونوں قیدیوں کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے خوابوں کی صحیح تعبیر میں جانتا ہوں اور بہت جلد میں تمہیں بتا دوں گا۔ روزمرہ کا جو کھانا تمہارے لئے تمہارے گھروں یا جیل خانے کے مطبخ سے آتا ہے، اس کے آنے سے پہلے ہی تمہیں اپنے خوابوں کی حقیقت اور کیفیت معلوم ہو جائے گی۔ اس سے پہلے میں تمہیں ایک ضروری بات بتاتا ہوں۔ یاد رکھو! میں کوئی کاہن یا منجم نہیں بلکہ میرے علم کا سرچشمہ وحی اور الہام ربانی ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس وجہ سے عطا فرمایا ہے کہ میں نے ان لوگوں کا دین اختیار نہیں کیا جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور خصوصیت کے ساتھ آخرت کا انکار کرتے ہیں۔ میں تو اپنے باپ دادا حضرت ابراہیم واسحاق و یعقوب علیہم السلام کے دین کی اتباع کرتا ہوں۔ ہمیں کسی طرح زیب نہیں دیتا کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کریں۔ یہ توحید اور خدا کی وحدانیت کی گواہی اللہ کا خاص فضل و مہربانی ہے جس میں ہم تنہا نہیں بلکہ اللہ کی اور مخلوق بھی شامل ہے۔ اللہ ہمیں یہ فضیلت حاصل ہے کہ ہمارے پاس اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے جو ہم دوسرے لوگوں کو پہنچا دیتے ہیں لیکن اکثر لوگ اللہ کی اس نعمت کی ناشکری اور ناقدری کرتے ہیں جو اس نے ان کے پاس اپنا رسول بھیج کر ان پر انعام فرمائی۔ (ابن کثیر ۲/۴۷۸، مظہری ۱۶۲، ۱۶۳/۵)

حضرت یوسفؑ کی تبلیغ

۳۰، ۳۹ یٰصَاحِبِی السَّجْنَ عَاذَ بَابٌ مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ اِمَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ اِلَّا اَسْمَاءٌ سَمَّیْتُمُوْهَا اَنْتُمْ وَاٰبَاءُكُمْ مَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۚ اِنَّ الْحُكْمَ اِلَّا لِلّٰہِ اَمْرًا لَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اَیَّاهُ ۚ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنْ اَکْثَرُ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

اے میرے قید خانے کے ساتھیو! کیا چند متفرق معبود بہتر ہیں یا ایک اللہ (بہتر ہے) جو زبردست ہے۔ تم اللہ کو چھوڑ کر محض چند ناموں کی عبادت کرتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ نے ان کی کوئی

سند نازل نہیں کی۔ اللہ کے سوا کسی کو حکم دینے کا اختیار نہیں۔ اسی نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی سیدھا طریقہ ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اَرْبَابُ: بہت سے رب۔ بہت سے معبود۔ واحد رَبُّ۔

الْقَيِّمُ: درست۔ سیدھا۔

تشریح: اے میرے قید خانے کے ساتھیو! ایک ایسا خدا جو سب پر غالب اور ہر چیز پر قادر ہے۔ جس کے سامنے تمام مخلوق عاجز و بے بس ہے اور جس کا کوئی شریک و ساتھی نہیں، وہ بہتر ہے یا تمہارے وہ خیالی معبود بہتر ہیں جن کو تم پوجتے ہو اور جو ہر طرح سے عاجز و بے بس ہیں۔ تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن بے حقیقت معبودوں کو پوجتے ہو وہ تمہارے اور تمہارے باپ دادا کے گھڑے ہوئے ہیں۔ اللہ نے ان کے وجود یا ان کے عبادت کے لائق ہونے کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں چلتا۔ اسی نے یہ حکم دیا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو سو تم بھی اسی حکم پر عمل کرو۔ یہ توحید ہی سیدھا دین ہے۔ اس میں کسی قسم کی کجی نہیں لیکن اکثر لوگ توحید و شرک کا فرق نہیں جانتے اسی لئے وہ شرک کی دلدل میں گھسنے رہتے ہیں۔

دونوں قیدیوں کے خواب کی تعبیر

۴۲، ۴۱۔ يٰصَاحِبِ السِّجْنِ اَمَّا اَحَدُكُمْ فَيَسْقَىٰ رَبُّهُ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصَلِّبُ فَتَاكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَاْسِهِ ۚ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِي فِيْهِ تَسْتَفْتِيْنَ ۝ وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ اَنَّهُ نَاجٍ مِنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۚ فَاَنَسَهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ۝

اے میرے قید خانے کے ساتھیو! تم میں سے ایک تو (جرم سے بری ہو کر) اپنے آقا کو (بدستور) شراب پلایا کرے گا اور دوسرا (مجرم قرار پا کر) سولی پر لٹکایا جائے گا، پھر پرندے اس کے سر سے کھائیں گے۔ جس امر کے بارے میں تم پوچھتے تھے وہ اسی طرح مقدر ہو چکا ہے۔ اور ان دونوں شخصوں میں سے جس

کے بارے میں یوسف نے گمان کیا تھا کہ وہ رہائی پائے گا، اس سے کہا کہ اپنے آقا کے سامنے میرا بھی تذکرہ کرنا، سو اس کو شیطان نے اپنے آقا کے سامنے ذکر کرنے سے غافل کر دیا۔ پھر چند برس تک یوسف قید خانے میں بند رہے۔

نَاجِ: نجات پانے والا۔ رہائی پانے والا۔ نَجَاةٌ سے اسم فاعل۔

لَبِثَ: وہ رہا۔ وہ ٹھہرا۔ لَبِثٌ سے ماضی۔

بَضْعُ: چند۔ کئی۔ یہ لفظ تین سے نو تک کے عددوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

سِنِينَ: سال۔ برس۔ واحد سَنَةً۔

تشریح: حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے دونوں ساتھی قیدیوں کو تبلیغ دین کے بعد ان کے خوابوں کی تعبیر واضح طور پر بتانے کی، بھائے قدرے مبہم انداز میں بتائی تاکہ ان میں سے ایک رنجیدہ نہ ہو جائے اور موت سے پہلے اس پر موت کا بوجھ نہ پڑ جائے۔ چنانچہ حضرت یوسف نے فرمایا کہ تم دونوں میں سے ایک تو بادشاہ کو شراب پلانے پر مقرر ہو جائے گا۔ (یہ اس کے خواب کی تعبیر ہے جس نے اپنے آپ کو انگور پھونڈ کر بادشاہ کو پلاتے ہوئے دیکھا تھا) اور دوسرے کو سولی دے دی جائے گی یعنی جس نے اپنے سر پر روٹیاں دیکھی تھیں اس کو سولی دے دی جائے گی اور پرندے اس کا گوشت نوچ کر کھائیں گے۔ پھر فرمایا کہ اب یہ ہو کر ہی رہے گا کیونکہ جب تک خواب کی تعبیر بیان نہ کی جائے وہ معلق رہتا ہے اور جب تعبیر ہو جائے تو ظاہر ہو جاتا ہے۔

خواب کی تعبیر کے مطابق حضرت یوسف نے جس آدمی کو یہ سمجھا کہ وہ جیل سے آزاد ہونے والا ہے، اس کو اس کے ساتھی سے پوشیدہ طور پر فرمایا کہ بادشاہ کے سامنے ذرا میرا بھی ذکر کر دینا، لیکن شیطان نے اس کو وہ بات بھلا دی اور وہ بادشاہ کے سامنے اس کا ذکر کرنا بھول گیا۔

سو حضرت یوسف کو کئی سال تک قید خانہ ہی میں رہنا پڑا۔ (ابن کثیر ۹/۲۷۹)

بادشاہ کا خواب

۴۶،۴۳ - وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَى سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعٌ سُنبُلَاتٍ خُضِرٍ وَأُخْرَى بُيُوسٌ ۖ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ إِن كُنْتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبِرُونَ ۝ قَالُوا أَضْغَاتٌ

أَحْلَامُ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعِلْمَيْنِ ۖ وَقَالَ الَّذِي
نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ
ۖ يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ
يَأْكُلُهُنَّ سَبْعُ عِجَافٍ وَسَبْعِ سُنبُلَاتٍ خُضِرٍ وَأُخْرَى بُيُوتٍ
لَعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ۖ

اور بادشاہ نے کہا کہ میں نے (خواب میں) دیکھا کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو
سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سبز بالیں ہیں اور سات خشک - اے
سردارو! اگر تمہیں (خواب کی) تعبیر دینی آتی ہے تو تم میرے خواب کے بارے
میں مجھے بتاؤ۔ انہوں نے کہا کہ (یہ تو) پریشان خیالات ہیں اور ہم ایسے خیالات
کی تعبیر نہیں بتاتے اور وہ شخص جوان (مذکورہ) دو قیدیوں میں سے بچ گیا تھا
اور جس کو ایک مدت کے بعد (اپنا وعدہ) یاد آیا وہ کہنے لگا کہ میں تمہیں اس کی
تعبیر بتاتا ہوں پس تم مجھے ذرا (قید خانے تک) جانے دو۔ (اس نے قید خانے
میں جا کر کہا) اے بچے یوسف ہمیں اس کی تعبیر بتا کہ سات موٹی گایوں کو سات
دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سبز بالیں ہیں اور سات خشک - تاکہ میں
لوگوں کے پاس لوٹ کر جاؤں کہ انہیں بھی (یہ تعبیر) معلوم ہو جائے۔

سِمَانِ :	موٹی - واحد سَمْنٌ۔
عِجَافٌ :	لاغر - دبلی - واحد اَعْجَفٌ۔
سُنْبُلَاتٍ :	بالیں - خوشے - واحد سُنْبُلَةٌ۔
خُضِرٍ :	سبز - ہرا - واحد اَخْضَرٌ وَ خُضْرَاءُ۔
بُيُوتٍ :	خشک - سوکھی ہوئی - واحد يَابِسَةٌ۔
أَضْغَاثٌ :	پریشان - پراگندہ - واحد ضَغْثٌ۔
أَحْلَامٍ :	خواب - خیالات - واحد حُلْمٌ۔

تشریح: جب اللہ تعالیٰ کوئی کلام کرنا چاہتا ہے تو اس کے اسباب بھی پیدا فرما دیتا ہے۔ چنانچہ
جب حضرت یوسف کو قید سے نہات دلانا منظور ہوا تو اللہ نے بادشاہ کو ایک خواب دکھایا جو ان کی
ربائی کا سبب بنا۔ بادشاہ نے ایک ایسا عجیب و غریب خواب دیکھا کہ کوئی بھی اس کی تعبیر نہ بتا

کا۔

بادشاہ نے بتایا کہ اس نے خواب میں سات موٹی گائیں دیکھی ہیں جن کو سات دہلی گائیں کھا رہی ہیں اور اس نے دیکھا کہ سات سرسبز بالیں ہیں اور ان کے علاوہ سات خشک بالیں ہیں جو ان سات سرسبز بالوں پر لپٹ کر ان کو خشک کر رہی ہیں۔ بادشاہ نے خواب بیان کرنے کے بعد لیل دربار سے اس کی تعبیر مانگی۔ لیل دربار نے کہا کہ اول تو یہ کوئی خواب ہی نہیں، محض پریشان خیالات اور دماغی بخارات ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ سلطنت کے امور سے تو واقف ہیں، مگر خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے۔ بادشاہ ان کے جواب سے مطمئن نہیں ہوا۔

اس وقت وہ شخص جس نے دونوں قیدیوں میں سے رہائی پائی تھی مجلس میں موجود تھا۔ ایک طویل مدت کے بعد اس کو حضرت یوسف کی بات یاد آئی۔ اس نے بادشاہ اور لیل دربار سے کہا کہ مجھے قید خانے جانے کی اجازت دو تو میں تمہیں اس کی تعبیر سے آگاہ کر دوں گا۔ بادشاہ نے اس کو اجازت دے دی تو اس نے جیل میں جا کر کہا۔ اے یوسف! اے بڑے سچے! مجھے اس خواب کی تعبیر بتاؤ جو بادشاہ نے دیکھا ہے تاکہ میں جا کر ان کو بتاؤں۔ پھر اس نے حضرت یوسف کے سامنے بادشاہ کا خواب بیان کیا۔

بادشاہ کے خواب کی تعبیر

۳۹،۴۷ قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَابَّاءَ فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُّوْهُ لَا فِيْ سُبُلِهِ�ْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ۝ ثُمَّ يَأْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لِهٰنِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَحْصِنُوْنَ ۝ ثُمَّ يَأْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْرِضُوْنَ ۝

(حضرت) یوسف نے جواب دیا کہ تم سات برس تک متواتر (خوب محنت سے) کھیتی کرنا۔ پھر جو فصل کاٹو تو اس کو بالوں میں ہی رہنے دینا (تاکہ گھن (لگے) سوائے تھوڑی سی مقدار کے جو تمہارے کھانے میں آئے۔ پھر اس کے بعد سات سال سخت (قحط کے) آئیں گے۔ جو اس (ذخیرے) کو کھا جائیں گے۔ جو تم نے پہلے (جمع کر کے) رکھا ہو گا۔ ان (قحط کے سالوں) کے لئے سوائے اس

تھوڑے سے (غلہ کے) جو تم نے (بیج کے واسطے) روک لیا ہو گا۔ پھر اس (قحط کے سات برس) کے بعد ایک ایسا سال آئے گا جس میں لوگوں کے لئے خوب بارش ہوگی اور وہ اس میں خوب رس پھوڑیں گے۔

دَابَّأُ: جم کر۔ متواتر محنت کرنا۔ مصدر ہے۔

حَصَدْتُمْ: تم نے درانتی سے کاٹا۔ تم نے فصل کو کاٹا۔ حَصَادٌ سے ماضی۔

تُحْصِنُونَ: تم (بیج کے لئے) روک رکھو۔ تم بھانے رکھو۔ اِحْصَانٌ سے مضارع۔

يُفَاثُ: خوب بارش ہوگی۔ غِيْثٌ سے مضارع مجہول۔

يُفْصِرُونَ: وہ پھوڑیں گے۔ فُصْرٌ سے مضارع۔

تشریح: خواب سن کر حضرت یوسف نے کہا کہ اس کی تعبیر یہ ہے کہ تم لوگ اپنی عادت کے مطابق سات سال تک متواتر کھیتی باڑی کرو گے۔ ان میں خوب غلہ پیدا ہو گا۔ یہی سات سال سات موٹی گائیں اور سات ہری بالیں ہیں۔ اس کے بعد سات سال تک سخت قحط رہے گا۔ یہی سات دہلی گائیں اور سات خشک بالیں ہیں۔ ان قحط کے سالوں میں لوگ گزشتہ سات سال کی تمام پیداوار کھا جائیں گے۔ صرف تھوڑا سا غلہ بچے گا اس کو بیج کے لئے محفوظ کر لینا۔

پھر فرمایا کہ قحط سے پہلے کے سات سالوں میں جو کھیتی تم کاٹو اس میں سے اپنی ضرورت کے مطابق غلہ صاف کر لینا، باقی غلے کو ان کے پودوں سمیت بالوں ہی میں چھوڑ دینا تاکہ وہ کیڑے سے محفوظ رہے یعنی اس فصل کے پودوں کو بالوں سمیت ذخیرہ کر دینا تاکہ وہ آفتوں سے محفوظ رہے اور قحط کے دنوں میں ان کے پودوں کا بھوسہ جانوروں کی خوراک کے طور پر استعمال ہو سکے۔

پھر قحط کے سالوں کے بعد ایک سال ایسا آئے گا جس میں خوب بارش ہوگی اور پھل اور انگور کثرت سے پیدا ہوں گے اور لوگ ان کا شیرا پھوڑ کر پئیں گے۔

(مواہب الرحمن ۲۳۶، ۲۳۷، ۱۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۵ / ۴)

حضرت یوسفؑ کی رہائی

۵۰۔ وَقَالَ الْمَلِكُ اُتُونِي بِهِ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ

إِلَىٰ رَبِّكَ فَسَنَلَهُ مُبَاهِلُ النِّسْوَةِ الَّتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ۝

اور (تعبیر سننے کے بعد) بادشاہ نے کہا کہ اس (یوسف) کو میرے پاس لے آؤ۔
پھر جب (حضرت) یوسف کے پاس قاصد پہنچا تو انہوں نے قاصد سے کہا کہ
اپنے آقا کے پاس لوٹ جا پھر اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں
نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔ بیشک میرا رب تو ان کے مکر سے خوب واقف
ہے۔

تشریح: ساقی حضرت یوسفؑ سے بادشاہ کے خواب کی تعبیر معلوم کر کے بادشاہ کے پاس
واپس پہنچا اور اس کو تعبیر سے آگاہ کیا اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ حضرت یوسفؑ نے آنے والے قحط
سے بھاؤ کی یہ تدبیر بتائی ہے تو بادشاہ سن کر حیران رہ گیا۔ اس حسن تعبیر اور حسن تدبیر سے بادشاہ
کے دل پر حضرت یوسفؑ کے علم و فضل، عقل و دانش اور حسن اخلاق کا سکہ بیٹھ گیا۔ اس نے
فوراً حکم دیا کہ ایسے شخص کو میرے پاس لاؤ تاکہ میں اس کی زیارت کروں اور اس کے مرتبے اور
قابلیت کے موافق اس کا اعزاز و اکرام کروں۔ چنانچہ قاصد شاہی پیغام لے کر حضرت یوسفؑ کی
خدمت میں حاضر ہوا۔ لیکن انہوں نے جواب دیا کہ میں جیل سے اس وقت تک نہیں نکلوں گا
جب تک کہ لوگوں کے سامنے میری برأت اور بے گناہی ظاہر نہ ہو جائے اور لوگوں کو پتہ نہ چل
جائے کہ مجھے بے قصور قید میں رکھا گیا ہے۔ پہلے ان عورتوں سے تحقیق کی جائے جنہوں نے زلیخا
کی مجلس میں مجھے دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔

تحقیق کے بعد جب میری برأت ثابت ہو جائے گی تب میں یہاں سے نکلوں گا۔ بلاشبہ
میرا پروردگار عورتوں کے مکر و فریب کو خوب جانتا ہے۔ اب تم بھی تحقیق کر لو تاکہ تمہیں بھی
معلوم ہو جائے کہ خطا دار کون ہے۔ (مواہب الرحمن ۲۵۰، ۲۵۲ / ۱۲)

زلیخا کا اقبالِ حرم

۵۲، ۵۱۔ قَالَ مَا خَطْبُكَ إِذْ رَأَوْتَنِي يَوْسُفَ عَنْ نَفْسِهِ ۚ قُلْنَ حَاشَ
لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوءٍ ۚ قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ النَّسْ

حَمَّحَصَ الْحَقُّ زَانَا رَاوَدْتَهُ عَنْ نَفْسِهِ وَإِنَّهُ لِمِنَ الصّٰدِقِيْنَ
 ۞ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخْنُهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي
 كَيْدَ الْخٰثِلِيْنَ ۝

(بادشاہ نے) پوچھا اس وقت تمہارا کیا حال تھا جب تم نے یوسف کو اس کے
 نفس کے بارے میں پھسلانا چاہا تھا۔ انہوں نے جواب دیا حاشا اللہ۔ ہمیں
 اس میں کوئی برائی نہیں معلوم۔ عزیز کی بیوی کہنے لگی کہ اب تو حق بات (سب
 پر) ظاہر ہو ہی گئی۔ (بات یہ تھی کہ) میں نے ہی اس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا
 تھا اور بیشک وہی سچا ہے۔ (حضرت یوسف نے کہا کہ میں نے) یہ اس لئے کیا
 ہے تاکہ عزیز جان لے کہ اس کی عدم موجودگی میں، میں نے اس کی خیانت
 نہیں کی تھی۔ اور یہ کہ اللہ خیانت کرنے والوں کا فریب نہیں چلنے دیتا۔

خَطْبُكَنَّ: تمہارا حال۔ تمہاری حقیقت۔

حَصَّصَ: وہ ظاہر ہو گیا۔ وہ کھل گیا۔ خُصَّصَ سے ماضی۔

تشریح: اہلچلنی نے واپس آکر حضرت یوسف کا منشا ظاہر کیا۔ بادشاہ نے زلیخا سمیت ان تمام
 عورتوں کو جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے طلب کیا۔ جب سب حاضر ہو گئیں تو بادشاہ نے کہا
 کہ اے عورتو! اس وقت تمہارا کیا حال تھا جب تم نے حضرت یوسف کو ان کے نفس کے بارے
 میں پھسلایا تھا۔ کیا اس نے تمہاری طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھا تھا۔ عورتوں نے فوراً کہا حاشا اللہ۔
 ہمیں تو اس میں کوئی برائی معلوم نہیں۔ زلیخا بھی اس وقت وہاں موجود تھی۔ اس نے کہا کہ اب
 حق بات سب کے سامنے ظاہر ہو گئی ہے، لہذا اب اس کا چھپانا بے کار ہے۔ بے شک حق یہی ہے
 کہ میں نے ہی یوسف کو اس کے نفس کے بارے میں پھسلایا تھا، میں نے ہی اس کو اپنی طرف مائل
 کرنا چاہا تھا۔ وہ تو مجھ سے بیزار ہو کر بھاگا جا رہا تھا۔ بلاشبہ وہ سچا ہے۔

پھر بادشاہ نے حضرت یوسف کو پیغام بھیجا کہ ان عورتوں نے اپنے گناہ کا اقرار کر لیا ہے
 چنانچہ حضرت یوسف نے آکر فرمایا کہ اس سارے اہتمام سے میری غرض صرف یہ تھی کہ عزیز مصر
 کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں اس کی عزت و ناموس میں کوئی خیانت نہیں
 کی۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے حیلے اور فریب کو چلنے نہیں دیتا۔

تحدیثِ نعمت

۵۳۔ وَمَا أُبْرِئُ نَفْسِي: اِنَّ النَّفْسَ لَا تَمَارُ لَا بِالسُّوْرِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي
اِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

اور میں اپنے نفس کو (برائی سے) بری نہیں بناتا۔ بیشک نفس تو برائی سکھاتا
ہی رہتا ہے۔ (ہاں) مگر جس پر میرا رب ہی رحم کرے۔ بیشک میرا رب بڑا
بخشنے والا مہربان ہے۔

اَمَّا رَأَى: بڑا حکم دینے والا۔ اُمِرَ سے مبالغہ ہے۔

تشریح: جب زیٹا نے حضرت یوسف کو بے قصور قرار دے کر اپنے جرم کو تسلیم کر لیا تو
حضرت یوسف نے فرمایا کہ اس اظہارِ برأت سے میرا مقصود خود ستائی اور اپنی تعریف نہیں بلکہ
میری عصمت و صفتِ محض اللہ کے فضل، اس کی رحمت اور توفیق سے ہے۔ میں اس بات کا
دعویٰ نہیں کرتا کہ مجھ سے گناہ اور برائی کا صدور ناممکن اور محال ہے اور نہ میری غرض یہ ہے کہ
میں اپنے نفس کی پاکیزگی ظاہر کر دوں کیونکہ نفس تو سب سے بڑھ کر بدی کی راہ دکھانے والا ہے،
سوائے اس شخص کے جس پر اللہ تعالیٰ اپنا فضل اور رحمت فرمادے۔ سو جس پر اللہ کا فضل اور
مہربانی ہو جاتی ہے وہ نفس کی اطاعت نہیں کرتا بلکہ اس کا مقابلہ کرتا ہے۔ اسی جہادِ نفس کی وجہ
سے اس کو فرشتوں پر برتری حاصل ہو جاتی ہے۔ بلاشبہ میرا رب نفس کے ارادوں اور تصورات
کو بخشنے والا ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے گناہوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

مالیات کے سربراہ کی حیثیت سے تقرر

۵۵، ۵۴۔ وَقَالَ الْمَلِكُ اُتُونِي بِهِ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي: فَلَمَّا كَلَّمَهُ
قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ اَمِيْنٌ ۝ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى
خَزَائِنِ الْاَرْضِ: اِنِّي خَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ۝

اور بادشاہ نے کہا کہ اس (حضرت یوسف) کو میرے پاس لے آؤ تاکہ میں اس
کو خالص اپنے (کلم) کے لئے رکھوں۔ پھر جب بادشاہ نے اس سے بات چیت

کی (اور اس کو ان کی اہلیت کا اندازہ ہوا) تو بادشاہ نے ان سے کہا کہ آج سے تو ہمارے نزدیک بڑا معزز (اور) اعتبار والا ہے۔ (حضرت) یوسف نے کہا کہ مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے۔ بیشک میں حفاظت کرنے والا (اور ان کا صحیح مصرف) جلنے والا ہوں۔

لَدَيْنَا: ہمارے پاس۔

مَكِينٌ: عزت والا۔ مرتبہ والا۔ مَكَانَةٌ سے صفت شبہ۔

تشریح: بادشاہ پر جب حضرت یوسف کی بے گناہی ظہر ہو گئی اور آپ کے علم و امانت کا مرتبہ بھی اس کو معلوم ہو گیا تو کہنے لگا کہ اس شخص کو فوراً میرے پاس لے کر آؤ۔ ایسے شخص کو تو میں خاص اپنے لئے مقرر کروں گا۔ عزیز مصر سے ان کا کوئی تعلق نہ ہو گا۔ چنانچہ حضرت یوسف کو بادشاہ کے پاس لایا گیا اور بادشاہ نے ان سے بالمشافہ گفتگو کی تو وہ ان کی فہم و فراست دیکھ کر بالکل ہی گرویدہ ہو گیا اور کہنے لگا کہ آج سے تو ہمارے نزدیک بڑے مرتبہ والا اور امانت دار ہے پھر خواب کی تعبیر کا ذکر آیا تو بادشاہ نے کہا کہ اتنے بڑے قحط کا انتظام بڑا بھاری کام ہے۔ حضرت یوسف نے بادشاہ کو اس کے انتظام و انصرام کا طریقہ بتایا تو بادشاہ نے کہا کہ اس کا کفیل و ذمہ دار کون ہو گا؟ یہ انتظام کس کے سپرد کیا جائے؟ میرا دل تو تمہاری طرف مائل ہے کیونکہ تم مجسم صدق امانت ہو اور تمہاری فہم و فراست تمہارے چہرے سے عیاں ہے۔

حضرت یوسف نے کہا کہ اچھا تو پھر مجھے ملک کے خزانوں یعنی ملکی پیداوار اور اس کی آمد و خرچ پر مقرر کر دیجئے تاکہ یہ خزانے صحیح حقداروں کو پہنچا سکوں۔ بلاشبہ میں خداداد علم و فہم سے بڑا حفاظت کرنے والا اور بڑا واقف کار ہوں۔ اللہ نے میرے اندر انتظام کی صلاحیت رکھی ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے اس بات کو منظور کر لیا اور حضرت یوسف کو اپنا وزیر بنالیا۔

(مظہری ۱۷۱، ۱۷۲ / ۵)

حضرت یوسفؑ کی حکومت

۵۷، ۵۸ وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ، يَتَّبِعُوا مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۚ نَصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مِنْ نَشَاءٍ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ

الْمُحْسِنِينَ ۝ وَلَا جُزْأَ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا
يَتَّقُونَ ۝

اور اس طرح ہم نے یوسف کو اس ملک میں جگہ (اور قدرت) دی کہ جہاں
چاہتے قیام کرتے۔ ہم جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت پہنچا دیتے ہیں اور ہم بھلائی
کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے اور آخرت کا اجر ان لوگوں کے لئے اس
سے بہتر ہے، جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے رہے۔

مَكْنًا: ہم نے فائز کیا۔ ہم نے قوت دی۔ مُكْنِيْنَ سے ماضی۔

نَصِيْبٌ: ہم پہنچاتے ہیں۔ ہم متوجہ کرتے ہیں۔ اِصْاٰپَہ سے مضارع۔

تَشْرِيْح: اس طرح طویل قید اور تکلیف کے بعد ہم نے حضرت یوسف کو مصر میں حکومت

اور اقتدار و اختیار دیا۔ وہ مصر میں بہاں پہنتے حالتے اور جو چاہتے تصرف کرتے۔ ملک کا بادشاہ تو
برائے نام بادشاہ تھا، حقیقت میں تو حضرت یوسف ہی بادشاہت کر رہے تھے اور عزیز مصر کہہ کر
پکارے جاتے تھے۔ یہ سب اللہ کی رحمت کا نتیجہ تھا، وہ جس کو چاہے اپنی رحمت سے نوازے کوئی
اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ ایک پرہیزگار اور
ایماندار کے لئے آخرت کا اجر دنیا کے اجر سے کہیں بہتر ہے سو حضرت یوسف کو جو دنیاوی سلطنت
ملی وہ اس کی رحمت کا ایک حصہ ہے ورنہ آخرت میں جو اجر و ثواب ان کو ملے گا وہ ہم و گمان سے
بڑھ کر ہے۔

بھائیوں کا غلے کے لئے آنا

۶۲،۵۸- وَجَاءَ إِخْوَتَا يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ

مُنْكَرُونَ ۝ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ أَتُونِي بِأَخ

لَكُمْ مِّنْ أَبِيكُمْ ۚ أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أَوْفَى الْكَيْلِ وَأَنَا خَيْرُ

الْمُنْزِلِينَ ۝ فَإِنْ لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِي وَلَا

تَقْرَبُونِ ۝ قَالُوا سَنُرَاوِدُّ عَنْهُ أَبَاؤَنَا وَنَا لَفَاعِلُونَ ۝ وَقَالَ

لِفَتْيَانِهِ اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا

اِذَا اُنْقَلَبُوا۟ اِلٰى اٰمِلِيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝

اور (جب کنعان میں بھی قحط پڑا تو حضرت) یوسف کے بھائی (مصر میں) اس کے پاس آئے۔ سو اس نے تو ان کو پہچان لیا اور وہ اس کو نہ پہچان سکے اور جب (یوسف نے) ان کا سامان تیار کر دیا تو کہا کہ (جب تم دوبارہ آؤ تو) اپنے سوتیلے بھائی کو بھی میرے پاس لانا (اس کا حصہ بھی دوں گا)۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں پیمانہ پورا (بھر کر) دیتا ہوں اور میں بڑا مہمان نواز ہوں۔ اگر تم اس کو میرے پاس نہ لائے تو میرے پاس تمہارے لئے پیمانہ (غلہ) نہیں ہے اور تم میرے قریب بھی نہ آنا۔ وہ کہنے لگے کہ بہت جلد ہم اس کی طرف سے اس کے باپ کو پھسلائیں گے اور ہم (یہ کام) کر کے رہیں گے۔ اور یوسف نے اپنے ملازموں سے کہہ دیا کہ ان کی پونجی (رقم) ان کے سامان میں (چھپا کر) رکھ دو تاکہ جب وہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر جائیں تو اس کو پہچان لیں۔

(اس طرح) شاید وہ دوبارہ آئیں۔

جَهَّزَ : اس نے تیار کیا۔ تجھیزے ماضی

الْكَيْلَ : پیمانے سے غلہ ذخیرہ ناپنا۔ پیمانہ۔

الْمُنْزِلَيْنِ : اتارنے والے۔ مہمان نواز۔ انزال سے اسم فاعل۔

سُرَّادُ : بہت جلد ہم پہلائیں گے۔ بہت جلد ہم پھسلائیں گے۔ سُرَّادُ سے مضارع۔

فَتَيْنِيْهِ : اس کے خادم۔ اس کے غلام۔ واحد فتی۔

بِضَاعَتِهِمْ : ان کا سرمایہ۔ ان کی پونجی۔

رَحَالِهِمْ : ان کا سامان۔ ان کے کباڑے۔ واحد رَحْلٌ۔

اِنْقَلَبُوا : وہ لوٹ کر آئے۔ وہ پھر گئے۔ اِنْقَلَابٌ سے ماضی۔

تشریح : مصر کا وزیر بننے کے بعد حضرت یوسف نے سات سال تک غلہ کو بہترین طریقے

سے ذخیرہ کیا۔ پھر جب قحط سالی شروع ہوئی اور لوگ دانے دانے کو ترسنے لگے تو ضرورت

مندوں میں غلہ تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ باہر سے آنے والے ہر شخص کو ایک اونٹ بھر غلہ دیتے

تھے۔

قحط مصر سے باہر دوسرے علاقوں میں بھی پھیلا ہوا تھا۔ چنانچہ لوگ دور دور سے غلے کے

حصول کے لئے مصر آ رہے تھے۔ ان میں حضرت یوسف کے بھائی بھی تھے جن کو ان کے والد حضرت یعقوبؑ نے غلہ لینے کے لئے بھیجا تھا۔ حضرت یعقوبؑ نے بنیامین کو، جو حضرت یوسف کے بھائی تھے، اپنے پاس روک لیا اور باقی دس بیٹوں کو غلہ لینے کے لئے مصر بھیج دیا تھا۔ جب یہ لوگ حضرت یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے بھائیوں کو فوراً پہچان لیا لیکن بھائیوں میں سے کوئی بھی حضرت یوسف کو نہ پہچان سکا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت یوسف ان سے پہچن ہی میں جدا ہو گئے تھے اور انہی بھائیوں نے ان کو اہل قافلہ کے ہاتھوں بیچ دیا تھا۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ جس بچہ کو انہوں نے غلام کی حیثیت سے فردخت کیا تھا وہ آج عزیز مصر بنا بیٹھا تھا۔

حضرت یوسف نے بھائیوں کو دیکھ کر ان سے عبرانی زبان میں گفتگو کی اور ان سے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو اور یہاں کیا کرنے آئے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ ملک شام کے چرواہے ہیں۔ قحط کی تکلیف میں مبتلا ہو کر غلہ لینے آئے ہیں۔ حضرت یوسف نے فرمایا کہ شاید تم لوگ یہاں جاسوسی کے لئے آئے ہو۔ وہ کہنے لگے کہ واللہ! ہم جاسوس نہیں ہیں بلکہ ایک ایسے باپ کی اولاد ہیں جس کو اللہ کے پیغمبروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم بارہ بھائی تھے۔ ہم میں جو سب سے چھوٹا تھا اور ہمارے باپ کی آنکھوں کا تار اٹھا وہ تو ہلاک ہو گیا۔ اسی کا ایک بھائی اور ہے جس کو باپ نے اپنے پاس روک لیا ہے۔ اگر آپ اس کے حصہ کا غلہ بھی ہمیں دے دیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ حضرت یوسف نے فرمایا کہ اس طرح غائب کا حصہ دینا خلافِ قاعدہ ہے۔ جب دوبارہ آؤ تو اپنے بھائی کو ساتھ لانا تب ہی اس کا حصہ ملے گا۔

اس کے بعد حضرت یوسف نے حکم دیا کہ ان لوگو کو سرکاری مہمان سمجھا جائے اور ان کی ہر طرح خاطر و مدارت کی جائے۔ پھر ہر ایک کو ایک ایک اونٹ غلہ دے دیا اور سب کا سامان درست کر دیا اور کہا کہ دیکھو آئندہ جب آؤ تو اپنے علاقے (باپ شریک) بھائی کو ساتھ لے کر آنا اگر تم اپنی بات میں سچے ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں غلے کا ناپ پورا دیتا ہوں، کسی کو کم نہیں دیتا۔ اور میں بہترین میزبان ہوں۔ پھر تمہیں اپنے بھائی کو لانے میں کیا تردد ہے۔ اگر تم اپنے بھائی کو ساتھ نہ لائے تو میں سمجھوں گا کہ تم جھوٹ بول کر اور دھوکہ دے کر ایک اونٹ غلہ زیادہ لینا چاہتے تھے اور میں تمہیں اناج کا ایک دانہ بھی نہ دوں گا بلکہ میں تمہیں اپنے نزدیک بھی نہ آنے دوں گا۔

پھر انہوں نے وعدہ کیا کہ اگرچہ اس کو باپ سے جدا کرنا بہت مشکل ہے تاہم ہم کہہ سن

کر اور ہر طرح سے باپ کو راضی کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ اپنے بھائی کو ساتھ لے کر آئیں اور بادشاہ کے سامنے جھوٹے نہ پڑیں۔ اور حضرت یوسفؑ نے اپنے غلہ نلپنے والے خادموں سے کہا کہ ان لوگوں نے غلہ کی قیمت میں جو کچھ مال و اسباب دیا ہے وہ بھی ان کے سامان میں اس خوبصورتی سے رکھ دو کہ ان کو معلوم تک نہ ہو۔ تاکہ گھر جا کر جب اپنی پوچھی دیکھیں تو امید ہے کہ ہماری چیزیں ہمیں واپس کرنے ضرور آئیں گے۔

(ابن کثیر ۴/۲۸۳، مواہب الرحمن ۲۱/۲۸، عثمانی ۶۸۱، ۶۸۲/۱)

بھائیوں کا واپس جانا

۶۳، ۶۴۔ فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ آبِيهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مَنَعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَأَرْسَلْ
مَعَنَا اخْنَأَنَّا نَكْتَلُ وَإِنَّا لَهُ لَحَفِظُونَ ۝ قَالَ مَلْ أَمْنُكُمْ عَلَيْهِ
إِلَّا كَمَا أَمَنْتُكُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ ۖ قَالَ اللَّهُ خَيْرٌ حِفْظًا
وَمَوَازٍ حَمُّ الرَّحِمَيْنِ ۝

پھر جب وہ اپنے باپ کے پاس پہنچے تو کہنے لگے کہ اے ہمارے باپ! ہمارے لئے پیمانہ (غلہ) بند کر دیا گیا ہے۔ سو آپ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ ہم پیمانہ (غلہ) بھر کر لے آئیں اور ہم اس کی ضرور حفاظت کریں گے (حضرت) یعقوب نے کہا کہ کیا میں اس بارے میں بھی تمہارا ویسا ہی اعتبار کروں جیسا کہ اس سے پہلے اس کے بھائی (یوسف) کے بارے میں تمہارا اعتبار کر چکا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ ہی خوب حفاظت کرنے والا ہے۔ اور وہی سب سے زیادہ مہربان ہے۔

تشریح: پھر جب وہ لوٹ کر اپنے والد کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے والد کو بتایا کہ جس شخص کے پاس ہم غلہ لینے گئے تھے اس نے ہماری خوب خاطر و مدارت کی اور وہ ہمارے ساتھ نہایت اعزاز و اکرام سے پیش آیا، لیکن اس نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ آئلہ تمہیں اس وقت تک غلہ نہیں ملے گا جب تک کہ تم اپنے بھائی کو ساتھ نہیں لاؤ گے۔ سو آئندہ آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی بنیامین کو بھی بھیج دیں تاکہ ہمیں غلہ مل جائے۔ آپ بے فکر رہئے، ہم اس کی پوری

حفاظت کریں گے۔ حضرت یعقوبؑ نے فرمایا کہ تم اس کے ساتھ بھی وہی کرو گے جو اس سے پہلے اس کے بھائی یوسف کے ساتھ کر چکے ہو۔ سو اللہ ہی بہترین حافظ اور نگہبان ہے، وہی سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔ امید ہے وہی اس کی حفاظت کرے گا اور مجھ پر رحم فرمائے گا۔ میرا رنج و غم دور کر دے گا اور مجھے اس کی ذات سے امید ہے کہ وہ یوسف کو مجھ سے پھر ملا دے گا

(ابن کثیر ۲/۲۸۳)

بیٹوں سے عہد و پیمان لینا

۶۵، ۶۶۔ وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ ۖ
قَالُوا يَا أَبَانَا مَا نَبْغِي ۚ هَذِهِ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا ۖ وَنَمِيرُ
أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ أَخَانَا وَنَزِدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ ۚ ذَٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيرٌ
۝ قَالَ لَنْ أَرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّى تُتَوَعَّتُونَ مُوْتَقًا مِّنَ اللَّهِ
لَتَأْتُنَّنِي بِهِ إِلَّا أَن يُحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّا اتَّوَلَّ مُوْتِقَهُمْ قَالَ اللَّهُ
عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ۝

اور جب انہوں نے اپنا اسباب کھولا تو انہوں نے اس میں سے اپنی پونجی (رقم) پائی جو ان کو واپس کر دی گئی تھی۔ وہ کہنے لگے کہ اے باپ! ہمیں اور کیا چاہئے۔ یہ ہے ہماری پونجی (رقم) جو ہمیں لوٹا دی گئی ہے اور ہم اپنے گھر والوں کے لئے (اور) غلہ لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اوست کا بوجھ اور زیادہ لے آئیں گے۔ یہ پیمانہ بھر دینا (بادشاہ کے لئے) آسان ہے۔ (حضرت) یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ میں (یوسف کے بھائی کو) تمہارے ساتھ ہر گز نہیں بھیجوں گا جب تک کہ تم مجھے اللہ کا پختہ عہد نہ دو گے کہ تم اس کو میرے پاس ضرور لاؤ گے۔ بجز اس کے کہ تم سب گھیرے میں آ جاؤ پھر جب انہوں نے اس کو پختہ عہد دے دیا تو (حضرت یعقوب نے) کہا کہ ہماری اس گفتگو پر اللہ نگہبان ہے۔

نَمِيرٌ : ہم غلہ لائیں گے۔ ہم خوراک لائیں گے۔ مُرْعٰے مضارع۔
 بُعِيرٌ : اونٹ۔ شتر۔ اسم جنس ہے۔ واحد و جمع۔ مذکر و مؤنث سب پر بولا جاتا ہے۔
 مُوثِقًا : مضبوط عہد۔ وثوق سے مصدر مبی۔
 تشریح : گھر پہنچ کر حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے جب اپنا سامان کھولا تو انہوں نے اس

میں اپنا وہ تمام سرمایہ جو انہوں نے غلہ کی قیمت کے طور پر عزیز مصر کو دیا تھا، موجود پایا جو ان کو لوٹا دیا گیا تھا۔ اپنی ادا شدہ رقم کو اپنے سامان میں موجود پا کر وہ حضرت یعقوب سے کہنے لگے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا احسان ہو گا کہ شاہ مصر نے ہماری مہمان نوازی کی، خاطر مدارت کی، ہمیں اچھی طرح رکھا۔ پھر ہمارے ہاتھ غلہ فروخت کیا اور ہماری دی ہوئی قیمت بھی لوٹا دی۔ لہذا اب آپ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ ضرور بھیج دیں تاکہ ہم مزید غلہ لے کر آئیں۔ بھائی کی وجہ سے ہم سب کو بھی غلہ مل جائے گا اور بھائی کے نام سے ایک اونٹ کا بوجھ مزید ملے گا۔ کیونکہ عزیز مصر ہر شخص کو ایک اونٹ کا بوجھ دیتا ہے۔ اس وقت مزید غلہ کا حصول نہایت آسان ہے۔

بیٹوں کی گفتگو سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں تمہارے بھائی کو ہرگز تمہارے ساتھ نہیں بھیجو گا جب تک تم حلفیہ اقرار نہ کرو کہ تم اس کو ضرور میرے پاس لے کر آؤ گے سوائے اس کے کہ تم سب ہی کہیں پھنس جاؤ۔ جب بیٹوں نے حلفیہ اقرار کر لیا تو حضرت یعقوب نے یہ فرمایا کہ ہماری اس گفتگو کا اللہ تعالیٰ وکیل ہے اور پھر اپنے پیارے بیٹے کو ان کے ساتھ کر دیا۔ اس لئے کہ قحط کے سبب غلہ کی ضرورت تھی اور بیٹے کو بھیجے بغیر چارہ نہ تھا۔

حضرت یعقوبؑ کی بیٹوں کو نصیحت

۶۸، ۶۹- وَقَالَ يَبْنَى لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَةٍ ۖ وَمَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ۝
 وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ ۖ مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةٌ فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ قَضَاهَا ۖ وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لَمَّا عَلِمْنَاهُ ۖ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

اور (چلتے وقت حضرت) یعقوب نے کہا کہ اے میرے بیٹو! تم سب (شہر میں) ایک دروازے سے مت داخل ہونا بلکہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا اور میں تمہیں اللہ کی مشیت سے نہیں بچا سکتا۔ حکم تو بس اللہ ہی کا (چلتا) ہے میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور ہر بھروسہ کرنے والے کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے اور جب وہ (شہر میں) اس طرح داخل ہوئے جس طرح ان کے باپ نے ان کو حکم دیا تھا تو یہ تدبیر اللہ کے حکم کو ذرا بھی ٹال نہیں سکتی تھی مگر یہ یعقوب کے دل کی ایک خواہش تھی جس کو انہوں نے پورا کیا اور بلاشبہ وہ تو صاحب علم تھے کیونکہ ہم نے انہیں علم دیا تھا لیکن اکثر لوگ (یہ بات) نہیں جانتے۔

تشریح: حضرت یعقوب کے بیٹے نہایت حسین و جمیل، سر و قامت اور تنو مند تھے۔ اس لئے ان کو خیال ہوا کہ کہیں اجتماعی طور پر شہر میں داخل ہوتے دیکھ کر ان کو کسی کی نظر نہ لگ جائے کیونکہ نظر کا لگ جانا حق ہے۔ یہ گھوڑے سوار کو گرا دیتی ہے۔ لہذا انہوں نے بیٹوں کو رخصت کرتے وقت نصیحت کی کہ تم لوگ شہر کے ایک ہی دروازے سے ایک ساتھ شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ ایک ایک، دو دو، کر کے مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔ میں جانتا ہوں اور میرا ایمان ہے کہ خدا کی قضا کو کوئی شخص کسی تدبیر سے بدل نہیں سکتا۔ خدا کا چاہا پورا ہو کر رہتا ہے، اسی کا حکم چلتا ہے، کوئی نہیں جو اس کے ارادے کو بدل سکے، اس کے فرمان کو ٹال سکے اور اس کی قضا کو لوٹا سکے۔ میں تو اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور میں ہی کیا ہر توکل کرنے والے کو اسی پر توکل کرنا چاہئے۔

حضرت یوسف کے بھائی مہر پہنچ کر اپنے والد کی نصیحت کے مطابق مختلف دروازوں سے شہر میں داخل ہوئے۔ مگر یہ تدبیر بھی اس چیز کو دفع نہ کر سکی جو اللہ کی طرف سے ہونے والی تھی۔ لیکن یہ حضرت یعقوب کے دل کی خواہش تھی، جس کو انہوں نے اولاد کو نصیحت کر کے پورا کر لیا بلاشبہ حضرت یعقوب اس چیز کو خوب جانتے تھے جو ہم نے ان کو سکھائی تھی۔ لیکن اکثر لوگ اس سے واقف نہیں کہ تدبیر تقدیر کو دفع نہیں کر سکتی۔ (مشہرہ، ۱۴۰، ۱۸۰، ۱۵۱، ابن کثیر ۳۸۳ / ۲)

بنیامین سے خصوصی معاملہ

۶۹۔ وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا خُوكُ فَلَا تَبْتَسِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

اور جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے بھائی کو اپنے پاس جگہ دی (اور تنہائی میں اس سے) کہا کہ میں تیرا بھائی (یوسف) ہوں۔ سو جو کچھ یہ (تیرے ساتھ) کرتے رہے اس پر غم نہ کر۔

تَبْتَسِسُ: تو غمگین ہوتا ہے۔ تو ناامید ہوتا ہے۔ اِبْتِئَاسٌ سے مضارع۔

تشریح: بنیامین حضرت یوسف کے سگے بھائی تھے۔ جب وہ اپنے بھائیوں کے ہمراہ حضرت یوسف کے پاس پہنچے تو حضرت یوسف نے سب کو سرکاری ہمان خانے میں ٹھہرایا اور ان کو بڑی عزت و اکرام کے ساتھ رکھا۔ پھر اپنے بھائی بنیامین کو تنہائی میں بتا دیا کہ میں تیرا حقیقی بھائی یوسف ہوں۔ اللہ نے ہم پر انعام فرمایا ہے۔ ان لوگوں نے ہمارے اوپر جو مظالم کئے کہ مجھے باپ سے جدا کر کے کنوئیں میں ڈالا، مجھے غلام بنا کر بیچا اور ہمارے باپ بھائی کو جدائی کے صدمے میں مبتلا کیا، ان سب باتوں پر تمہیں رنج کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ وقت نہ رنج و غم کا ہے اور نہ شکوہ و شکایت کا بلکہ اللہ تعالیٰ کے شکر کا وقت ہے۔ یہ بات ان کو نہ بتانا۔ میں کوشش کروں گا کہ کسی طرح تمہیں اپنے پاس روک لوں۔ (عثمانی ۶۸۴/۱)

بھائیوں پر چوری کا الزام

۷۰، ۷۱۔ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ انْكُمُ لِسًا ۝ قَالُوا وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِمْ مَاذَا تَفْقَدُونَ ۝ قَالُوا نَفَقْدُ صَوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ۝ قَالُوا وَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَآ جِئْنَا بِنَفْسٍ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سُرِقِينَ ۝ قَالُوا فَمَا جَزَاءُكُمْ إِن كُنْتُمْ كَاذِبِينَ ۝ قَالُوا جَزَاؤُهُ مَنْ وَجَدَ فِي

رُحْلِهِ فَهُوَ جَزَاؤُهُ ۖ كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ۝

پھر جب یوسف نے ان کا سامان تیار کر دیا تو اپنے بھائی کے اسباب میں پینے کا پیالہ رکھ دیا۔ پھر ایک پکارنے والے نے پکار کر کہا کہ اے قافلے والو! تم یقیناً چور ہو۔ (یوسف کے بھائی) ان کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ تمہاری کیا چیز گم ہو گئی ہے۔ وہ کہنے لگے کہ ہمیں بادشاہ کا پیالہ نہیں ملتا اور جو شخص اس کو لے کر آئے گا اس کو ایک اونٹ کا بوجھ (غلہ انعام کے طور پر) ملے گا اور میں اس کا ضامن ہوں۔ (یوسف کے بھائی) کہنے لگے کہ واللہ تم خوب جان چکے ہو کہ ہم ملک میں فساد کرنے نہیں آئے اور نہ ہم کبھی چور تھے۔ انہوں نے کہا کہ اگر تم جھوٹے نکلو تو اس (چور) کی کیا سزا ہے۔ (یوسف کے بھائیوں نے) جواب دیا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان سے وہ (پیالہ) نکلے وہی (شخص) اس کا بدلہ ہو گا۔ ہم ظالموں (چوروں) کو یہی سزا دیا کرتے ہیں۔

السَّيِّئَةُ: پینے کا برتن۔ پانی پلانے کی جگہ۔ پانی پلانا۔

تَفْقِدُونَ: تم کھوئے ہو۔ تم گم کرتے ہو۔ فقہ سے مضارع۔

صُوعًا: پیالہ۔ بادشاہی پیمانہ۔ جمع صُوعَانٌ۔

رُحْلِهِ: دھڑا۔ ضامن۔ کہنے والا۔ رُحْمٌ وَرُحَامَةٌ سے اسم فاعل۔

تشریح:

حضرت یوسف نے حسب عادت اپنے بھائیوں کو ایک ایک اونٹ غلہ دے دیا اور ان کا سامان روانگی کے لئے تیار ہونے لگا تو چپکے سے اپنا پانی پینے اور غلہ نلپنے کا پیالہ اپنے بھائی بنیامین کے سامان میں رکھوا دیا اور کسی کو خبر نہ ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ پیالہ چاندی کا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ یہ سونے کا تھا۔ اس میں پانی پیا جاتا تھا اور اسی سے غلہ بھر کر دیا جاتا تھا۔

سب بھائی غلہ لے کر خوش و خرم روانہ ہو گئے۔ جب شہر سے باہر نکلے تو ایک پکارنے والے نے پکار کر کہا کہ اے قافلے والو! ہمارے گمان میں تم چور معلوم ہوتے ہو۔ چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا قیام خاص مہمان خانے میں تھا جہاں شاہی پیمانہ رکھا ہوا تھا، اس لئے قافلے کی روانگی کے بعد شاہی ملازمین نے سامان کی پڑتال کے دوران شاہی پیمانہ گم پایا۔ جب تلاش کے باوجود یہ ملا تو ان کو خیال ہوا کہ مہمان خانے میں اس قافلے کے سوا کوئی نہ تھا اس لئے منادی کرنے والے نے جا کر آواز دی۔

حضرت یوسفؑ کے بھائی منادی کی آواز سن کر گھبرا گئے اور ان کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا کہ تمہاری کیا چیز کھو گئی۔ تلاش کرنے والوں نے بتایا کہ شاہی پیمانہ جس سے اناج ناپا تھا گم ہو گیا ہے۔ جو اس کو تلاش کر کے دے گا اس کو ایک اونٹ کے بوجھ کا غلہ انعام میں ملے گا اور میں اس وعدے کا ضامن ہوں۔ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے جواب دیا کہ تم ہماری عادات اور خصلتوں سے واقف ہو چکے ہو۔ ہم نہ تو فساد پھیلانے آئے ہیں اور نہ ہم چور ہیں۔ ان کی بات سن کر منادی کرنے والوں نے کہا کہ اگر تم جھوٹے نکلے اور تم میں سے کسی کے سامان میں سے شاہی پیالہ برآمد ہو تو اس کی کیا سزا ہوگی۔ وہ کہنے لگے کہ ہماری شریعت میں اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں سے تمہارا مال برآمد ہو اس کو ایک سال کے لئے اپنا غلام بنالینا۔ ہم ظالموں یعنی چوری کرنے والوں کو یہی سزا دیتے ہیں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۱، ۵۳ / ۴، ابن کثیر ۲۸۵ / ۲)

بھائیوں کے سامان کی تلاشی

﴿فَبَدَأَ بِأَوْعِيَّتِهِمْ قَبْلَ وَعَاءِ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخَرَّ جَهَا مِنْ وَعَاءِ أَخِيهِ ۖ كَذَلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ ۖ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۖ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مِمَّنْ نَشَاءُ ۖ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ۝ قَالُوا إِنِّي نَسَرُّكَ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَنَا مِنْ قَبْلُ ۖ فَاسَرَّهُمْ يُوْسُفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبَدِّهَا لَهُمْ ۖ قَالَ أَنْتُمْ شَرُّ مَكَانَةٍ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ ۝﴾

سو یوسف نے اپنے (حقیقی) بھائی کے اسباب سے پہلے ان کے سامان کی تلاشی لینی شروع کی۔ پھر اس نے اپنے بھائی کے سامان میں سے اس کو برآمد کر لیا۔ یوں ہم نے یوسف کو تدبیر بتائی (دور نہ مصر کے) بادشاہ کے قانون کی رو سے وہ اپنے بھائی کو نہیں لے سکتے تھے۔ مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے۔ ہم جس کے چلہتے ہیں درجات بلند کرتے ہیں اور تمام علم والوں سے بڑھ کر ایک بڑا علم والا ہے۔ (یوسف کے بھائی) کہنے لگے کہ اگر اس نے چوری کی تو اس سے پہلے اس کا بھائی

بھی چوری کر چکا ہے۔ پس یوسف نے اس بات کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھا اور اس کو ان کے سامنے ظاہر نہیں کیا (اور اپنے دل میں) کہا کہ تم بڑے بد اطوار ہو۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کہہ رہے ہو۔

أَوْعَيْتِهِمْ: ان کی خیر میں۔ ان کے برتن۔ ان کی محفوظ رکھنے والی چیزیں۔ واحد دُعَاء۔
يُبْدِيهَا: اس نے اس کو ظاہر کیا۔ اِبْدَاء سے مضارع۔

تَصِفُونُ: تم بیان کرتے ہو۔ تم بتاتے ہو۔ وَصَفٌ سے مضارع۔

تَفْشِيح: چور کی سزا طے پانے کے بعد حضرت یوسف نے حکم دیا کہ ان کے سامان کی تلاشی لی جائے۔ چنانچہ پہلے بھائیوں کے سامان کی تلاشی لی گئی تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو۔ آخر میں بنیامین کے سامان کی تلاشی شروع ہوئی۔ چونکہ پیالہ اسی کے سامان میں رکھوایا گیا تھا، اس لئے وہ اسی کے سامان سے برآمد ہوا۔ پیالہ برآمد ہوتے ہی حضرت یوسف نے حکم دیا کہ بنیامین کو روک لیا جائے۔ یہ تھی وہ ترکیب جو بنیامین کو روکنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سکھائی تھی۔ شاہ مصر کے قانون کے مطابق چوری ثابت ہونے کے باوجود حضرت یوسف بنیامین کو اپنے پاس نہیں روک سکتے تھے مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے علم و حکمت دے کر اس کے درجے بلند کر دیتا ہے۔ کسی عالم کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے علم پر ناز کرے۔ علم کے اعتبار سے ایک سے ایک بڑھ کر ہے، یہاں تک کہ اس کی انتہا اللہ تعالیٰ پر ہے۔

بنیامین کے سامان سے پیالہ برآمد ہونے پر حضرت یوسف کے بھائی شرمندہ ہوئے اور غصے میں آکر کہنے لگے کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے۔ ہمیں معلوم نہ تھا کہ یہ چوری کرے گا۔ بالآخر یہ بھی اپنے بھائی کی طرح نکلا۔ ایسی سخت بات سن کر بھی حضرت یوسف بے قابو نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے اس بات کو اپنے دل میں رکھا، پھر ان کو مخاطب کر کے کہا کہ تم بہت ہی گھنیا درجے کے ہو۔ ابھی تو کہہ رہے تھے کہ ہم چوروں میں سے نہیں۔ جب ایک بھائی کے سامان میں سے مال برآمد ہو گیا تو اس کے ساتھ دوسرے غیر حاضر بھائی کو بھی ملوث کرنے لگے۔ گویا تم چوری کے عادی ہو۔

(عثمانی ۶۸۶، ۶۸۷/۱)

بھائیوں کی درخواست

۹۷، ۹۸۔ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبًا شَيْخًا كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ ۚ إِنَّا نَنْزِعُكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ۝ قَالَ مُعَاذَ اللَّهِ أَنْ نَأْخُذَ إِلَّا مَنْ وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهُ إِنَّا إِذًا لَظَالِمُونَ ۝

وہ کہنے لگے کہ اے عزیز! اس کا باپ بہت بوڑھا ہے سو آپ اس کی جگہ ہم میں سے ایک کو رکھ لیں۔ بیشک ہم آپ کو بہت احسان کرنے والا پاتے ہیں۔ (حضرت) یوسف نے کہا اللہ کی پناہ (اس بات سے) کہ جس کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا دوسرے شخص کو پکڑ کر رکھیں۔ تب تو ہم بڑے بے انصاف ٹھہریں گے۔

تشریح: جب بنیامین کے سامان سے شاہی پیالہ برآمد ہو گیا اور وہ ان کے اپنے اقرار کے مطابق شاہی قیدی قرار پائے تو انہیں بہت فکر ہوئی کہ اب باپ کو جا کر کیا جواب دیں گے۔ وہ عزیز مصر کی منت خوشامد کرنے لگے۔ کہنے لگے کہ اس کے والد بہت بوڑھے اور ضعیف ہیں۔ ان کا ایک بھائی پہلے ہی گم ہو چکا ہے جس کا انہیں بہت صدمہ ہے۔ سو اس کے بوڑھے باپ کا خیال کر کے اس کے بدلے آپ ہم میں سے کسی کو اپنے پاس رکھ لیں۔ بیشک آپ بڑے محسن ہیں۔ ہم آپ سے احسان کی امید رکھتے ہیں۔ حضرت یوسف نے جواب دیا کہ اللہ کی پناہ، اللہ تعالیٰ بے انصافی سے بچائے۔ بھلا یہ ظلم و بے انصافی کیسے ہو سکتی ہے کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔ اگر میں ایسا کروں تو اللہ کے نزدیک ظالم ٹھہروں گا۔

بھائیوں کا باہم مشورہ کرنا

۸۲، ۸۰۔ فَلَمَّا اسْتِئْذِنُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا ۖ قَالَ كَبِيرُهُمْ أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ أَبَاكُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُمْ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ ۖ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُمْ فِي يُوسُفَ ۖ فَلَنْ أْبْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّىٰ يَأْذَنَ لِي أَبِي أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِي ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ۝ اِرْجِعُوا إِلَىٰ

أَبِيكُمْ فَقُولُوا يَا أَبَانَا إِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا
عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حَفِظِينَ ۝ وَنَسُئِلُ الْقُرْيَةَ الَّتِي
كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا ۚ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ۝

پھر جب وہ اس (یوسف) سے ناامید ہو گئے تو علیحدہ ہو کر مشورہ کرنے لگے۔
ان میں سے بڑے نے کہا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے تم سے
اللہ کا پختہ عہد لیا ہے اور اس سے پہلے تم یوسف کے بارے میں بھی قصور کر
چکے ہو سو میں تو اس زمین سے نہیں ٹلوں گا۔ جب تک کہ میرا باپ مجھے
اجازت نہ دے یا اللہ تعالیٰ ہی میرے حق میں کوئی فیصلہ کر دے اور وہ بہتر
فیصلہ دینے والا ہے۔ تم اپنے باپ کے پاس واپس جاؤ اور ان سے کہو کہ اے
ہمارے باپ! بیشک آپ کے بیٹے نے چوری کر لی اور ہم نے تو وہی کہا جو
ہمیں معلوم تھا اور ہمیں غیب کی خبر نہ تھی (کہ وہ چوری کرے گا) اور آپ اس
بستی والوں سے بھی پوچھ لیجئے جہاں ہم تھے اور اس قافلے والوں سے بھی پوچھ
لیجئے جن کے ساتھ ہم (یہاں) آئے ہیں اور بیشک ہم سچے ہیں۔

اَسْتَيْسُوا: وہ مایوس ہو گئے۔ وہ ناامید ہو گئے۔ اِسْتَيْسُوا سے ماضی۔

فَرَضْتُمْ: تم نے کوتاہی کی۔ تم نے قصور کیا۔ تَفَرُّطٌ سے ماضی۔

اَبْرُحَ: میں ٹلوں گا۔ میں چھوڑ دوں گا۔ اَبْرُحَ سے مضارع۔

تَشْرِيحُ: جب حضرت یوسف کا جواب سن کر ان کے بھائی، بنیامین کی ربائی کے بارے میں

بالکل ناامید ہو گئے اور سمجھ گئے کہ اب وہ بنیامین کو ان کے حوالے نہیں کریں گے تو وہ ایک
طرف کو ہٹ کر تنہائی میں باہم مشورہ کرنے لگے۔ ان میں سے اکثر کی رائے یہ تھی کہ وطن واپس
جانا چاہئے لیکن بڑے بھائی نے کہا کہ باپ کے سامنے کیا منہ لے کر جاؤ گے۔ جو عہد تم ان سے کر
کے آئے ہو اس کا کیا جواب دو گے۔ ایک قصور تو تم پہلے ہی یوسف کے بارے میں کر چکے ہو جس
کا آخر آج تک موجود ہے۔ میں تو اب کسی صورت یہاں سے نہیں ٹلوں گا۔ یہاں تک کہ میرا باپ
مجھے یہاں سے چلے جانے کی اجازت دے یا اللہ میرے لئے کوئی حکم اور فیصلہ فرما دے اور وہ سب
سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ سو تم مجھے تو یہاں چھوڑ دو اور واپس جا کر باپ سے کہہ دو کہ
تمہارے بیٹے بنیامین نے چوری کی اس لئے اس کو وہاں روک لیا گیا۔ ہم آپ سے وہی بیان کر رہے

ہیں جو ہمیں معلوم ہے۔ ہمیں غیب کی خبر نہیں۔ اگر آپ کو ہماری بات کا یقین نہ آئے تو آپ کسی معتبر آدمی کو بھیج کر بستی والوں سے تحقیق کرا لیں جہاں یہ واقعہ پیش آیا ہے۔ نیز اہل قافلہ سے دریافت کر لیں جو ہمارے ساتھ واپس آئے ہیں۔ بلاشبہ ہم اپنی بات میں سچے ہیں۔

حضرت یعقوبؑ کا صبر و استقامت

۸۶، ۸۳ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۚ عَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝ وَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا سَفَىٰ عَلَىٰ يُونُسَ ۖ وَابْيَضَّتْ عَيْنُهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ۝ قَالُوا تَاللَّهِ تَفْتُنُونَا ذِكْرُ يُونُسَ ۖ حَتَّىٰ تَكُونُ حَرَضًا ۖ وَتَكُونُ مِنَ الْهَالِكِينَ ۝ قَالَ إِنَّمَا أَشْكُوا بَثْنِي وَحُزْنَ إِلَى اللَّهِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ

(حضرت) یعقوب نے کہا (نہیں) بلکہ تم نے اپنے دل سے ایک بات گھڑ لی ہے سو اب صبری بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ ان سب کو میرے پاس لے آئے گا۔ بیشک وہی جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور (حضرت) یعقوب نے ان کی طرف سے رخ پھیر لیا اور کہنے لگے، ہائے افسوس یوسف پر! ان کی آنکھیں غم سے سفید (بے نور) ہو گئیں، پس وہ سخت غمگین ہو گئے۔ بیٹے کہنے لگے خدا کی قسم تم تو سدا یوسف کو یاد کرتے رہو گے یہاں تک کہ مضمحل ہو جاؤ یا ہلاک ہی ہو جاؤ گے۔ (حضرت) یعقوب نے جواب دیا کہ میں تو اپنی پریشانی اور غم کی شکایت اللہ ہی سے کرتا ہوں اور میں اللہ ہی کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

سَوَّلَتْ:	اس نے چمک دیا۔ اس نے فریب دیا۔ سَوَّلَتْ سے ماضی۔
ابْيَضَّتْ:	وہ سفید ہو گئیں۔ وہ بے نور ہو گئیں۔ ابْيَضَّتْ سے ماضی۔
كَظِيمٌ:	سخت غمگین۔ كَظِيمٌ و كُظُومٌ سے صفت شربہ۔
تَفْتُنُوا:	تو ہمیشہ رہے گا۔ فعل ناقص ہے۔

حَرَصًا: مضاعف۔ بیمار۔ مصدر بھی ہے اسم بھی۔

بِشْيٍ: میری ہے قراری۔

تشریح: حضرت یعقوبؑ نے پہلے کی طرح بیٹوں کی بات کا اعتبار نہ کیا بلکہ تمام حال سن کر فرمایا کہ بنیامین چوری میں نہیں پکڑا گیا بلکہ یہ تو تم نے اپنی طرف سے کوئی بات بنائی ہے۔ خیر جو ہوا سو ہوا، میں تو اب صبری کروں گا اور کوئی حرف شکایت زبان پر نہیں لاؤں گا۔ میں اپنے خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس صبر کرنے میں میری مدد فرمائے۔ مجھے امید ہے کہ بہت جلد اللہ تعالیٰ ان سب کو مجھ سے ملا دے گا۔ بیشک وہ علیم ہے میری حالت کو خوب جانتا ہے وہ حکیم ہے اس کی قضاء و قدر اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

اس واقعہ سے حضرت یوسفؑ کا غم پھر سے تازہ ہو گیا اور حضرت یعقوبؑ شدتِ غم کے باعث بیٹوں کی طرف سے منہ موڑ کر کہنے لگے ہائے افسوس یوسف! حضرت یوسفؑ کی جدائی کے غم میں روتے روتے ان کی آنکھیں بے رونق یا بے نور ہو گئیں۔ جس قدر بصارت گھٹتی جاتی تھی بصیرت بڑھتی جاتی تھی وہ کسی سے اپنے صدے کی شکایت نہیں کرتے تھے۔

پھر بیٹوں نے باپ کا حال دیکھ کر انہیں کھانا شروع کیا، اگر آپ کا یہی حال رہا تو کہیں زندگی سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں۔ حضرت یعقوبؑ نے ان کو جواب دیا کہ میں تو اپنی پریشانی اور رنج کی شکایت صرف اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں، تم سے کچھ نہیں کہتا۔ مجھے یقین ہے کہ یوسفؑ ابھی زندہ ہے کیونکہ اس کا خواب ابھی پورا نہیں ہوا۔ بہت جلد وہ مجھ سے آئے گا اور جو خواب اللہ نے اس کو دکھایا ہے وہ حرف بحرف پورا ہو گا اور مجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ مضطر کی دعا قبول کرتا ہے۔

(ابن کثیر ۲/۴۸۷، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۸، ۵۹/۴)

بیٹوں کو حضرت یوسفؑ کی تلاش کا حکم

۸۸، ۸۷ یٰبَنِيَّ اذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِنْ يُّوسُفَ وَ اَخِيهِ وَلَا تَايِنَسُوا مِنْ رُّوحِ اللّٰهِ ۚ اِنَّهٗ لَا يَايِنُسُ مِنْ رُّوحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ
 ۵ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يٰاَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَاَهْلُنَا الضَّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعٍ مُّزْجَجَةٍ فَآوِفْ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ

عَلَيْنَا إِنَّ اللَّهَ يُجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ ۝

اے میرے بیٹو! جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ۔ بیشک اللہ کی رحمت سے وہی لوگ ناامید ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔ پھر جب وہ اس (یوسف) کے پاس پہنچے تو کہنے لگے کہ اے عزیز! ہم پر اور ہمارے گھر والوں پر (قحط کی وجہ سے) بڑی مصیبت پڑی ہے اور ہم ناقص پونجی لے کر آئے ہیں سو ہمیں پورا ایمان بھر دیجئے اور ہم پر صدقہ کر دیجئے بیشک اللہ صدقہ دینے والوں کو (جزائے خیر) دیتا ہے۔

رُوح: آرام۔ رحمت۔ فیض۔ مصدر ہے۔
مُزْجِجٌ: تھوڑی۔ ناقص۔ حقیر۔ اِزْجَاءٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: حضرت یعقوبؑ نے بیٹوں سے فرمایا کہ اے میرے بیٹو! میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ ظاہری تدبیر کو ترک نہ کرو۔ لہذا تم بھی ایک بار پھر مصر جاؤ۔ حضرت یوسف اور بنیامین کو تلاش کرو۔ اس کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ صرف وہی لوگ اس کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں جن کے دلوں میں کفر ہوتا ہے۔ تم بھی تلاش جاری رکھو اور اللہ سے اچھی امید رکھو۔

چنانچہ یہ لوگ وہاں سے چل کر پھر حضرت یوسفؑ کے پاس مصر پہنچ گئے اور ان سے کہا کہ قحط کی وجہ سے ہمارے گھر والوں کو سخت تکلیف پہنچی ہے، ہم مصیبت میں مبتلا ہیں اور غلہ خریدنے کے لئے ہمارے پاس پوری قیمت نہیں اس لئے ناقص اور ناقابل قبول پونجی لے کر آئے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ آپ ہمیں اسی طرح پورا غلہ دے دیجئے جس طرح اس سے پہلے پوری قیمت پر ہمیں غلہ دیتے رہے اور ہم پر صدقہ کیجئے اور ہمارے بھائی کو رہا کر دیجئے۔ بیشک اللہ تعالیٰ صدقہ دینے والوں کو اچھا بدلہ دیتا ہے۔

حضرت یوسفؑ کا اپنے آپ کو ظاہر کرنا

۹۱،۸۹ قَالَ مَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ
۝ قَالُوا إِنَّكَ لَأَنْتَ يُوسُفُ قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَهَذَا أَخِي ز

قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا ۖ إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ
أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝ قَالُوا اتَّالِه لَقَدْ أَتَرَكُ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِنْ
كُنَّا لَخُاطَبِينَ ۝

(حضرت) یوسف نے کہا کیا تم جانتے ہو ہو کچھ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ (برتاؤ) کیا تھا جب تمہیں کچھ نہیں تھی۔ وہ کہنے لگے کہ کیا تم واقعی یوسف ہو؟ اس نے کہا کہ میں ہی یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔ بیشک جو شخص گناہوں سے بچتا اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ وہ کہنے لگے خدا کی قسم! بیشک اللہ نے تمہیں ہم پر فضیلت عطا فرمائی اور بیشک ہم ہی خطاوار تھے۔

مَنْ: اس نے احسان کیا۔ اس نے مہربانی کی۔ مَنْ سے ماضی۔
اتَّرك: اس نے تجھ کو ترجیح دی۔ اس نے تجھ کو پسند کیا۔ اتَّار سے ماضی۔
تشریح: حضرت یوسف نے جب اپنے بھائیوں کی عاجزی اور بے بسی دیکھی اور ان سے اپنے گھر والوں کی مصیبتیں سنیں تو ان کا دل بھرا آیا اور کہا کہ کیا تمہیں یاد ہے کہ تم نے اپنے زمانہ جہالت میں یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا برتاؤ کیا تھا۔ اس وقت تمہیں برے بھلے کی خبر نہ تھی۔ حضرت یوسف کی بات سن کر بھائی چونک پڑے اور انہیں خیال آیا کہ کہیں یہ وہی یوسف تو نہیں جس کو ہم نے سسری قافلے کے ہاتھ بیچ دیا تھا۔ لہذا انہوں نے فوراً سوال کیا کہ کیا تو ہی یوسف ہے۔ حضرت یوسف نے صاف صاف کہہ دیا کہ ہاں میں ہی یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی بنیامین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضل و کرم کیا کہ پچھڑنے کے بعد ملا دیا اور ہماری مصیبت کو راحت میں بدل دیا۔ بلاشبہ جو شخص گناہوں سے پرہیز کرتا اور مصائب پر صبر کرتا ہے تو اللہ ایسے نیک لوگوں کے اجر و ثواب کو ضائع نہیں کرتا۔ حضرت یوسف کے بھائی کہنے لگے واللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر جو فضیلت عطا کی ہے وہ ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ بے شک ہم خطاوار ہیں۔

حضرت یوسفؑ کا عفو و درگزر

۹۳، ۹۲۔ قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ذُوهُو أَرْحَمُ
الرَّحِيمِينَ ۝ اذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَذَا فَأَلْقُوهُ عَلَى وَجْهِ أَبِي
يَأْتِ بِصَيِّرَاجٍ وَأَتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ۝

(حضرت) یوسف نے کہا کہ آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں۔ اللہ تمہاری
معفرت فرمائے اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔ تم میرا یہ کرتے
لے جاؤ اور اس کو میرے باپ کے چہرہ پر ڈال دو۔ (اس سے) وہ بینا ہو جائے
گا اور تم اپنے سب گھروالوں کو میرے پاس لے آؤ۔

تَثْرِيبٌ : الزام۔ ملامت۔ سزا۔ مصدر ہے۔

الْقَوْلُ : تم اس کو ڈال دو۔ الْقَاءُ سے امر۔

تشریح : جب بھائیوں نے اپنا عذر پیش کیا تو حضرت یوسفؑ نے اسے قبول فرمایا اور کہا کہ
یہ سب کہنے کی ضرورت نہیں۔ آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ تمہاری سب خطائیں اور قصور معاف
ہیں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ بھی تمہیں معاف فرمائے۔ وہ سب مہربانوں سے بڑا مہربان
ہے۔ پھر حضرت یوسفؑ نے اپنے باپ کا حال معلوم کیا۔ انہوں نے کہا کہ روتے روتے ان کی
بینائی جاتی رہی۔ یہ سن کر حضرت یوسفؑ نے ان کو اپنا کرتہ دیا اور کہا کہ یہ کرتہ لے جا کر میرے
باپ کی آنکھوں پر ڈال دو۔ اس سے ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔ پھر انہیں اور گھر کے تمام
لوگوں کے لے کر میرے پاس آجاؤ۔

حضرت یوسفؑ کی خوشیو

۹۵، ۹۴۔ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ نَوْلًا
أَن تَفِينْدُون ۝ قَالُوا تَاللَّهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ۝

اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو ان کے باپ نے (شام میں اپنے گھروالوں
سے) کہا کہ اگر تم مجھے (بڑھاپے کی وجہ سے) بہکا ہوا نہ سمجھو تو مجھے یوسفؑ کی بو

آ رہی ہے۔ وہ (گھر والے) کہنے لگے کہ واللہ تم (اب تک) اپنے پرانے خیال میں مبتلا ہو۔

ریح: ہوا۔ بو۔ جمع اَرْوَاحٌ وِ رِیَاحٌ۔

تَفْنِدُونَ: تم مجھے ہرکا ہوا سمجھتے ہو۔ تم مجھے مغبوط الخواس سمجھتے ہو۔ تَفْنِیدٌ سے مضارع۔

تشریح: ادھر حضرت یوسفؑ کے بھائی کرتہ لے کر مصر سے کنعان کے لئے نکلے ادھر اللہ

تعالیٰ نے حضرت یعقوب کو حضرت یوسفؑ کی خوشبو پہنچا دی اور انہوں نے اپنے گھر والوں سے جو اس وقت ان کے پاس تھے کہا کہ بیشک میں یوسفؑ کی خوشبو محسوس کرتا ہوں اگر تم مجھے کم عقل اور مغبوط الخواس نہ کہو۔ گھر والوں نے جواب دیا کہ آپ تو اب تک اسی پرانے خیال اور غلطی میں مبتلا ہیں کہ یوسفؑ ابھی زندہ ہے اور آپ سے آٹے گا۔ اسی خیال کے غلبہ سے آپ کو خوشبو کا وہم ہو گیا ہے ورنہ حقیقت میں کوئی خوشبو نہیں۔

بنیائی کی بحالی

۹۸، ۹۶۔ فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ الْقَسُ عَلَى وَجْهِهِ فَأَرْتَدَّ بِصِيرًا ۖ قَالَ
الْمُ أَقْلُ لَكُمْ ۖ إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۖ قَالُوا يَا بَنَا
أَسْتَغْفِرُ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ ۖ قَالَ سَوْفَ
أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي ۖ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۖ

پھر جب خوش خبری دینے والے نے اگر قمیص اس (یعقوب) کے منہ پر ڈالی تو وہ بیٹا ہو گیا اور کہنے لگا کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ وہ (یوسفؑ کے بھائی) کہنے لگے کہ اے ہمارے باپ! (اللہ سے) ہمارے گناہوں کی مغفرت طلب کر۔ بیشک ہم خطاوار تھے۔ (حضرت) یعقوب نے کہا کہ میں بہت جلد اپنے رب سے تمہارے لئے مغفرت طلب کروں گا۔ بیشک وہ غفور رحیم ہے۔

تشریح: جب بشارت دینے والے نے مصر سے آکر یہ خوشخبری سنائی کہ حضرت یوسفؑ علیہ

السلام زندہ اور صحیح و سالم ہیں اور انہوں نے یہ کرتہ دے کر مجھے بھیجا ہے اور اس نے وہ کرتہ

حضرت یعقوب کے منہ پر ڈال دیا تو اسی وقت ان کی بینائی بحال ہو گئی۔ حضرت یعقوب نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ مجھے پہلے ہی روز سے یقین تھا کہ یوسف زندہ ہے اور ایک روز مجھے ضرور ملے گا۔ باپ کی گفتگو سن کر بیٹے کہنے لگے کہ ہمارے لئے مغفرت کی دعا کیجئے۔ بیشک ہم خطاوار ہیں۔ ہم نے یوسف کے معاملے میں آپ کو جو تکلیف پہنچائی اس پر نادم ہیں۔ حضرت یعقوب نے جواب میں فرمایا کہ میں بہت جلد اپنے رب سے تمہاری مغفرت کی دعا کروں گا۔ بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضرت یعقوب نے دعا مغفرت کو صبح تک مؤخر رکھا کیونکہ رات کے آخری حصہ میں دعا قبول ہوتی ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہر رات کے آخری تہائی حصہ میں اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر خصوصی تہلی فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ ہے کوئی جو مجھے پکارے اور میں اس کی دعا کو قبول کروں، ہے کوئی جو مجھ سے سوال کرے اور میں اس کو عطا کروں، ہے کوئی جو مجھ سے مغفرت طلب کرے اور میں اس کی مغفرت کروں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے جمعہ کی رات تک دعا کو مؤخر کیا۔ (روح المعانی ۵۵ / ۱۳، مظہری ۲۰۰ / ۵)

باپ بیٹوں کا سجدہ تعظیمی

۱۰۰،۹۹۔ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ أَوْىٰ إِلَيْهِ أَبُوهُ وَقَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ إِن شَاءَ اللَّهُ أَمْنَيْنِ ۝ وَرَفَعَ أَبُوبِهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا ۖ وَقَالَ يَا بَنَاتِ هَذَا تَوْبِلُ رُعْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۖ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا ۖ وَقَدْ أَحْسَنَ بَنِي إِدَا أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ وَجَاءَ بِكُمْ مِنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ أَنْ نَزَغَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي ۖ إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝

پھر جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی

اور کہا کہ مصر میں داخل ہو جاؤ۔ اللہ نے چاہا تو امن سے رہو گے۔ اور اس نے اپنے ماں باپ کو تخت پر اونچا بٹھایا اور وہ سب اس کے آگے سجدے میں گر پڑے اور یوسف نے کہا کہ اے میرے باپ! یہ ہے میرے پہلے خواب کی تعبیر بیشک میرے رب نے اس کو سچا کر دکھایا ہے اور بیشک اس نے مجھ پر احسان کیا جبکہ اس نے مجھے قید خانے سے نکالا اور تم سب کو باہر سے (گاؤں سے یہاں) لے آیا۔ (اور مجھ سے ملا دیا یہ سب کچھ) اس کے بعد ہوا کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈلوا دیا تھا۔ بیشک میرا رب جس کے لئے چاہتا ہے بڑی مہربانی فرمادیتا ہے۔ (اس کا کام بنادیتا ہے) بلاشبہ وہ بڑے علم و حکمت والا ہے۔

خَرُّوا: وہ گر پڑے۔ خَرُّوا خَرُّوا سے ماضی۔

الْبَدْوِ: جنگل۔ صحرا۔

نَزَعُ: اس نے دوسوہ ڈال دیا۔ اس نے فساد ڈال دیا۔ نَزَعُ سے ماضی۔

تشریح: پھر حضرت یعقوب اپنے اہل خانہ کے ہمراہ کنعان سے مصر کے لئے روانہ ہو گئے اور

حضرت یوسف نے ان کی خبر سن کر شہر سے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا اور اپنے ماں باپ کو اپنے قریب جگہ دی۔ حضرت یوسف کی والدہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ پہلے ہی وفات پا چکی تھیں، یہاں خالہ کا ذکر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ والدہ حیات تھیں اور حضرت یعقوب کے ساتھ مصر آئی تھیں۔ واللہ اعلم۔

پھر حضرت یوسف نے اپنے والد سے فرمایا کہ اب شہر میں چلو۔ انشاء اللہ وہاں قحط وغیرہ کی مصیبتوں سے محفوظ ہو کر بالکل راحت و اطمینان سے رہو گے۔ شہر میں داخل ہونے کے بعد حضرت یوسف نے اپنے والدین کو اپنے پاس ایک اونچے تخت پر بٹھایا۔ اس وقت ماں باپ اور گیارہ بھائی آپ کے سامنے سجدے میں گر پڑے۔ حضرت یوسف نے کہا کہ یہ میرے گزشتہ خواب کی تعبیر ہے، جس کو میرے رب نے سچ کر دکھایا۔ یہ سب اس کا فضل ہے۔ اس میں میرا کچھ دخل نہیں اور یہ بھی اللہ کا احسان ہے کہ اس نے مجھے قید سے رہائی دی اور مجھے اس مرتبہ پر پہنچایا اور تم سب کو صحرا سے یہاں لا کر مجھے سے ملا دیا حالانکہ شیطان نے تو میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال دیا تھا۔ بے شک میرا رب جس کام کا ارادہ کرتا ہے، اس کے لیے ہی اسباب

مہیا کر دیتا ہے اور وہ اپنے بندوں کی مسکحتوں کو خوب جانتا ہے۔

(عثمانی ۶۹۳ / ۱، ابن کثیر ۴۹۰ - ۴۹۲ / ۲)

حضرت یوسفؑ کی دعاء

۱۰۱۔ رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ
الْأَحَادِيثِ ۚ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِيِّ فِي الدُّنْيَا
وَالْآخِرَةِ تَتُوفَّنِي مُسْلِمًا ۖ وَالْحَقُّنِي بِالصَّالِحِينَ ۝

اے رب تو نے مجھے سلطنت میں بھی ایک حصہ دیا اور خواب کی تعبیر دینے کا
علم بھی سکھایا۔ (اے) آسمانوں اور زمین کے بنانے والے، تو ہی دنیا اور
آخرت میں میرا کارساز ہے۔ مجھے فرماں برداری کی حالت میں موت دے اور
مجھے صالحین میں شامل کر دے۔

تشریح: جب نبوت و سلطنت مل چکی، ماں باپ اور بھائی سب سے ملاقات ہو گئی اور سب
رنج و غم دور ہو گئے تو حضرت یوسفؑ نے اللہ سے دعاء کی: اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے
والے! دنیا و آخرت میں تو ہی میرا کارساز ہے۔ جس طرح تو نے دنیا میں مجھ پر اللہ فرمائے، میں اسی
طرح تو میری آخرت کو بھی درست فرما دے۔ مجھے اسلام کی حالت میں موت دے اور مجھے نیک
لوگوں کے ساتھ ملا دے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل

۱۰۲، ۱۰۳۔ ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ اِلَيْكَ ۚ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ
اِذْ اَجْمَعُوْا اَمْرَهُمْ وَ هُمْ يَمْكُرُوْنَ ۝ وَ مَا اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ
حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَ مَا تَسْأَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنَّ هُوَ
الَّذِي ذَكَرَ لِلْعٰلَمِيْنَ ۝

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی

کرتے ہیں اور آپ وہاں موجود نہیں تھے، جبکہ (یوسف کے بھائیوں نے) اپنا ارادہ پختہ کر لیا تھا (کہ ان کو کنوئیں میں ڈال دیں) اور وہ تدبیریں کر رہے تھے اور آپ کتنا ہی چلائیں (لیکن) اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ اور آپ اس پر ان سے کچھ معاوضہ بھی تو نہیں مانگتے۔ یہ (قرآن) تو تمام جہان والوں کے لئے صرف ایک نصیحت ہے۔

لَدَيْهِمْ: ان کے پاس۔

حَرَصْتُ: تو نے حرص کی۔ تو نے لالچ کیا۔ حرص سے ماضی۔

تشریح: حضرت یوسف کا واقعہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ حضرت یوسف کا یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم نے وحی کے ذریعہ آپ کو بتایا ہے تاکہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں، آپ کے مخالفین کی آنکھیں کھل جائیں اور ان پر ہماری حجت قائم ہو جائے، کیونکہ حضرت یعقوب کی اولاد میں سے نہ تو کسی سے آپ کی ملاقات ہوئی کہ آپ نے ان کی زبانی سن لیا ہو، نہ آپ خود وہاں موجود تھے۔ جب وہ حضرت یوسف کے ساتھ کھلا مکہ و فریب کر رہے تھے اور انہیں کنوئیں میں ڈالنے کے لئے مستعد ہو گئے تھے اور نہ آپ کی قوم والوں کو یہ قصہ معلوم تھا کہ کسی سے پوچھ کر آپ نے بیان کر دیا ہو۔ یہ واقعات نصیحت و عبرت اور حکمت و موعظت سے پر ہیں۔ ان سے لوگوں کی دین و دنیا سنور سکتی ہے۔ اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ گو آپ ان کے مومن ہونے کی کتنی ہی خواہش کریں اور کتنے ہی معجزات ظاہر کریں، چونکہ اللہ نے ان کے کافر رہنے کا فیصلہ کر دیا ہے اس لئے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ آپ مخلوق خدا کو راہ راست دکھانے کے لئے جو کچھ بھی مشقت برداشت کر رہے ہیں اس میں آپ کا اپنا دنیوی نفع نہیں اور نہ آپ ان سے کوئی اجرت اور بدلہ چاہتے ہیں بلکہ آپ کی تمام تر محنت اللہ کی رضا اور مخلوق کے نفع کے لئے ہے اور یہ قرآن تو تمام دنیا کے لئے نصیحت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ (مظہری ۲۰۵/۵، ابن کثیر ۳۹۳/۲)

وحدانیت کی نشانیاں

۱۰۵، ۱۰۶۔ وَكَأَيِّنْ مِنْ آيَةٍ فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ

عَنْهَا مُعْرَضُونَ ۝ وَمَا يُوْءٍ مِنْ أَكْثَرِهِمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُونَ ۝ أَفَأَمِنُوا أَنْ تَأْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝

اور آسمان اور زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں جن پر ان (مشرکین) کا گزر ہوتا رہتا ہے اور ان پر دھیان نہیں کرتے اور ان میں سے اکثر لوگ جو اللہ کو مانتے بھی ہیں تو اس طرح کہ وہ اس کے ساتھ شرک بھی کرتے جاتے ہیں۔ کیا وہ اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان کو عذاب الہی آڈھائے یا یکایک ان پر قیامت آجائے اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔

کَآئِنٌ: بہت۔ کثنی۔ اسم تثنیہ ہے۔

غَاشِيَةٌ: ڈھانک لینے والی۔ (قیامت)۔ چھا جانے والی۔ غَشِيَ سے اسم فاعل۔

بَغْتَةً: یکایک۔ ایک دم۔ اچانک۔

تَشْرِيحُ: آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور وحدانیت کی بہت سی نشانیاں ہیں۔

پھر بھی اکثر لوگ نہایت بے پرواہ اور غافل ہیں کہ ان میں غور و فکر نہیں کرتے۔ کیا یہ اتنا وسیع آسمان جو بغیر ستونوں کے قائم ہے۔ کیا یہ اس قدر پھیلی ہوئی زمین، کیا یہ روشن ستارے، کیا یہ سورج و چاند، یہ درخت اور پہاڑ، یہ کھیتیاں اور سبزیاں، یہ طلاطم برپا کرنے والے سمندر، یہ تند و تیز ہوائیں، یہ مختلف قسم کے رنگارنگ میوے یہ الگ الگ غلے، یہ سب قدرت کی نشانیاں ایک عقل مند کے لئے کافی نہیں کہ وہ ان سے اپنے خدا کو پہچان سکے جو واحد و یکتا اور لاشریک لہ ہے، جو قادر و قیوم ہے اور جو باقی و کافی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگ ان نشانیوں میں غور و فکر کرنے کی بجائے ان سے منہ موڑ کر گزر جاتے ہیں۔ جو لوگ اللہ کو مانتے بھی ہیں تو وہ اس طرح مانتے ہیں کہ دوسروں کو بھی اللہ کے ساتھ شریک گردانتے ہیں۔ (ابن کثیر ۴/۲۹۴)

ترمذی شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ جس نے اللہ کے سوا کسی دوسرے نام کی قسم کھائی وہ مشرک ہو گیا۔

مسند احمد اور ابوداؤد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جھاڑ پھونک، ڈورے، دھانگے اور جھوٹے تعویذ شرک ہیں۔

اللہ تعالیٰ توکل کے باعث اپنے بندوں کو سختیوں سے دور کر دیتا ہے۔

(مسند احمد ۶۲۹ / ۱، ابوداؤد کتاب الطب)

پھر فرمایا کہ کیا توحید و رسالت کے ان منکروں کو اس بات کا خوف نہیں کہ اللہ کے عذاب کی کوئی آفت ان پر آپڑے جو لحاف کی طرح ہر طرف سے ان کو ڈھانپ لے یا اچانک ان پر قیامت کی گھڑی آجائے۔ جس کی ان کو پھیلے سے خبر بھی نہ ہو۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو آدمی (خریدنے اور بیچنے والا) کپڑا پھیلائے ہوئے (سودا کرنے میں مشغول) ہوں گے کہ قیامت آجائے گی۔ نہ خرید و فروخت کر سکیں گے اور نہ کپڑے کو پیٹ سکیں گے۔ (مظہری ۲۰۶، ۲۰۵ / ۵)

خالص توحید کا راستہ

۱۰۸۔ قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعْنِي مَا يُشْجِنُ اللَّهُ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے۔ میں (لوگوں کو توحید) خدا کی طرف بلاتا ہوں۔ میں بھی (حق و صداقت کی پوری) بصیرت پر ہوں اور میری اتباع کرنے والے بھی اور اللہ (شرک سے) پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان لوگوں

سے کہہ دیجئے کہ دین اسلام اور توحید ہی میرا راستہ ہے۔ میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں جو ہر عیب سے پاک ہے۔ میں تو تمام اہل دنیا کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ سب خیالات و ادہام کو چھوڑ کر ایک خدا کی طرف آئیں۔ اس کی صفات و کمالات اور اس کے احکام وغیرہ کی صحیح معرفت صحیح راستے سے حاصل کریں۔ میں اور میرے ساتھی اس سیدھے راستے پر دلیل و حجت اور بصیرت کی روشنی میں چل رہے ہیں۔ اللہ نے مجھے ایک نور دیا ہے جس سے میرے سب ساتھیوں کے دماغ روشن ہو گئے ہیں۔ میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں کہ لوگوں کو اپنا بندہ بناؤں۔ اللہ تعالیٰ

شرک سے پاک ہے، نہ اس کی نظیر ہے اور نہ اس کا کوئی مشیر، نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ اس کی بیوی، وہ ان تمام باتوں سے پاک اور بلند و بالا ہے۔ کائنات کی ساری مخلوق اس کی حمد و تسبیح کرتی ہے۔ (عثمانی ۶۹۵/۱، ابن کثیر ۴۹۶/۲)

تمام انبیاء کا انسان ہونا

۱۰۹، ۱۱۰۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجُلًا نُوحِي إِلَيْهِمْ مِنْ أَمْرِ الْقُرَىٰ ۖ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مِنْ نَشَاءٍ ۖ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ۝

اور اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ سے پہلے بھی ہم نے بستیوں کے رہنے والوں میں سے مردہی (نبی بنا کر) بھیجے تھے، جن کی طرف ہم وحی کیا کرتے تھے۔ کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں کہ (اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیتے کہ ان لوگوں کا کیا (برا) انجام ہوا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں اور اللہ آخرت کا گھر تو ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو پرہیزگاری کرتے ہیں۔ کیا تم اب بھی نہیں سمجھتے۔ (منکروں کو ہم نے) یہاں تک (ڈھیل دی تھی) کہ رسول بھی ناامید ہو چکے تھے اور گمان کرنے لگے تھے کہ ان سے (نصرت کے بارے میں) جھوٹ کہا گیا تھا۔ (تب) ان کو فوراً ہماری مدد آ پہنچی۔ پھر (اس عذاب سے) ہم نے جس کو چاہا بچا لیا اور ہمارا عذاب نافرمان لوگوں سے ہٹایا نہیں جاتا۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ سے پہلے جتنے نبی اور رسول ہم نے دنیا میں بھیجے وہ سب کے سب انسان تھے۔ ان میں سے کوئی بھی فرشتہ نہیں تھا اور نہ کوئی عورت نبی بنا کر بھیجی گئی۔ ہم ان انبیاء کی طرف وحی بھیجتے تھے۔ وہ سب انبیاء بستیوں ہی میں رہتے تھے۔ اور سب صاحب علم و فہم اور حلم والے تھے۔ سو تم زمین میں گھوم پھر کر دیکھ لو کہ انبیاء کو

جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ جب انہوں نے ہمارے پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہم نے ان سب کو عذاب سے ہلاک کر دیا۔ لہذا کافروں کو چاہئے کہ ان کے حال سے عبرت پکڑیں۔ البتہ جو لوگ ایمان لائے اور گناہوں سے بچتے رہے ان کے لئے آخرت کا گھر بہتر ہے۔

جب مہلت کی مدت طویل ہو گئی اور جس عذاب کا وعدہ کیا گیا تھا اس کے آنے میں دیر ہوئی تو پیغمبر مایوس ہونے لگے اور گمان کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے جو ہماری نصرت اور ہمارے دشمنوں کی ہلاکت کا وعدہ کیا تھا شاید وہ ہماری زندگی میں نہ آئے۔ رسولوں کی ناامیدی اور پریشانی اس حد تک پہنچ جانے پر یکایک ان کو ہماری مدد پہنچ گئی کہ کافر عذاب میں گرفتار ہوئے اور پیغمبروں کا کچھ ظاہر ہو گیا۔ جب ہمارا عذاب آتا ہے تو ملتا نہیں بلکہ وہ واقع ہو کر رہتا ہے۔

اہل عقل کے لئے عبرت

۱۱۱۔ لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝

البتہ ان لوگوں کے حالات میں عقل والوں کے لئے (بڑی) عبرت ہے۔ یہ قرآن کوئی (انسان کی اپنی) بنائی ہوئی بات نہیں بلکہ اس سے پہلے جو (آسمانی) کتابیں ہو چکی ہیں یہ ان کی تصدیق کرنے والا اور ہر چیز کی تفصیل بیان کرنے والا ہے اور ایمان والوں کے لئے ہدایت و رحمت کا ذریعہ ہے۔

تشریح: انبیاء علیہم السلام کے واقعات، مسلمانوں کی نجات اور کافروں کی ہلاکت کے قصے، یہ سب تاریخی حقائق ہیں اور کچھ بوجھ اور عقل و دانش والوں کے لئے بڑی عبرت و نصیحت کے حامل ہیں۔ جس طرح حضرت یوسفؑ کے بھائی ان کے مقابلے میں ناکام و نامراد رہے اسی طرح قریش بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں ناکام رہیں گے۔ یہ قرآن کسی کا اپنی طرف سے گھڑا ہوا کلام نہیں۔ یہ تو ساری آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو اس کے حق ہونے کی دلیل ہے۔ یہ ہر ضروری چیز کو واضح طور پر بیان کرتا ہے۔ مبداء و معاد، حلال و حرام اور محبوب و مکروہ کو صاف صاف بیان کرتا ہے۔ واجبات و مکروہات و محرمات کو واضح طور پر بیان کرتا ہے۔ گزشتہ

واقعات کو حکمت کے تحت کہیں تفصیل اور کہیں اعمال کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ سو یہ قرآن مومنوں کے لئے ہدایت و رحمت کا ذریعہ ہے کیونکہ ان کے دل اس کے ذریعہ گمراہی سے ہدایت، جھوٹ سے سچ اور برائی سے بھلائی کی راہ پاتے ہیں۔

چار ملعون افراد

- ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! چار افراد پر اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے اوپر لعنت کرتے ہیں اور اس پر فرشتے آمین کہتے ہیں۔
- ۱۔ وہ شخص جو اپنے آپ کو عورتوں سے بچاتا ہے اور نکاح نہیں کرتا تاکہ اس کی اولاد ہو۔
 - ۲۔ وہ شخص جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتا ہے حالانکہ اللہ نے اسے مرد پیدا کیا تھا۔
 - ۳۔ وہ عورت جو مردوں سے مشابہت اختیار کرتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے عورت بنایا ہے۔
 - ۴۔ مسکینوں کو گمراہ کرنے والا۔

خالد بن زبرقان (حدیث کے راوی) کہتے ہیں کہ اس سے وہ شخص مراد ہے جو مساکین کا مذاق اڑاتا ہے یعنی انہیں کہتا ہے کہ میرے پاس آؤ میں تمہیں کچھ دوں گا اور جب وہ اس کے پاس آتے ہیں تو کہتا ہے کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ (رواہ طبرانی)

بسم الله الرحمن الرحيم

سورۃ رعد

وجہ تسمیہ: اس سورت میں رعد (بادل کی گرج) کا ذکر ہے۔ اس لئے یہ سورۃ رعد کے نام سے موسوم و مشہور ہو گئی۔

تعارف: اس میں ۶ رکوع، تینتالیس آیتیں، ۸۶۳ کلمات اور ۳۶۱۴ حروف ہیں۔
اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ ابن عباس اور علی بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔ سعید بن جبیر، حسن بصری، عکرمہ و عطاء و جابر تابعی اور عبد الرحمن بن زید رحمہم اللہ بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے۔

ابن الزبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطاء سے روایت ہے کہ یہ مدنی ہے۔ ابو الشیخ نے بھی قتادہ کی روایت سے بیان کیا کہ سورت مدنی ہے، سوائے آیت **وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا تُصِيبُهُمْ بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةٌ** کے جو مکی ہے۔

(روح المعانی ۸۴ / ۱۳، مواہب الرحمن ۱۵۱ / ۱۳)

اس میں قرآن کریم کی حقانیت، توحید و رسالت اور عجائبات قدرت کا بیان ہے۔ پھر اثبات معاد اور منکرین نبوت کے چند شبہات کے جوابات مذکور ہیں۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قرآن کریم کی حقانیت اور توحید کے دلائل کا بیان ہے۔ پھر بعث بعد الموت کے منکروں کا انہام اور منکرین کا معجزے طلب کرنا مذکور ہے۔ مثلاً صفیہاڑ کو سونے کا بنادینا یا مکہ کے پہاڑ وہاں سے ہٹ جائیں۔

رکوع ۲: اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت کا بے حد و حساب ہونا اور اس کی قدرت کی نشانیاں بیان

کی گئی ہیں۔ اس کے بعد باطل سجدوں سے مانگنے اور حق و باطل کے فرق کی مثالوں کا بیان ہے۔

- رکوع ۳: اہل عقل کی صفات اور کافروں کی بد اعمالیوں کا انجام بیان کیا گیا ہے۔
 رکوع ۴: منکرین کا معجزات طلب کرنا اور ان کی فطرت بتائی گئی ہے۔
 رکوع ۵: مشرکین کی فرمائش اور ان کے باطل عقائد کا بیان ہے۔ اس کے بعد پرہیزگاروں سے جس جنت کا وعدہ ہے اس کا حال بیان کیا گیا ہے۔
 رکوع ۶: اللہ تعالیٰ کا مالک و مختار ہونا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر اللہ کی گواہی کا بیان ہے۔

قرآن کی حقانیت

۱۔ **الْمَرَّ**
تشریح: یہ حروف مقطعات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو ان کی مراد معلوم نہیں۔ جمہور مفسرین کے نزدیک یہی قول راجح اور مختار ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ متشابہات ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان راز ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کا مرتبہ ایسا نہیں کہ وہ ان اسرار کو سمجھ سکے۔

تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ ۖ وَالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ
 وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

(اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) یہ آیتیں ایک خاص کتاب (قرآن) کی ہیں اور جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل ہوا وہی حق ہے اور لیکن بہت سے لوگ (اس پر) ایمان نہیں لاتے۔

تشریح: جو کچھ اس سورت میں پڑھا جانے والا ہے وہ ایک عظیم الشان کتاب (قرآن مجید) کی آیتیں ہیں جو کچھ قرآن آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ بالکل سچ اور حق ہے لیکن چونکہ اکثر لوگ اس میں غور و فکر نہیں کرتے اس لئے وہ قرآن کی حقانیت کا انکار کرتے ہیں۔

توحید کے دلائل

۲۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی
عَلٰی الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ
مُّسَمًّی ۙ یُدَبِّرُ الْأَمْرَ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ
تُوَقِّنُوْنَ ۝

اللہ تو وہی ہے جس نے آسمان کو ستونوں کے بغیر بلند کیا (جیسا کہ) تم دیکھتے
ہو۔ پھر وہ عرش پر قائم ہوا (زمین و آسمان میں احکام جاری کرنے لگا) اور
سورج اور چاند کو (اپنے اپنے) کام پر لگا دیا۔ ہر ایک اپنے وقت مقرر پر چلتا
رہتا ہے۔ وہ (اللہ) ہر کام کا انتظام (تدبیر) کرتا ہے۔ دلائل کو تفصیل سے بیان
کرتا ہے تاکہ تم اپنے رب سے ملنے کا یقین کر لو۔

عَمَدٍ: ستون۔ کھمبے۔ واحد عَمُوْدٌ۔

اِسْتَوٰی: اس نے قصد کیا۔ وہ متوجہ ہوا۔ وہ سیدھا ہوا۔ اِسْتَوٰی سے ماضی۔

لِقَآءِ: ملاقات کرنا۔ ملنا۔ مصدر ہے۔

تَفْصِیْلٌ: اللہ وہی تو ہے جس نے اپنے کمالِ قدرت اور حکم سے آسمانوں کو ستونوں کے بغیر

بلند و بالا اور قائم کر رکھا ہے۔ کوئی انسان ایک ذرے کو بھی اس طرح معلق نہیں رکھ سکتا۔ یہ
سب کچھ تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو۔ پھر وہ عرشِ عظیم پر ممکن ہو گیا جو سب مخلوقات میں سب
سے بڑی مخلوق ہے اور سرخِ یاقوت سے بنا ہوا ہے۔ یقینی طور پر اللہ تعالیٰ جسم اور اس کے تمام
صفات و خصوصیات سے بالا و برتر ہے۔ نہ اس کا وجود ہے اور نہ اس کے لئے کوئی سمت ہے۔ نہ
اس کا کسی مکان میں اس طرح کا قیام ہے جس طرح دنیا کی چیزوں کا قیام اپنی اپنی جگہ پر ہوتا ہے۔
اس کا عرش پر قیام فرمانا کس طرح اور کس کیفیت میں ہے اس کا علم کسی کو نہیں۔ یہ ان
مشابہات میں سے ہے جن کو عقل نہیں پاسکتی ان کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اس نے اپنے حکم سے سورج اور چاند کو کام پر لگا رکھا ہے۔ وہ دونوں اس کے حکم سے
ایک خاص مقدار اور انداز کے مطابق رواں دواں ہیں، جس سے دن رات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ
دونوں قیامت تک اسی طرح چلتے رہیں گے۔ ہر کام کی تدبیر و انتظام اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے اور وہی

زندگی اور موت دیتا ہے، وہی تمام عالم کا رب ہے۔ وہ اپنی وحدانیت کی دلیلوں کو اسی طرح کھول کھول کر اور صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تمہیں اس بات کا یقین ہو جائے کہ مرنے کے بعد جزا و سزا کے لئے ایک روز ضرور تمہیں اس کے سامنے پیش ہونا ہے۔

(روح المعانی، ۸۶، ۹۰، ۱۳، مواہب الرحمن ۱۵۳، ۱۵۷ / ۱۳)

اللہ کی قدرتِ کاملہ

۳، ۳۔ وَمَا الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رِوَاسِيَّ وَأَنْهَارًا وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا رِوَاسِيَّ وَجَعَلَ فِيهَا رِوَاسِيَّ يُغْشَى اللَّيْلُ النَّهَارَ، إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ وَفِي الْأَرْضِ قِطْعٌ مُتَبَجِّزَاتٌ وَجَنَّاتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَزُرْعٌ وَنَخِيلٌ صُنُوفٌ غَيْرُ صُنُوفٍ يُسْقَى بِمَاءٍ وَاحِدٍ وَنُفِضَ لِّبَعْضِهَا عَلَى بَعْضٍ فِي الْأَكْثَرِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝

اور (اللہ) وہی تو ہے جس نے زمین کو پھیلا دیا اور اس (زمین) میں پہاڑ اور نہریں بنادیں اور اس میں ہر پھل کے دو دو قسم کے جوڑے پیدا کئے۔ وہ چھپا دیتا ہے، رات (کی تاریکی) سے دن (کی روشنی) کو۔ بیشک سوچنے والوں کے لئے ان امور میں (توحید کے) دلائل ہیں اور زمین میں ایک دوسرے سے نزدیک (متصل) مختلف قطعے ہیں اور انگور کے باغ ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجور کے درخت ہیں، ایک کی جڑیں دوسرے سے ملی ہوئی (اور تنے علیحدہ علیحدہ جھنڈ کے جھنڈ) اور بعض درخت بغیر ملے ہوئے (علیحدہ علیحدہ)۔ سب کو ایک ہی طرح کا پانی دیا جاتا ہے اور ہم ان میں سے بعض کو بعض پر (ذائقے، بو، شکل اور مقدار وغیرہ میں) فوقیت دیتے ہیں۔ بیشک ان امور میں سمجھدار لوگوں کے لئے (توحید کے) دلائل ہیں۔

مَدَّ: اس نے کھینچا۔ اس نے دراز کیا۔ اس نے پھیلا یا۔ مَدَّ سے ماضی۔

رِوَاسِيَّ: پہاڑ۔ بوجھ۔ واحد رِوَاسِيَّةٌ۔

مُتَجَوِّزٌ : ایک دوسرے کے نزدیک - برابر برابر - تہاؤرے اسم فاعل -
صُنَوَانٌ : ایک جڑ والے - ایک جڑ سے نکلی ہوئی دو یا زیادہ شاخیں - واحد صُنُوْءٌ -
اَکُلٌ : پھل - جو کھایا جائے - جمع اَکَالٌ - صحاح میں ہے کہ اکل کھجور کے پھل اور
 درخت دونوں کو کہتے ہیں اور جو چیز بھی کھائی جائے وہ اکل ہے - (لسان
 العرب ۲۲ / ۱۱)

اکل کاف کے ضمہ اور سکون دونوں کے ساتھ آتا ہے - یہاں اس سے پھل اور
 دانے (کھجور و انگورو وغیرہ کے) مراد ہیں - (روح المعانی ۱۰۲، ۱۰۳ / ۱۳)
تشریح : اللہ تعالیٰ وہی تو ہے جس نے زمین کو اس طرح پھیلا اور نکھادیا کہ انسان اور
 دوسری مخلوقات اس پر آسانی سے چل پھر سکیں - اسی نے اس زمین میں مضبوط پہاڑ بنائے اور
 اس میں بہریں اور چشمے جاری کئے اور زمین میں ہر قسم کے پھلوں کی دو دو قسمیں بنائیں - سلا سرخ
 اور زرد، شیریں اور ترش اور خشک اور تر وغیرہ - وہی رات کی تاریکی سے دن کی روشنی کو چھپا
 دیتا ہے - بیشک ان تمام امور میں سوچنے کھنسنے والوں کے لئے توحید کے بے شمار دلائل موجود
 ہیں - کیونکہ یہ سب امور کسی خالق کے بغیر انجام نہیں پاسکتے -

اس کی توحید کے دلائل میں سے یہ بھی ہے کہ زمین کے مختلف قطعے پاس پاس اور ملے
 ہوئے ہیں - کسی قطعے میں تو نہایت عمدہ پیداوار ہوتی ہے اور اسی سے متصل دوسرے ٹکڑے میں
 برائے نام پیداوار ہے اور کوئی ٹکڑا بالکل ناقابلِ زراعت اور بنجر ہے، حالانکہ سب کو ایک ہی ہوا
 اور ایک ہی پانی مل رہا ہے اور سب پر ایک ہی سورج کی شعاعیں پڑ رہی ہیں - پھر اسی زمین میں
 کہیں انگور کے باغ ہیں اور کہیں کھیتیاں ہیں اور کھجور کے درخت ہیں - ان میں سے کچھ تو ایک تنے
 والے ہیں اور کچھ ایک سے زیادہ تنوں والے ہیں - پھر ہم نے بعض پھلوں کو مزے، بو، شکل اور
 مقدار وغیرہ کے اعتبار سے بعض پر فضیلت دی ہے - کوئی ان میں سے شیریں ہے، کوئی ترش اور
 کوئی پھیکا، کوئی سرخ ہے، کوئی زرد، کوئی سبز ہے تو کوئی سفید وغیرہ - بلاشبہ ان سب امور میں عقل
 والوں کے لئے توحید کے بہت سے دلائل موجود ہیں -

(مواہب الرحمن ۱۵۷، ۱۶۵ / ۱۳، روح المعانی ۹۰، ۱۰۳ / ۱۳)

بعث بعد الموت کے منکروں کا انجام

۶۵۔ وَإِنْ تَعَجَّبَ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ إِذْ اُكِّنَّا تُرَابًا ؕ إِنَّا لَنَفِیْ خَلْقِ
جَدِیدِهِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَلَا غُلُّ
فِیْ اَعْنَاقِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ
۝ وَیَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّیِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ
قَبْلِهِمُ الْمُثَلَّثٰتُ ؕ وَاِنْ یَّرْبُکَ لَذُوْ مُغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی
ظُلْمِهِمْ ؕ وَاِنْ یَّرْبُکَ لَشَدِیدُ الْعِقَابِ ۝

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ کو (ان کافروں کے انکار پر) تعجب ہے تو (واقعی) ان کا یہ کہنا عجیب ہے کہ جب ہم مٹی ہو گئے تو کیا ہم (قیامت کے روز) نئے سرے سے پیدا ہوں گے یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب سے منکر ہو گئے اور انہی کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور یہی لیلِ دوزخ میں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ لوگ عافیت سے پہلے ہی مصیبت (کے نزول) کی جلدی کر رہے ہیں، حالانکہ ان سے پہلے (منکرین پر) بہت سے (عبرتساک) عذاب گزر چکے ہیں اور بیشک آپ کا رب تو لوگوں کو ان کے گناہ پر بھی معاف کرنے والا ہے اور یقیناً آپ کے رب کا عذاب بھی سخت ہے۔

اَعْلَلُ: طوق۔ ہتھکڑیاں۔ واحد عُل۔

اَعْنَاقِهِمْ: ان کی گردنیں۔ واحد عُنُق۔

الْمُثَلَّثٰتُ: عبرتساک سزائیں۔ کہاوتیں۔ واحد مُثَلَّثَةٌ۔

الْعِقَابُ: عقوبت۔ عذاب۔ سزا۔ مصدر ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کافروں

کی تکذیب پر کوئی تعجب نہ کریں۔ یہ تو اللہ کی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھنے کے باوجود

قیامت کا انکار کرتے ہیں۔ کیا اس سے زیادہ عجیب بھی کوئی بات ہوئی کہ جس نے پہلے ایک چیز کو

بنایا وہ دوبارہ بنانے پر قادر نہ ہو (العیاذ باللہ)، حالانکہ ہر عقل مند آدمی جان سکتا ہے کہ زمین و

آسمان کی پیدائش انسان کی پیدائش سے بہت بڑی ہے اور دوبارہ پیدا کرنا پہلی بار پیدا کرنے کی

نسبت بہت آسان ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا:

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَعْصِ
بِخَلْقِهِنَّ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ بَلَىٰ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ (الاحقاف - آیت ۳۳)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تو وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بغیر کھکے
پیدا کر دیا تو کیا وہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں؟ بیشک وہ مردوں کو
زندہ کرنے پر قادر ہے بلکہ ہر چیز اس کی قدرت میں ہے۔

پس یہ کافر ہی ہیں جو بعثت بعد الموت یعنی مرنے کے بعد زندہ ہونے کا انکار کرتے ہیں۔
قیامت کے دن دوزخ کے اندر ایسے لوگوں کی گردنوں میں آگ کے طوق ہوں گے اور یہی اہل
دوزخ میں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے۔

یہ عنکبرین قیامت، بھلائی اور عافیت کی میعاد ختم ہونے سے پہلے ہی عذاب کے نازل
ہونے کا تقاضا کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر آپ اپنے نبوت و رسالت کے دعوے میں سچے ہیں تو
وہ عذاب جس سے آپ ہمیں ڈراتے رہتے ہیں، ہم پر جلد کیوں نہیں لے آتے۔ دوسری جگہ ارشاد
ہے

وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّلْ لَنَا قِطْعًا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ۝
(ص - آیت ۱۶)

اور وہ کہتے ہیں۔ اے ہمارے رب! قیامت سے پہلے ہی ہمارا معاملہ نمٹا دے۔

ایک اور مقام پر ارشاد باری ہے:

وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ
عَلَيْنَا حِجَارًا مِّنَ السَّمَاءِ أَوْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝
(أنفال - آیت ۳۲)

اور جب انہوں نے کہا کہ اے اللہ اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو تو ہم پر
آسمان سے پتھر برسایا کوئی اور المناک عذاب نازل فرما۔

حقیقت یہ ہے کہ ان سے پہلے سابقہ امتوں پر ان کے کفر و تکذیب کی بنا پر طرح طرح کے
عذاب نازل ہو چکے ہیں۔ ان کو ان سے عبرت پکڑنی چاہئے اور اللہ سے ڈرنا چاہئے کہ کہیں ایسا نہ ہو

کہ ان پر بھی ان کے کفر و عناد کی بنا پر سابقہ امتوں جیسا عذاب نازل ہو جائے۔ کسی کو اس خیال میں نہیں رہنا چاہئے کہ وہ عذاب کو دیکھ کر ایمان لے آئے گا۔ اول تو عذاب کو دیکھ کر ایمان لانا اللہ کے ہاں معتبر نہیں۔ دوسرے یہ کہ جب عذاب کی گھڑی آجائے گی تو اس وقت ایمان لانے یا توبہ کرنے یا نیک عمل کرنے کی فرصت و مہلت نہیں ملے گی۔

یہ تو اللہ تعالیٰ کا محض فضل و کرم ہے کہ وہ دن رات بندوں کو گناہوں میں مبتلا دیکھتا ہے اور فوراً سزا (عذاب) نہیں دیتا بلکہ درگزر فرماتا ہے۔ اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ وہ عذاب پر قدرت نہیں رکھتا۔ اس کا عذاب بہت سخت و تکلیف دہ ہوتا ہے۔ جب اس کا عذاب آجاتا ہے تو کوئی نہیں اس کو ٹال سکتا۔ بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے گناہوں پر معاف بھی کرتا ہے اور اگر مجرم حد سے گزر جائے تو پھر اس کو سخت عذاب بھی دیتا ہے۔ (ابن کثیر ۵۰۱/۲)

منکرین کا معجزہ طلب کرنا

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ۖ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ مَادٍ ۝

اور کافر کہتے ہیں کہ اس (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی (ان کی مطلوبہ) نشانی کیوں نہ نازل کی گئی۔ بیشک آپ کا کام تو خبردار کر دینا ہے اور ہر قوم کے لئے ایک بادی ہوا ہے۔

تشریح: کافر لوگ اعتراض کے طور پر یہ بھی کہتے ہیں کہ جس طرح گزشتہ پیغمبر معجزے اور نشانیاں لے کر آئے اسی طرح یہ پیغمبر ایسی نشانیاں اور معجزے لے کر کیوں نہیں آئے۔ جن سے ہمیں تسلی اور اطمینان ہوتا۔ مثلاً صفحہ پہاڑ کو سونے کا بنادیتے یا مکہ کے پہاڑ یہاں سے ہٹ جاتے اور یہ جگہ سرسبز و شاداب ہو جاتی۔ ان کے جواب میں فرمایا جیسا کہ دوسرا جگہ ارشاد ہے:

وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ ۝

(الاسراء آیت - ۵۹)

ہم یہ معجزے بھی ان کو دکھا دیتے مگر اگلے لوگوں کی طرح ان معجزوں کو سمجھانے پر اگلے لوگوں جیسے ہی عذاب ان پر آجاتے۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو ان کی باتوں پر مغموں اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ معجزوں کے مالک و مختار نہیں، آپ کا کام تو صرف تبلیغ دین اور ان لوگوں کو عذاب الہی سے خبردار کرنا ہے۔ پہلے ہی بہت سے معجزے آپ سے ظاہر ہو چکے ہیں یہ بد بخت تو شق القمر جیسے معجزے کا بھی انکار کر چکے ہیں۔ اب مزید معجزے دکھانے سے کیا فائدہ۔ پھر فرمایا کہ ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوتا ہے۔ آپ بھی اپنے زمانے کے لوگوں کے لئے ہادی بنا کر بھیجے گئے ہیں، اس لئے آپ کا کام تو بس لوگوں کی راہنمائی کرنا اور ان کو اللہ کی نافرمانی کے انہام سے ڈرانا ہے۔

(ابن کثیر ۵۰۱ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۸۷ / ۴)

اللہ تعالیٰ کا علمِ کامل

۱۱۰۸ - اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْضَ حَامٌ وَمَا تَزِدُّا۟ دَاۡدًا
وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَہٗ بِمِقْدَارٍ ۝ عَلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالٰی ۝ سَوَآءٌ مِّنْکُمْ مَّنْ اَسْرَ الْقَوْلِ وَمَنْ
جَهَرَ بِہٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّیْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ۝ لَہٗ
مُعَقَّبَتٌ مِّنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ یَحْفَظُوْنَہٗ مِّنْ اَمْرِ اللّٰہِ ۝ اِنَّ
اللّٰہَ لَا یَغۡیِرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغۡیِرُوْا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ ۝ وَاِذَا اَرَادَ
اللّٰہُ بِقَوْمٍ سُوۡءًا فَلَا مَرَدَّ لَہٗ ۝ وَمَا لَہُمۡ مِّنْ دُوۡنِہٖ مِنْ وَّالٍ ۝

اللہ کو معلوم ہے جو کچھ ہر مؤنث (اپنے پیٹ میں) اٹھاتی ہے اور جو کچھ رحم میں
کی بیشی ہوتی ہے اور ہر چیز اس کے ہاں ایک اندازے سے ہے۔ وہ تمام
پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے۔ سب سے بڑا اور بلند مرتبہ ہے۔ خواہ
تم میں سے کوئی چپکے سے (کوئی بات) کہے یا پکار کر کہے، خواہ کوئی رات (کی
تاریکی) میں چھپنے والا ہو یا دن (کی روشنی) میں چلنے پھرنے والا ہو (اس کے علم
کے اعتبار سے) سب برابر ہے۔ ہر شخص کے لئے اس کے آگے اور پیچھے اللہ کے
مقرر کئے ہوئے پہرے دار ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔
بیشک اللہ کسی قوم کی (اچھی) حالت میں تغیر نہیں کرتا، جب تک کہ وہ لوگ

خود اپنی حالت کو نہ بگاڑ لیں۔ اور جب اللہ کسی قوم پر مصیبت ڈالنے کا ارادہ کرتا ہے تو پھر وہ (مصیبت) ٹل نہیں سکتی اور اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں۔

تَغِيْضُ: وہ کمی کرتے ہیں۔ ان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ غِيْضٌ سے مضارع۔
اَرْحَامُ: بچہ دانیاں۔ رشتہ داری۔ قرابت۔ واحد رَحْمٌ۔ وِرْثَمٌ۔
مُتَعَالٍ: بلند۔ عالی شان۔ بہت غالب۔ تَعَالٰی سے اسم فاعل۔
جَهَرَ: اس نے ظاہر کیا۔ اس نے زور سے کہا۔ جَهْرٌ سے ماضی۔
مُسْتَخْفٍ: چھپنے والا۔ اِسْتَخْفَا سے اسم فاعل۔
سَارِبٌ: گلیوں میں پھرنے والا۔ راہ میں چلنے والا۔ ظاہر ہونے والا۔ سُرُوْبٌ سے اسم فاعل۔

مُعَقَّبٌ: چوکیدار۔ دن اور رات میں باری باری آنے والے فرشتے۔ تَعَقَّبٌ سے اسم فاعل۔

وَالِ: والی۔ مددگار۔ کارساز۔ وِلَايَةٌ سے اسم فاعل۔
تَشْرِيحُ: اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت کی کوئی حد نہیں۔ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تمام مادائیں (مونث) اپنے پیٹ میں اٹھائے ہوئے ہیں، خواہ وہ مادائیں انسان ہوں یا حیوان۔ وہ جانتا ہے کہ اس کے پیٹ میں کیا ہے؛ مذکر یا مؤنث، اچھا ہے یا برا، نیک ہے یا بد، عمر والا ہے یا بے عمر کا، ایک ہے یا دو یا اس سے زیادہ، ناقص ہے یا کامل۔ رحموں کے گھٹنے بڑھنے کو بھی وہ خوب جانتا ہے کہ رحم میں کتنے بچے ہیں یا بچہ کتنے دنوں میں پیدا ہو گا۔ اللہ کے علم میں ہر چیز کی ایک حد معین ہے۔ اس مقررہ حد سے کوئی چیز نہ گھٹ سکتی ہے اور نہ بڑھ سکتی ہے۔
 اللہ تعالیٰ ہر چیز سے باخبر ہے خواہ وہ بندوں سے پوشیدہ ہو یا بندوں پر ظاہر ہو، وہ سب سے بڑا اور ہر ایک سے بلند ہے۔ اس کے مقابلے میں ہر شے حقیر و صغیر ہے۔ کسی خیال و قیاس کی بھی اس تک رسائی نہیں۔ اگر کوئی شخص چھپا کر اپنے دل میں کوئی بات کہے یا بلند آواز سے کہے اور جو اپنے گھر کے ہتہ خانے میں رات کے اندھیرے میں چھپا ہوا ہو اور جو دن کے وقت آباد راستوں میں چلا جا رہا ہو وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں برابر اور یکساں ہیں کیونکہ اس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے۔ وہ تمام عالم کا محافظ و نگہبان ہے۔ اس کے فرشتے بندوں کے ارد گرد مقرر ہیں جو اللہ کے

حکم سے انہیں آفتوں اور بلاؤں سے محفوظ رکھتے ہیں۔ یہ فرشتے یکے بعد دیگرے آتے جاتے رہتے ہیں۔

بیشک اللہ تعالیٰ اپنے فضل، مہربانیوں اور نعمتوں سے کسی قوم کو اس وقت تک محروم نہیں کرتا جب تک کہ وہ خود اپنی روش بدل کر کفرانِ نعمت اور غفلت میں نہ پڑ جائے۔ پھر جب کوئی قوم غفلت میں پڑ جاتی ہے، شکر کی بجائے کفرانِ نعمت اور اطاعت کی بجائے معصیت کرنے لگتی ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے اپنے فضل اور عنایت کو اٹھا لیتا ہے اور ان کو مصیبت و آفت میں مبتلا کر دیتا ہے جو کسی کے نالے نہیں ٹلتی۔ ایسے وقت میں اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں ہوتا جو اس مصیبت کو دور کر سکے۔

(ابن کثیر ۵۰۲، ۵۰۳ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۹۰، ۹۲ / ۴)

قدرتِ الہی کی نشانیوں

۱۲، ۱۳۔ **هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ ۝ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللَّهِ ۝ وَهُوَ شَدِيدُ الْمِحَالِ ۝**

(اللہ) وہی تو ہے جو تمہیں خوف و امید دلانے کے لئے بجلی دکھاتا ہے اور بھاری بادل اٹھاتا ہے اور گرج اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے اور فرشتے اس کے ڈر سے (تسبیح و تحمید کرتے ہیں) اور وہ گرنے والی بھلیاں بھیجتا ہے۔ سو وہ جس پر چاہتا ہے ان (بھلیوں) کو گرا دیتا ہے اور وہ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔ حالانکہ وہ بڑی شدید قوت والا ہے۔

يُنْشِئُ: وہ اٹھائے گا۔ وہ پیدا کرے گا۔ **إِنْشَاءً** سے مضارع۔

الرَّعْدُ: گرج۔ (بادل کی) اسم بھی ہے مصدر بھی۔

الصَّوَاعِقُ: کڑک۔ بھلیاں۔ واحد **صَاعِقَةٌ**۔

الْمِحَالُ: حلیہ کرنا۔ گرفت کرنا۔ عذاب دینا۔ مصدر ہے۔

تشریح: خالق و مالک حقیقی وہی اللہ تو ہے جو ہمیں ڈرانے اور امید دلانے کے لئے بھلی دکھاتا ہے۔ جب بھلی چمکتی ہے تو لوگ اس سے بارش کی امید کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی بھلی گرنے سے ڈرتے بھی ہیں۔ اس کے علاوہ جو لوگ سفر میں ہوتے ہیں وہ بارش کے ضرر کا خوف کرتے ہیں، بعض لوگوں کو کھیتی تباہ ہونے کا خوف ہوتا ہے اور بعض مکانوں کے گرنے سے ڈرتے ہیں۔ دوسری طرف کچھ لوگ اس بات سے خوش ہوتے ہیں کہ بارش آنے سے گرمی اور موسم کی شدت دور ہو جائے گی۔ کھیتی اور پھلوں کو فائدہ پہنچے گا۔ گویا ایک ہی شے ایک ہی وقت میں نعمت بھی ہے اور عذاب و مصیبت بھی اور یہ اس کی قدرت کے کمال کی دلیل ہے۔

پھر فرمایا کہ وہی اللہ اپنی قدرتِ کاملہ سے بھاری بھاری بادلوں کو پیدا کرتا ہے جو لاکھوں کروڑوں من پانی سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ بادل اللہ کے حکم کے بغیر کہیں نہیں برستے۔ یہ صرف ایسی جگہ اور اتنی ہی مقدار میں برستے ہیں جس مقام اور مقدار کے لئے اللہ کی طرف سے ان کو حکم دیا جاتا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ ان بادلوں میں سے اپنی ضرورت کے لئے پانی کا ایک قطرہ بھی لے سکے۔

اس کے بعد فرمایا کہ بادل کی گرج حمد و ثنا کے ساتھ اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے اور فرشتے بھی اس کے خوف سے اس کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں۔ غرض یہ رعد و برق اس کے قہر کی نشانیاں ہیں جن سے وہ بندوں کو ڈراتا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ ٹوٹ کر گرنے والی بھلیاں بھیج کر جس کو چاہتا ہے اس کے ذریعہ جلا کر ہلاک کر دیتا ہے۔ یہ منکرین حق اللہ کے قہر کی پردہ نہیں کرتے بلکہ وہ اس کی توحید، قدرتِ کاملہ، علمِ محیط، لوگوں کو دوبارہ پیدا کرنے اور جزا و سزا دینے جانے کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑتے ہیں۔ حالانکہ وہ (اللہ) بڑی سخت قوت و قدرت والا ہے۔ یہ منکرین و معاندین اس کے قبضہ قدرت سے نہیں نکل سکتے۔

ابن مردویہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ جب تین سو اچلتی یا کڑک کی آواز سنئے تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چہرہ انور کا رنگ بدل جاتا پھر آپ رعد (بادل کی گرج) کے لئے فرماتے:

سُبُّحَانَ مَنْ سَبَّحْتَ لَهُ۔ پاک ہے وہ ذات جس کی تسبیح کی گئی۔

اور رتج کے لئے فرماتے

اللَّهُمَّ اجْعَلْهَا رَحْمَةً وَلَا تَجْعَلْهَا عَذَابًا

اے اللہ اس کو باعثِ رحمت بنا اور اس کو باعثِ عذاب نہ بنا۔

بخاری، ترمذی، نسائی، احمد وغیرہ نے ابن عمر کی روایت سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صواہق اور رعد کی آواز سنتے تو فرماتے:

اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تَهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ۔

اے اللہ! ہمیں اپنے غضب سے قتل نہ کرنا اور اپنے عذاب سے ہلاک نہ کرنا اور اس سے پہلے ہی ہمیں عافیت دینا۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رعد سنتے تو فرماتے:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

ابن مردویہ اور ابن جریر نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رعد کی آواز سنتے تو کہتے:

سُبْحَانَ مَنْ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ۔

(مظہری ۲۲۳، ۲۲۵/۵، روح المعانی ۱۲۰/۱۳)

باطل معبودوں سے دعاء کی مثال

۱۵، ۱۴۔ لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كِبَاسٌ كَفِيْهِ اِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَلَا وَصَاهُؤُا بِبَالِغِهِ وَمَا دَعَا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِى ضَلٰلٍ ۝ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَظَلَّلُوهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاَصَالِ ۝

اسی کو پکارنا حق ہے اور اللہ کے سوا جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ ان کے کچھ بھی کام نہیں آتے مگر جیسے کوئی اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلانے کہ وہ اس کے منہ میں آجائے حالانکہ وہ اس کے منہ تک (از خود کبھی) نہیں پہنچتا اور

کافروں کا (باطل معبودوں کو پکارنا) محض گمراہی ہے اور جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ چار و ناچار اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور ان کے سائے بھی صبح و شام (سجدہ کرتے ہیں)

بَاسِطٌ : کھولنے والا۔ پھیلانے والا۔ فراخ کرنے والا۔ بَسْطٌ سے اسم فاعل۔
کَفِيفٌ : اس کا ہاتھ ملنا۔ اس کی ہتھیلیاں۔ واحد کَفٌّ۔ جمع اکف۔
فَالاً : اس کا منہ۔

طَوْعاً : اطاعت کرنا۔ فرماں برداری کرنا۔ مصدر ہے۔
اَصَالٌ : شام کو۔ واحد اَمْسِلٌ۔

تَشْرِیح : حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کو پکارنا چاہئے جو ہر قسم کے نفع و نقصان کا مالک ہے۔ کسی عاجز و بے بس مخلوق کو پکارنے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کو اپنی مدد کے لئے پکارنا ایسا ہے جیسا کوئی پیاسا کنوئیں کی من پر کھڑا ہو کر اس امید کے ساتھ پانی کی طرف ہاتھ پھیلائے کہ وہ پانی خود بخود اس کے منہ تک آجائے۔ ظاہر ہے کہ وہ پانی قیامت تک از خود اس کے منہ تک نہیں آئے گا۔ یہی نہیں بلکہ اگر پانی اس کی چلو میں ہو تب بھی وہ خود بخود منہ میں نہیں جاسکتا تا وقتیکہ وہ اپنی چلو کو منہ تک نہ لے جائے کیونکہ پانی تو بے جان اور بے شعور چیز ہے۔ اس کو تو معلوم ہی نہیں کہ کون اس کو پکار رہا ہے۔ کافروں کے معبودوں کا بھی یہی حال ہے۔ کافر اپنے بتوں کو پکارتے ہیں مگر ان بتوں کو ان کی پکار کا پتہ بھی نہیں ہوتا۔ چونکہ وہ بے شعور و بے جان ہیں اس لئے وہ ان کی دعا قبول نہیں کر سکتے۔

ہر چیز اللہ کے سامنے پست ہے اس لئے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کے سامنے سر تسلیم ختم کرتے ہیں، خواہ خوشی سے کریں جیسے فرشتے اور اللہ کے مومن بندے یا مجبوری سے کریں جیسے منافق اور کافر جو مصائب کی شدت یا کسی اور مجبوری سے سر جھکاتے ہیں اگرچہ وہ اس کو پسند نہیں کرتے۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ تمام مخلوق صبح و شام اللہ کے سامنے دائیں بائیں جھک کر اللہ کو سجدہ کرتی ہے اور اپنی عاجزی کا اظہار کرتی ہے۔

(عثمانی ۷۰۲ / ۱، مظہری ۲۲۷، ۲۲۸ / ۵)

مشرکین و منکرین سے سوالات

۱۶۔ قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ قُلِ اللَّهُ ۖ قُلْ أَفَاتُخَذْتُمْ مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ لَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۚ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ ۚ أَمْ جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهُ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۚ قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ (ان مشرکین سے) پوچھئے کہ آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے۔ آپ (ہی) کہہ دیجئے کہ اللہ ہے۔ (پھر) آپ ان سے کہئے کہ کیا پھر بھی تم نے اللہ کے سوا دوسرے مددگار قرار دے رکھے ہیں جو خود اپنے لئے بھی کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے۔ آپ ان سے (یہ بھی) پوچھئے کہ کیا نابینا اور بینا برابر ہیں یا کہیں تاریکی اور نور برابر ہو سکتے ہیں۔ کیا جن کو انہوں نے اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے انہوں نے بھی (کسی چیز کو) پیدا کیا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے۔ پھر ان کی نظر میں پیدائش مشتبہ ہو گئی۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہر چیز کا خالق تو اللہ ہی ہے۔ وہی واحد ہے (اور) زبردست ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ یہ مشرکین بھی اسی کے قائل ہیں کہ زمین و آسمان کا رب اور مدبر اللہ ہی ہے۔ اس کے باوجود یہ غیر اللہ کو پوجتے ہیں جو ان کے اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے اور ہر طرح سے عاجز و بے بس ہیں۔ وہ ان کافروں کو تو کیا نفع پہنچائیں گے، وہ اپنے نفع و نقصان کا بھی کوئی اختیار نہیں رکھتے۔

اللہ تعالیٰ نے مشرکین و منکرین سے درج ذیل چار سوال کئے ہیں:

۱۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان مشرکوں سے پوچھئے کہ آسمان اور زمین کا مالک و رب کون ہے، جس نے ان کو بنایا اور قائم رکھا ہوا ہے۔ اگر یہ لوگ آپ کو کوئی جواب نہ دیں تو ان کی طرف سے آپ ہی جواب دے دیجئے کہ اللہ ہی آسمانوں اور زمین کا خالق و

مالک اور رب ہے۔ کیونکہ یہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ اگر یہ جواب دیں گے تو ان کا جواب بھی یہی ہو گا۔

۲۔ پھر فرمایا کہ آپ ان سے پوچھئے کہ تم اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرنے کے بعد دوسروں کو اپنا کارساز و مددگار کیوں بناتے ہو۔ ان کو تو اپنے لئے بھی کوئی نفع حاصل کرنے کی قدرت نہیں اور نہ وہ اپنے آپ کو کسی نقصان سے بچا سکتے ہیں۔ پھر وہ تمہارے کیا کلام آئیں گے

۳۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے پوچھئے کہ کیا نا بننا (مشرک) اور بننا (مومن) برابر ہیں یا تاریکیاں (کفر) اور روشنی (ایمان) برابر ہو سکتے ہیں۔ پس جس طرح نا بننا اور بننا۔ اندھیرا اور اجالا برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح مومن و کافر اور ایمان و کفر بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ مومن بننا ہے جو راہ حق کو دیکھتا ہے اور کافر اندھا ہے جو راہ حق کی طرف التفات نہیں کرتا۔

۴۔ کیا ان مشرکوں نے جن بتوں کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا ہوا ہے انہوں نے بھی کسی چیز کو پیدا کیا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین، چاند و سورج، پہاڑ و سمندر، انسان و حیوان اور دیگر مخلوقات وغیرہ کو پیدا کیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔ اس جیسا اس کے برابر کا یا اس کے مثل کوئی نہیں۔ وہ وزیر و مبشر اور اولاد و بیوی سے پاک ہے۔ اس کی ذات ان سب سے بلند و بالا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں، وہی ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے، وہی اپنی ذات و صفات میں واحد و یکتا ہے اور ہر چیز پر غالب و قادر ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ سب مغلوب ہے اور جو مغلوب ہو وہ خدا اور معبود نہیں ہو سکتا۔

(روح المعانی ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۳ / ابن کثیر ۵۰۸، ۵۰۹ / ۲)

حق و باطل کا فرق

۱۸، ۱۷۔ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةً يَقْدَرُهَا فَاُحْتَمَلُ السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ

حَلِيَّةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِثْلَهُ ۚ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ
وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۚ وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ
فَيُمَكِّتُ فِي الْأَرْضِ ۚ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ۝
لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ الْحُسْنَىٰ ۚ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا
لَهُ لَوْ أَنَّهُمْ مَافِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ
أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ ۚ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ
الْمِهَادُ ۝

اسی (اللہ) نے آسمان سے پانی اتارا پھر (اس سے) ندی نالے اپنی اپنی مقدار
کے موافق بہنے لگے۔ پھر پانی کے ریلے نے پھولا ہوا جھاگ اٹھالیا اور جس چیز کو
زیور یا کوئی سامان بنانے کے لئے آگ میں تپاتے (پگھلاتے) ہیں (اس میں بھی)
دوبہا ہی جھاگ (میل کچیل) اوپر آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح حق و باطل کی
مثال بیان کرتا ہے۔ سو وہ جھاگ تو سوکھ کر جاتا رہتا ہے اور وہ (پانی) جو
دوبہا کو نفع دیتا ہے وہ زمین میں باقی رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح (حق و
باطل کی) مثالیں بیان کرتا ہے۔ جن لوگوں نے اپنے رب کا حکم مان لیا ان کے
لئے نیکی (فلاح دارین) ہے اور جن لوگوں نے اس کا حکم نہ مانا ان کے پاس اگر
وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اتنا ہی اس کے ساتھ اور ہو تو (قیامت کے
روز نجات حاصل کرنے کے لئے) سب کچھ اپنے فدیہ میں دے دیں (مگر وہ قبول
نہ ہو گا) اور انہیں کا حساب برا ہے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ (بہت ہی)
برا ٹھکانا ہے۔

سَأَلْتُ : وہ جاری ہونی - وہ بہی - سِيلَانٌ سے ماضی -
أَوْدِيَّةٌ : نالے - وادیاں - واحد وَادِيٌّ -
زَبَدًا : جھاگ - میل کچیل - جمع اَزْبَادٌ -
رَآبِيًا : چڑھنے والا - بلند ہونے والا - بڑھنے والا - رَجُوءٌ سے اسم فاعل -
يُوقِدُونَ : وہ گرم کرتے ہیں - وہ دھوکتے ہیں - اِلْتِقَادٌ سے مضارع -
حَلِيَّةٍ : زیور - کہنے - آرائش - جمع حُلَى -

جُفَاءً: کوڑا کرکٹ - بے کار چیز - باطل اسم ہے -
 يُمْكُثُ: وہ ٹھہرتا ہے - وہ باقی رہتا ہے - يُمْكُثُ سے مضارع -
 الْفَحَّادُ: ٹھکانا - فرش پتھوٹنا

تشریح: اللہ تعالیٰ نے یہاں حق و باطل کے فرق، حق کی پائنداری اور باطل کی بے ثباتی کی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ بادلوں سے مینہ برساتا ہے۔ پھر یہ بارش کا پانی دریاؤں اور ندی نالوں میں ان کی وسعت اور گہرائی کے مطابق بہنے لگتا ہے، کسی میں کم کسی میں زیادہ۔ جب یہ ندی نالوں کا پانی زمین پر بہتا ہے تو اس میں مٹی اور کوڑا کرکٹ ملنے سے پہلے تو یہ پانی گدلا ہو جاتا ہے پھر میل پھیل اور جھاگ پھول کر پانی کی سطح پر آ جاتا ہے اور خالص پانی جس پر زندگی کا دار و مدار ہے نیچے دبا اور چھپا رہتا ہے۔

اسی طرح زیورات، برتن اور ہتھیار وغیرہ بنانے کے لئے جب تیز آگ میں سونا، چاندی، تابنا، لوہا اور دوسری معدنیات پگھلائی جاتی ہیں تو ان میں بھی جھاگ اٹھتا ہے اور اصل دھات نیچے رہ جاتی ہے۔ پھر وہ جھاگ کچھ دیر بعد خشک ہو جاتا ہے یا ادھر ادھر پھیل کر ختم ہو جاتا ہے اور وہ چیز جو لوگوں کو نفع پہنچانے والی ہوتی ہے جیسے صاف پانی اور خالص دھات وغیرہ، وہ باقی رہ جاتی ہے۔

یہی مثال حق و باطل کی ہے۔ جب وحی آسمانی دین حق کو لے کر نازل ہوتی ہے تو بنی آدم کے قلوب اپنے اپنے ظرف اور استعداد کے موافق فیض حاصل کرتے ہیں۔ پھر کبھی کبھی حق و باطل باہم مل جاتے ہیں اور بظاہر باطل، جھاگ کی طرح حق پر چھا جاتا ہے، لیکن اس کا یہ غلبہ عارضی اور بے بنیاد ہوتا ہے جو بہت جلد ختم ہو جاتا ہے اور حق نکل آتا ہے جیسے جھاگ بیٹھ جانے کے بعد پانی نکل کر صاف و شفاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ عجیب عجیب مثالوں کے ذریعہ لوگوں کو مؤثر انداز میں سمجھاتا ہے۔

اسی طرح جب کسی کے دل میں حق اتر جائے اور پھر کسی وقت اوہام و وساوس غلبہ پانے کی کوشش کریں تو اس کو گھبرانا نہیں چاہئے کیونکہ کچھ دیر بعد یہ اوہام و وساوس خود ہی ختم ہو جائیں گے۔

پھر فرمایا کہ جن لوگوں نے اپنے رب کی دعوت کو اچھی طرح قبول کر لیا اور اس کے احکام کی تعمیل کی تو ان کے لئے اچھا بدلہ ہے اور جن لوگوں نے دعوتِ الہیہ کو قبول نہیں کیا، ان کو اگر

دنیا بھر کی دولت مل جائے اور اتنی ہی اور بھی مل جائے، پھر وہ یہ تمام دولت دوزخ سے اپنی ربائی کے فدیہ میں دے دیں تب بھی ان کو دوزخ سے ربائی نہیں ملے گی۔ قیامت کے روز ایسے لوگوں کا حساب و کتاب نہایت سختی کے ساتھ ہو گا اور ان کا کوئی گناہ معاف نہیں کیا جائے گا اور ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے جو بہت ہی بری جگہ ہے۔ (عثمانی ۴۰۳، ۴۰۴، ۱ / مظہری ۲۲۹، ۲۳۰ / ۵)

اہل عقل کی صفات

۲۴، ۱۹۔ اَفَمَنْ يَعْلَمُ اَنْمَّا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰی ۝
اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُو الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا
يَنْقُضُوْنَ الْعِمَّیْثَاقَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ
یُّوْصَلَ وَیَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَیَحَافُوْنَ سُوْءَ الْحِسَابِ ۝
وَالَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَابْتَغَآءُ وُجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَانْفَقُوْا
مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَعَلٰنِیَةً وَیُذِرُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبٰی الدَّارِ ۝ جَنَّتٌ عَدْنٌ یَدْخُلُوْنَهَا
وَمِنْ صَلَاحٍ مِنْ اَبَانِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیَّتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ
یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِنْ کُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ
فَنِعْمَ عُقْبٰی الدَّارِ ۝

جو شخص یہ یقین رکھتا ہو کہ جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے وہ سب حق ہے، کیا ایسا شخص اس کی مانند ہو سکتا ہے جو اندھا ہے۔ بیشک نصیحت تو عقل والے ہی قبول کرتے ہیں۔ وہ مجھدار لوگ ایسے ہیں کہ اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور وہ عہد کو توڑتے نہیں اور وہ ایسے ہیں کہ اللہ نے جن تعلقات کو قائم رکھنے کا حکم دیا ہے وہ ان کو قائم رکھتے ہیں اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب سے خوف کرتے ہیں اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے اپنے رب کی رضا کے لئے صبر کیا اور نماز قائم کی اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے پوشیدہ طور پر بھی خرچ کرتے ہیں اور ظاہر کر کے بھی اور

برائی کے مقابلے میں بھلائی کرتے ہیں۔ انہی لوگوں کے لئے آخرت کا گھر ہے۔
 ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن میں وہ خود بھی رہیں گے اور ان کے باپ دادا اور
 بیویوں اور اولاد میر سے وہ لوگ بھی (رہیں گے) جو نیک ہوں گے اور فرشتے
 ہر (سمت کے) دروازے سے داخل ہو کر ان سے کہیں گے کہ تمہارے صبر
 کرنے کی وجہ سے تم پر سلامتی ہو۔ سو کیا ہی اچھا ہے آخرت کا گھر (جو تمہیں ملا
 ہے)۔

يَذَرُّوْنَ: وہ دفع کرتے ہیں۔ وہ ٹالتے ہیں۔ دُڑے سے مضارح۔

عُقْبَى: عاقبت۔ آخرت۔ بدلہ۔

عَدْنٌ: ہمیشہ رہنا۔ بسنا۔ کسی جگہ مقیم ہونا۔ مصدر ہے۔

نِعْمٌ: اچھا ہے۔ خوب ہے۔ کلمہ مدح ہے۔

تشریح: کیا ان مشرکین کو ہدایت و گمراہی کا فرق نظر نہیں آتا؟ کیا ایسا شخص جو اس بات پر
 یقین رکھتا ہو کہ جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ سراسر حق ہے اس
 شخص کی مانند ہو سکتا ہے جو اندھا اور بے بصیرت ہو اور جو حق و باطل میں تمیز نہ کر سکتا ہو۔
 بیشک نصیحت تو سمجھدار لوگ ہی قبول کرتے ہیں۔

سمجھدار لوگ وہ ہیں جنہوں نے یوم میثاق میں اللہ کی ربوبیت کا جو اقرار کیا تھا اور
 "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" کے جواب میں "بَلٰی" کہا تھا۔ وہ اپنے اس عہد کو پورا کرتے ہیں اور وہی
 لوگ اللہ کے ساتھ کئے ہوئے عہد اور بندوں کے ساتھ کئے ہوئے وعدوں کو نہیں توڑتے۔

یہی وہ لوگ ہیں جو تمام انبیاء اور ساری آسمانی کتابوں پر کسی تفریق کے بغیر ایمان رکھتے
 ہیں اور تمام مومنوں کے ساتھ تعاون کرتے ہیں اور عزیز و اقارب سے حسن سلوک کرتے ہیں۔
 اکثر علماء کے نزدیک یہاں "مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِمْ" سے مراد صرف صلہ رحمی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے فرمایا کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ اس کے رزق میں وسعت اور عمر میں درازی عطا کرے تو
 اس کو چاہئے کہ وہ قربت داروں کو جوڑے رکھے۔ مستفق علیہ۔

بخاری شریف میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رشتہ قربت کو جوڑنے والا وہ نہیں جو برابر کا بدلہ

دے بلکہ قرابت کو جوڑنے والا وہ ہے کہ اگر رشتہ، قرابت (کسی عزیز کی طرف سے) ٹوٹ گیا تو وہ اس کو جوڑ دے، یعنی جو شخص تجھ سے عزیزداری اور قرابت ختم کرنے کی کوشش کر رہا ہو یا ختم کر چکا ہو تو، تو اس سے قرابت پیدا کر اور رشتہ کو جوڑ۔

پھر فرمایا کہ وہ عقل مند لوگ اپنے رب کی وعید سے ڈرتے ہیں اور قیامت کے روز حساب کی سختی سے ڈرتے ہیں۔ یہی لوگ محض اپنے پروردگار کی خوشنودی کے لئے خواہشات کی مخالفت پر قائم اور جے رہے اور نماز قائم کی اور اللہ کے عطا کئے ہوئے مال میں سے کبھی ظاہر کر کے اور کبھی چھپا کر اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور یہی لوگ بدی کو نیکی کے ذریعہ ختم کرتے ہیں، یعنی نیک کام کر کے برے کاموں کی تلافی کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (سورۃ ہود - آیت ۱۱۴)

ملا تہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔

مسند احمد میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تجھ سے کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے پیچھے نیکی بھی کر۔ یہ اس کو مٹا دے گی۔

(مسند احمد ۲۱۳ / ۶)

پھر فرمایا کہ ایسے ہی عقل مند لوگوں کے لئے آخرت کا گھر ہے جہاں ان کے قیام اور رہنے کے لئے باغ ہیں۔ یہی لوگ ان باغوں میں داخل ہوں گے اور ان کے نیک آباد اجداد اور ان کی نیک بیویاں اور نیک اولاد بھی ان میں داخل ہوگی اور ان کو مبارک باد دینے کے لئے جنت کے ہر دروازے سے فرشتے یہ کہتے ہوئے داخل ہوں گے کہ تمہارے صبر و استقامت کے بدلے تم پر سلامتی ہو۔ پس کیا ہی اچھا ہے آخرت کا گھر جو تمام آفات ظاہری و باطنی سے محفوظ و مامون ہے۔

(مظہری ۲۳۰، ۲۳۲ / ۵، روح المعانی ۱۳۹، ۱۴۵ / ۱۳)

کافروں کی بد اعمالیوں کا نتیجہ

۲۶، ۲۵- وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا
أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ

اللَّعْنَةُ وَلَحْمُ سَوْءِ الدَّارِ ۝ اللَّهُ يُبْسِطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ
وَيُقْدِرُ ۝ وَفِرْحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي
الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ ۝

اور جو لوگ مضبوط کرنے کے بعد اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں اور اس چیز کو قطع کرتے ہیں جس کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کے لئے لعنت ہے اور انہی کے لئے برا گھر (دوزخ) ہے اللہ جس کے لئے چاہتا ہے روزی فراخ کرتا ہے اور تنگ کرتا ہے اور یہ (کافر) دنیا کی زندگی پر فریفتہ ہیں اور آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی ایک متاع حقیر کے سوا کچھ نہیں۔

تشریح: جو لوگ نادان اور عقل سے کورے ہیں وہ اللہ کے ساتھ اس کی وحدانیت اور عبادت کا پختہ عہد کرنے کے بعد اس کو توڑ دیتے ہیں اور جن رشتوں کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے، یہ لوگ ان کو بھی توڑ دیتے ہیں اور کفر و شرک، لوٹ مار اور قتل و غارت کے ذریعہ دنیا میں فساد پھیلاتے ہیں۔ ایسے ہی بد بختوں اور بد عقلوں پر اللہ کی لعنت ہے اور آخرت میں ان کے لئے برا گھر ہے جو دائمی ہے۔

اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے وسعت کے ساتھ رزق دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے رزق کو تنگ کر دیتا ہے۔ رزق میں تنگی اور کشادگی اس کی حکمت بالغہ کے تحت ہے نہ کہ کسی کی اپنی ہوشیاری اور لیاقت و اہلیت کے سبب۔ یہ اہل مکہ اس دنیاوی زندگی پر فریفتہ ہیں۔ اللہ نے ان کے رزق میں جو کشادگی فرمادی ہے یہ اس پر مغرور ہیں اور اتراتے ہیں اور اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے حالانکہ دنیا کی زندگی اور اس کے عیش و عشرت پر ان کا اترا نا بالکل بے معنی ہے اس لئے کہ دنیا کی زندگی تو آخرت کے مقابلے میں صرف ایک حقیر سی متاع ہے جو دنیا کے ساتھ ہی ختم ہو جائے گی۔ (مظہری ۵/۲۳۵)

مسند احمد میں مستورد بن شداد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا ایسی ہی ہے جیسے کوئی اپنی انگلی سمندر میں ڈبو کر نکالے اور دیکھے کہ کیا لائی۔ (مسند احمد ۵/۲۴۰)

منکرین کا معجزے طلب کرنا

۲۹،۲۶۔ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا الْوَلَا يُنْزِلُ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَىٰ آيِهِ مَنْ أُنَابَ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحُسْنُ مَآبٍ ۝

اور کافر کہتے ہیں کہ ان کے رب کی طرف سے ان پر کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ آپ کہہ دیجئے کہ بیشک اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کو اپنی طرف ہدایت کرتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور جن کے دلوں کو اللہ کے ذکر سے اطمینان ہوتا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو (حقیقی) اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے ان کے لئے خوشحالی (خوبی) اور اچھا ٹھکانا ہے۔

اُنَابَ: وہ متوجہ ہوا۔ وہ رجوع ہوا۔ اِنَابَۃ سے ماضی۔

طُوبَىٰ: خوشحالی۔ جنت کا ایک درخت۔

مَآبٍ: واپس ہونے کی جگہ۔ لوٹنے کی جگہ۔ اُدْبَ سے اسم ظرف مکان۔

تشریح: مشرکین مکہ سیکڑوں معجزے دیکھنے کے بعد بھی مرنے کی ایک ٹانگ پکڑے ہوئے تھے کہ جو ہم طلب کریں وہ معجزہ دکھاؤ۔ مثلاً مکہ کے پہاڑوں کو اپنی جگہ سے سرکا کر کھیتی باڑی کے لئے زمین وسیع کر دو یا زمین کو بھاڑ کر پٹھے اور نہریں نکال دو یا ہمارے پرانے بزرگوں کو دوبارہ زندہ کر کے ہم سے بات چیت کرا دو۔ غرض کوئی ایسا معجزہ دکھاؤ جو ہمیں ایمان لانے پر مجبور کر دے۔ اس قسم کے مطالبات مشرکین مکہ نے متعدد مواقع پر کئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ اگر یہ لوگ اپنے مطلوب معجزات دیکھنے کے بعد بھی ٹس سے مس نہ ہوئے تو پھر ان کو تہس نہس کر دیا جائے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئی کہ

معبود نہیں۔ میں نے تو اسی پر بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف مجھے رجوع کرنا

ہے۔

قَدْ: ہے۔ کافی۔ تحقیق۔ کبھی، اسم بھی ہے، حرف بھی۔ ماضی اور مضارع دونوں

پر آتا ہے۔

خَلَّتْ: وہ گزر گئی۔ غُلُوشے ماضی۔

مُتَابٍ: توبہ کرنا۔ رجوع کرنا۔ تَوْبٌ سے مصدر میمی بھی ہے اور اسم ظرف بھی۔

تَشْرِیح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی نبوت و رسالت کوئی انوکھی چیز نہیں۔ جس

طرح آپ سے پہلے دوسرے پیغمبروں کو، ہم نے ان کی امتوں کی طرف بھیجا تھا اسی طرح ہم نے آپ کو بھی ایک امت میں پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ آپ سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں جن کی طرف دوسرے پیغمبروں کو بھیجا گیا تھا۔ ہم نے آپ کو اس لئے بھیجا ہے تاکہ آپ ان کو وہ قرآن پڑھ کر سنا دیں جو ہم نے آپ کو وحی کے ذریعہ دیا ہے۔ یہ قرآن آپ کی نبوت و رسالت کی سب سے بڑی نشانی اور اللہ کی عظیم رحمت اور نعمت ہے۔

ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کرنے کی بجائے اس کی ناشکری کرتے ہیں اور قرآن پر ایمان نہیں لاتے۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ جس رحمن کا تم انکار کرتے ہو وہی میرا خالق اور کار ساز ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے، وہی تمہارے مقابلے میں میری مدد کرے گا۔ اسی کی طرف میری تمام تر توجہ اور رجوع ہے۔ (مظہری ۲۳۹/۵)

مشرکین کی فرمائش

۳۲،۳۱- وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِعَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كَلِمٌ بِهِ الْمَوْتُ مَبْلُغٌ لِلَّهِ الْأَمْرُ جَمِيعًا ۖ أَفَلَمْ يَأْنِسِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَهْدَى النَّاسَ جَمِيعًا ۚ وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا أَتُصِيبُهُمْ بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةٌ أَوْ تَحُلُّ قَرِيبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتَّى يَأْتِيَ وَعْدُ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۚ وَلَقَدْ

اسْتَهْزِئْ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَامْلَيْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ
اُخَذْتَهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝

اور اگر کوئی ایسا قرآن (نازل) ہوتا جس سے پہاڑ ٹل جاتے یا زمین ٹکڑے
ٹکڑے ہو جاتی یا اس کے ذریعہ مردے بولنے لگتے (تب بھی یہ لوگ ایمان نہ
لائے) بلکہ سب کلام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ کیا پھر بھی ایمان والوں کو اس
پر خاطر جمع نہیں ہوئی کہ اگر اللہ چاہے تو سب کو ہدایت دے دے اور
کافروں کو تو ان کی بد اعمالی کے سبب، ہمیشہ کوئی نہ کوئی مصیبت پہنچتی رہے گی
یا وہ بلا ان کے گھر کے دروازے پر آکرے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ
پورا ہو جائے۔ بیشک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ اور اللہ آپ سے پہلے
بھی بہت سے رسولوں کے ساتھ استہزاء ہو چکا ہے۔ سو ہم نے منکروں کو
مہلت دی پھر ان کو پکڑ لیا۔ سو (دیکھ لو) میرا عذاب کیسا (تخت) تھا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ : وہ مایوس ہوتا ہے۔ وہ ناامید ہوتا ہے۔ یاس سے مضارع۔
قَارِعَةً : کھڑکھڑا دینے والی قیامت۔ سخت مصیبت قرع سے اسم فاعل۔
تَحُلُّ : وہ نازل ہوگی۔ وہ اترے گی۔ حُلُول سے مضارع۔
أَمْلَيْتُ : میں نے ڈھیل دی۔ میں نے مہلت دی۔ اَمْلَأ سے ماضی۔
عِقَابِ : عقوبت، عذاب، سزا۔ مصدر ہے۔

شان نزول : طبرانی وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا ہے
کہ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اگر وہ صحیح ہے
تو آپ ہمارے مردہ اسلاف کو ہم سے ملا دیں تاکہ ہم ان کو دیکھیں اور ان سے باتیں کریں (اور وہ
آپ کی تصدیق کریں) اور مکہ کے پہاڑوں کو (ان کی جگہ سے ہٹا کر) پھیلا دیں اور اس زمین کو کشادہ
کر دیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۲۳۹/۵)

ابو نعیم نے دلائل النبوة میں زبیر بن العوام کی حدیث سے بیان کیا کہ جب آیت وَأَنْذَرُ
عُشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی قیس پہاڑ پر چڑھ
کر بلند آواز سے پکارا: اے آل عبد مناف! بیشک میں خبردار کرنے والا ہوں۔ پھر جب قریش کے
لوگ آپ کے پاس آئے تو آپ نے ان کو (آخرت کے بارے میں) ڈرایا اور ان کو خبردار کیا۔ پس

انہوں نے کہا کہ آپ کا گمان ہے کہ آپ نبی ہیں، آپ پر وحی کی جاتی ہے اور یہ کہ (حضرت سلیمان علیہ السلام) کے لئے ہوا اور پہاڑوں کو مسخر کر دیا گیا تھا۔ اور (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کے لئے سمندروں کو مطیع کر دیا گیا تھا اور یہ کہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ سو آپ بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان پہاڑوں کو چلا کر ہمارے پاس سے دور لیجائے۔ اور زمین کو پھاڑ کر ہمارے لئے بہریں جاری کر دے تاکہ ہم کھیتی باڑی کر کے خوراک حاصل کریں اور یا یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمارے مردوں کو زندہ کر دے تاکہ ہم ان سے باتیں کریں اور وہ ہم سے باتیں کریں اور یا یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ اس پہاڑ کو جو آپ کے نیچے ہے (جبل ابی قیس) سونے کا بنادے تاکہ ہم اس کو کھود (کر نفع حاصل کر) لیں اور ہم سردی و گرمی کے سفروں سے بے نیاز ہو جائیں۔ کیونکہ آپ کا گمان ہے کہ آپ بھی انہیں (پتھروں) کی مانند (پتھر) ہیں۔ اسی کے بارے میں وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نَرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ۔۔۔۔۔ تین آیات تک اور آیت وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ نَازِلٌ ہوتیں۔ (روح المعانی ۱۵۸ / ۱۳)

تشریح: یہاں قرآن سے مراد عام کتاب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ایسی کتاب اتاری جاتی جس سے تمہارے یہ فرمائشی معجزے پورے ہو جاتے تو اس قرآن کے سوا اور کون سی کتاب ہو سکتی تھی۔ یہی قرآن ہے جس نے پہاڑوں کی طرح جے ہوئے لوگوں کو روحانی طور پر ان کی جگہ سے ہٹا دیا، بنی آدم کے قلوب کی زمینوں کو پھاڑ کر معرفت الہی کے چشمے جاری کر دیئے۔ اللہ تک پہنچنے کے رستے برسوں کی جگہ منٹوں میں طے کرا دیئے، مردہ قوموں اور دلوں میں ابدی زندگی کی روح پھونک دی۔ جب ایسے قرآن سے تمہیں ہدایت و شفاء نصیب نہ ہوئی تو اگر تمہارے طلب کردہ معجزے مادی طور پر بھی تمہیں دکھا دیئے جاتے تب بھی کیا امید تھی کہ تم ایمان لے آتے اور نئی کج بحثیاں شروع نہ کر دیتے۔ تم تو ضدی اور سرکش واقع ہوئے ہو۔ تم کسی معجزے کو دیکھ کر ایمان لانے والے نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہدایت و گمراہی اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ہدایت اسی کو حاصل ہوتی ہے جو قبول حق کی خواہش و تڑپ رکھتا ہو۔

بعض مسلمانوں کو اذراہ شفقت یہ خیال ہوا کہ کاش کوئی بڑی نشانی ظاہر ہو جاتی تو شاید یہ لوگ ایمان لے آتے۔ اس لئے ان کی تسلی و اطمینان کے لئے فرمایا کہ تم اطمینان رکھو، اگر اللہ چاہے تو کوئی معجزہ دکھائے بغیر ہی سب کو راہِ راست پر لے آئے۔ لیکن یہ اس کی عادت و حکمت

کے خلاف ہے۔ ان کافروں کو ان کے کرتوتوں کی سزا میں ایک نہ ایک مصیبت ہمیشہ پہنچی رہے گی یا ان کے گھروں کے قریب، ان کے آپس پاس والوں پر کوئی نہ کوئی مصیبت نازل ہوتی رہے گی جسے دیکھ کر یہ لوگ عبرت پکڑیں اور نصیحت حاصل کریں جہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آپہنچے اور مکہ فتح ہو جائے اور جزیرۃ العرب شرک کی نہاست سے پاک و صاف ہو جائے اور اسلام تمام دینوں پر غالب آجائے جس کا اس نے وعدہ کر رکھا ہے۔ بیشک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

جس طرح یہ کافر آپ سے استہزاء اور تمسخر کرتے ہیں اسی طرح آپ سے پہلے پیغمبروں سے بھی استہزاء کیا جاتا تھا۔ سو آپ اس پر رنجیدہ نہ ہوں۔ پس میں نے ان مسخروں کو فوراً نہیں پکڑا بلکہ میں نے ان کو بہلت دے رکھی تھی، تاکہ وہ دل کھول کر انبیاء کا مذاق اڑالیں۔ پھر جب وہ حد سے بڑھ گئے تو میں نے ان کو اچانک عذاب میں پکڑ لیا۔ سو دیکھو میرا عذاب کیسا بر محل واقع ہوتا ہے۔ جو لوگ آپ کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرتے ہیں میں ان کے ساتھ بھی یہی سلوک کروں گا۔
(عثمانی ۴۰۸، ۴۰۹، ۱ / معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۰۴ / ۴)

مشرکین کے باطل عقائد

۳۳، ۳۴ لَفَعْنِ مَوْقَانِمَ عَلٰی كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوا لِلّٰهِ
شُرَكَاءَ ۚ قُلْ سَمُّوْهُمْ ۚ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ اَمْ
بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۚ بَلْ زَيْنٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصَدُّوا
عَنِ السَّبِيْلِ ۚ وَ مَن يُضِلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ مَّارٍ ۚ لَّهُمْ عَذَابٌ
فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ
مِنْ وَّاقٍ ۝

بھلا کیا وہ ذات جو ہر ایک کے عمل سے باخبر ہے (بتوں کے برابر ہے) اور ان لوگوں نے اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں۔ آپ ان سے کہتے کہ تم ان (بتوں) کے نام تو لو یا تم اللہ کو ایسی بات بتاتے ہو جسے وہ زمین میں نہیں جانتا یا تم یونہی باتیں بناتے ہو بلکہ ان کافروں کو اپنی فریب کی باتیں بھلی معلوم ہوتی ہیں اور (اسی وجہ سے) یہ لوگ راہ (راست) سے محروم رہ گئے اور جس کو اللہ گمراہ کر

دے پھر اس کو ہدایت دینے والا کون ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی عذاب ہے اور اللہ آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے اور کوئی نہیں ان کو اللہ سے بچانے والا۔

تشریح: اللہ تعالیٰ ہر انسان کا حافظ و نگہبان ہے اور ہر ایک کے اچھے اور برے اعمال سے باخبر ہے۔ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ کوئی کام اس کی بے خبری میں نہیں ہوتا۔ ہر جاندار کی روزی اس کے ذمہ ہے، ہر ایک کے ٹھکانے کا اسے علم ہے۔ ہر بات اس کی کتاب میں لکھی ہوئی ہے وہ ہر کھلی اور چھپی بات کو جانتا ہے۔ وہ ہر ایک کے ساتھ ہے اور اس کے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ کیا ایسی صفات والا خدا تمہارے باطل معبودوں جیسا ہو سکتا ہے جو محض عاجز و بے خبر ہیں۔ نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ وہ اپنے لئے کسی چیز کے مالک ہیں نہ کسی اور کے نفع و نقصان کا انہیں اختیار ہے۔

ان لوگوں نے اللہ کے ساتھ اوروں کو شریک ٹھہرا رکھا ہے اور وہ ان عاجز و بے بس معبودوں کی عبادت کرتے ہیں۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم ذرا ان معبودوں کے نام تو بتاؤ اور ان کے حالات تو بیان کرو تاکہ دنیا کو پتہ چل جائے کہ وہ کیسے عاجز و بے حقیقت ہیں۔ کیا ان میں اللہ تعالیٰ کی مذکورہ صفات میں سے کوئی صفت پائی جاتی ہے۔ کیا تم اللہ کو ایسی باتیں بتاتے ہو جن کا وجود ہی نہیں۔ بفرض محال اگر زمین میں اس کا کوئی شریک ہوتا تو وہ اللہ کے علم میں ضرور ہوتا کیونکہ کوئی چیز اس سے مخفی نہیں یا تم صرف اٹکل بچو باتیں بنا رہے ہو اور گپ مار رہے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ کافروں کو ان کا مکرو فریب، بھلا دکھائی دے رہا ہے، وہ اپنے کفر و شرک پر نازاں ہیں۔ دن رات اسی میں مگن ہیں اور دوسروں کو بھی اسی طرف بلا رہے ہیں۔ ان کے مکرو فریب کی وجہ سے ان لوگوں کو سیدھے رستے سے روک دیا گیا ہے۔ سو جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کو کون راہِ راست پر لاسکتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے دنیا میں بھی عذاب ہے جیسے مومنوں کے ہاتھوں قتل و غارت ہونا اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے کیونکہ وہ شدید ہونے کے ساتھ ساتھ دائمی بھی ہے۔ کوئی نہیں جو ان کو اللہ کے عذاب سے بچا سکے۔

پرہیزگاری کا بدلہ

۳۷، ۳۵ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعدَ الْمُتَّقُونَ ۖ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ أُكُلُهَا دَائِمٌ وَظُلُّهَا ۖ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ اتَّقَوْا ۖ وَعُقْبَى الْكَافِرِينَ النَّارُ ۝ وَالَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابُ يَفْرَحُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمِنَ الْأَحْزَابِ مَنْ يُنْكِرُ بَعْضَهُ ۖ قُلْ إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا أُشْرِكَ بِهِ ۖ إِلَيْهِ أَدْعُوا وَإِلَيْهِ مَأْبٍ ۝ وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۖ وَلَئِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَ مَمَّ بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۖ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا وَاقٍ ۝

جس جنت کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کا حال (یہ ہے) کہ اس کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اس کا پھل اور اس کا سایہ دائمی ہے۔ یہ تو پرہیزگاروں کا انعام ہے اور کافروں کا انہام دوزخ ہو گا اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ تو اس (کتاب) سے خوش ہوتے ہیں جو آپ پر نازل کی گئی ہے اور ان جماعتوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اس کے بعض حصے کا انکار کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں۔ میں اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے جانا ہے۔ اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا اور اگر آپ اپنے پاس علم آجانے کے بعد بھی ان کی خواہشوں پر چلیں گے تو اللہ کے مقابلے میں نہ کوئی آپ کا مددگار ہو گا اور نہ بچانے والا۔

تشریح: پرہیزگاروں سے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس کی ایک صفت تو یہ ہے کہ اس کے چاروں طرف نہریں جاری ہیں جن کا پانی خراب نہیں ہوتا۔ پھر دودھ کی نہریں ہیں جن کے دودھ کا مزہ کبھی نہیں بگڑتا۔ شراب کی نہریں ہیں، جس میں صرف لذت ہی لذت ہے۔ اس میں نہ بدمزگی ہے اور نہ بیسودہ نشہ۔ اور اس میں صاف شہد کی نہریں ہیں اور ہر قسم کے پھل ہیں، جو ہمیشہ رہیں گے۔ اس کی کھانے پینے کی چیزیں کبھی فنا نہیں ہوں گی۔ قرآن کرم میں دوسری جگہ

ارشاد ہے:

وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ لَّا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ

(سورۃ واقعہ - آیت ۳۳)

وہاں بکثرت میوے ہوں گے، نہ کبھی کٹیں گے اور نہ ٹوٹیں گے اور نہ کبھی ختم ہوں گے۔

قرآن کریم میں جنت اور دوزخ کا ذکر ساتھ ساتھ آتا ہے تاکہ لوگوں کو جنت کا شوق ہو اور دوزخ کا خوف۔ یہاں بھی جنت اور اس کی چند نعمتوں کے ذکر کے بعد فرمایا کہ یہ پر میز گاروں کا انہام ہے اور کافروں کا انہام دوزخ ہے۔

پھر فرمایا جن لوگوں کو اس سے پہلے آسمانی کتاب (توریت و انجیل وغیرہ) دی گئی تھی اور وہ اس پر عمل بھی کرتے رہے، جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی اور حبش کے عیسائی مسلمان وغیرہ، تو ایسے لوگ اس کتاب سے خوش ہوتے ہیں جو آپ پر نازل کی گئی کیونکہ آپ کی بشارت و صداقت ان کی کتابوں میں موجود ہے۔ البتہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اس قرآن کی بعض باتوں کو نہیں ملتے جو ان کی دنیوی اغراض و منافع میں رکاوٹ بنتی ہیں یا ان کی شریعتوں کے موافق نہیں۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تمہیں اپنا اختیار ہے کہ تم اپنے احمقانہ عقائد پر قائم رہو۔ مجھے تو اللہ کی طرف سے یہی حکم ہے کہ میں اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں۔ میں لوگوں کو بھی اسی خدائے واحد کی طرف بلاتا ہوں اور اسی خدا کی طرف مجھے واپس جانا ہے۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جس طرح ہم نے آپ سے پہلے نبی بھیجے، ان پر انہیں کی زبانوں میں کتابیں نازل فرمائیں ہیں، اسی طرح ہم نے اس قرآن کو آپ پر نازل فرمایا۔ یہ قرآن محکم و مضبوط ہے اور عربی زبان میں ہے جو آپ کی اور آپ کی قوم کی زبان ہے تاکہ آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے اس کا سمجھنا اور سمجھانا آسان ہو۔ یہ آپ پر اللہ کا خاص احسان و انعام ہے۔ اگر بغرض محال آپ نے اس خدائی علم اور وحی الہی کے آجانے کے بعد بھی ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو آپ کو اللہ کے عذاب و گرفت سے بچانے والا اور آپ کی مدد کرنے والا کوئی نہ ہو گا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۰۶، ۱۰۹ / ۳، ابن کثیر ۵۱۷، ۵۱۸ / ۲)

اللہ تعالیٰ کا مالک و مختار ہونا

۳۱،۳۸۔ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا
وَذُرِّيَّةً ۖ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ لِكُلِّ
أَجَلٍ كِتَابٌ ۝ يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ ۚ وَعِنْدَ أُمِّ
الْكِتَابِ ۝ وَإِنَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتُوفِّيَنَّكَ
فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي
الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ۚ وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقَّبُ
لِحُكْمِهِ ۚ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ سے پہلے بھی ہم (اہت سے) رسول
بجج چکے ہیں اور ہم نے ان کو بیویاں اور اولاد دی تھی اور کسی بھی رسول کے
اختیار میں نہ تھا کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی معجزہ لاتا۔ ہر مدت کے لئے
ایک تحریر ہے۔ (اس میں سے) اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے
قائم رکھتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب (لوح محفوظ) ہے۔ اور (اے محمد
صلی اللہ علیہ وسلم) خواہ ہم آپ کو (آپ کی زندگی میں) ان وعدوں میں سے
بعض وعدے دکھا دیں جو ہم نے ان سے کئے ہیں یا (اس سے پہلے) ہم آپ کو
وفات دے دیں۔۔۔ ہر حال آپ کے ذمہ تو صرف (پیغام حق) پہنچا دینا ہے اور
حساب لینا ہمارا کام ہے۔ کیا وہ نہیں دیکھ رہے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں
سے گھٹاتے چلے آتے ہیں اور اللہ (جو چاہتا ہے) حکم کرتا ہے۔ اس کے حکم کو
کوئی نہیں ٹال سکتا اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔

أَجَلٍ: کسی چیز کی مدت۔ وقت۔ موت کا وقت۔ مہلت۔ جمع أَجَالٌ۔ یہاں مراد یہ

ہے کہ ہر ایک وقت کا ایک حکم ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اپنی حکمت کے

مطابق فرض کیا ہے۔ (تفسیر نسفی ۲/۲۵۲)

أُمُّ الْكِتَابِ: ہر کتاب کی اصل۔ اس سے لوح محفوظ مراد ہے کیونکہ ہر بات جو ہونے والی

ہے وہ اس میں تحریر ہے۔ (تفسیر نسفی ۲/۲۵۲)

اس سے مراد سورۃ فاتحہ بھی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ بلاشبہ ام الکتاب سورۃ فاتحہ ہے کیونکہ وہ تمام نمازوں میں ہر سورت سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اُمُّ الْکِتَابِ سے مراد شروع سے آخر تک پورا قرآن کریم ہے۔ (لسان العرب ۳۱ / ۱۲)

وہ محو کرتا ہے۔ وہ مٹاتا ہے۔ مٹوٹے مضارع۔

بٹانے والا۔ رد کرنے والا۔ تَعْقِیْبٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: حقیقت یہ ہے کہ آپ سے پہلے بھی ہم نے بہت سے پیغمبر بھیجے۔ جس طرح آپ انسان ہونے کے باوجود اللہ کے رسول ہیں اسی طرح وہ بھی فرشتے نہیں تھے بلکہ عام انسانوں کی طرح انسان تھے۔ آپ بھی کھاتے پیتے ہیں، بیوی بچوں والے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں، اسی طرح وہ بھی کھاتے پیتے تھے اور بیوی بچوں والے تھے۔

پھر فرمایا کہ نبی کے اختیار میں نہیں کہ وہ اپنی مرضی سے ایسا معجزہ ظاہر کر دے جو اس سے طلب کیا جائے کیونکہ سب پیغمبر بندے ہیں، رب نہیں۔ معجزے کا ظاہر ہونا صرف اللہ کے ارادے اور مشیت اور اس کی حکمت و مصلحت پر موقوف ہے۔ وہ جب چاہتا ہے ظاہر کر دیتا ہے ہر چیز کا مقررہ وقت اللہ نے تحریر کر دیا ہے۔ اس تحریر میں ہر چیز کی ابتداء اور انتہاء لکھی ہوئی ہے۔ مثلاً اللہ نے ازل میں لکھ دیا ہے کہ زید فلاں وقت پیدا ہو گا اور اتنی مدت تک زندہ رہے گا۔ کافر ہو گا یا مومن وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح اللہ نے ہر معجزے کے ظہور کا وقت بھی لکھ دیا ہے کہ فلاں معجزہ فلاں وقت ظاہر ہو گا۔ لوگ اس کی طلب میں خواہ کتنی ہی عجلت کریں، وہ مقررہ وقت سے پہلے ظاہر نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ مالک و مختار ہے۔ اس نے اپنی حکمت، ارادہ اور مشیت سے ہر چیز کا ایک وقت مقرر کر دیا ہے مگر وہ اس پر لازم نہیں۔ وہ اس میں جس طرح چاہتا ہے تغیر و تبدل کرتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے اپنی قدرت و حکمت سے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ثابت و برقرار رکھتا ہے۔ اسی کے پاس ام الکتاب ہے۔ حضرت کعب نے فرمایا کہ اس سے مراد اللہ کا علم ہے۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ کی زندگی ہی میں ان پر کوئی عذاب نازل ہو جائے اور کافروں کی ذلت و خواری آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں یا ہم ان وعدوں کے واقع ہونے سے پہلے آپ کو وفات دے دیں اور آپ کی زندگی میں ان کو کامل شکست نہ ہو تو آپ اس کی فکر نہ کریں۔

آپ کے ذمہ تو ہمارا پیغام پہنچا دینا ہے۔ ان سے حساب لینا اور ان کو سزا دینا ہمارے ذمہ ہے۔ قیامت کے روز جب یہ ہمارے پاس آئیں گے تو ہم ان کو ان کے اعمال کے مطابق سزا دیں گے۔ کیا مکہ کے کافر یہ نہیں دیکھتے کہ مسلمان کافروں کے علاقے فتح کرتے چلے جا رہے ہیں۔ کیا ان کی عبرت کے لئے یہ مشاہدہ کافی نہیں۔ بعض دہلے تفسیر کے نزدیک زمین کی کمی سے مراد ویرانی اور تباہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کیا ان کافروں کو یہ نظر نہیں آتا کہ ہم ان کی آبادیوں کو اجاڑ رہے ہیں اور ان آبادیوں میں رہنے والوں کو ہلاک کر رہے ہیں۔ اللہ اپنی مخلوق کے معاملات میں جیسا چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ کوئی اس کے حکم کو ٹلنے اور توڑنے والا نہیں۔ وہ بہت جلد ان سے حساب لینے والا ہے۔

(مظہری ۲۳۵، ۲۳۸ / ۵، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۱۵ / ۴)

آپ کی صداقت پر اللہ کی گواہی

۴۳، ۴۲ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلَّهِ الْمَكْرُ جَمِيعًا ۖ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۖ وَسَيَعْلَمُ الْكُفْرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا الْوَسْطُ مُرْسَلًا ۚ قُلْ كَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ۖ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَ اللَّهِ عِلْمُ الْكِتَابِ ۝

اور ان سے پہلے لوگ (کافر) بھی تدبیریں کر چکے ہیں۔ سو سب تدبیریں اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ جو شخص جو کچھ بھی کرتا ہے اللہ کو سب خبر رہتی ہے۔ کافروں کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ آخرت کا گھر کس کے لئے ہے۔ اور کافر کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان (میری نبوت پر) اللہ کی گواہی کافی ہے اور اس شخص کی گواہی کافی ہے جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا علم ہے۔

تشریح: جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں وہ خوب سمجھ لیں کہ گزشتہ اقوام میں سے جو کافر تھے انہوں نے بھی اپنے اپنے انبیاء اور مومنوں سے مکر و فریب کئے تھے لیکن ان کے سب مکر و فریب بے کار گئے۔ اللہ نے انہیں تباہ و برباد کر دیا کیونکہ سب مکر

و فریب اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے ہر عمل سے باخبر ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ کافروں کو بہت معلوم ہو جائے گا کہ کس کا انہماک اچھا ہوا ان کافروں کا یا مومنوں کا۔

مشرکین مکہ آپ کو جھٹلاتے ہیں اور آپ کی رسالت کا انکار کر رہے ہیں۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تمہارے جھٹلانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے کیونکہ اس نے میری رسالت کی صداقت ایسے دلائل سے واضح کر دی ہے جن کے بعد کسی اور شاہد کی ضرورت نہیں۔ وہ قیامت کے روز اس کا فیصلہ کر دے گا۔ اس وقت ان منکروں کے پاس کوئی عذر نہ ہو گا۔ نیز جس کے پاس کتاب الہی کا صحیح علم ہے وہ بھی میری نبوت و رسالت کا کافی گواہ ہے یعنی دل کتاب میں سے مستحضر لوگ آپ کی تصدیق کریں گے اور آپ کی نبوت کی شہادت دیں گے۔ (مظہری ۲۴۹/۵)

جنت کی ضمانت

- حضرت انس رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا! تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دو، میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔
- ۱۔ جب تم میں سے کوئی بات کرے تو جھوٹ نہ بولے۔
 - ۲۔ جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف نہ کرے۔
 - ۳۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت نہ کرے۔
 - ۴۔ اپنی نگاہ نیچی رکھو۔
 - ۵۔ اپنے ہاتھوں کو (ظلم کرنے سے) روک لو۔
 - ۶۔ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔ (رواہ ابو یعلیٰ)

مقالاتِ زواریہ

ترتیب: سید فضل الرحمن

- ① فقیہ العصر حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریباً ۱۴۰ انشری تقاریر اور علمی مقالات کا ضخیم مجموعہ۔
- ② طلباء، علماء، مقررین اور واعظین کے لئے ایک بیش بہا تحفہ، اور عوام و خواص کے لئے یکساں مفید۔
- ③ تمام تقاریر اور مضامین کی زبان نہایت سادہ، اندازِ بیاں عام فہم اور قرآنی آیات و احادیث کی دلنشین تشریح ہے۔
- ④ تمام قرآنی آیات کی اصل عربی عبارت اور اسکا مکمل حوالہ دیا گیا ہے۔
- ⑤ بعض ایسے جدید مسائل پر محققانہ بحث کی گئی ہے جو اہل علم کے ہاں اختلافی رہے ہیں۔
- ⑥ روزمرہ پیش آنے والے مسائل و مشکلات پر تبصرہ اور سماجی و معاشرتی برائیوں کے انسداد و سد باب کے لئے قرآن و سنت کی روشنی میں تہاویز پیش کی گئی ہیں۔
- ⑦ اس مجموعہ کو درج ذیل سات ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔
 - (۱) قرآنی تعلیمات، (۲) ایمان و دعوتِ اسلام، (۳) احکامِ دین،
 - (۴) تہارت و معیشت، (۵) اخلاق و حقوق، (۶) تصوف و سلوک،
 - (۷) سیرت و سوانح
- ⑧ خوبصورت اور دلکش رنگین سرورق، اعلیٰ کمپیوٹر کمپوزنگ، نہایت نفیس آفسٹ طباعت اور مضبوط جلد بندی کی اضافی خوبیوں کے ساتھ۔ اہل علم کے لئے ایک گرانقدر تحفہ،

نور ال کبیر می پبلی کیشنز کی لائبریری اور مفید مطبوعات

- ۱۔ احسن البیان فی تفسیر القرآن: قرآن کریم کی عام فہم تفسیر جو عوام الناس کے لئے بے حد مفید ہے، از سید فضل الرحمن، جلد اول سورۃ فاتحہ و بقرہ صفحات ۴۴۸، جلد دوم سورہ آل عمران و نساء صفحات ۴۰۸، جلد سوم سورہ مائدہ، انعام، اعراف صفحات ۴۶۳، جلد چہارم سورہ انفال تا سورہ رعد صفحات ۴۶۳۔
- ۲۔ استحکام پاکستان، سیرت طیبہ کی روشنی میں، سیرت ایوارڈ یافتہ مقالہ، سید عزیز الرحمن صفحات ۶۰۔
- ۳۔ افکار زواریہ، حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمہ اللہ کے افکار و معارف کا گرانقدر مجموعہ ترتیب سید فضل الرحمن صفحات ۲۸۰۔
- ۴۔ تاریخ خط و خطاطین۔ خط اور خطاطی کی پوری تاریخ، اردو میں اپنی نوعیت کی منفرد کتاب، از پروفیسر سید محمد سلیم۔
- ۵۔ تحریک پاکستان کے فکری محرکات، سیرت ایوارڈ یافتہ مقالہ، از سید فضل الرحمن، صفحات ۹۶۔
- ۶۔ تحفہ ابراہیمہ، سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگ حضرت مولانا دوست محمد قدہاری رحمہ اللہ کے مکاتیب۔
- ۷۔ تعمیر شخصیت و فلاح انسانیت، سیرت ایوارڈ یافتہ مقالہ، از سید عزیز الرحمن، صفحات ۶۰۔
- ۸۔ خطبہ حج الوداع، اردو ترجمے کے ساتھ، از سید فضل الرحمن، صفحات ۴۴۔
- ۹۔ خطوط ہادی اعظم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستیاب شدہ ۶ مکتوبات کا عکس مع متعلقہ تفصیل، از سید فضل الرحمن، صفحات ۷۲۔
- ۱۰۔ رہبر حج، حج و عمرے کے احکام کی مکمل تفصیل، از سید فضل الرحمن جیبی سائز، صفحات ۱۹۲۔
- ۱۱۔ عمدۃ السلوک (جدید نظر ثانی شدہ ایڈیشن) تصوف و سلوک پر مشہور و مقبول کتاب جس کے دیسوں ایڈیشن نکل چکے ہیں، از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔
- ۱۲۔ مقالات زواریہ، حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب کی نشری تقاریر اور علمی مقالات کا ضخیم مجموعہ۔ جس میں آپ کے ۱۳۹ مضامین اور تقاریر شامل ہیں۔
- ۱۳۔ موسیقی کی حقیقت، قرآن کریم اور فقہاء کے اقوال کی روشنی میں موسیقی کا حکم مع چہل احادیث صفحات ۴۰۔
- ۱۴۔ ہادی اعظم، سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا جامع اور مستند ترین مجموعہ، صفحات ۹۱۲، از سید فضل الرحمن۔
- ۱۵۔ ہادی اعظم کا شجرہ طیبہ، (چارٹ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکمل سلسلہ نسب تحقیق اور حوالوں کے ساتھ، چار رنگوں کے خوبصورت و دیدہ زیب آرٹ پیپر پر۔